عورت، اسلام اور عصری سائنس



مصنف: ہارون یحییٰ

ترجمہ: مصباح اکرم

ترتیب و تحقیق: مفتی محمد وسیم اکرم القادری ایم اے۔ ایم فل
لیکچرار، سورس گروپ آف کالجز، عبداللہ کیمپس سمبڑیال

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائیل میں فری

حاصل کرنے کے لیئے

ٹیلیگرام چینل لنک

https://t.me/tehqiqat

آرکاریو لنک

https://archive.org/details

/@zohaibhasanattari

بلوگسپوٹ لنک

https://ataunnabi.blogspot

.com/?m=1

طالب دعا۔ زوہیب حسن عطاری

عورت، اسلام اور عصری سائنس

اس کتاب میں اسلام سے پہلے عورت کی حالت زار، زمانہ جاہلیت اور عورت، یہودیت اور عورت، عیسائیت اور عورت، دیگر مشہور تہذیبیں اور عورت، بچیوں کو زندہ درگور کرنا، عورتوں سے نفرت، جاگیر میں عورتوں کا حصہ نہ دینا، عورتوں کے حقوق کو غصب کرنا، اسلامی عورت کا مقام و مرتبہ، نکاح، پرورش اولاد، عورت کے اسلامی حقوق، طلاق، حق خلع، نفقہ، جنسی آزادی اور گھریلو ذمہ داری جیسے بے شمار موضوعات پر مشہور و معروف محقق، عظیم اسلامی سکالر، ہارون یحییٰ کی عالمی شہرت یافتہ تصنیف "الاسلام دین عام خالد" کے ایک جزء کا منتخب ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مصنف: ہارون یحییٰ
ترجمہ: مصباح اکرم

ترتیب و تحقیق: مفتی محمد وسیم اکرم القادری (ایم اے۔ایم فل)
(لکچرار: سورسن گروپ آف کالجز، عبداللہ کیمپس سمبڑیال)

مشتاق بک کارنر الکریم اردو بازار لاہور

انتساب

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کے نام

جنہوں نے بعد از وفات نبی

اپنی ساری زندگی

دین اسلام کے لیے

وقف کردی

☆☆☆

فہرست

☆☆☆

باب نمبر 1:

اسلام سے قبل عورتوں کی حالت زار

روح عفت وعصمت کا زخم:

اسلام سے قبل سکون و آسودگی کی کیفیت سے قلوب خالی ہو چکے تھے۔ باہمی محبت و رافت کا وہ حال ختم ہو چکا تھا جو مرد اور عورت کو دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھاتا ہے۔ ازدواجی ہنگامہ آرائیوں کی روح عفت و عصمت تک ایک بے قیمت چیز ہو چکی تھی۔

ظلم و جور کا شکار:

ہر جگہ صنف نازک مردوں کے ظلم و جور کی شکار بنی ہوئی تھیں۔ مرد، مرد نہیں بلکہ نازک و کمزور صنف کے مقابلہ میں جنگل کا درندہ تھا۔ کرۂ زمین کی انسانی بستیوں کا یہ عام حادثہ تھا۔ اس سلسلہ میں شائستہ و ناشائستہ تمدن و غیر متمدن اقوام و افراد میں سچ پوچھیے تو چنداں فرق باقی نہ رہا تھا۔ چوپاؤں اور گھر کے دوسرے سامانوں کی طرح عورتیں خریدی اور بیچی جانے لگیں۔ مرد عورت پر اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے جبر و تشدد پر اتر آیا۔ حد یہ ہے کہ عورتوں کو بدکاری کے پیشہ تک اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، اپنی ہوس رانیوں کا ذریعہ بنانے کے ساتھ زرکشی کا ذریعہ بھی مردوں نے ان غریب عورتوں کو بنالیا تھا۔

عورتوں کو زنا پر مجبور کرنا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا" (سورۃ النور)

"اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو، بالخصوص اس وقت جب کہ وہ پاک دامن رہنا

چاہیں۔ تم کو تو صرف دینوی زندگی کا لالچ ہے۔"

عورتوں کو گروی رکھنا:

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جب کعب بن الاشرف کے یہاں گیا اور غلہ قرض دینے کی درخواست کی، تو اس نے کہا:

"ارھنونی نساء کم"

(صحیح بخاری، باب قتل کعب بن الاشرف)

"تم اپنی عورتیں میرے پاس گروی کردو۔"

اس واقعہ سے بھی اندازہ لگایئے کہ عورتیں کتنی مظلوم تھیں اور ان کی عصمت کتنی سستی خیال کی جاتی تھی۔

بیٹی کی پیدائش...... باعث ننگ وعار:

جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک مخلوق سمجھی جانے لگی تھیں، جن کا مقصد نسل انسانی کی ترقی اور مرد کی خدمت کرنا تھا۔ لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ وعار تھی، پیدا ہونے کے ساتھ ان کو زندہ درگور کر دینا اسی کو بعضوں نے اپنی شرافت وافتخار کا اقتضاء قرار دے رکھا تھا۔ جاہلیت کی تاریخ کے اس خاص حصہ کے متعلق قرآن مجید سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں عبرت کے لئے تو وہی کافی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ مسودا و ھو کظیم یتواریٰ من القوم من سوٓء ما بشر بہ ایمسکہ علیٰ ھون ام یدسہ فی التراب"

(سورۃ النحل، آیت نمبر 7)

"ان میں جب کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جائے تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے بیٹی کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے۔ ذلت برداشت کر کے اس کو رکھے یا زندہ درگور کر دے۔"

سورۃ الزخرف میں ہے:

"اذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلاً ظل وجھہ مسودا

و ھو کظیم"

(سورۃ الزخرف، آیت نمبر 2)

"ان میں جب کسی کو اس چیز کی خبر دی جائے جس کو وہ اللہ تعالیٰ سے مخصوص کرتا ہے (بیٹی) تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔"

جاہلی ذہنیت کی بوالعجبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک طرف فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بھی مانتے تھے اور دوسری طرف ان میں ہر کوئی لڑکی کا باپ بننے کی ذلت کو برداشت کرنے کے لئے بھی تیار نہ تھا۔ اسی فرضی تضاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید

"افاصفکم ربکم بالبنین و اتخذ من الملئکة اناثا انکم لتقولون قولاً عظیماً"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۴)

"کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے۔؟ بے شک تم بڑی سخت بات کرتے ہو۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"یجعلون للہ البنات سبحانہ و لھم ما یشتھون"

(سورۃ النحل، آیت نمبر 7)

"اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لئے بیٹے۔؟"

بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا اور اس کے اسباب:

یہ احساس تھا جاہلیت میں غریب لڑکیوں کے متعلق، پھر کون سا تعجب ہے اگر اکثر لوگ اس ذلت سے بچنے کے لئے بچیوں کو مار ڈالتے ہوں، انہی سنگ دلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

"و اذا الموؤدة سئلت بای ذنب قتلت"

(سورۃ التکویر)

"اور جب لڑکی سے جو زندہ در گور کر دی گئی تھی پوچھا جائیگا کہ وہ کس قصور کے بدلے مار ڈالی گئی۔؟"

ذلت ورسوائی کے علاوہ معاشی دشواریوں کا غلط احساس بھی قتل اولاد کے جرم کا سبب تھا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں حکم دیا گیا ہے:

"لا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقکم وایاھم"

(سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۹)

"اپنی اولاد کو غربت کی وجہ سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطئا کبیرًا"

(سورۃ بنی اسرائیل)

"اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو، کیونکہ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔"

جاہلیت میں شادی اور اس کے رسم ورواج:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں ہوتی تھیں:

1: ایک طریقہ تو یہی تھا جو آجکل رائج ہے۔

2: خاوند اپنی بیوی سے کہتا کہ جب تیرا حیض کا خون بند ہو جائے تو پاکی حاصل کرنے کے بعد فلاں مرد کے پاس چلی جا اور اس سے فائدہ حاصل کر، یعنی اس غیر مرد سے ہم بستر ہو۔ اتنی مدت شوہر اپنی اس عورت سے علیحدہ رہتا، جب تک اس کی عورت سے غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا، چنانچہ جب غیر مرد کا حمل نمودار ہو جاتا اب اگر شوہر کی خواہش ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس جاتا، ایسا جاہلیت میں اس لئے کرتے تھے کہ لڑکا نجیب ہو۔ اس کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا۔ گویا تخم حاصل کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا۔

3: تیسری شکل یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس متعدد مرد آتے اور لطف اندوز ہوتے، مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی، عورت کا جب حمل ظاہر ہوتا، بچہ پیدا ہوتا اور پیدا ہوئے کچھ دن گزر جاتے تو یہ عورت ان تمام مردوں کو قاصد کے ذریعہ بلا بھیجتی، کوئی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا

تھا۔ چنانچہ جب سب جمع ہو جاتے۔ یہ عورت کہتی:

"تم اپنے معاملے سے واقف ہو کہ میرے پاس وطی کے لئے آیا کرتے تھے۔ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔ یہ تمہارا بچہ ہے۔ تم اپنی پسند سے اس کا کوئی نام رکھو۔"

چنانچہ وہ لڑکا اس شخص کا ہو جاتا جس کا عورت نام لیتی۔ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

4: کچھ عورتیں ایسی تھیں جن کے دروازوں پر جھنڈے گڑے رہتے۔ یہ بازاری پیشہ ور عورتیں تھیں۔ جس کا جی چاہتا ان کے پاس جاتا۔ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا، تو تمام لطف اندوز ہونے والے جمع ہوتے اور قیافہ شناس بلایا جاتا۔ وہ اپنے علم پر جانچ کر اس بچہ کو ان مردوں میں جس کا کہہ دیتا وہ بچہ اسی کا ہو جاتا۔ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"فلما بعث محمد صلى الله عليه وسلم بالحق هدم نكاح الجاهلية كله الا نكاح الناس اليوم"

(صحیح بخاری، کتاب النکاح)

"پس جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حق لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلی نکاحوں کو بند کیا۔ صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج رائج ہے۔"

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتوں کی عصمت و عفت اپنی قدرتی قدر و قیمت سے محروم ہو چکی تھی۔ جہاں اپنی رضامندی سے شوہر ہی اپنی بیویوں کو اجنبی مردوں سے تخم حاصل کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے اسی سے اندازہ کیجئے کہ عورت اور اس کی عفت و عصمت کے متعلق جاہلی احساسات، دنارت و ذلت کے کن حدود تک پہنچ چکے تھے۔

جاہلیت میں مرد یہ سمجھتا تھا کہ عورت مہر کے عوض میرے ہاتھ بک گئی اور یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ مال متروکہ بن جاتی تھی۔

ضرب المثل:

عورتوں کے متعلق مختلف ملکوں میں جو مروجہ مثالی فقرے ہیں ان سے بھی عورتوں کی قدر و منزلت پر روشنی پڑتی ہے۔

روسی مثل ہے:

"دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔"

اطالیوں کا قول ہے:

”گھوڑا اچھا ہو یا برا اسے قابو کرنے والے کی ضرورت ہے۔ عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے۔“

اسپینی زبان میں مثل ہے:

”بری عورت سے بچنا چاہیے، مگر اچھی صورت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔“

(تمدن عرب، صفحہ نمبر ۳۷۳)

ہندوستان میں عورت پر ظلم وستم:

ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج کے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

”بیاہ آٹھ قسم کا ہوتا ہے: ایک براہم، دوسرا دیو، تیسرا آرش، چوتھا پرجاپت، پانچواں آسر، چھٹا گاندھرب، ساتواں راکشش، آٹھواں پیشاچ۔ ان بیاہوں کی تفصیل یہ ہے۔ دولہا دلہن کامل برہمچاری، پورے فاضل دھارمک اور نیک سیرت ہوں تو ان کا باہم رضامندی سے بیاہ ہونا براہم کہلاتا ہے۔ بڑے یگ میں عمدہ طور پر یگیر کرتے ہوئے داماد کو زیور پہنی ہوئی لڑکی دینا دیو ہے۔ دولھا سے کچھ لے کر وداہ ہونا آرش ہے۔ دونوں کا وداہ دھرم کی ترقی کے لئے ہونا پرجاپت ہے۔ دولہا دلہن کو کچھ دے کر بیاہ کرنا آسر ہے۔ بے قاعدہ بے موقع کسی وجہ سے دولہا دلہن کا بامرضی میل ہونا گاندھرب ہے۔ لڑائی کر کے جبراً یعنی چھین جھپٹ کر یا فریب سے لڑکی حاصل کرنا راکشش ہے۔ سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر بے ہوش ہوئی یا پاگل لڑکی سے بالجبر ہم بستر ہونا پیشاچ بیاہ کہلاتا ہے۔“

(ستیارتھ پرکاش، باب نمبر ۴، صفحہ نمبر ۱۱۸ اور ۱۱۷)

کتاب تمدن عرب میں ہے:

”خاندان کی چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج ہندوستان قدیم کا ایک جانا پہچانا رواج ہے۔“

(تمدن عرب، صفحہ نمبر ۳۶۸)

منوسمرتی ادھیائے ۹، نمبر ۵۹ کا خلاصہ یہ ہے:

”برہمنوں کے یہاں نیوگ کا رواج ہے کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں خسر وغیرہ

کے حکم کو پا کر عورت رشتہ دار سے یا دیور سے اولاد حسب دلخواہ حاصل کرے۔"

ستیارتھ پرکاش لکھتا ہے:

"بانجھ عورت ہو تو آٹھویں برس (بیاہ سے آٹھ برس) تک جب عورت کو حمل نہ ٹھہرے یا ہو کر مر جائے تو دسویں برس جب جب اولاد ہو تب تب لڑکیاں ہی ہوں، لڑکے نہ ہوں تو گیارھویں برس تک اور جو بدکلام ہونے والی ہو تو جلد ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر لے۔"

(ستیارتھ پرکاش، باب نمبر ۴، صفحہ نمبر ۱۵۲، ۱۵۳)

"ایسے ہی اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر کے اسی بیاہ میں خاوند کی وارث اولاد کرے۔ جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو، تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی عورت! تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر، کیونکہ اب مجھ سے اولاد نہ ہو سکے گی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے، لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمر بستہ رہے۔ ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے کہ کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کیجیے۔"

(ستیارتھ پرکاش، باب نمبر ۴، صفحہ نمبر ۱۵۲ اور ۱۵۳)

نیوگ کے اور بھی بیسیوں مواقع اس کتاب میں مذکورہ ہیں۔ یہ تو شادی بیاہ کا حال تھا۔ اب عورت کی ذات کے متعلق بھی سنیئے:

"تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ ان میں سے کوئی اس قدر خراب نہیں جتنی عورت خراب ہے۔"

منو کا قانون کہتا ہے:

"عورت صغر سنی میں باپ کی مطیع ہے، جوانی میں شوہر کی اور شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی اور اگر بیٹے نہ ہوں اپنے اقرباء کی، کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس لائق نہیں کہ خود مختار طور پر زندگی بسر کر سکے۔"

قدیم مقنن ہند میں ہے:

"کسی عورت کو زانیہ کہنے کے لئے اس قدر کافی ہے کہ وہ کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر علیحدہ رہی ہو جتنی دیر میں انڈا تلا جا سکتا ہے۔"

(تمدن عرب، 373)

قوم یہود اور عورت:

کتاب استثناء، باب نمبر ۲۵، آیت نمبر نمبر ۵ تا ۱۰ میں ہے:

"اگر دو بھائی یکجا رہتے ہوں اور ان میں سے ایک بے اولاد مر جائے تو اس متوفی کی بیوی کا بیاہ کسی اجنبی سے نہ کیا جائے، بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس سے خلوت کرے اور اسے اپنی بیوی بنائے اور بھاوج کا حق اسے ادا کرے اور یوں ہو گا کہ پہلوٹھا جو اس سے پیدا ہو تو اس کے متوفی بھائی کے نام کا شمار ہو گا، تا کہ اس کا نام اسرائیل سے نہ مٹ جائے۔ اگر یہ شوہر بننے سے انکار کرے تو اس کے بھائی کی بیوی ججوں کے سامنے اس کے نزدیک اپنے پاؤں کی جوتی نکالے اور اس کے منہ پر تھوک دے اور جواب دے اور کہے کہ اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی کا گھر نہ بنائے گا یہی کیا جائے گا اور اسرائیل میں اس کا نام یہ رکھا جائے کہ اس شخص کا گھر ہے جس کا جوتا نکالا گیا۔"

کتاب مقدس میں لکھا گیا ہے:

"عورت موت سے زیادہ تلخ ہے۔"

تورات میں ہے:

"خدا تیرے درد حمل کو بڑھائے گا۔ تو شوہر کی طرف رغبت کرے گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔"

(پیدائش، باب نمبر:۳)

موجودہ تورات کے مطابق شادی سے پہلے عورت باپ یا ولی کی ملکیت ہوتی ہے لہذا لڑکی کو اغواء کرنے والا قانوناً لڑکی کے والد کو جرمانہ ادا کرتا تھا چنانچہ لکھا ہے:

"اگر کوئی چھوکری کو فریب دے کر مباشرت کرے اور اس کی قیمت دے کر نکاح کرے تو اگر اس کا باپ راضی نہیں تو وہ کنواریوں کے اجراء کے مطابق نقدی

دے۔"

(خروج، آیت نمبر:۱۶ تا ۲۲)

دوسری جگہ ہے:

"اگر کوئی کنواری لڑکی کو پاوے جو کسی کی منگیتر تھی۔ اس کو پکڑ کر ہم بستر ہو تو وہ لڑکی کے باپ کو 50 مثقال چاندی دے (اگر پکڑے جائیں) اور زندگی بھر اسے طلاق نہ دے۔"

(استثناء:۲۲۔۲۸)

تورات میں ہے:

"عورت خاوند کی مملوکہ ہے۔ جب اس میں کوئی پلید بات دیکھے تو اس کو طلاق نامہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں دے اور اسے گھر سے باہر کر دے۔"

(استثناء:۲۴:۱)

بائبل میں درج ہے:

"اگر کوئی غلام نکاح کرے، اس کی بیوی سے اولاد ہو تو جب ساتویں برس آزاد ہو تو اکیلا جائے۔ اس کی اولاد آقا کی ملکیت ہو جائے گی۔"

(خروج، باب نمبر:۲۱)

ایک اور جگہ ہے:

"جب کسی اسیرانِ جنگ میں سے کوئی عورت پسند آئے تو وہ اس کو بیوی بنائے۔ اس کے بعد اگر اچھی نہ لگے تو اسے گھر سے نکال دے۔"

(استثناء:۲۱:۴)

تورات میں غیر اقوام کی عورتوں کو طلاق دینے کا تاکیدی حکم پایا جاتا ہے۔

(نحمیا، باب نمبر:۱۳۰، آیت نمبر ۲۰)

یہ تعلیمات بھی اسلام کے خلاف ہیں۔ اسلام نے طلاق کو حلال امور میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

یہودیت میں عورت ورثہ کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے اس کے والدین کی اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔ باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی تھیں جبکہ اسلام میں عورت کو معاشی آزادی ہے۔ اس کا کمایا ہوا مال اس کا اپنا ہوتا ہے اور وہ

اپنی آزاد مرضی سے اپنے مال میں تصرف کرسکتی ہے۔

بائبل میں ہے: "روبن نے جیتے جی اپنے باپ (یعقوب) کی منکوحہ پر قبضہ کرلیا۔"

(سموئیل دوئم: آیت نمبر ۱۶ تا ۲۰) (پیدائش، آیت نمبر ۲۲ تا ۲۸)

عیسائیت اور عورت:

ترتولیان مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام ہے، وہ عورت کے بارے میں مسیحی تصور کی ترجمانی ان لفظوں میں کرتا ہے:

"عورت شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی ہے۔ خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر کو غارت کرنے والی ہے۔"

کرائی سوسٹم جو ایک بڑا مسیحی امام شمار کیا جاتا ہے، عورت کے حق میں کہتا ہے:

"عورت ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔"

دیگر معاشرے اور ان میں صنف نازک کی ناقدری:

مشہور غیر مسلم ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے:

"یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے۔ اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اس کو مار ڈالتے تھے۔ اسپارٹا میں اس بدنصیب عورت کو جس سے کسی قوی سپاہی کے پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی، مار ڈالتے تھے، جس وقت کسی عورت کے بچہ ہو چکتا تھا تو فوائد کی غرض سے اس عورت کو دوسرے شخص کی نسل لینے کے لئے اس کے خاوند سے عاریتاً لے لیتے۔ یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانہ میں بھی بجز طوائف کے کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے۔ عہد قدیم کے باب واعظ میں لکھا ہے: "جو کوئی خدا کا پیارا ہے وہ اپنے کو عورت سے بچائے گا۔ ہزار آدمیوں میں سے میں نے ایک پیارا پایا ہے، لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی جو خدا کی پیاری ہوتی۔"

روم میں مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی۔ جس کا معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا اور شوہر کو پورا حق اس کی جان پر بھی حاصل تھا، اور یہی حال یونان کا تھا۔"

(تمدن عرب، صفحہ نمبر ۳۷۲ اور ۳۷۳)

عورتوں کا مردوں کے ساتھ اشتراک عمل:

قوموں کی تاریخ میں اس سے بڑھ کر تاریک پہلو اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ عورت کو مطلق العنان کر دیا جائے اور اس نرم و نازک آبگینے کو جو لطیف احساسات اور منفعل جذبات سے لبریز ہے، کارزار حیات میں پھینک دیا جائے اور قوی چٹانوں سے ٹکرا دیا جائے۔ عورت مردوں کے دوش بدوش کام کرے اور تمام دن اور رات کا ایک حصہ کارخانوں کے شعلوں اور دخانی بگولوں کے مابین یا سڑکوں پر طوفانی ہجوم کے درمیان گزارے۔ یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے کارخانوں کے اندر ایک عجیب ہنگامہ نظر آتا ہے۔ یہاں صنف نازک سخت و دشوار کام کرتی ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی زحمت کر کے ان سے سوال کریں کہ اس شعلہ زار جہنم میں کام کرنے کا ان کو روزانہ کیا صلہ ملتا ہے تو ان میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی زبانی یہ جواب ملے گا کہ اس کٹھن اور دشوار تر محنت کا صلہ (روزانہ ایک فرانک سے زائد نہیں ہے۔ یہ اس قدر قلیل رقم ہے کہ وہ مشکل ہی سے اپنی زندگی گزار سکتی ہیں۔ اگر ہم اس کے بعد لیڈی ڈاکٹروں اور ہندسہ ہیئت دان خواتین پر ایک نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ بڑے بڑے متمدن ممالک میں فی صدی پانچ کے تناسب سے نظر آئیں گی۔ "آزادی نسواں" کے علمبردار بجائے اس کے کہ وہ ہم کو اس "بلائے بے درماں" سے نجات دلائیں جیسا کہ یورپ و امریکہ کے حکماء و فلاسفہ کوشاں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہی خطرناک جراثیم ہماری فضا میں داخل کر دیں، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ہم یورپ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، لیکن کاش کہ انہوں نے ہماری اجتماعی اسلامی زندگی کی محفوظ فضاؤں کا تھوڑی دیر کے لیے اپنی خورد بینی نگاہوں سے معائنہ کیا ہوتا تو ان کو بخوبی علم ہو جاتا کہ ہم اپنی اسلامی روح کے اکتساب و فیضان کی وجہ سے ان جیسے خطرناک عمرانی امراض سے علیحدہ ہیں۔

"خاتون جدید" کا مصنف کہتا ہے:

"ہم پرزور الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ اہل صنعت و حرفت عورتوں کی تعداد میں سال بسال اضافہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ ہم اس راستہ پر چل رہے ہیں جس پر ہم سے پیشتر یورپ چل چکا ہے۔"

ہم مصنف کے اس نقطہ نظر سے بالکلیہ اختلاف رکھتے ہیں، کیونکہ ہم ہر طرح یورپ کی راہ پر گامزن نہیں ہیں۔ ان کی اجتماعی تشکیل اور ہماری اجتماعی ہیئت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو اولین لمحہ میں ہماری اور ان کی زندگی کے اصولوں اور ہمارے اور ان کے عمرانی عوامل و عناصر کے

درمیان بہت بڑا فرق نظر آئے گا۔ ہم ایک ایسی امت ہیں جس کے روابط وتعلقات اسلامی اصولوں سے مربوط و محکم ہیں اور ہمارے ذہن میں یہ امر مرکوز ہے کہ ہم عرش عظمت سے صرف اس لئے گر پڑے کہ ہم نے اسلامی اصولوں کو جو دنیا و آخرت کی سعادت کا موجب ہیں، پس پشت ڈال دیا۔ بخلاف امت اسلامیہ کے یورپ کی قومیں ایسی ہیں کہ ان میں قومیت و وطنیت کے عناصر کارفرما ہیں اور ان کے باہم جنسی علاقے مربوط ہیں' ان کے ذہن میں یہ بات جم چکی ہے کہ انہوں نے قدیم رسم و رواج کو چھوڑنے ہی کی بدولت ارتقائی منازل طے کیں۔ ہمارے اجتماعی عام اصولوں کا یہ بسیط نظریہ ہمارے اس دعویٰ کے لیے کافی ہے کہ ہم اسی صورت میں یورپ کے دوش بدوش اس کے تمام شعبوں میں چل سکتے ہیں جب کہ ہمارے تقلیدی رابطہ کی جگہ کوئی جنسی و قومی رابطہ لے لے اور ہمارے اذہان سے یہ تصور مٹ جائے کہ اوج سعادت تک ارتقاء محض ان تقلیدوں کو چھوڑنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کیا اس قسم کا دشوار گزار انقلاب ممکن ہے حالانکہ ہمارے علمی تجربات و مشاہدات برابر ہر دن ہمیں یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہماری زندگی کے اصول و مقاصد اور ہمارا اسلامی نظام حیات ہمارے لیے اکسیر شفاء اور ہمارے تمام زخموں کے لیے مرہم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک ہمارا اجتماعی رابطہ جنسی و قومی روابط کے شائبوں سے پاک رہے گا' ہمیں اس کی مطلق حاجت نہیں کہ ہم دنیا کی کسی قوم کی ان مسائل حیات میں پیروی کریں جو ہماری طبعی ترکیب کے متضاد ہمارے تہذیبی عناصر کے مخالف اور ہمارے مزاج دینی سے متصادم ہوں۔ اس کے علاوہ مغرب نے عورتوں کے باب میں جو روش اختیار کی ہے وہ حد درجہ خطرناک و مہلک ہے۔ جس کے متعلق ان کے بڑے بڑے علماء نے شہادت دی ہے' کیونکہ وہ عورتوں کے لیے مردوں کے مشاغل انجام دینے کو بہت بڑا اجتماعی مرض شمار کرتے ہیں۔ بھلا ہمیں یہ کب روا ہوگا کہ ہم ان کے امراض میں گھر جائیں اور ان میں گھل جائیں، پھر ہم خود کو مختلف عوارض و شکایات کا شکار بنا ڈالیں؟ اگر ہم کسی چیز میں ان کے نقش قدم پر چلنا ضروری سمجھتے ہیں تو کس لئے؟ ہم ایسی چیز کی تقلید نہ کریں جو واجبی ہے۔ ہمارے لیے یہ کسی طرح روا نہیں کہ بے سمجھے بوجھے ان کے اصول اخذ کر لیں اور بلا تحلیل و تجزیہ ان کے تمدن سے کوئی چیز کسب کریں۔

اس وقت ہمارے سامنے مغربی علماء و مفکرین کے بہت سے اقوال و آراء ہیں جو ہمارے اس موضوع سے متعلق ہیں۔ ان میں سے عورتوں کے مسئلہ سے علاقہ رکھنے والے اقوال کو ہم

یہاں پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر ہم خود اپنے ہاتھوں اپنی بیماریوں کا مداوا نہ کریں تو دیگر اقوام کے ہاتھوں سے ان کے ازالہ کی کوشش فضول اور فعل عبث ہے۔

پروفیسر جیوم فریرو نے 1896 میں ایک مجلّہ میں لکھا کہ ہمارے موجودہ تمدن میں، جس میں ہم سانس لے رہے ہیں، بہت سی خطرناک نشانیاں نمودار ہو گئی ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں بحث و جستجو کرنے والا نت نئی خطرناک علامتوں سے دوچار نہ ہوتا ہو۔ ہم اپنے آپ پر ایک طبیب کی ذمہ داری عائد کرتے ہوئے اطباء کی اس تشخیص کی تائید کی کوشش کریں جس کو انہوں نے ہمارے اس دور کے اجتماعی مرض کے لیے جدید درسی شکل میں رہبانیت کو تجویز کیا ہے۔ ہم بلا کسی دینی استناد کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رہبانیت اس درجہ تک پہنچ جائے گی جہاں تک قرون وسطیٰ میں دینی رہبانیت پہنچ چکی تھی۔ ہر ملک کے مردوں اور عورتوں کو تجربات و مشاہدات کے ذریعہ بخوبی واقفیت حاصل ہے کہ وہ دشواریاں اور رکاوٹیں جو شادی کی راہ میں حائل ہیں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ بے شمار اسباب کے علاوہ بالخصوص اقتصادی اسباب ہیں جو شادی کے لیے مانع ہیں۔ اکثر اشخاص کے لئے جب اس منزل کو عبور کرنا دشوار و محال نظر آیا تو ان کو مجبوراً تجرد کی زندگی پر صبر کرنا پڑا۔ ایسے میں ہمارے لیے یہ کہنا آسان ہے کہ دونوں صنفوں کے افراد لامحالہ اجتماعی ہیئت میں خطرناک آثار و عوارض پیدا کر دیں گے جن کا موجب ان کی تجرد پسندانہ زندگی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تجرد پسند عورتوں سے جو نتائج و آثار برآمد ہوں گے وہ تجرد پسند مردوں کی بہ نسبت نہایت خطرناک ہوں گے، کیونکہ تجرد پسندہ مرد کے اندر درحقیقت خاص نفسیاتی صفات و کیفیات پیدا کر دے گی، مگر بالکلیہ اس کی شخصیت تحویل و تبدیل نہیں ہو جائے گی، کیونکہ تجرد کا لازمی نتیجہ مرد کے اندر پاکدامنی نہیں پیدا کرتا۔ ممکن ہے کہ اس کو دختران ہوا و ہوس کے درمیان زندگی گذارنے پر مجبور کیا جائے یا وہ فسق و فجور کا ارتکاب کر بیٹھے۔ اس کے باوجود تجرد اس کے عضویاتی وظیفہ کو یکبارگی زائل نہیں کر سکتا۔ عورت کا حال اس کے برعکس ہے، کیونکہ موجودہ اجتماعی حالات اس امر کے مقتضی ہیں کہ عورت کی عفت و عصمت کی حفاظت اس کے تجرد میں مضمر ہے۔ عفت کا تقاضہ ماں کے فرائض کی ادائیگی کو ساقط کر دیتا ہے، یہی وہ وظیفۂ حیات ہے جس کے لیے عورت جسمی و روحی طور پر پیدا کی گئی ہے۔ ایسی صورت میں بلاشک وشبہ عورت کی شخصیت میں فساد و تغیر کا رونما ہو جانا لازمی ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کی عورتوں کی ایک بڑی تعداد اجتماعی نظام کو درہم برہم کر دے گی۔

یہ قول ہے شہرۂ آفاق ماہر عمرانیات کا۔ ہمارے سامنے اس قسم کے بے شمار اقوال وامثال ہیں جو واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ مغربی تہذیب وتمدن میں ایسی خوفناک علامتیں پائی جاتی ہیں جو عنقریب یورپ کے نظام تمدن میں بالخصوص عورتوں کے مسئلہ میں بڑی پیچیدگیاں پیدا کرنے والی ہیں۔ اگر ہم اس تمدن کی کسی شعبہ میں تقلید کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو کم از کم ہمیں اس کو عقل وحکمت کی کسوٹی پر جانچ لینا چاہیے۔ اگر ہم میں ان معرکۃ الآراء عمرانی مسائل کی جانچ پڑتال کی قدرت نہیں ہے جو قوموں کے مستقبل کی تعمیر سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم بآسانی اس تمدن کے علماء سے فیضیاب اور ان کے روزمرہ کے تجربات ومشاہدات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ہم قارئین کے روبرو اپنے دعویٰ کی مزید تشریح کے لیے فلسفۂ عملی کے پروفیسر اور علم العمران کے موسس وواضع فیلسوف اگسٹ کانٹ کا ایک قول اس کی کتاب ''سیاسی نظام حسب اصول فلسفۂ حسیہ'' سے پیش کرتے ہیں۔

مصنف مردوں کے اشغال کے ساتھ عورتوں کو مشغول ہونے کے مسئلہ اور اس سے اجتماعی نظام میں خلل واقع ہونے کے نتائج پر روشنی ڈالنے کے بعد کہتا ہے کہ ان فسادانگیز اور تباہ کن خوابوں کے بجائے ممکن ہے کہ کوئی طبعی اصول عورت کی زندگی کا بالکلیہ ضامن ہو جائے' یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ مصنف قوی پر صنف نازک کی طرف سے مساوی فرائض وواجبات کی تحدید و تعین کر دی جائے۔ یہ کام محض فلسفۂ حسی سے ممکن ہے، کیونکہ حقیقی روح کے ساتھ اس کو امتیازی نسبت حاصل ہے کہ اس فطری اصول کو قابل قبول طریقہ سے رائج کرے۔ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ جدید حسی فلسفہ نے اس عام میلان کو ایجاد کیا، بلکہ اس نے تو انسانی مجموعی حرکت میں دقیق غور وتامل کرنے کے بعد صرف اس کا ایک تحقیقی اندازہ لگایا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ مرد کا فریضہ ہے کہ وہ عورت کو خوراک بہم پہنچائے۔ یہی قانون طبعی ہے بنی نوع انسان کے لیے۔ یہی وہ قانون ہے جو صنف نازک کے لیے اصل گھریلو زندگی کے مطابق ہے۔ یہی وہ قانون ہے جس کا حسن وکمال نوع انسانی کے ارتقاء کے مطابق جلوہ گر نظر آئے گا' کیونکہ وہ تمام مادی ترقیاں جن کا مطالبہ موجودہ حالت میں عورتوں کے لیے کیا جا رہا ہے آخر میں لازمی طور پر اسی اساسی ناموس پر منطبق ہونے کے لیے تبدیل ہو جائیں گی۔ لامحالہ اس اصول کے نتائج ردعمل کے طور پر تمام اجتماعی نظاموں اور بالخصوص مزدور پیشہ افراد میں رونما ہوں گے۔ یہ وہ قانون ہے جو فطری میلان کے ہم آہنگ ہے اور جو عورتوں کی ذمہ داریوں سے علاقہ رکھتا ہے۔

کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ ہم اس صورت میں کیا کریں جب کہ موجودہ حالت کا تقاضا یہ ہے کہ بعض ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں جن کا نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ رکھوالا۔؟ کیا ہم ان کو بھوکوں مرنے کے لیے چھوڑ دیں اور وہ مردوں کے ساتھ مل کر کام نہ کریں؟ اس کا جواب بآسانی یہ دیا جا سکتا ہے کہ جب ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہو گیا کہ عورتوں کا اپنے گھروں سے باہر کام کرنا اجتماعی نظام میں خلل و فساد کا موجب ہے۔ حیات اجتماعیہ کی محبت اور اس کا فرض دونوں اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم اس طرح آسانی کے ساتھ اس اجتماعی خطرہ کو نفوذ کرنے نہ دیں بلکہ ہم پر انسانیت کا یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اس کی روک تھام اور اس کے علاج کی طرف امکان بھر کوشش کریں۔ ہم کسی ایسے نظام حیات کی تلاش کریں جو نوع انسانی کے مستقبل کی تعمیر میں جوہری عنصر کی حیثیت رکھتا ہو اور اس میں ایسے قوانین وضوابط پائے جائیں جو خصوصیت سے صنف نازک کی زندگی کے کفیل ہوں اور اس کی فلاح ونجات کے ذمہ دار۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم اسلامی تہذیب وتمدن اور اس کے نظام حیات پر بھی ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ کیا اس میں وہ اصول وضوابط ہیں جو اس جنس لطیف کی زندگی کے کفیل وضامن ہیں جو فقر وفاقہ کے آہنی پنجوں میں گرفتار ہو؟ بے شک اسلامی قانون اس کی ضمانت اس طرح دیتا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے اور اس کے رشتہ داروں میں سے اس کی پرورش کرنے والا کوئی نہ ہو تو بیت المال کا فرض ہے کہ وہ اس عورت کی تمام ضرورتوں اور حاجتوں کی تکمیل کرے۔ یہی اسلامی تمدن اور اسلامی اصول ہے۔ یہی وہ فطری قانون ہے جس کے ارد گرد عملی حسی فلسفہ کے ارباب عام انسانی اجتماعی نقل وحرکت میں فکر ونظر کرنے کے بعد جمع ہوئے ہیں۔

جدید فلسفہ حسی کا شیخ اور اس کا موسس آگسٹ کانٹ اپنی کتاب "سیاسی نظام" میں بیان کرتا ہے:

> "عورت کا شوہر اور اس کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہونے کی صورت میں ہیئت اجتماعیہ کا فرض ہے کہ وہ ہر عورت کی زندگی کی ضمانت لے' اسی میں انسانی ترقی کا حقیقی راز مضمر ہے۔ حتی الامکان عورتوں کی زندگی کا گھریلو ہونا ضروری ہے۔ نیز ان پر یہ امر واجب ہے کہ وہ ہر بیرونی کام سے چھٹکارا پائیں' تاکہ وہ اپنی زندگی کے فرائض کی تکمیل کر سکیں جو مقصود بالذات ہیں۔"

یہ وہ نقطۂ فکر ونظر ہے جس پر بیسویں صدی کے مفکرین وزعماء اپنی قومی زندگی کے ان ہزاروں ادوار واطوار کا مطالعہ کرنے کے بعد پہنچے ہیں جو ہر صدی میں نت نئی مشکلات اور

پیچیدگیوں میں گھرے چلے آرہے تھے' کاش کہ وہ اسلامی نظام حیات اور اس کے اجتماعی ضابطہ پر پہلے ہی سے ہمدردانہ غور کرتے تو ان کے تمدن میں تخریبی عناصر اس قدر کارفرما نہ ہوتے۔ ان اقوال و آراء کو پیش کرنے سے ہمارا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ ہم ان کو اسلامی فکر پر منطبق کریں اور اسلام کے نظام حیات کی تصدیق کریں، کیونکہ اسلام تو ان چیزوں سے بہت بالاتر ہے، بلکہ ہمارا مقصد مغرب زدہ افکار و اذہان کو دعوت فکر و نظر دینا ہے کہ جس چیز کو وہ عین صداقت سمجھتے ہیں وہ تغیر و تبدل کے کتنے روپ بھرتی ہے اور جس شئے سے وہ انجان ہیں وہ ہزاروں انقلابات اور تبدیلیوں کے باوجود مجسم حقیقت بنی ہوئی ہے۔ اس کھرے اور کھوٹے کی تمیز کے بعد کس دلیل و حجت کے ذریعے ہم تمدن جدید کے جراثیم کو اپنے اندر داخل کرنے کا مشورہ دیں اور بے شمار امراض کا شکار بن جائیں۔؟ ہمارا کیا حال ہوگا کہ پہلے ہی سے ہم اس قدر کمزور اور ہماری قوت مقاومت اس قدر مضمحل ہو چکی ہے جو مرض کے حملہ کو اور تقویت پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ پھر ہم اس کے بعد ایک نیا قانون پائیں جو عورت کو بیرونی کام کرنے اور کٹھن کام انجام دینے پر آمادہ کرے؟ ہم یورپ کی کورانہ تقلید اور اس کے تخریبی نظام کی طرف کس لیے رخ کرنے کی زحمت کریں، جب کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ اسلامی تمدن اور اسلامی اصول حیات ہی وہ نصب العین ہے جس کے قریب انسان روز بروز آرہا ہے۔

کیا وجہ ہے کہ مغربی مفکرین نے بعض اہل مشرق کے اس عقیدہ کے خلاف کہ ایک اہم اقدام ہے، پھر اپنے قدیم نظریہ کی طرف رجوع کیا ہے اور عورت کو خارجی کاموں کے انجام دینے کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھا ہے۔ ان کا یہ اعتدال پسند نظریہ نتیجہ ہے اس کا جس کا انہوں نے رات دن اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ بے چاری عورت مرد کے دوش بدوش ہے، لیکن اس کو کوئی چیز سوائے پسینے کی بو کے حاصل نہیں ہوتی۔ ہر جولان گاہ عمل میں غلبہ کا نشانہ بنتی ہے اور اپنی کمائی پر بھی اس کو قابو نہیں۔ فیلسوف فوریر جو آزادی نسواں کا زبردست حامی ہے کہتا ہے:

> ''آج عورت کی کیا حالت ہے؟ وہ اس عالم مصنوعات تک میں محرومی کی زندگی بسر کرتی ہے' جہاں مرد ہر طرف سے باریک کاموں مثلاً: خیاطت اور اصلاح سازی کے مقصد کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں' لیکن عورت تنہائی کے گوشوں میں بیٹھی ہوئی دشوار ترین کام انجام دیتی ہے۔ پھر ان عورتوں کی زندگی کی آمدنی کے ذرائع کیا

ہوں گے جو مال و دولت سے محروم ہیں؟ یا چرخہ رانی یا حسن فروشی بشرطیکہ وہ حسین و جمیل ہوں؟ بے شک ان کی واحد تدبیر علی الاعلان فحش کاری یا پوشیدہ حسن فروشی ہے۔ یہ وہ شغف بے حیائی ہے جس کی طرف یہ فلاکت زدہ عورتیں اس تمدن کی بدولت پناہ لینے پر مجبور ہوئی ہیں۔ یہ ازدواجی غلامی جس کی زنجیروں کو توڑنے کے لیے اب تک انہوں نے کوئی فکر نہ کی' کیا عورتوں کے ان حقوق پر عدالت کا کوئی سایہ پڑ سکتا ہے۔؟''

اس طوفانی ازدہام میں بے چاری عورت کہاں جائے؟ جب کہ فلاسفہ و حکماء کا یہ نظریہ ہے کہ انسان جیسے جیسے مادی خوشحالی میں ترقی کی منازل طے کرتا جاتا ہے ویسے ویسے وہ ہر دور میں جنسی ترغیبات اور نفسی عواطف و جذبات میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ پھر کس لیے بیسویں صدی میں جنس لطیف کی اس حالت زار پر دل نہیں پگھلتے اور رحمت و راحت کا جذبہ جوش زن نہیں ہوتا؟ کون ایسا انسان ہے جو یہ قبول کر لے کہ عورت کو اپنے اس فطری فریضہ سے جس کے لیے وہ جسمانی و روحانی طور پر پیدا کی گئی ہے' آزاد ہو جائے اور خود کو اس خوں ریز معاشی جنگ میں جھونک دے؟ مشہور ماہر اقتصادیات فلسفی بروڈون اپنی کتاب ''ابتکار النظام'' میں کہتا ہے:

''نوع انسانی کسی نقطۂ فکر سے بھی خواہ وہ اخلاقی و سیاسی ہو یا فلسفیانہ عورت کی مرہون منت نہیں، کیونکہ بنی نوع انسان نے عورت کی امداد و دستگیری کے بغیر علمی راستے طے کئے اور اس کے ذریعے حیرت انگیز ایجادات اور عجیب و غریب انکشافات انجام دیئے۔ نوع انسانی کسی ضاعی اکتشاف میں عورتوں کا رہن منت نہیں ہے۔ مرد ہی تنہا اختراع و ایجاد کرتا' محنت و مشقت کرتا' شدائد و مصائب برداشت کرتا اور عورت کو خوراک بہم پہنچاتا ہے۔ یہ دور جس میں عورت زندگی کے ہر شعبہ میں خصوصاً میدان ادب میں تماشا دکھا رہی ہے' بعینہٖ وہی دور ہے جس میں اس نے فبریکا میں اپنے کرتب و کمالات دکھائے ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کوئی جدت و اختراع کر سکے اور اپنی طبیعت کی جولانی دکھا سکے۔''

بروڈون کے اس قول سے یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے عورت کی شان میں تحقیر و توہین کی ہے، بلکہ اس کا مقصد اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ عورت اس لئے نہیں پیدا کی گئی کہ وہ کسی کارخانے میں صنعت گری کرے یا علم و حکمت کے سمندر کھنگالتی رہے، بلکہ اس کی تخلیق کا فطری

منشاء یہ ہے کہ وہ ماں بن کر رہے اور بہترین مربی ثابت ہو۔

جو لوگ عورتوں کی اصلاح اور ان کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں ان کو چاہیے کہ وہ شہرۂ آفاق فلسفی، موجودہ مادی تمدن کے باوقار فرزند اور اس کے سب سے بڑے موسس جول سیمون کے اس بیان میں غور و فکر کریں جو اس نے علامہ لاجوویر فرانس کی کتاب میں ایک باب کی شکل میں قلمبند کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''عورت کا فرض ہے کہ وہ عورت ہی باقی رہے۔ یہ قول ہے سیولا جوویر کا بے شک عورت کو عورت ہی باقی رہنا چاہیے، کیونکہ وہ اسی کی بدولت اپنی سعادت و فلاح حاصل کر سکتی اور دوسروں کو بھی اس کا فیض پہنچا سکتی ہے۔ ہم بھی عورتوں کی اصلاح کے موید ہیں، اس طرح سے نہیں کہ ان کی فطرت ہی کو بدل ڈالیں اور ان کی شخصیت کو متغیر کر دیں۔ ہم ان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ مرد بننے سے پرہیز کریں، کیونکہ وہ اس طرح کرنے سے بیشتر بھلائی کو فنا کر لیں گی اور ہم بھی اپنی ہر چیز کھو بیٹھیں گے، کیونکہ فطرت نے اپنی ہر صناعی کو محکم طریقہ سے بنایا ہے۔ ہم اس سے سبق حاصل کریں اور اس کو بہتر بنانے کی کوشش کریں اور ہر اس چیز سے خوف کریں جو فطرت کے قوانین و ضوابط سے دور کا بھی علاقہ نہیں رکھتی۔''

آگے چل کر کہتا ہے:

''بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ زندگی شدائد و آلام سے بھری ہوئی ہے، لیکن وہ اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی عمر بھر محبت کا ذائقہ نہیں چکھا، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ زندگی پاک اور خوشگوار ہے، مگر ایک شرط کے ساتھ وہ یہ کہ ہر مرد اور عورت اس مقام و مرتبہ کو معلوم کرے جس کو اللہ نے ان دونوں کے لیے بنایا ہے۔''

ایسے بڑے مفکر کے لیے یہ قول کہنے کا سبب صرف یہی ہوا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عورت کا اپنے پردہ سے باہر ہو کر کام کرنا اس کے وظیفۂ طبع کے منافی ہے۔ اس فعل نے اس کی گھریلو زندگی کے نظام کو درہم برہم کر دیا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

عورتوں کا مردوں کے ساتھ اشتراک عمل علاوہ اقتصادی اور گھریلو زندگی پر برے اثرات مرتب کرنے کے ان پر اس سے زیادہ عجیب و غریب اثر پیدا کرتا ہے۔ مشہور محقق جیوم فریرو کہتا ہے:

"یورپ میں بیشتر عورتیں ایسی ہیں جو مردوں کے کام انجام دیتی ہیں اور اس کی وجہ سے وہ سرے سے شادی ہی نہیں کرتیں۔ اس قسم کی عورتوں کو "تیسری صنف" سے یاد کیا جائے تو صحیح ہوگا یعنی نہ یہ مردوں میں شمار ہوتی ہیں اور نہ ہی عورتوں میں۔"

محقق موصوف نے ان عورتوں کا نہایت دقیق مطالعہ کیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اس ہنگامہ خیز زندگی میں معاشی کام انجام دینے اور خود کو اپنے ان طبعی وفطری وظائف سے علیحدہ رکھنے کی وجہ سے جن کے لیے وہ جسمی وروحی طور پر پیدا کی گئی تھیں' ان کے احساسات وجذبات ان کے ہم جنسوں کے احساسات کی بہ نسبت متغیروزوال پذیر ہو گئے اور وہ مالیخولیا کے مشابہ حالت میں ہو گئیں۔ گویا انسانی فطرت اپنی زبان حال سے ان کے اپنے حقوق سے غفلت کرنے پر دلیل و حجت پیش کر رہی ہے۔ پھر وہی محقق مختصر لفظوں میں کہتا ہے:

"علمائے عمران نے اس امر کے برے انجام میں جو فطری قوانین کے منافی ہے غور کرنا شروع کر دیا ہے، کیونکہ ان میں سے بعض عورتیں مردوں سے اپنی مزاحمت کی وجہ سے جماعت انسانی پر ایک بار گراں ہیں' کوئی کام ان کو نہیں ملتا۔ اگر یہی حال اس طرز پر باقی رہے گا تو اس سے ایک عظیم الشان اجتماعی خلل پیدا ہو جائے گا۔"

کیا ان کھلم کھلے شواہد کے بعد ہم عورتوں کو یہ مشورہ دے سکتے ہیں کہ وہ خود کو خارجی غوغائے حیات میں جھونک دیں۔؟

☆☆☆

باب نمبر 2:

اسلام اور عورت کا مقام

طلوع آفتاب عالمتاب:

جاہلیت کی گھنگھور گھٹاؤں میں اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا اور اس نے اپنی نورانی کرنوں سے اس ظلمت کدہ دنیا کو صبح سعادت سے ہم آغوش کیا، بچھڑی ہوئی انسانیت خاک و دھول سے اٹھائی گئی، سینہ سے لگائی گئی اور مظلوموں کو سر اٹھانے کا موقع ملا۔ افراط و تفریط ختم ہوئی، اعتدال کے فطری نقطہ پر اسلام نے انسانوں کو لا کر کھڑا کر دیا، جس کا جو حق تھا وہی اس کو دیا گیا۔ جور و ستم کی چکیوں میں پسنے والی صنف نازک کو بھی پوری قوت کے ساتھ اسلام نے اپنے دامن حمایت کے سایہ میں لیا، ناموس نسوانی کی قدر و قیمت کے سوال کو زندہ کیا گیا، اس راہ میں کسی قسم کی چشم پوشی روا نہ رکھی گئی، بدکاری اور بے آبروئی کے جتنے سرچشمے تھے، ایک ایک کر کے بند کیے گئے، ازدواجی تعلقات کے آئین و قانون حدود میں لا کر جنسی میلانات کو اعتدال و ضابطہ کا پابند بنایا گیا اور نسل انسانی کے اضافہ کی صحت بخش طریقے نافذ کیے گئے۔ عائلی زندگی کو خوشگوار ماحول کے قالب میں ڈھالا گیا۔ بجائے لعنت کے عورت رحمت و سکینت کا مظہر ٹھہرائی گئی۔ ترک نکاح کی راہبانہ نظریہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی پر زور دیا گیا اور اسے ضروری قرار دیا گیا۔

نسوانی حقوق کا پہلا حکم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالا کثیرا و نساء"

(سورۃ النساء)

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم سب کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں

پھیلائیں۔''

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ مرد اور عورت ایک ہی سر چشمہ کی دو موجیں ہیں۔ انسانیت کی حد تک دونوں میں کمی بیشی کے خیالات کا تعلق حقیقت سے نہیں، بلکہ یہ صرف وسوسہ ہے۔ اس آیت میں بھی یہ حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ عورت جس کو مرد انسانیت سے خارج سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے از سر تا پا غلط ہے۔ ان دونوں کی ایک ہی جان سے پیدائش ہے اور پھر انہی سے مرد و عورت کی یہ بہتات ہے۔ عورت کوئی جداگانہ اور الگ مخلوق نہیں، وہ بھی انسان ہی ہے جیسے مرد انسان ہیں۔ عورت و مرد دونوں کا منبع و مخرج ایک ہی ہے۔ پھر ان دونوں میں تفاوت ذاتی کیونکر ہو سکتا ہے، بلکہ اس نسبت سے ہر ایک کو دوسرے کی قرابت پر فخر کرنا چاہیے۔

ایک ہی مرد و عورت سے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یا ایها الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقکم

(سورۃ الحجرات)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری ذاتیں اور برادریاں بنائیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں عزت والا وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے۔''

کوئی مرد ایسا نہیں ہے جس کی پیدائش میں عورت کی شرکت نہ ہو، ایسا مرد جو صرف مرد ہی سے پیدا ہوا ہو، اسکا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟ پھر مرد کو کیا حق ہے کہ مردوں کو تو باعزت قرار دے اور عورت کو حقیر و ذلیل سمجھے۔؟

اصل محسن:

جسم کی بناوٹ میں مرد کے ساتھ عورت کا حصہ بھی شریک ہے، بلکہ طبی تحقیقات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت ہی کا حصہ اس کی تعمیر میں زیادہ خرچ ہوتا ہے۔

عورت ماں بن کر بچے کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہے، پھر اسے جنتی ہے، پرورش کرتی ہے اور دودھ پلاتی ہے۔ ذرا سوچیے بھی تو کہ مرد اسکے مقابلہ میں بچے کے لئے کچھ بھی کرتا ہے۔؟ عورت ہی کے پیٹ میں ہم شکل و صورت پاتے ہیں، اسی میں ہماری جان کا تعلق ہمارے

جسد کے ساتھ قائم ہوا، بھلا اسی عورت کا وجود ننگ عار بن جائے۔؟

جب ہم میں چلنے پھرنے کی سکت نہ تھی، بولنے اور اپنی تکلیف وضرورت بتانے کی طاقت نہ تھی، اسی نے ہمیں چلنے کی قوت عطا کی، بولنے کی صلاحیت بخشی اور اسی جنس نے سن شعور تک ہماری خدمات کیں۔ بایں ہمہ عورت ذلیل وحقیر ہوگئی؟ تف ہے اس عقل پر جو یہ سوچے۔ پھٹکار ہے اس زبان پر جو اس خیال کو ظاہر کرے اور ملعن ہے جو اپنے دل میں اس قسم کے بے ہودہ وسوسوں کو پکارے۔

بہر حال یہ اور اس طرح کی دوسری قرآنی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہی بتایا ہے کہ عورت باعث حقارت نہیں ہے، ذاتی شرف ومکرمت میں مرد سے کسی درجہ میں کم نہیں۔ لہٰذا عورتوں کو جانور کی طرح ناجائز استعمال کرنا اور ان کے ناموس کو زرکشی کا آلہ بنالینا انسانیت کی توہین اور آدمیت کی تحقیر کی بدترین شکل ہے۔

لڑکا اور لڑکی میں فرق صرف عضوی:

انسانیت میں کلی اشتراک کے باوجود دونوں صنفی جنسوں کے اندر بعض عضوی اختلافات میں حکیم کی جو حکمتیں پوشیدہ ہیں، یوں تو ان سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ ماسوا اس کے اپنی کاریگریوں کے بھید کو کاریگر جتنا زیادہ جانتا ہے جو کاریگر نہیں ہے وہ اس کی تہوں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"للہ ملك السموت والارض یخلق مایشاء یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور او یزوجھم ذکرانا واناثا ویجعل من یشاء عقیما انه علیم قدیر"

(سورۃ الشوریٰ)

"آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ بیٹیاں عنایت کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے بیٹے عنایت کرتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں قسم کی اولاد دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا تا ہے۔ بے شک وہ جاننے والا قدرت والا ہے"۔

پھر بچی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانے کی ضرورت اور منہ بگاڑنے کا کیا حاصل ہے؟ یہ تو انسان کی خام عقلی ہے کہ رحمت کو اس نے اپنے لئے زحمت خیال کر رکھا ہے۔ اگر یہ بچیاں بڑھ کر

عورت نہ بنیں اور تمہاری شادیاں نہ ہوں تو بتایئے یہ بچے یہ تومند لڑنے والے جوان کہاں سے آئیں۔؟ حضرت مریم علیہا السلام کی ماں نے جب منت مانی اور ان کے خلاف توقع لڑکے کی جگہ بچی پیدا ہوئی تو حسرت سے کہنے لگیں:

"رب انی وضعتها انثی"

(سورۃ آل عمران)

"اے پروردگار! میں نے تو لڑکی جنی۔"

پروردگار! یہ تو میرے بچی ہوئی۔ میرے مراد بر نہ آئی۔ جس مقدس کام (بیت المقدس کی خدمت وصفائی) کی منت مانی تھی اس میں تو لڑکے کا کام تھا لڑکی قبول نہیں کی جاتی۔ رب العالمین نے ام مریم کی یہ حسرت بھری آواز سنی تو فرمایا:

"والله اعلم بما وضعت وليس الذكر كالانثى"

(سورۃ آل عمران)

"اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے جو اس نے جنا اور لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں ہوسکتا تھا۔"

اس آیت میں بتایا گیا کہ مریم علیہا السلام کا وجود خود ام مریم کے اعزاز کے لئے اور دنیا کی فلاح ونجات کے لئے کتنا مبارک وجود ثابت ہوا۔ انہی مریم علیہا السلام سے عیسٰی روح اللہ (علیہ السلام) نے جنم لیا اور بالآخر دنیا کو حق کا پیغام سنایا اور کتنوں کی نجات کا باعث ہوئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کو جنم دینے والی عورت مسیح پر ایمان لانے والوں کی نگاہوں میں شیطان کے آنے کا راستہ اور ناگزیر برائی وغیرہ وغیرہ کیسے ہوگئی۔؟

قتل اولاد کی ممانعت کا تاکیدی حکم:

اسلام نے آکر لڑکیوں کے قتل سے روکا، فقر وفاقہ کا خوف ان کے دل سے نکالا اور رزاق کی قوت متین پر اعتماد کا جذبہ پیدا کیا۔ چنانچہ فرمایا:

"لاتقتلوا اولادكم من املاق نحن نرزقكم واياهم"

(سورۃ الانعام)

"تم اپنی اولاد کو افلاس کے سبب سے قتل نہ کیا کرو، ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

''لاتقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقھم، وایاکم ان قتلھم کان خطئا کبیرا''

(سورۃ الاسراء)

''تم اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو، ہم ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔''

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قتل اولاد سے بالکلیہ روک دیا۔ لڑکا ہو یا لڑکی، کسی کا قتل شریعت نے جائز نہیں رکھا اور انسان کی اس جرات کو برداشت نہ کیا۔ فقر و فاقہ کا خام خیال ان کے دل سے نکالا اور یقین دلایا کہ رزق اور روزی دینے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے۔ موجودہ غربت میں تم سوچتے نہیں کہ کہاں سے کھاتے ہو۔؟ کس طرح تم کو روزی ملتی ہے؟ رب العزت روزی کا انتظام کر کے آئندہ نسلوں کو پیدا کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ومامن دآبة فی الارض الا علی اللہ رزقھا''

(سورۃ الھود)

''جتنے زمین میں چلتے پھرتے ہیں، سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔''

جنت میں ہمسائیگی رسول کی ضمانت:

اسلام نے اتنا ہی کر کے نہیں چھوڑ دیا کہ عورت کو اس کا صحیح مقام عطا کیا۔ لڑکیوں کا قتل بند کر دیا اور رزق کا اندیشہ جو انسان کو کھائے جا رہا تھا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا سبق دے کر اس فکر سے کنارہ کش کر دیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

فرمان رسالت ہے:

''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت میں میرے ساتھ ہو گا اور اتنا قریب ہو گا جتنی آپس میں یہ انگلیاں نزدیک ہیں۔''

اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا۔

(صحیح مسلم)

دوزخ سے ڈھال:

1: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ایک دن میرے پاس ایک عورت آئی جو اپنے ساتھ دو لڑکیوں کو بھی لئے ہوئے تھی۔ غریب و بے کس تھی۔ اس نے مجھ سے سوال کیا۔ میرے پاس صرف ایک چھوہارا تھا میں نے وہ اسے دے دیا۔ اس نے چھوارا لے کر دو حصے کئے اور آدھا آدھا دونوں بچیوں کو دے دیا۔ خود کچھ نہ کھایا، پھر وہ اٹھی اور چلی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اندر تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی ان لڑکیوں کے لئے تکلیف جھیلتا ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے ان کے لئے یہ لڑکیاں دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی۔"

(صحیح بخاری)(صحیح مسلم)

2: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک غریب عورت آئی۔ اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں۔ میں نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں۔ اس نے ایک ایک کھجور دونوں لڑکیوں کو دی اور تیسری خود کھانے کے لئے اٹھائی۔ منہ تک لا چکی تھی کہ دونوں لڑکیوں نے پھر مانگا۔ اس عورت نے خود نہ کھائی، اس کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور آدھی آدھی دونوں لڑکیوں کو دے دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کی یہ ادا مجھ کو بہت پسند آئی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے یہ اثر انگیز قصہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان اللہ قد اوجب لھابھا الجنة و اعتقھا بھا من النار"

(ریاض الصالحین، صفحہ نمبر ۱۴۷)

"ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لئے جنت واجب کر دی اور ان بچیوں کی وجہ سے اسے دوزخ سے آزاد کر دیا۔"

آخری وصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری لمحوں میں فرمایا:

"لوگو! خبردار ہو جاؤ! میں تم کو دو کمزوروں کے حقوق کی تاکید کرتا ہوں اور اس میں

کوتاہی کرنے سے ڈراتا ہوں۔ ایک یتیم اور دوسری عورت۔"

(صحاح ستہ)

یہ سارا اہتمام اس لئے تھا کہ عورت کا ناموس، ان کی عزت و عفت محفوظ رہ سکے اور سماج میں وہی مقام ان کو دلایا جائے جس کی قدرتی طور پر عورتوں کی صنف نازک مستحق تھی۔ لوگ ان کو گری پڑی چیز خیال نہ کریں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ آ آ کر اپنے قصے بیان کرتے۔ کوئی کہتا:

"جاہلیت میں میں نے دس لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کی ہیں۔"

کسی نے کہا:

"میں نے اپنی بچی کو بلایا۔ وہ ہنستی دوڑتی میرے ساتھ آئی اور جب کوئیں کے پاس پہنچی تو میں نے ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں ڈال دیا۔ وہ میرے ابا میرے ابا پکارتی رہی۔"

یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اتنا روئے کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔

یہی وہ گواہیاں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ جہان کے ہادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں ہی کے نہیں، بلکہ عورتوں کے بھی پیغمبر اور رسول ہیں۔ آپ مردوں ہی کے لئے نہیں روتے تھے، بلکہ عورتوں کی مظلومیت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رُلا دیتی تھی۔

عورت اور مرد کا مقام:

اسلام نے عورت کو استبدادیت اور مظلومیت کے پنجہ سے نجات دلائی اور اس کے درجہ کو نہایت بلند کر دیا۔ چنانچہ قرآن عزیز نے بانگ دہل اعلان کیا:

"ولهن مثل الذين عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة"

(سورۂ بقرہ)

"اور عورتوں کے لیے بھی وہی حقوق ہیں جیسا کہ دستور کے موافق مردوں کے حق ان پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت ہے۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عورت کا نہایت ہی احترام کیا اور اس کو اس کے درجہ تک پہنچایا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو از روئے تعظیم و احترام خواتین اہل جنت کی "پیش رو" سے موسوم کیا اور ثابت ہو گیا کہ حضرت عائشہ تقویٰ و دیانت داری، علم

وفضل، صلاح ومشورہ اور پاک بازی میں عورتوں کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ آپ کے بعد بہت ساری خواتین نے آپ سے فیض حاصل کیا اور آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر علم وفضل کے بلند مقام پر گامزن ہوئیں۔

دشمنان اسلام بے جا طور پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کے حقوق چھین لیے اور اس کو وہ درجہ نہیں دیا جو اس کے لائق تھا۔ نیز پردہ، طلاق اور دیگر چیزوں کو ایک مشکل امر اور انسانی سوسائٹی کے لیے خطرناک سمجھا ہے۔ اگر یہ لوگ بنظر انصاف کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سلف صالحین کی سیرت وآثار کو دیکھیں تو لامحالہ ان کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام نے عورت کے ساتھ کتنا انصاف کیا اور اس کو مقام انسانیت کے کس رفیع درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ عورت زہریلا سانپ اور بدتر شیطان سمجھی جاتی تھی۔ چین میں اس کو قید خانہ میں رکھا جاتا تھا۔ فارس میں اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں تھی۔ مصر میں اس کو حقیر جان کر انسانیت کے حقوق سے محروم کردیا گیا تھا۔ یورپ میں غلاموں اور خادموں کی ہم پایہ تھی اور ممالک عربیہ میں متاع میراث سمجھ کر تقسیم کردی جاتی تھی۔ اب اگر اسلام نے اس کو مقام بلند تک پہنچا کر انسانی حقوق عطا کیے اور اس کا احترام کرکے اس کو علم وفضل کے زیور سے آراستہ کیا ہے تو انصاف کیا جائے کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ انصاف کیا ہے یا ان قوموں نے جو اس کو استبدادیت کے شکنجہ میں جکڑے ہوئی تھیں۔؟

اس سے بڑھ کر عورتوں کے ساتھ ناانصافی اور انسانیت سوز برتاؤ اور کیا ہوسکتا ہے کہ 1886 کو فرانس کے بعض ممالک میں اہل فرانس نے ایک عام جلسہ منعقد کیا جس میں خاص طور پر اس مسئلہ پر بحث وتمحیص ہوتی رہی کہ عورت کو انسان شمار کیا جائے یا کچھ اور؟ آخر کار بحث اس امر پر ختم ہوئی کہ جلسہ نے یہ اقرار کرلیا کہ عورت انسان ہے، لیکن محض مرد کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں اس زمانہ میں مبعوث ہوئے جب کہ بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ درگور کردینے کی عادت تھی۔ کوئی ملک بھی اس امر سے واقف نہ تھا کہ نظام جماعت میں عورت کا کیا درجہ ہے۔ عورت بیٹی ہونے کی حیثیت سے کیا حق رکھتی ہے۔ بیوی بننے کے وقت اس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ماں کہلانے کے بعد اس کے کیا حقوق ہیں۔ یہ اور اس قسم کے جتنے امور ہیں ان پر شریعت اسلامیہ میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی

گئی ہے۔ اس نے عورتوں کے وہ حقوق مقرر کر دیئے جن سے انیسویں صدی عیسوی سے پیشتر بعض مغربی ممالک بالکل ناآشنا تھے۔

عورت بحیثیت بیٹی:

عرب جاہلیت میں یہ عادت تھی کہ وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے' کیونکہ وہ اپنے گھر میں داماد کو دیکھنا نہایت معیوب سمجھتے اور اس کو اپنی خودداری اور غیرت کے منافی تصور کرتے تھے' جس کی توضیح قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے:

''واذابشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسوداوھو کظیم یتواری من القوم من سوء مابشربہ ا یمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب الاساء مایحکمون''

(سورۂ نحل)

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری ملے تو سارے دن اس کا منہ سیاہ رہے اور جی گھٹا رہے۔ خوشخبری کی برائی کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرے۔ ذلت قبول کر کے اس کو رہنے دے یا اس کو مٹی میں دفن کر دے۔ سنو! وہ کس قدر برا فیصلہ کرتے ہیں۔''

اسلام نے اس عادت قبیحہ اور انسانیت سوز حرکت کو ممنوع ٹھہرایا اور اس کے ذریعہ سے عورت کو زندگی کا حق عطا کیا۔ ادھر اس فعل قبیح پر سخت نفرت کا اظہار کرتے ہوئے قیامت کے دن بدترین سزا دیئے جانے کی وعید سنائی:

''واذالموودۃ سئلت بای ذنب قتلت''

(سورۂ تکویر)

''اور جب کہ جیتی گاڑی گئی بیٹی کو پوچھیں کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی۔؟''

اس کے بعد کوئی تعجب کا مقام نہیں کہ اگر تاریخ کے صفحات عورتوں کے نمایاں کارناموں سے بھرے پڑے ہیں، اس لئے کہ یہ اسلام ہی کا فیض تھا جس نے عورت کو وہ مرتبہ عطا کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت کے ساتھ شریک ہو کر دین اسلام کی نشر و اشاعت' اعلاء کلمۃ الحق میں جدوجہد صرف کرنے اور میدان جہاد میں وقت ضرورت مردوں کے دوش بدوش حصہ لینے کے قابل بن گئی۔

عرب میں عورتوں اور بچوں کو وارث نہیں بنایا جاتا تھا۔ صرف وہی لوگ ورثہ کے قابل سمجھے جاتے تھے جو جنگ میں حصہ لے کر دشمنوں کا مقابلہ کرتے۔ اسلام نے جس طرح مردوں کے ورثہ کے مسائل سمجھائے اسی طرح عورتوں کو بھی میراث کے حقوق عطا کئے جو اس وقت کے عربوں کے لئے بہت ہی دشوار تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس وقت فرائض میراث کی آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بیٹی' بیوی' بیٹوں اور والدین کے حصے بیان فرمائے تھے' لوگوں نے اس کو ناپسند خیال کیا اور کہا کہ بیوی کے لیے چوتھائی اور آٹھواں حصہ اور بیٹی کے لیے نصف حصہ مقرر ہے اور چھوٹے بچے کو بھی میراث کا حصہ دیا جائے گا' حالانکہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرے اور جنگ میں حصہ لے اور نہ ان کے لیے مال غنیمت جائز ہو سکتا ہے۔

اسی بناء پر اسلامی شریعت نے لڑکی کے لیے شادی سے قبل اس قدر حصہ مقرر کیا جو اس کی زندگی کے لیے کافی ہو سکے تاکہ وہ اپنے بھائیوں یا رشتہ داروں پر بوجھ نہ بن جائے۔ یہ حصہ میراث وہ ہے جس میں کسی بحث و جدل کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے فرمایا:

"یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترك وان کانت واحدۃ فلھا النصف"

(سورۂ نساء)

"اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں حکم کرتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، پھر اگر دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو ان کے لیے اس مال سے جو چھوڑ مرا' دو تہائی ہے اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے"

لڑکی کے لیے بہ نسبت لڑکے کے نصف حصہ مقرر کرنے میں یہ راز مضمر ہے کہ لڑکا تو شادی کرتا ہے اور اپنی میراث کے حصہ میں سے مہر ادا کرتا اور اپنی بیوی کا نان و نفقہ دیا کرتا ہے' اس کے علاوہ گھر کے ساز و سامان وغیرہ کی افزائش اور آرائش جو ازدواجی زندگی کے لوازمات میں سے ہے عورت پر ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں، بلکہ مرد پر یہ سب ضروری اشیاء کی فراہمی واجب ہے۔ جیسا کہ اپنی بیوی کا خرچ ضروری ہے۔

لڑکی کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر سے مہر اور نان و نفقہ حاصل کرے اور اسی کو اپنی میراث کا

حصہ سمجھے۔

یہاں سے یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ لڑکے مال و متاع میں مختلف طور پر نقص و کمی واقع ہوسکتی ہے اور لڑکی کا مال اس کے لیے محفوظ ہے۔ مرد اپنے گھر بار کی زندگی کو چلانے کا ذمہ دار ہے۔ کسب معاش کے لیے ہر قسم کی جدوجہد اور محنت و مشقت برداشت کرنا مرد کا کام ہے۔ اگر وہ اس طرح نہ کرے تو زندگی کی مشکلات میں ثابت قدم رہنے کی اس کے اندر طاقت نہ رہے۔ اس لحاظ سے لڑکے کو لڑکی پر میراث میں جو ترجیح و فضیلت شریعت نے دی ہے، وہ معاشی و اقتصادی مصلحتوں کی بناء پر ہے اور ان ذمہ داریوں کی وجہ سے ہے جو مرد پر عائد ہوتی ہیں، اس میں سراسر انصاف طبعی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اب یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ یہ عورت کے بارے میں ظلم ہے یا اس کے کسی حق کو تلف کیا گیا ہے۔

لڑکا جب تک سن شعور کو نہ پہنچے اور کسب معاش کے قابل نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے اخراجات باپ پر لازمی ہیں۔ لڑکی کا نان و نفقہ اس کے باپ پر اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ رشتۂ ازدواج میں منسلک نہ کر دی جائے، اس کے بعد اس کی زندگی کے تمام اخراجات اس کے شوہر پر عائد ہو جاتے ہیں۔ جب کبھی کسی مجبوری کی صورت میں اس پر طلاق واقع ہو جائے اور وہ اپنے باپ کے گھر لوٹ آئے تو پھر اس پر اپنے باپ کی جانب سے نفقہ لازمی ہو جاتا ہے۔

باپ اسے مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ لڑکے کی طرح سے کمائے، ہاں اگر وہ اتفاق سے اپنی ذات سے کوئی جائز پیشہ اختیار کر لے اور اس سے اس قدر روزی حاصل کرے جو اس کی زندگی کی ضروریات کو کافی ہو سکتی ہے تو اس کے باپ پر سے اس کا نفقہ کی ذمہ داری اٹھ جاتی ہے، لیکن اگر اس کی کمائی اس کی حاجتوں کی تکمیل نہ کرے تو پھر وہی نفقہ واجب ہو جاتا ہے۔

شریعت کا قانون یہ ہے کہ جب لڑکی سن شعور تک پہنچ جائے تو نکاح کی صحت کے لیے اس کی رضامندی شرط ہے۔ کسی انسان کے لیے ہرگز یہ جائز نہیں کہ شادی بغیر عورت کی اپنی مرضی کے یا عورت کے رضامندی کے کر سکے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں مسلمان لڑکیاں اپنے حق رضامندی سے محروم ہو گئیں اور سولہویں صدی کے اواخر میں مغربی لڑکیوں کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ نکاح اپنی مرضی کے مطابق کریں۔

عورت بحیثیت بیوی:

جاہلیت میں لوگ بری طرح ناپسندیدہ طور پر عورتوں کے وارث بنتے تھے۔ مرد کو یہ حق

حاصل تھا کہ وہ چاہے تو بلا مہر کے عورت سے نکاح کرے یا شادی کر کے مہر پورا کر دے یا عورت پر شادی کو حرام کر دے تا کہ اس کے مرنے کے بعد خود اس کا وارث ہو جائے، شریعت اسلامیہ نے اس ظالمانہ طریقہ کو باطل قرار دیا:

"یاایھاالذین آمنوالایحل لکم ان ترثوا النساء کرھا"

(سورۃ نساء)

"ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی میراث میں لے لو۔"

عرب عورتوں کے وارث بننے میں مختلف طریقے اختیار کرتے تھے۔ ایک وارث مورث کی عورت کو اس وقت تک شادی کرنے سے باز رکھتا تھا جب تک کہ اس سے وہ میراث حاصل نہ کر لیتا، جو عورت کو مل چکی ہے۔ مرد اپنی لڑکی کو اس وقت تک محروم رکھتا جب تک کہ لڑکی کے سارے مال کا وہ مالک نہ ہو جاتا۔ ایک مرد اپنی مطلقہ عورت کو یونہی چھوڑے رکھتا تاوقتیکہ اس سے اپنی مراد حاصل نہ کر لیتا۔ ایک شوہر جو اپنی بیوی سے نفرت کرتا اور اس کے فراق کو اچھا سمجھتا تھا، بیوی کو معلق چھوڑے رہتا تھا، اس سے برا سلوک کرتا رہتا تھا تاوقتیکہ وہ عورت مجبور ہو کر اپنا مہر نہ چھوڑ دے۔ اسلام نے ان تمام باطل طریقوں اور ظالمانہ سلوک سے باز رکھا:

"ولاتعضلوھن لتذھبوا ببعض ما آتیتموھن"

(سورۃ نساء)

"اور تم اس واسطے روکے نہ رکھو کہ ان سے کچھ اپنا دیا ہوا لے لو۔"

عرب عورتوں کے ساتھ معاشرتی امور میں نہایت برے طور پر پیش آتے تھے۔ بودوباش، اختلاط اور نان نفقہ میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان عدل قائم رکھنے کا حکم فرمایا:

"وعاشروھن بالمعروف"

(سورۃ نساء)

"عورتوں کے ساتھ خوبی سے رہو۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

"فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃ"

(سورۃ نساء)

''اگر تمہیں یہ خوف ہو کر تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو۔''

جاہلیت میں یہ رسم جاری تھی کہ جب کوئی شخص کسی دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا' جس پر وہ فدا تھا تو اپنی بیوی پر فحش کاری کا الزام لگا دیتا تاکہ وہ اپنا مال متاع اس کو دے ڈالے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ شخص اس کی آبروریزی کرنے کے ساتھ اس سے برے طور پر پیش آتا اور اس کا مال واسباب لوٹ کر اپنی محبوبہ پر خرچ کرتا۔ اسلام نے اس قسم کی شرمناک حرکتوں اور بدتمیزیوں سے منع کیا:

''وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احداھن قنطارا فلاتاخذوا امنی شیئا''

(سورۂ نساء)

''اگر تم ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو بدلنا چاہو اور ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی مت لو۔''

پھر اس انسانیت سوز حرکت پر تہدید کی:

''اتاخذونہ بھتانا و اثما مبینا''

(سورۂ نساء)

''کیا تم اس کو ناحق اور صریح گناہ سے لینا چاہتے ہو؟''

عورتوں کو مال واسباب میں شمار کیا جاتا تھا' ان میں حسب دل خواہ تصرف برتا جاتا اور ان سے نہایت بے دردی سے کام لیا جاتا تھا۔ شوہر اپنی بیوی کو کسی معاوضہ یا بلا معاوضہ دوسرے کے حوالے کر دیتا تھا خواہ اس میں عورت کی رضامندی ہو یا نہ ہو۔

اسلام نے عورت کو ان تمام مصیبتوں سے نجات دلائی' اس کو دنیا کی نظروں میں عزت واحترام سے دیکھے جانے کے قابل بنا دیا۔ اس کو اس کے لائق حقوق دے کر عام رعایا میں اس کو شمار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ الامام راع ومسئول عن رعیتہ' والمراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا' والرجل راع فی اھلہ ومسئول عن رعیتہ والخادم راع فی مال سیدہ ومسئول عن رعیتہ کلکم راع ومسئول

عن رعیتہ"

"تم سب محافظ اور اپنی رعایا کے جواب دہ ہو۔ امام حاکم ہے اور اپنی رعایا کا جواب دہ ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران کار ہے اور اپنی رعایا کی جواب دہ۔ مرد اپنے خاندان کا محافظ اور اپنی رعایا کا جواب دہ ہے۔ نوکر اپنے آقا کے مال کا رکھوالا ہے اور اپنی رعایا کا جواب دہ ہے۔ تم سب محافظ ہو اور اپنی رعایا کے جواب دہ ہو۔"

معترضین اپنی آنکھوں سے تعصب کی پٹی نکال کر اس حدیث میں فکر و نظر سے کام لیں کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اس کی فضیلت اور برتری کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی گھریلو زندگی میں مرتبۂ حکومت عطا کیا ہے تو پھر انہیں یہ کہنے میں تامل کیوں نہیں ہوتا کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

شریعت اسلامیہ کی حسن و خوبی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس نے انصاف کے نقطہ نگاہ سے مرد و عورت کی طبعی قوتوں اور خصوصیتوں میں دیکھا کر عورت میں نزاکت و لطافت کا پہلو حد درجہ نمایاں ہے اور مرد قوت و طاقت اور محنت و مشقت میں اپنے فطری قویٰ کے اعتبار سے ممتاز ہے تو اس پر یہ فیصلہ صادر کیا کہ وہ اہم ذمہ داریاں اور بڑے بڑے حقوق کی نگہداشت مثلاً عورت کی ضروریات زندگی کی فراہمی، کسب معاش اور گھر کے اخراجات وغیرہ ان تمام فرائض کی تکمیل میں سرگرم رہا کرے۔ بخلاف اس کے عورت پر اس قدر ذمہ داریاں عائد نہیں کی گئیں۔ اس کے ذمہ جو کچھ حقوق و فرائض مثلاً بچوں کی پرورش، گھریلو نظام کی دیکھ بھال وغیرہ سپرد کئے گئے ہیں بہ نسبت مردانہ ذمہ داریوں کے سہل اور آسان ہیں۔ نیز مرد کا فریضہ یہ ہے کہ وہ عورت کی حفاظت کرے، آفتوں اور مصیبتوں سے بچائے، مرد پر مہر کو لازمی قرار دیا جس کو وہ شب زفاف سے پہلے ادا کر دے ہاں اگر میاں بیوی اس کی تاخیر پر متفق ہو جائے تو جائز ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"ایما رجل تزوج امرأۃ علی ماقل من المھر او کثر لیس فی نفسہ ان یودی الیھا حقھا لقی اللہ یوم القیامۃ وھو زان"

"جس شخص نے کسی عورت سے کم و بیش مہر پر شادی کی اور اس کے دل میں اس کو ادا کرنے کی نیت نہیں تھی تو وہ قیامت کے دن زانی ہونے کی حالت میں اللہ سے ملے گا۔"

اسلامی عطوفت ورافت کی یہ کس قدر بہترین مثال ہے کہ مردوں کے حقوق وفرائض کے مقابلہ میں عورت کی ذمہ داریاں بہت تھوڑی اور نہایت آسان ہیں۔ اس کے متعلق یہ احکام جاری کیے گئے ہیں کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں اس کی رضامندی کے خلاف کسی شخص کو آنے کی اجازت نہ دے اور سوائے شرعی ضرورت کے گھر سے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باہر نہ نکلے۔ عورت کے جس قدر حقوق شوہر سے متعلق ہیں اس میں کسی دشواری یا مشقت کو دخل نہیں ہے' بلکہ خود عورت کے مجد وشرف کی حفاظت اور اس کی شان ووقار کو زیادہ کرنے کا باعث ہے۔

میاں بیوی کے اگر کوئی اولاد پیدا ہو تو ان کی کفالت اور اخراجات باپ پر واجب ہوتے ہیں۔ ماں اگرچہ دولت وثروت میں بڑھ چڑھ کر ہی کیوں نہ ہو۔ اس پر کفالت اولاد کا فرض عائد نہیں ہوتا۔

شریعت نے مسلمان بیوی کی شخصیت پر خاص توجہ مبذول کی ہے۔ جن حقوق سے ایک آزاد شخص بہرہ مند ہوتا ہے عورت بھی ان سے برابر فائدہ حاصل کر سکتی ہے۔ یہ اپنی دولت وثروت کی خود مختار ومالکہ ہے۔ قانون کی حدود میں رہ کر وہ اپنی مرضی کے مطابق اس میں تصرف کر سکتی ہے۔ اگر وہ تجارت پیشہ ہے تو اس سے جو کچھ نفع ملے گا وہ اسی کا حق ہوگا۔ اس کے اندر اس کے شوہر کا کچھ دخل ہوگا اور نہ کچھ حصہ اسے مل سکے گا۔ جس وقت شوہر فوت ہو جائے اس کی میراث میں سے عورت برابر حصہ لے گی:

”ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد“

(سورۂ نساء)

”تمہارے چھوڑے ہوئے مال میں سے ان (بیویوں) کے لیے چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو۔“

اسی طرح اسلام نے عورت کے لیے رضاعت اور اولاد کی پرورش کی جو مدت مقرر کی ہے یہ اس مدت تک ادا کرنے میں مطلق اختیار رکھتی ہے۔ اس کے لیے اسے کسی قضائی (عدالتی) رائے کی اطلاع کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے حق نفقہ لازمی قرار دیا ہے۔ نیز جس وقت شوہر کسی خبیث مرض میں مبتلا ہو تو عورت اس سے طلاق مانگ سکتی ہے' اگر نکاح کے وقت مہر ادا نہیں کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں اس کے لیے مہر مثل دینا پڑے گا۔

عورت بحیثیت ماں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الجنة تحت اقدام الامهات"

"جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک جوان شخص علقمہ نامی بہت سخت بیمار ہو گیا۔ اس کا مرض روز افزوں بڑھتا گیا۔ تیمارداروں نے اس کو لا الہ الا اللہ کہنے کی تلقین کی، مگر وہ اپنی زبان پر قادر نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"کیا اس کے ماں باپ ہیں۔؟"

جواب دیا گیا کہ اس کا باپ مر چکا ہے جبکہ ماں زندہ ہے اور بوڑھی ہو چکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس قاصد کو روانہ فرمایا۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کا حال دریافت فرمایا۔ بڑھیا نے کہا کہ وہ ایسی ایسی نمازیں پڑھا کرتا تھا جن کی تعداد اور وزن سے ہم ناواقف ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا:

"تیرا اور اس کا کیا حال ہے۔؟"

بڑھیا نے کہا:

"میں اس پر بہت غضبناک اور کشیدہ خاطر ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کس لئے۔؟"

اس نے کہا:

"وہ اپنی بیوی کو مجھ پر ترجیح دیا کرتا تھا اور اکثر امور میں اسی کی اطاعت کرتا تھا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ماں کی ناراضگی اور غصہ نے اس کی زبان لا الہ الا اللہ کہنے سے روک دی ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"جاؤ! بہت ساری لکڑیاں جمع کرو، تاکہ میں اس کو آگ میں جلا ڈالوں۔"

بڑھیا نے کہا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بیٹے اور میرے لخت جگر کو آپ میری ہی آنکھوں کے روبرو جلائیں گے۔؟ میرا دل اس کو کیسے برداشت کر سکتا ہے۔؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اگر تو چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے تو اس سے راضی ہو جا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت تک وہ نماز، اپنے روزہ اور اپنے صدقے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جب تک کہ تو اس سے ناراض اور کشیدہ خاطر ہے۔“

بڑھیا نے اپنے ہاتھ اٹھا کر کہا:

”میں خدا کو گواہ بناتی ہوں کہ میں اس سے رضامند ہو گئی۔“

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بلال! جا کر تو دیکھ کیا علقمہ اب لا الہ الا اللہ کہنے کی طاقت رکھتا ہے؟ شاید اس کی ماں نے رسول اللہ سے حیاء کرتے ہوئے اپنے ضمیر اور دل کے خوف سے کہہ دیا ہو۔“

حضرت بلال تشریف لے گئے، جب دروازہ کے قریب پہنچے تو علقمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا لا الہ الا اللہ اور اسی دن علقمہ کی روح پرواز کر گئی۔

اس واقعہ سے واضح ہوا کہ افراد خاندان کے درمیان ماں کی کس قدر تعظیم و توقیر ہے اور اس کا درجہ کتنا بلند ہے۔؟

شریعت اسلامیہ نے یہ قانون مقرر کیا ہے کہ اگر کسی ماں کا لڑکا فوت ہو جائے تو ماں کے لیے ایک معین میراث ہے، تا کہ وہ اپنے بڑھاپے کے زمانے میں ہر قسم کی تکلیف و آفت سے محفوظ رہے، جب کہ اس کی زندگی کا دارومدار اس کے لڑکے کی امداد ہی پر رہا ہو۔ قرآن عزیز نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

”ولا بویہ لکل واحد منھما السدس مما ترك ان كان له ولد فان لم يكن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان كان له اخوة فلامه السدس“ (سورۂ نساء)

"اور میت کے ماں باپ کو اگر اس کے اولاد ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اصل مال سے جو چھوڑ مرا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس کے اولاد نہیں اور اس کے ماں باپ وارث ہیں تو اس کی ماں کا تہائی حصہ ہے، پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔"

عورت انسانی جماعت کا رکن:

اسلام نے عورت کو مرد کے ہم مرتبہ سمجھا اور اس کو بھی وہی حقوق عطاء فرمائے جو مردوں کے لئے ہیں۔ دونوں پر فرائض' واجبات اور احکام الٰہی کی پابندیاں عائد فرمائیں۔ دینی اعمال میں جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان میں دونوں کا کوئی فرق نہیں رکھا:

"ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثی وھو مومن فاولئك یدخلون الجنة ولایظلمون نقیرا"

(سورۂ نساء)

"جو شخص بھی نیک کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ ایمان رکھتا ہو۔ وہی جنت میں جائیں گے اور ان پر تل برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینه حیاة طیبة ولنجزینھم اجرھم باحسن ماکانوا یعملون"

(سورۂ نحل)

"جو شخص بھی نیک کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ ایمان رکھتا ہو تو ہم اس کو اچھی زندگی دیں گے اور ان کو ان کے بہترین کاموں کا بدلہ دیں گے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض"

(سورۂ آل عمران)

"ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی کہ میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا۔ تم آپس میں ایک ہو۔"

شریعت اسلامیہ نے مرد و عورت کو جماعتی حقوق میں برابر کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ اقتصادی معاملات، تعزیرات و عقوبات، طلب علم و فضل غرضیکہ ہر اس چیز میں جس سے نفسی، ذہنی، عقلی، بدنی اور دینی صلاح و فلاح وابستہ ہے، دونوں کے درمیان نظام مساوات کو برقرار رکھا ہے۔ عورت کے لیے یہ جائز قرار دیا ہے کہ اگر اس کی زندگی کا کوئی سہارا نہ ہو تو اپنی ضروریات کی تکمیل اور اپنے وقار و شرف کی حفاظت کے لیے حلال روزی پیدا کر سکتی ہے اور اس کے لیے جتنے جائز طریقے اور ذرائع ابلاغ ممکن ہوں اختیار کر سکتی ہے، لیکن یہ تمام ذمہ داریاں اس وقت اٹھ جاتی ہیں جب کہ اس کا کوئی سہارا اور اس کی زندگی کا کوئی مددگار و کفیل موجود ہو، کیونکہ اس کی موجودگی میں عورت کا کسب معاش میں مصروف ہونا نظام خانہ داری اور دیگر اہم معاشرتی امور میں خلل اندازی کا باعث ہے۔ ہاں! اگر کوئی حرج واقع ہونے کا خطرہ نہ ہو اور عورت کی خواہش ہو کہ وہ بھی جائز طور پر کمائے تو اس کے لیے جائز ہے۔

غرضیکہ اسلام نے عورت کے لیے بھی وہ تمام جماعتی حقوق دیئے ہیں جو دیگر افراد کے لیے ہیں۔ جس طرح عورت کے بھائی، شوہر اور باپ ملکیت میں تصرف کا حق رکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی اپنی ملکیت اور سرمایہ میں مختار ہے۔ اس کو اس کی مرضی کے مطابق تصرف کرنے میں مطلق آزادی دی گئی ہے۔ عورت آقا اور سیدہ بن سکتی ہے، کسی چیز کی مالک بن سکتی ہے اور غلام خرید کر آزاد کر سکتی ہے۔ اس کو جس شخص کے ساتھ چاہے عہد و پیمان اور معاملہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ زندگی کی پیچیدہ راہوں کو ہموار کرنے اور مناقشات و نزاعات کو رفع کرنے کے لیے اوروں کی طرف سے وکیل بن سکتی ہے۔ ان تمام امور میں اس کے شوہر یا باپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ کچھ رخنہ اندازی کریں یا عورت کو ان میں حصہ لینے سے باز رکھیں۔

مرد اور عورت کے درمیان موازنہ:

مرد کی خصوصیات: مبداء فیاض کی جانب سے مرد کے اندر چند ایسی استعدادیں اور قوتیں ودیعت کر دی گئی ہیں جن سے وہ اپنی زندگی میں ہر قسم کے نمایاں کام سرانجام دے سکتا ہے۔ اسی بناء پر اسلام نے امامت عظمٰی کا بار صرف مرد کے کندھوں پر ڈالا ہے اور اس کو اسی کا حق قرار دیا ہے، کیونکہ مرد اپنی فطری قابلیتوں کی وجہ سے رعایا کی مختلف حالتوں پر فکر و نظر سے کام لیتا اور سلطنت کے پیچیدہ اور مشکل امور کو سلجھا سکتا ہے۔ جنگی اور سیاسی انتظامات کو خوش اسلوبی سے انجام دیتا اور میدان جنگ میں وقت پڑنے پر دشمنوں سے مردانہ وار مقابلہ کر سکتا

ہے۔

اگر یہ شبہ پیش کیا جائے کہ مردوں ہی پر کیا موقوف ہے بعض عورتوں میں بھی امور سلطنت کو انجام دینے اور زندگی کے کٹھن مراحل طے کرنے کی صلاحیت موجود رہتی ہے، بلکہ بعض عورتیں تو ان میں سے ایسی ہیں جو بعض مردوں سے رائے وتدبیر، عقل ودانائی اور حسن فکر ونظر میں سبقت لے جا چکی ہیں۔ اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو ابھی اوپر تمہیداً پیش کر دیا گیا ہے، مختصر حل یہ ہے کہ جو کچھ ذکر کیا گیا وہ بعض عورتوں کے متعلق تھا اور یقیناً ایسی عورتیں انگلیوں پر گنے جانے کے قابل ہیں۔ شرعی قانون میں اکثر وبیشتر احکام وقوانین کے لیے اکثر اور سواد اعظم کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

شریعت نے طلاق دینے کا حق مرد کے ذمہ کیا ہے نہ کہ عورت کے۔ اس لئے کہ مرد ہی پر مہر ادا کرنا اور معاشرتی ساز وسامان اور نفقات کا فراہم کرنا لازمی ہے۔ یہ انصاف سے بعید تھا کہ ان حالات کے پیش نظر طلاق کی زمام اس کے ہاتھوں میں نہ دی جاتی۔ اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ عورت طبعی طور پر نازک اور لطیف صنف کہلاتی ہے۔ اس کی طبیعت بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر انقیاد واطاعت کا مادہ رکھا ہوا ہے جس سے وہ بہت جلد کسی کے تابع ومطیع ہو جاتی ہے۔ اگر اس کے اختیار میں طلاق کی زمام دے دی جاتی تو یہ امر خلاف فطرت ومنافی حکمت ہوتا، کیونکہ وہ اس صورت میں جب کبھی ادنیٰ سبب یا معمولی واقعہ سے متاثر ہوگی تو اس عقدۂ زوجیت کو توڑ دے گی۔ جب کبھی اس کو ادنیٰ تحریک پہنچتی ہے تو وہ اپنے جذبات سے بے قابو ہو جاتی ہے اور وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اس پر یورپ کے بے شمار واقعات وحادثات دلالت کرتے ہیں کہ مردوں کے بالمقابل عورتوں کو ہر چیز میں مکمل آزادی دینے کی وجہ سے سوسائٹی میں کس قدر فتنہ وفساد واقع ہو گیا اور زندگی کا نظام کس حد تک بگڑ گیا ہے۔ یہ تمام فیوض وبرکات نئی تہذیب کے لائے ہوئے ہیں، جس میں عورتوں کو مردوں سے بھی کئی گنا بڑھا چڑھا کر انہی کے ہاتھوں میں عقدۂ زوجیت کو بھی دے دیا گیا ہے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اس کو توڑ جوڑ سکتی ہیں۔ ہم اس پر طلاق کے باب میں تھوڑی بہت روشنی ڈالیں گے۔

شہادت کے معاملہ میں شریعت نے دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام کیا ہے۔ چنانچہ اس کی توجیہ خود قرآن عزیز نے اس طرح کی ہے:

"ان تضل احدھما فتذکر احداھما الاخری"

(سورۃ بقرہ)

"تا کہ اگر ان دونوں میں ایک بھول جائے تو اس کو وہ دوسری یاد دلائے۔"

عورت کی اس خصوصیت اور وصف پر قرآن حکیم نے جو روشنی ڈالی ہے وہ موجودہ علم اور تجربہ کے عین مطابق ہے اور قرآن کے معجزہ ہونے پر یہ زبردست ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ بعض ایسے مقامات پر جہاں تک مردوں کی نگاہ نہیں پہنچتی مثلاً: ولادت، پردۂ بکارت کی پہچان اور ان تمام چیزوں میں جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اسلام نے ایک ہی عورت کی شہادت پر اکتفاء کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے شہادت کو اجتماعی زندگی میں جو اہمیت دی ہے وہ اس کے کمال فکر ونظر کی دلیل ہے۔ یہی وہ شہادت ہے جس پر اکثر اجتماعی امور کی بنیاد قائم ہے۔ اگر اس کا تعلق ظاہری اثرات مثلاً: حقوق اور سرمایہ داری سے ہو تو یہاں پر دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے مقابل لی جائے گی، کیونکہ عورت کی قوت یادداشت طبعی طور پر کمزور واقع ہوتی ہے اکثر اوقات اس سے بھول چوک ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تعداد میں اضافہ کر کے اس کمزوری اور نقص کی تلافی کر دی ہے۔ عورت کی طبعی کمزوری پر حکم لگانے میں صرف شریعت محمدیہ ہی نہیں، بلکہ دیگر اقوام کے وضعی قوانین بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

چنانچہ رومانی قانون اس طرح ہے کہ عورت اپنی زندگی بھر کسی قسم کا تصرف کرنے کی اہل نہیں جیسا کہ ایک بچے میں اس کی اہلیت نہیں ہوتی۔ عورت کے لیے یہ ضروری ہے کہ خاندان کے مربی اور سرپرست کو اپنا کاروبار سونپ دے۔

فرانسیسی قانون عورت کے حقوق کی اس طرح توضیح کرتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کی مرضی کے بغیر معاملہ یا عہد و پیمان کرنے کی کسی طرح اہلیت نہیں رکھتی۔

اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ عورت وضعی قوانین میں اپنی ذات کے لیے تصرف کا حق نہیں رکھتی۔ جو اس طرح سے اپنے نفس کے لیے تصرف کرنے کا مالک نہ ہو وہ دوسروں کی ملکیت میں کس طرح تصرف کر سکتا ہے؟ یہ امر مسلمہ ہے کہ شہادت حجت ہے جس پر حکومت معاملات اور تمام نزاعات و مناقشات کی بناء قائم ہے۔ عدالتی نقطۂ نگاہ سے یہ کسی طرح درست نہیں کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے مساوی حیثیت رکھے۔

عورت کے حق میں علامہ پلینول کا یہ قول قابل غور ہے:

"جس عورت کا شوہر انتقال کر جائے تو اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت کرنے کا حق قریبی رشتہ داروں کی زیر نگرانی عورت پر فرض ہے، بخلاف باپ کے کہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک اجنبی شخص کو اپنی اولاد پر وصی ٹھہرائے۔ ماں اس حق سے محروم ہے۔ ایک وہ عورت جو تجارت پیشہ نہیں ہے، اگر تجارتی سند یا شہادت پیش کرے تو یہ مجرد وعدہ کے مساوی شمار ہوگی۔ اس کے برعکس اگر کسی مرد سے یہ چیز صادر ہو تو اس پر یہ نتائج مرتب نہیں ہوتے۔

عورت کی خصوصیات: اسلام نے مرد پر جہاد فرض کیا ہے' عورت اس فرض سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہے مگر جس وقت دشمن مسلمانوں کے شہروں میں چاروں طرف سے سیلاب کی طرح امنڈ آئے تو اس صورت میں مرد و عورت دونوں پر اس کی مدافعت ضروری ہو جاتی ہے، کیونکہ جان و مال اور ملک کی حفاظت اور مدافعت شوہر کی اجازت کے بغیر عورت پر فرض ہو جاتی ہے۔

اگر مسلمان اپنے دشمنوں کے کسی شہر پر قابض ہو جائیں تو وہاں کی عورتوں پر جزیہ نہیں ہے، بلکہ کافر مردوں پر جزیہ فرض ہے۔

شریعت مرتد عورتوں کو قتل کر دینے کے بارے میں خاموش ہے' اگر مرد مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل کر دینا ضروری ہے۔

ایک بالغہ اور عقلمند عورت پر جب دیت واجب ہو جائے تو اس سے کسی قسم کی دیت نہیں لی جائے گی' ہاں اس صورت میں جب کہ عورت قتل میں جو موجب دیت ہے حصہ لے تو اس سے دیت لی جائے گی۔

جس وقت محلہ والوں پر قسم کھانا واجب ہو جائے تو عورت سے قسم نہیں لی جائے گی۔

عورت پر جمعہ اور عیدین کی نماز واجب نہیں ہے۔ یہ صرف مرد پر واجب ہے۔

عورت جب بیوی بن چکی ہے تو اس کے اخراجات' از دواجی زندگی کے جملہ ساز و سامان اور عورت کی ضروریات کی تکمیل صرف شوہر کے ذمہ ہے۔ عورت اگرچہ حیثیت والی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ ماں بن چکی ہے اور اس کی اولاد بے روزگار اور مفلس ہے تو باپ پر سارے اخراجات عائد ہوتے ہیں۔ ماں اس کی اجرت رضاعت اور اولاد کی پرورش سے ادا کر دیتی ہے۔ عورت اگر لڑکی ہے تو اس کا خرچ باپ پر ضروری ہے' باپ کے علاوہ اس کی پرورش میں اس کے رشتہ داروں کو بھی

حصہ لینا چاہئے، تاوقتیکہ وہ سن بلوغ تک پہنچ کر ازدواجی زندگی کے رشتہ میں منسلک نہ ہو جائے۔ اس اثناء میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لڑکی کو طلب روزگار کے لیے مجبور کرے۔

ان تمام بیانات سے واضح ہو چکا کہ شریعت اسلامیہ نے عورت کی نشوونما اور اس کی تدریجی زندگی کے منازل کو ملحوظ رکھتے ہوئے باعتبار اس کے لڑکی ہونے کے زمانہ سے بیوی اور ماں بننے کے زمانے تک وہ حقوق مقرر کیے جو اس کے ہر دور میں کفیل بن سکتے ہیں اور وہ احکام پیش کیے جو عدل و انصاف، عطوفت اور رحم دلی پر مشتمل ہیں۔

مرد اور عورت میں مساوات حقوق:

جس شخص نے قرآنی تعلیمات اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور پھر دیگر مذاہب و اقوام کے ایک ایک قانون کو جانچا ہے وہ معلوم کر سکتا ہے کہ مذہب اسلام نے عورتوں کی معاشرت کو کس قدر بلند کر دیا اور مرد و عورت دونوں کے لیے کیسا موزوں درجۂ مساوات عطا کیا ہے۔ قرآن مجید نے مساوات حقوق کا بار بار اعلان کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف"

(سورۂ بقرہ، آیت نمبر:28)

"عورتوں کے حقوق مردوں پر ایسے ہیں جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"ھن لباس لکم و انتم لباس لھن"

"وہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔"

اور جہاں کہیں بھی قرآن مجید میں مرد و عورت کے آپس میں تعلقات و معاملات کا ذکر ہے وہاں اکثر مردوں ہی کو عورتوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

"وعاشروھن بالمعروف"

"عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔"

مرد کو عورت کا مہر ادا کرنے کا حکم دیتا ہے تو بھی نیکی کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد ہے:

"واتوھن اجورھن بالمعروف"

"بھلائی کے ساتھ عورتوں کا مہر ادا کرو۔"

اگر مرد عورت کو طلاق دینا چاہے تو اس کو بھلائی اور نیکی کے ساتھ طلاق دینی چاہیے:

"فامسکوھن بمعروف اور سرحوھن بمعروف ولاتمسکوھن ضرارالتعتدوا"

"تو ان کو بھلائی کے ساتھ رکھو یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو اور ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو تاکہ تم زیادتی کرو۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"ولاتضاروھن لتضیقوا علیھن"

"اور تنگ کرنے کی غرض سے ان کو دق نہ کرو۔"

طلاق دینے کے بعد عورت کو دیا ہوا مال مرد کو واپس نہ لینا چاہیے:

"وان اردتم استبدال زوج مکان زوج و آتیتم احداھن قنطارا فلاتاخذوا منه شیئا اتاخذونه بھتانا واثمامبینا وکیف تاخذونه وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم میثاقا غلیظا"

"اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور ان میں سے کسی کو ڈھیروں مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو' کیا تم اس کو جھوٹا الزام لگا کر اور کھلا گناہ کر کے لینا چاہتے ہو اور تم اس کو کس طرح لیتے ہو' حالانکہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بے حجاب ہو چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے پکا عہد لے چکی ہیں۔"

اگر مرد عورت کو خلوت کے قبل ہی طلاق دے دے تو شریعت اسلامیہ کے مطابق آدھا مہر ادا کرنا واجب ہے، لیکن اس صورت میں بھی مرد کو پورا مہر ادا کرنے کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ فرض نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"وان تعفوا اقرب للتقوی ولاتنسوا الفضل بینکم"

"اور تم معاف کرو (حق مہر پورا دے دو) تو یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور

اپنے درمیان بڑائی کو نہ بھولو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف نصیحتوں سے مردوں کو عورتوں پر ظلم کرنے سے روکا ہے اور اس صنف نازک کی بڑی دلجوئی کی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

"الدنیا متاع و خیر متاع الدنیا المراۃ الصالحة"

"دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے۔"

اسی قسم کے دیگر ارشادات سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔

اب ہم مرد و عورت کے حقوق پر ایک سرسری نظر ڈالنا چاہتے ہیں' تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اسلام نے کہاں تک دونوں کے حقوق میں تناسب قائم رکھا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دیگر مذاہب واقوام کے قوانین بھی دکھائے جائیں گے، تا کہ شریعت اسلامیہ کی فضیلت و برتری کا ایک صحیح اندازہ قائم ہو سکے۔

ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص اپنی جان و مال کا آپ مالک ہے' اپنا آپ مختار اور اپنا آپ آقا ہے' ایک دوسرے کا غلام نہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں' اسلام نے یہی اصول عورتوں کے متعلق برتا ہے اور اس کو یہی کرنا چاہئے تھا اور یہی کیا ہے۔ جس طرح اس نے مرد کو خود مختار اور آزاد قرار دیا ہے اسی طرح عورت کو بھی آزاد و خود مختار قرار دیا ہے' لیکن ہندو مذہب کے مطابق عورت خود مختار نہیں۔

"عورت نابالغ ہو یا جوان یا بوڑھی ہو گھر میں کوئی کام خود مختاری سے نہ کرے۔"

(منوسمرتی)

"عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں اپنے شوہر کے اختیار میں اور بعد وفات شوہر اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے' خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔"

(منوسمرتی)

یونان و روم میں بھی عورتوں کی حیثیت ایک غلام کی حیثیت سے زیادہ نہ تھی۔

بایں ہمہ بحیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بہ غایت پست تھا' اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی' لڑکپن میں اپنے والدین کی' جوانی میں اپنے شوہر کی اور بیوگی میں اپنے فرزندوں کی وراثت ہوتی۔ اس کے مقابلے میں اس کے مرد کے اعزہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا' تاہم عملاً وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی،

کیونکہ عدالت میں اس کا اظہار کرنا یونانی ناموس وحیاء کے منافی تھا۔ البتہ وہ اپنے ساتھ جہیز ضرور لاتی تھی اور اپنی لڑکیوں کو بھی شادی کے وقت جہیز دینا اس کے فرائض میں داخل تھا۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ اثینا کا قانون یتیم لڑکیوں پر خاص طور سے مہربان تھا' لیکن بس ان دونوں باتوں کے سوا اور کوئی شے حقوق نسواں کی تائید میں نہیں پیش کی جا سکتی۔ افلاطون نے بے شبہ مرد و عورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا' لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔

عورت کا مرتبہ رومی قانون نے البتہ ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا' افسر خاندان کو جو باپ ہوتا یا شوہر' اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے' بلکہ بعض دفعہ وہ کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی دور تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی تک کو قتل کر سکتا ہے۔ 520 سال تک طلاق کا کسی نے نام بھی نہ سنا۔

عرب میں سوتیلی مائیں بیٹوں کی وراثت میں آتی تھیں، ان کی محکوم ہو کر رہتی تھیں اور قاعدہ تھا کہ بیٹا جس سوتیلی ماں پر اپنی چادر ڈال دیتا وہ اس کی بیوی بن جاتی۔ اسلام نے اس طریقہ کو مٹایا اور صریحاً اس کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ولاتنکحوا مانکح آباؤکم من النساء الا ماقد سلف انه کان فاحشة ومقتا وساء سبیلا"

"اور جن عورتوں کو تمہارے باپ دادا اپنے نکاح میں لائیں تم ان کو اپنے نکاح میں نہ لاؤ، کیونکہ یہ بڑی بات ہے اور غضب کا کام ہے اور برا طریقہ ہے۔"

نکاح کے معاملہ میں طرفین کو پوری آزادی دے دینی چاہئے' تاکہ طرفین جس کو چاہیں اپنے لیے انتخاب کر سکیں۔ انتخاب کا اختیار غیر کے ہاتھ میں نہیں دیا جا سکتا' کیونکہ یہ وہ رشتہ ہے جو مرتے دم تک قائم رہنے والا ہے اور جب ایک دوسرے کی دلی خواہش اور پسند کے مطابق نکاح نہ ہو تو ہمیشہ کے لیے زندگی مرد و عورت پر وبال جان بن جاتی ہے۔ میاں بیوی میں سچی محبت پیدا نہیں ہوتی اور دونوں نا اتفاقی اور آئے دن کے جھگڑے اور فسادات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے خانگی نظام بگڑ جاتا ہے اور اطمینان کی زندگی نصیب نہیں ہوتی۔ ہندو مذہب نے مرد کو تو

عورت کے انتخاب کا اختیار دیا ہے، لیکن بیچاری غریب عورت اس اختیار سے محروم ہے:

"باپ جس کے ساتھ شادی کر دے یا باپ کے حکم سے بھائی جس کے ساتھ شادی کر دے عورت اس کی خدمت میں رہے اور بعد وفات شوہر کسی غیر مرد سے صحبت نہ کرے۔"

(منوسمرتی)

یونانیوں اور رومیوں کا قانون بھی قریب قریب یہی تھا۔ عرب میں اس کے لیے کوئی خاص قانون نہیں تھا۔ بسا اوقات والی و وارث یا قریبی رشتہ دار نکاح کو روک دیتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بہت سے واقعات ایسے پیش آئے ہیں۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ایک بہن تھی جن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے سے شادی کی، دوسرے شوہر نے بھی طلاق دے دی تو پہلے شوہر نے ان کی بہن سے نکاح کرنا چاہا اور معقل بن یسار کی بہن بھی اس پر راضی تھیں، لیکن حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کو روک دیا۔ فوراً یہ آیت نازل ہوئی:

"ولا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن"

"عورتوں کو اپنے پہلے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔"

اگر کوئی قریبی رشتہ دار کسی نابالغ بیوہ کا اس کی اجازت کے بغیر کسی مرد سے نکاح کر دیتا تھا تو بالغ ہونے کے بعد عورت کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں تھا اور اگر کسی دور کے رشتہ دار نے اس عورت کا نکاح کیا تھا تو اس کو فسخ کا اختیار دیا جاتا تھا۔

مذہب اسلام نے مرد و عورت کو نکاح کے معاملہ میں پوری آزادی دی ہے۔ کسی والی و وارث کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ عورت کی اجازت کے بغیر کسی مرد سے اس کا نکاح کرے۔ نکاح کے انعقاد کے لیے مرد و عورت کی رضامندی شرط ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لاتنکح الایم حتی تستامر ولاتنکح البکر حتی تستاذن قالوا یارسول اللہ وکیف اذنھا قال ان تسکت"

"بیوہ عورت کے حکم کے بغیر اس کا نکاح نہیں کیا جا سکتا اور کنواری لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کی شادی نہیں کی جا سکتی۔" لوگوں نے کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

اس کی اجازت کیونکر ہوگی۔؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کی اجازت یہی ہے کہ وہ خاموش رہ جائے۔"

اگر کبھی عورت کی رضامندی کے بغیر شادی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو توڑ دیا ہے۔ چنانچہ خذام انصاری نے اپنی لڑکی خنساء کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا تھا' خنساء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو باطل قرار دے دیا۔

نکاح ہونے سے پہلے مرد وعورت کو حکم ہے کہ ایک دوسرے کو ایک دفعہ دیکھ لیں تا کہ آئندہ انہیں دھوکا نہ ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کے مقابلہ میں "کورٹ شپ" کی رسم کو پیش کر کے کہے کہ اسلامی قانون سے بہتر کورٹ شپ کی رسم ہے، کیونکہ اس صورت میں مرد وعورت کو کافی وقت ملتا ہے کہ ایک دوسرے کے اخلاق و عادات کو اچھی طرح سے جانچ لیں، لیکن یہ صرف دھاکا ہی دھوکا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ خواہشات نفسانی کا بندہ ہمیشہ اپنا مقصد و مطلوب حاصل ہونے تک ہی غیروں سے نہایت محبت اور حسن اخلاق سے پیش آتا ہے اور جب اپنا کام نکل جاتا ہے تو وہ حسن اخلاق وغیرہ کو بالائے طاق اٹھا کر رکھ دیتا ہے۔ اس صورت میں اگر مرد عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کے اخلاق بگڑے ہوئے ہیں تو شادی ہونے تک ہمیشہ عورت کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے گا۔ ایک بدسیرت عورت بھی اگر مرد کو اپنے دام گیسو میں پھانس لینا چاہتی ہے تو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے تک مرد کو خوش رکھنے کی کوشش کرے گی اور نرمی و محبت اور حسن اخلاق سے پیش آئے گی۔ ایسی حالت میں دونوں کی سیرت کا کہاں پتہ چلے گا۔؟ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بدسیرت سے بدسیرت مرد وعورت کے درمیان بھی شادی ہوتے ہی نا اتفاقی نہیں واقع ہوتی، بلکہ ایک مدت کے بعد جب کہ دونوں کے شہوانی جذبات سرد پڑ جاتے ہیں تو ناچاقی واقع ہوتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ سیرت کا اندازہ کرنے کے لئے ہر ایک کی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالی جائے، کیونکہ گزشتہ زندگی ان کی سچی سیرت کا آئینہ ہوتی ہے اور یہ مرد وعورت کے ساتھ رات دن اٹھنے بیٹھنے والوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں "کورٹ شپ" صرف ایک سراب ہے، جس کی کچھ حقیقت نہیں، بلکہ اس سے نقصان کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو کورٹ شپ کے زمانہ ہی میں خلوت صحیحہ اختیار کر لیتے ہیں۔ کوئی شخص نادر ہی ایسا نکلے گا کہ جو کورٹ شپ کے زمانہ میں پورے ضبط سے کام لیتا ہو۔

ہندو مذہب کے مطابق عورت شوہر کی ملک ہے۔ اس کی جو کچھ ملکیت و جائیداد ہے وہ سب مرد کے قبضہ میں چلی جاتی ہے۔ یہودیوں کے قانون کے مطابق مہر کے علاوہ اور کوئی چیز عورت کی ملکیت میں نہیں رہتی، یہاں تک کہ شوہر کی وفات کے بعد یا طلاق کے بعد عورت مہر کے علاوہ کسی اور چیز کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ یونانیوں اور رومیوں کا بھی یہی قانون تھا، بلکہ اوپر گزر چکا ہے کہ شوہر عورت کی جان تک کا مالک تھا، مگر اسلام نے اس معاملہ میں بھی پورے انصاف سے کام لیا ہے۔ عورت کا مال عورت ہی کے قبضہ میں رہے گا اور مرد کو اس پر تصرف کرنے کا کچھ حق نہیں۔ اگر عورت اپنی خوشی سے مرد کو اپنے مال میں سے کچھ دے تو مرد لے سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیاء مریا"

"پھر اگر وہ عورتیں اپنی خوش دلی سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو اس کو کھاؤ اچھتا پچتا۔"

اسلام نے حسن معاشرت کے معاملہ میں طرفین کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اسلام ایک طرف مرد کو یہ سکھاتا ہے کہ عورت کے ساتھ مہربانی اور حسن سلوک سے پیش آؤ، اس کو اپنی ایک بہترین رفیقۂ حیات سمجھو اور اگر تمہاری نافرمانی کرے تو اس کو سمجھاؤ، اگر اس پر بھی نہ مانے تو اپنی خواب گاہ سے اس کو الگ کر دو اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو ضرب خفیف سے کام لو، جبکہ ضرب شدید کی سخت ممانعت ہے۔ دوسری طرف اسلام عورت کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ مرد کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے، اپنی عصمت و عفت کی پوری حفاظت کرے اور مرد کے مال میں سے ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرے۔ یہی وہ پاکیزہ اخلاقی تعلیم ہے جس نے مسلمانوں کے خانگی نظام میں خلل نہ آنے دیا، مرد و عورت میں سچی محبت پیدا کی اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنا سکھایا۔

سب سے بڑی چیز جس نے عورت کو مرد کے پنجوں سے آزادی دلائی وہ حق خلع ہے۔ تمام مذاہب و اقوام میں صرف مرد ہی کو طلاق کا حق حاصل ہے۔ عورت کو آزادی حاصل کرنے کی انہوں نے کوئی ترکیب نہیں بتائی۔ ہندو مذہب تو یہ کہتا ہے:

"اگرچہ شوہر بے مروت ہو اور دوسری عورت کے ساتھ محبت رکھتا ہو یا بے ہنر ہو تو بھی بت برتا استری ہمیشہ اس کی سیوا دیوتاؤں کی طرح کرے۔" (منوسمرتی)

موسوی قانون کے مطابق طلاق کا حق صرف مرد ہی کو حاصل ہے تورات میں ہے:

''اگر کوئی مرد کوئی عورت لے کے اس سے بیاہ کرے اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو، اس سبب سے کہ اس نے اس میں کچھ پلید بات پائی تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اس کے ہاتھ دے اور اسے اپنے گھر کے باہر کرے اور جب وہ اس گھر سے نکل گئی تو جا کے دوسرے مرد کی ہو۔ پھر اگر دوسرا شوہر بھی اس سے ناخوش ہو جائے اور اس کا طلاق نامہ لکھ کے اس کے ہاتھ میں دے اور اپنے گھر سے نکال دے یا اگر دوسرا شوہر اسے جورو کر کے مر جائے تو روا نہیں کہ اس کا پہلا شوہر جس نے اسے مکان دیا تھا اسے پھر لے اور بعد اس کے کہ وہ ناپاک ہو چکی اسے پھر اپنی جورو کرے، کیونکہ وہ خداوند کے حضور نفرتی کام ہے۔''

(استثناء، باب نمبر 24)

یہودیوں کے نزدیک مرد کسی سبب کے بغیر بھی عورت کو طلاق دے سکتا ہے اور ان کے ہاں کوئی چیز عورت کو طلاق دینے سے مانع نہیں۔ چونکہ ان کے نزدیک بقائے نوع انسانی کے لیے بہت سے نکاح کرنا ہر شخص پر واجب ہے۔ ورنہ وہ لعنت کا مستحق ہوگا۔ اس لئے اگر کسی عورت کو دس سال تک بچہ نہ پیدا ہو تو مرد پر واجب ہو جاتا ہے کہ عورت کو طلاق دے کر دوسری سے شادی کرے۔ عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ مرد سے کسی سبب کے ہوتے ہوئے بھی طلاق طلب کرے۔ چنانچہ فتاویٰ ہرشبا (یہودیوں کی مستند کتاب) میں ہے:

''عورت کے لیے جائز نہیں کہ مرد سے طلاق طلب کرے، اگرچہ شوہر میں بے انتہا عیوب ہی کیوں نہ ہوں۔''

(فتاویٰ ہرشبا، فصل نمبر 406)

مذہب عیسوی میں طلاق تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ اگر کوئی مرد و عورت اپنے رفیق حیات کو طلاق دے کر دوسرے سے نکاح کرے تو وہ انجیل کے حکم کے مطابق زانی قرار پاتا ہے۔

عرب میں عورتوں کو مردوں سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ایک ایک مرد کے ماتحت کئی کئی عورتیں ہوتی تھیں۔ مرد اُن پر ہزاروں ظلم کرے اور حق زوجیت ادا نہ کرے پھر بھی عورت کی آزادی کی کوئی سبیل نہ تھی۔ جاہلیت میں رواج تھا کہ شوہر بدنامی کے خیال سے یا شرارت سے نہ تو کامل طلاق دیتا تھا اور نہ حق زوجیت ادا کرتا تھا۔ قرآن مجید نے اسی کی طرف

اشارہ کیا ہے:

"ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقة"

(سورۂ نساء)

"اپنی بیوی کے درمیان اپنی پوری خواہش کے باوجود تم عدل نہیں قائم رکھ سکتے، اس لئے ایسا نہ کرو کہ ایک طرف بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو گویا معلق کر دو۔"

مذہب اسلام نے اگر ایک طرف مرد کو طلاق کا حق دیا تو دوسری طرف عورت کو بھی حق خلع عنایت کیا اور دونوں کے حقوق برابر برابر کر دیئے۔ یہاں ایک بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اسلام نے طلاق و خلع کی صورت صرف مجبوری کی حالت میں جائز قرار دی ہے، اگر میاں بیوی کے درمیان نا اتفاقی کی خلیج حائل ہو جائے تو اسلام فوراً مرد کو طلاق دے دینے یا عورت کو مرد سے طلاق طلب کرنے کا حکم نہیں دیتا، بلکہ ہر ممکن طریقہ سے میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کسی طرح سے صلح نہ ہو سکے تو اس صورت میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ابغض الحلال عند اللہ الطلاق"

"خدا کے نزدیک مبغوض حلال طلاق ہے۔"

قدیم اسلامی طرز معاشرت کو سامنے رکھ کر موجودہ مغربی طرز معاشرت کا معائنہ کرو تو صاف طور پر نظر آئے گا کہ اول الذکر معاشرت میں ازدواجی رشتۂ محبت کا ایک غیر فانی رشتہ ہے جس کو نا اتفاقی کی آندھیاں بھی آسانی سے نہیں توڑ سکتیں، لیکن موجودہ مغربی طرز معاشرت میں نکاح و ازدواج ایک بچوں کا کھیل ہے، جس کو ایک لمحہ کے اندر بنایا اور ایک لحظہ کے اندر بگاڑا جا سکتا ہے۔ مغرب نے عورت کو اپنا خدا بنایا اور اس کو اتنی آزادی دی کہ وہ معمولی سی بات پر عدالت میں طلاق کا دعویٰ دائر کر دیتی ہے۔ اسی لیے آج مغربیوں کو وہ چین اور اطمینان نصیب نہیں جو مشرقیوں کو نصیب ہے۔

اسلام کے علاوہ اور کسی مذہب نے عورت کو وراثت میں حصہ نہیں دیا۔ ہندوؤں کا قانون یہ ہے:

"جب تک پڑپوتے تک کوئی اولاد از قسم ذکور موجود ہو بیٹی وارث نہیں ہو سکتی، کیونکہ

جملہ آریہ قوموں میں اولادِ ذکور کو اناث پر ترجیح حاصل ہے۔''

(دھرم شاستر، صفحہ نمبر: 21)

یہودیوں کا قانون وراثت کہتا ہے:

''اگر کسی میت کے لڑکا نہ ہو تو وراثت پوتے کے لیے ہے اور اگر پوتا بھی نہ ہو تو اس صورت میں وراثت (میت کی) بیٹی کی ہوگی اور اگر بیٹی بھی نہ ہو تو بیٹی کی اولاد وراثت کی مالک ہوگی۔''

(حوش احکام الارث واتھیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ بیٹی کا درجہ پوتوں کے بعد آتا ہے۔ یونان وروم کے قانون کے مطابق میت جس شخص کو خاندان کا سردار مقرر کرتا تھا وہی اس کی تمام جائیداد کا مالک قرار پاتا تھا۔ ''موصی لہ'' (جس کے حق میں وصیت کی گئی) کو پورا اختیار حاصل تھا کہ وہ جس طرح چاہے اس کی جائیداد کو کام میں لائے۔ میت کی اولاد کی شادی کرنا یا نہ کرنا موصی لہ کی مرضی پر موقوف تھا۔ گو مختلف زمانوں میں اس قانون میں ردوبدل ہوتا رہا، لیکن کسی زمانہ میں بھی عورت کو مرد کی برابری حاصل نہیں ہوئی' ہمیشہ عورت کا درجہ مرد کے بعد رہا۔

عرب زیادہ تر میراث اور دیگر معاملات میں اگلی قوموں کی پیروی کرتے تھے۔ اسی لیے وہ عورتوں کو میراث میں کسی قسم کا حصہ نہیں دیتے تھے۔ علاوہ ازیں ان کا ایک نظریہ یہ تھا کہ مرد ہی اپنی قوت وطاقت کے زور سے پورے خاندان کی حفاظت کرسکتا ہے اور مصیبتوں پر ثابت قدم رہ سکتا ہے' اس لئے میت کا پورا مال مرد کو ملنا چاہیے عورت کا اس میں کوئی حصہ نہیں، لیکن اسلام نے ان تمام کے مقابلہ میں میراث کا ایک ایسا قانون پیدا کیا جس کی برابری کا دعویٰ دنیا کا کوئی قانون نہیں کرسکتا۔ اس نے سب سے پہلے یہ بتایا:

''للرجال نصيب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه او اكثر نصيبا مفروضا''

(سورۂ نساء)

''ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا حصہ ہے اور ایسا ہی ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں عورتوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصہ

ہمارا ٹھہرایا ہوا ہے۔"

اس کے بعد اس نے ہر ایک مرد اور عورت کے حصے مقرر کر دیئے۔ اس نے مرد و عورت کے حصوں میں کسی قدر کی کمی بیشی کی ہے۔ چنانچہ کسی میت کے لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ان میں سے ہر ایک لڑکا لڑکی کا دگنا حصہ پائے گا اور اگر میت کے لڑکے اور لڑکیاں اور ماں باپ ہوں تو اس صورت میں ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر میت کی اولاد نہ ہو تو ماں کو ثلث ملے گا اور باپ عصبہ قرار پائے گا۔ اس کمی بیشی سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام نے عورت کا درجہ مرد کے درجہ سے کم قرار دیا ہے، بلکہ میراث کا یہ قانون اقتصادی نظام پر مبنی ہے۔ چونکہ اسلامی نظام کے مطابق گھر کے انتظام کی ساری ذمہ داریاں مرد پر عائد ہوتی ہیں اور اہل و عیال اور بال بچوں کا کھانا کپڑا اور ان کے تمام خرچ کا ذمہ دار مرد ہے اس لئے مرد کو زیادہ حصہ دیا اور عقل بھی یہی فتویٰ دیتی ہے کہ جس کا خرچ زیادہ ہو اس کو زیادہ دیا جائے اور جس کا کم ہو اس کو کم۔

مذکورہ بالا چند قوانین پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوا ہوگا کہ مذہب اسلام نے عورت کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اگر اسی طرح مرد و عورت کے حقوق کی تمام جزئیات پر نظر ڈالیں گے اور دیگر اقوام کے قوانین کے ساتھ موازنہ کرتے جائیں گے تو ہر حال میں مذہب اسلام کی برتری اور فضیلت نمایاں رہے گی۔

تمام احکام اور امر و نواہی میں اسلام نے مرد و عورت دونوں کو برابر قرار دیا ہے۔ جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ مرد پر فرض ہیں اسی طرح عورت پر بھی یہ چیزیں فرض قرار دی گئی ہیں۔ زانی اور زانیہ کی سزا ایک ہے۔ لین دین، خرید و فروخت اور وصیت کرنے میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ یہودیوں کے ہاں عورت وصیت نہیں کر سکتی، بلکہ ان کے نزدیک عورت کی شہادت معتبر نہیں ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک اگر عورت زنا کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ کتوں کو چھوڑ کر اس کو نچوا دینا چاہیے اور اگر مرد زنا کرے تو اس پر جرمانہ ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کے نزدیک عورت کی شہادت معتبر نہیں، اگر کسی عورت کا شوہر انتقال کر جائے تو وہ کسی طرح دوسرے سے شادی نہیں کر سکتی۔ اگر کسی مرد کی بیوی وفات پا جائے تو وہ مرد دوسری عورت کو اپنے نکاح میں لا سکتا ہے لیکن اسلام نے اس میں بھی دونوں کو برابر کر دیا ہے۔ آج ہندو بیوہ عورتوں کے دردانگیز و پرالم واقعات کو سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کتنی ایسی عورتیں ہیں جن کی شادی صغر سنی میں ہوئی اور عین جوانی کے عالم میں بیوہ ہو گئیں۔ یہ دردانگیز منظر اس وقت نظر آتا

ہے جب کہ یہ بدنصیب عورتیں مست ہو کر میلوں میں گاتی ہوئی نکلتی ہیں۔ کون دل ہوگا جوان کی اس بری حالت کو دیکھ کر چار آنسو نہ بہاتا ہوگا۔ تعجب تو یہ ہے کہ ایسے لغو قانون کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے آج مذہب اسلام کے بہترین قوانین پر اعتراض کرتے ہیں۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق:

اسلام نے عالم نسوانیت کے اندر جو حیرت انگیز انقلاب رونما کیا وہ مذہبی انقلابات کی تاریخ میں کہیں نہیں پایا گیا۔ ساتویں صدی بعد المسیح میں جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمل میں آئی عورت ہر جگہ مظالم کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ یورپ اس زمانے میں جہالت و تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔ یہاں عورت ایک قالب بے روح ہستی شمار کی جاتی تھی۔

روم کے باشندوں نے ایک بہت بڑا جلسہ منایا' اس میں انہوں نے عورت کے حقوق پر بحث و تنقید کی۔ آخر میں یہ طے پایا کہ وہ ایک بے جان قالب ہے' اسی وجہ سے وہ ایک اخروی زندگی میں کوئی حصہ نہ پائے گی۔ وہ ناپاک ہے، اس کو گوشت کھانے' ہنسنے اور بولنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اس کو اپنے تمام اوقات زہد و عبادت اور خدمت گزاری میں صرف کرنا ضروری ہے۔

اس کی زبان بندی کے لیے اس کے منہ پر ایک بھاری تالا ڈال دیا گیا تھا جس کا نام انہوں نے (Museliere) موزلیپر رکھا تھا۔ عورت خواہ وہ اعلیٰ خاندان کی ہو یا ادنیٰ قبیلہ کی راستوں میں چلتے پھرتے وقت اپنے گھر میں رہنے کی حالت میں غرضیکہ ہر صورت میں اس کے منہ پر لوہے کا تالا پڑا رہتا تھا۔ ان جسمانی عقوبات کے علاوہ عورت کے باطن کو بے شمار زہریلے تیروں سے چھلنی کیا گیا تھا۔ اس کو بلحاظ جبلت یہ سمجھا گیا تھا کہ وہ بنی آدم کو بہکانے کا ایک دل کش آلہ ہے۔ دلوں میں بگاڑ اور فتنہ و شر و فساد پیدا کرنے کے لیے شیطان اس کی خدمت حاصل کرتا ہے۔

(ایک فرانسیسی رسالہ، جلد نمبر 11)

بلاد عرب میں عورت چوپائیوں کے درجہ کے مساوی تھی۔ شوہر کو جہیز میں چوپائے کے ساتھ ورثہ میں عورت دی جاتی اور یہ اسی کی ملکیت قرار پاتی۔ عصمت ریزی اور فسق و فجور پر عورت کو مجبور کیا جاتا تھا۔ مرد کے لیے عورتوں کی کوئی قید نہ تھی' وہ جتنی عورتیں چاہتا اپنے لیے منتخب کر لیتا۔

اس وقت آج کل کی طرح سے عورتوں کو کوئی حق نہ ملا تھا، یہاں تک کہ اس کے والدین کی میراث سے بھی اس کو محروم کر دیا جاتا تھا۔ یہ شوہر کے حصہ میں محض چوپایہ سمجھ کر بھیج دی جاتی تھی۔

ایک قالب بے روح چوپایہ کس طرح میراث کا مستحق ہوسکتا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ عربوں نے غزل اور تشبیب کے بارے میں جتنے اشعار کہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ گوارا تھا کہ وہ اپنی اونٹنی اور گھوڑے کی تعریف کریں، لیکن انہیں کبھی یہ منظور نہیں تھا کہ عورت کو تغزل اور تشبیب کا موضوع ٹھہرائیں۔

اسلام کے ظہور قدسی کے وقت عورت ایسے ہی مصائب وآلام کا شکار تھی۔ مگر اسلام نے اس کو پنجۂ استبداد سے نجات دلائی اور اس کی حالت میں وہ انقلاب پیدا کیا جس کی نظیر کسی قسم کے انقلابات پیش نہیں کرسکتے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطنت رومانیہ کے آخری دور میں عورتوں کے وجود کو تسلیم کرلیا گیا تھا، ممکن ہے کہ بعض لوگ اس دور کو ان کے لیے سنہری دور سے تعبیر کریں، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ دور عورتوں کے لیے تمام ادوار میں خطرناک اور ان کی حکومت کے لیے غیر مفید ثابت ہوا۔ اس زمانے میں رومانیوں کے نفوس ان کی حکومت کے وسیع ہوجانے کی وجہ سے اس حد تک بگڑ چکے تھے کہ وہ ہمیشہ جسمانی لذتوں میں سرشار رہنے اور نفسانی خواہشوں سے لطف اندوز ہونے کے سوا اور کوئی خواب نہیں دیکھتے تھے۔ اس شہوانی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے عورتوں کو مطلق آزادی دے رکھی تھی، اس غرض کے لیے نہیں کہ ان کی انسانیت کا تقاضا یہی تھا اور اس کے ذریعہ سے وہ اپنے محکم اصول پر قائم رہ کر انسانی کمالات حاصل کریں اور ترقی یافتہ صورتوں میں اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دیں، بلکہ انہوں نے ان کو اس لئے آزادی کامل دی کہ وہ ان کی شہوتوں کا آلہ اور اپنی نفسانی سیاہ کاریوں کا ذریعہ بن جائیں۔

انیسویں صدی کا دائرۃ المعارف کہتا ہے:

''جمہوریہ رومانیہ کے ابتدائی ایام میں عورت اپنے گھر کی چار دیواری میں محصور تھی، جس میں رہ کر کپڑے وغیرہ بنایا کرتی تھی، لیکن نفس پرستی کا سیلاب رفتہ رفتہ رومانیہ میں بڑھتا گیا یہاں تک کہ ''کاتون'' نے اس ہولناک حادثہ کی خبر دی جو تمام پر بدلیاں بن کر چھا جانے والا تھا' تھوڑی مدت گزرنے نہ پائی تھی کہ رومانیہ میں عیش پرستی، نفس پروری اور فسق وفجور کی انتہا نہ رہی۔''

آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ:

''کاتون'' اپنے قانون کی مدافعت میں جو عورت کی عصمت ریزی کی ممانعت میں تھا

کامیاب نہ ہوسکا، لیکن اس کی خطرہ اندیش اور ہولناک پیش گوئی ثابت ہو کر رہی۔ چنانچہ سلطنت رومانیہ کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ عورت کی حالت میں حیرت انگیز انقلاب رونما ہو گیا۔ غلامی کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ دی گئی جس میں وہ تقریباً ہزار سال تک رہی۔ یہاں تک کہ علوم وفنون کا بازار گرم ہوا جس سے آہستہ آہستہ عورت نے پنجۂ استبداد سے رہائی حاصل کی اور رفتہ رفتہ اس کو اس درجہ پر پہنچا دیا گیا جس کو آج زمانہ دیکھ رہا ہے۔

اس سے بھی عجیب وغریب وہ انقلاب ہے جس کو اسلام نے عورتوں کی حالت میں رونما کیا' اس لحاظ سے نہیں کہ وہ شہوت پرستی اور نفس پروری کا نشانہ بنائی جائیں، بلکہ یہ انقلاب اس حیثیت سے تھا کہ ان کے طبعی حقوق کو زندہ کیا جائے اور سوسائٹی میں ان کا خاص درجہ مقرر کیا جائے' جس میں ان کی خصوصیات نمایاں ہوں اور ان کے فطری جوہر چمک اٹھیں تاکہ سوسائٹی کے عناصر تکمیل پذیر ہوں اور اجتماعی ترقیوں تک رسائی حاصل کریں۔

اس مقصد کے لیے چند اصول مقرر کیے گئے جن کو ابتدائی عقائد کا درجہ دیا گیا ہے' ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ مرد اور عورت وہ دو تکمیل پذیر عناصر ہیں جو خاندان کی ترکیب وتشکیل کے لیے وجود میں لائے گئے ہیں، تاکہ دونوں باہمی اتحاد ومحبت کے نظام میں منسلک ہو کر خوشگوار زندگی گزاریں جس کی طرف یہ آیت ہدایت کرتی ہے:

"ومن اٰیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ"

(سورۂ روم)

"اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان کے پاس چین پاسکو اور تمہارے درمیان محبت اور مہربانی کو رکھا۔"

چونکہ جنس لطیف' صنف قوی ہی کا ایک جزو ہے اس لئے اس کے لیے بھی وہی اصول مقرر کیے گئے جو مردوں کی جنس قوی کے لیے ہیں:

"ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون"

(سورۂ نحل)

''جو شخص بھی نیک کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو اچھی زندگی دیں گے اور ان کو ان کے بہترین کاموں کا بدلہ دیں گے۔''

اس اصول کی رعایت شریعت اسلامیہ نے اور مقامات پر بھی کی ہے۔ چنانچہ عورتوں کو میراث کا مستحق ٹھہرایا۔ ملکیت کا حق' میراث کا حق اور ان میں تصرف کرنے کا حق غرضیکہ مدنیت و تہذیب کے وہ تمام حقوق دلائے جو مردوں کے لئے ہیں۔ تجارت' صنعت و حرفت وغیرہ جملہ قسم کے قابل برداشت پیشے ان کے لئے جائز قرار دیئے۔ زندگی کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں داخل ہونے سے اسلام نے انہیں منع کیا ہو'ہاں صرف ایک چیز کی اس نے ممانعت کی ہے اور وہ یہ کہ عورت منظر عام پر حسن و جمال کا مظاہرہ کرنے اور عصمت و عفت کے حدود سے باہر قدم دھرنے کی مجاز نہیں۔ کوئی عقل منداور فہم و بصیرت رکھنے والی قوم اس سے انکار نہیں کر سکتی۔ کسی زمانہ میں بھی عورت کے بارے میں انسانیت کا دائرہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو جائے ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی اسلام کے ان زرّیں اور پاکیزہ اصولوں کی مذمت کر سکنے کی جرأت کرے گا۔

اسلامی دیانت کا جب یہ عالم ہے کہ اس نے عورت کو انسان شمار کرتے ہوئے مردوں کے مقام پر مساوی طور پر کھڑا کر دیا ہے تو انصاف کے دامن کو تھام کر غور کر سکتے ہیں کہ اس نے عورت کے لیے ذہنی و عقلی قوتوں کی ترقی کے راستے کھول دیئے یا اس کے سامنے کوئی دیوار کھڑی کر دی کہ وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتیں جیسا کہ ایک صدی قبل ساری دنیا میں اگلی قوموں نے عورت کو آہنی دیواروں میں مقید کر رکھا تھا اور اس کو سوسائٹی میں حصہ لینے اور اعلیٰ تعلیم پانے سے ممنوع قرار دیا تھا۔

اسلامی تعلیمات کا تجزیہ و تحلیل کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے عورت کے لیے تعلیم کو نہ صرف مباح و جائز قرار دیا ہے بلکہ اس پر فرض کر دیا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة''

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت کا فریضہ ہے۔''

اس نص صریح سے یہ امر روشن ہے کہ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے عام تعلیمی نقطہ

نگاہ سے مردوں اور عورتوں کو مساوی تعلیم دینے کا اصول مقرر کیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر تعلیم صرف طبقہ اغنیاء اور استبداد پسند قبائل میں محصور تھی۔ مگر اسلام نے تعلیم کی کوئی حد مقرر نہیں کی اور نہ اسے کسی خاص جماعت یا طبقہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ عورت اس باب میں مختار ہے کہ وہ انتہائی تعلیم کی حد تک رسائی حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ حدود شریعت سے باہر نہ ہو جائے۔ اسلامی خواتین کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ ان میں سے بعض عورتیں اعلیٰ ذہنی قابلیت اور علمی لیاقت سے اونچے مدارج پر پہنچ گئیں۔

کیا یہ مقام حیرت نہیں ہے کہ اسلام نے عورت کے لیے یہ جائز قرار دیا ہے کہ جب وہ علم کی ایک بڑی منزل طے کر لیتی ہے تو وہ فتویٰ اور قضاء وعدالت کے امور انجام دے سکتی ہے اور خاندانی تعلیم و تربیت کی سرپرستی کر سکتی ہے۔

اس سے بڑھ کر حیرت اور تعجب کا مقام کیا ہوگا کہ اسلام نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ مسلمان عورتیں مسجدوں میں نماز ادا کیا کریں۔ جہاں عامہ مسلمین مساجد میں اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل اور سیاسی و اقتصادی مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے اپنے سرداروں کی دعوت پر جمع ہوتے تھے تاکہ اجتماعی حوادث کی مدافعت کریں جو ان پر طاری ہوا کرتے تھے۔ اس غرض کے لیے ان مجلسوں میں عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ تو یہ حادثہ پیش آیا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے مہر کی تجدید میں لوگوں سے مشورہ لینا چاہا۔ جب منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کے روبرو اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے تو اتنے میں ایک عورت درمیان میں آگئی اور اس بارے میں آپ سے بحث کی چنانچہ حضرت عمر نے اپنی رائے سے رجوع کیا اور عورت کی رائے سے اتفاق کیا۔

اسلام کے اس پیش ارتقائی تصور کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ خیال پیش کر سکتے ہیں کہ جب کوئی اجتماعی انقلاب کی ضرورت آپڑے خواہ وہ کسی زمانے میں ہی کیوں نہ ہو اور ہم اس کی طرف داری کریں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنی عورتوں کو تشریعی صورتوں میں انتخاب کے حقوق دیں؟

اسلام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس نے جس ارتقائی و انتہائی شکل تک عورت کے طبعی حقوق کا احترام کیا اور جس مکمل پیرایہ میں عورت کی تصویر پیش کی آج تک اس قسم کا تخیل اور احترام کا یہ جذبہ کسی مہذب و متمدن قانون دان کے دل و دماغ میں نہیں گزرا۔

عورت اسلام کی نظر میں جب کہ وہ بیوی کی حیثیت اختیار کر چکی ہے صرف اس امر کی

مکلّف قرار دی گئی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی آبرو کی حفاظت کرے اور یہ سمجھ کر اس کی شرعی اطاعت کرے کہ وہ خاندان کا طبعی سرپرست و نگران کار ہے۔ شریعت اسلامیہ نے عورت کو نہ تو شوہر اور اپنی اولاد کی خدمت کا مکلّف ٹھہرایا ہے نہ خود اپنے نفس کی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی اولاد کی اور ان کی پرورش کی بھی ذمہ دار نہیں ہے لیکن مرد پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی عورت کے لیے خدمتگار مہیا کرے۔ اگر وہ غریب ہے تو پھر خود عورت کی مرورتوں کی تکمیل کرے گا۔ اگر مرد و عورت کے کوئی اولاد پیدا ہو تو مرد کا فریضہ ہے کہ اگر ضرورت محسوس ہو تو وہ کسی مرضعہ کا انتظام کرے' اگر ماں خود دودھ پلانے اور پرورش کے لیے آمادہ ہو جائے تو رضاعت کی دگنی اجرت ہو گی۔ ہاں اگر مرد غریب اور نادار ہے تو شریعت نے اس پر سے یہ قانون اٹھالیا ہے۔

مسلمان عورت اپنی شادی کی وجہ سے اپنے مالی استقلال کا حق نہیں کھو سکتی بلکہ اپنی املاک میں تصرف کرنے میں مطلق آزاد ہے۔ اس پر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے اقتصادی معاملات میں شوہر کی رائے کی پابند ہو۔ وہ اگر چاہے تو اپنی ملکیت کو فروخت کر سکتی ہے یا اسکو کسی اچھے مصرف میں لگا کر اس سے منافع حاصل کر سکتی یا اس کو رہن رکھ سکتی ہے' ان تمام امور میں اسی کے شخصی ارادہ کو دخل ہو گا۔

یہ وہ حقوق ہیں جو آج تک اجنبی قوموں کی عورتوں کو حاصل نہ ہو سکے کیوں کہ ان کی عورتوں پر شادی کے ساتھ ہی یہ پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں کہ وہ محض اپنے شوہر کے احکام کے تحت اقتصادی تصرفات کا حق رکھتی ہیں۔ اپنی املاک کو شوہر کی تصدیق یا اجازت کے بغیر نہ رہن رکھ سکتی ہیں نہ فروخت کر سکتی ہیں بلکہ کوئی چیز خرید بھی نہیں سکتیں۔ اس لئے کہ قانون ہی اس قسم کا ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی کے املاک میں وہ حقوق حاصل ہیں جو بیوی کے والدین اور اس کے رشتہ داروں کو حاصل نہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ یہ قانون عورت کی غلامی کے لیے تاریک زمانے کی ایک یادگار ہے۔

شریعت اسلامیہ نے مسلمان عورتوں کے حقوق کا جو تصور پیش کیا ہے آج تک کسی مفکر و فلسفی کے وہم و گمان میں بھی نہ گزرا ہو گا۔ اسلام نے یہ حقوق محض اپنی بزرگی اور بلندی جتلانے کے لیے نہیں بلکہ عورت کو غلامی کی مضبوط زنجیروں سے آزاد کرانے اور مظالم و آفات سے نجات دلانے کے لیے عطا کیے ہیں۔

اسلام نے عورت کو مرد کی رفیقۂ حیات شمار کیا ہے اور اس کو عملی حیثیت سے وہ حقوق دیئے

ہیں جو عالم اسلامی میں محقق ہیں اور جن پر تمام علماء وفقہاء کا اجماع ہے۔

جب ایک فلسفی ومفکر یا ماہر علم الاجتماع کی نظر محض تشریعی واجتماعی نقطہ سے اسلامی حقوق نسواں پر پڑتی ہے تو اس کی حیرت وتعجب کی انتہا نہیں رہتی کہ ان حقوق کا سرچشمہ عرب کے وہ ممالک ہیں جہاں عورت بے انتہا مصائب وآلام کا شکار تھی۔؟ جہاں وہ بری گت بنی تھی کہ دنیا کے کسی اور ملک میں اس کے مماثل نہ تھی۔ عورتوں کے بارے میں اسلام کے یہ وہ زرین آئین واصول ہیں جن کے مشابہ اور ہم آہنگ حقوق وہ ترقی یافتہ قومیں بھی پیش نہ کر سکیں جو تشریعی ارتقاء کے ادوار سے گزر چکی ہیں۔

مسلمان عورت کا مقام تاریخ اسلام میں:

یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ قوموں کی ترقی اور ان کے تغیر وتبدل میں عورتوں کا بڑا دخل ہے' اسی لیے مردوں نے ادبی و مادی انقلابات کے پیش نظر جو گزشتہ صدیوں میں رونما ہوئے' رفتہ رفتہ اپنی جنس لطیف اور صنف نازک کے مابین حقوق ومساوات عطا کرنے کا ارادہ کیا۔

سب سے بڑھ کر ادبی واخلاقی انقلاب عرب قوم کی تاریخ میں ظہور پذیر ہوا' یہ سبھی جانتے ہیں کہ عربوں نے جب اوج عظمت تک رسائی حاصل کی اور سیف وقلم کی اقلیموں کے مالک بن گئے تو عورت ان کے نزدیک مرد کے مساوی تھی۔ اس کے لیے وہی مرتبہ واحترام تھا جو مرد کو حاصل تھا' لیکن اس کے بعد ظالم حاکموں کی زیادتی اور غیروں کی مداخلت کی وجہ سے حالات و عادات میں بگاڑ پیدا ہو گیا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شریف اور آزاد عربی عورت تو زوال پذیر ہو گئی اس کے بجائے ادنیٰ طبقہ کی اور ہلکی طبیعت کی عورتیں جو عربی عنصر سے بیگانہ تھیں آ گئیں۔ مثال کے طور پر بیزنطینی وایرانی کم مرتبہ عورتیں اور روم وصقالیہ کی لونڈیاں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ان کا اثر یہاں تک ہوا کہ خاندانی اور گھریلو زندگی کے نظام میں ابتری پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد سے زیب وزینت کا مظاہرہ ہونے لگا' عیش وعشرت کے جراثیم پھیل گئے اور اسراف وتکلفات کی نمائش ہونے لگی۔

پہلے عربی عورت کی بڑی شان ومنزلت تھی' شہر میں وہ حکمران تھی تو گھر اور خاندان کی ملکہ جبکہ وہ سیاسی وعدالتی امور میں بھی حصہ لیا کرتی تھی۔

حارث بن عوف کی عورت کو کون نہیں جانتا؟ اس نے دو قبیلوں کے مابین سمجھوتہ کرایا' حالانکہ ان دونوں نے خون ریزی اور تباہی و بربادی کی نذر کر لی تھی؟ پھر اس بعد کون ہے جو یہ

دیکھ کر حسرت وافسوس نہ کرتا ہو کہ اس زریں دور کے خاتمہ کے بعد سے ایسے حالات رونما ہوئے جو ایتھنز اور اسپارٹا کے واقعات کے مشابہ تھے۔؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واحکام سے مرد وعورت کی مساوات اور ان کے حقوق کے بارے میں روشنی پڑتی ہے' چنانچہ عالم عربی میں چھ سو سال تک مردوں اور عورتوں کے درمیان گاڑھا پردہ نہ تھا' بعض فاضلہ اور عظیم المرتبت خواتین علم وادب کی مجلسیں اور مناظرہ ومکالمہ کی محفلیں منعقد کیا کرتی اور ادیبوں اور عالموں کے درمیان فیصلہ صادر کیا کرتی تھیں۔ جب کبھی جنگ کا سلسلہ چھڑ جاتا تو گھر سے باہر نکل کر مردوں کی ہمتوں کو تیز کرتیں' ان کی غیرت وحمیت کو بھڑکاتیں' زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور بہادروں کی ستائش کیا کرتی تھیں۔

مسلمان عورت کی بدولت اسلام نے رفتہ رفتہ کامیابی کی منزل طے کی' سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں' جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء نزول وحی کے وقت دلجوئی وتسکین بخشی۔ آپ رضی اللہ عنہا اولین خاتون ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد میں حصہ لیا اور مشورے دیئے اور مال ودولت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت فرمائی۔

اگر مسیحیوں کو سیدہ مریم رضی اللہ عنہا پر فخر ہے تو مسلمان آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ناز کرتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں صاحبزادے انتقال کر گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شفقت ومحبت کے دھاروں کا رخ سیدہ فاطمہ کی طرف پھیر دیا' ان کو ادب واخلاق کے زیور سے آراستہ کیا' چنانچہ یہ علم وعرفان اور فضل وشرف کی ایک درخشاں نشانی بن گئیں۔ سولہ سال کی عمر میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ان کا عقد ہوا جن سے حسن وحسین رضی اللہ عنہما جیسی فخر روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا یہ کارنامہ بہت مشہور ہے کہ آپ گھر کے کام کاج میں کچھ بھی کوتاہی نہ کرتی تھیں۔ جب اس سے فارغ ہوتیں اور اپنے فرائض ادا کر دیتیں تو صحابہ کو جمع کرتیں اور ان کے روبرو نصیحتوں اور حکمتوں کے موتی نچھاور کرتیں۔ آپ سے اقوال وآثار مروی ہیں۔ جو عورت کے احترام اور اس کی شان ومنزلت کو دوبالا کرتے ہیں۔

سیدنا حسین کی صاحبزادی سیدہ سکینہ اپنے زمانے میں علم وادب کی ایک روشن نشانی تھیں۔

ان کا گھر ادیبوں اور عالموں کی زیارت گاہ تھا اور ان کا اثر و رسوخ عورتوں تک سرایت کر گیا تھا۔ وہ لباس پوشاک نقل و حرکت میں ان ہی کی تقلید کیا کرتی تھیں۔

سیدہ سکینہ کو شعر و ادب اور حکمت و فلسفہ سے گہرا شغف تھا' وہ شاعری پر صحیح تنقید کرنے اور شاعروں پر جود و کرم کرنے میں مشہور ہیں۔

خیروان خلیفہ ابن عباس مہدی سویم کی بیوی ان یگانہ روزگار عربی خواتین میں شمار کی جاتی ہیں جو علم و دانش اور عقل و فراست میں مشہور ہیں۔ محل اور سلطنت میں یہی حکمران تھی' ہر دو جگہ اسی کے اوامر و نواہی نافذ تھے' عقل و شجاعت اور فہم و فراست میں عجوبہ زمانہ تھی۔ اس کے دروازے پر علماء و شعراء ہاتھ باندھے کھڑے رہا کرتے تھے۔ اسی پاکباز نیک دل خاتون کی بدولت مہدی نے وہ جائیدادیں امویوں کے حوالے کر دیں جن کو عباسیوں نے جرمانہ میں لے لیا تھا۔

زبیدہ ہارون الرشید کی بیوی سے روئے زمین کا کوئی مسلمان ناواقف نہیں ہے۔ یہی وہ خاتون ہے جس نے تشنگان مکہ کی پیاس بجھانے کی خاطر ایک نہر کے ذریعے وادی مکہ کو سیراب کر دیا جو عین زبیدہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی نے اسکندرونہ کو جسے بیزنطیوں نے مسمار کر دیا تھا از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہترین شعر کہا کرتی تھی اور سیاست اور میدان جنگ میں اپنی صحیح آراء و خیالات کا اظہار کیا کرتی تھی۔

بوران مشہور خلیفہ عباسی مامون کی بیوی کا کوئی ایرانی عورت مقابلہ کرنے سے عاجز ہے۔ یہ مسلم خاتون ہے جس میں ایرانی فہم و فراست اور اسلامی فضیلت و کرامت جمع تھی' ذہن و ذکاء میں مشہور ہے۔ اس نے بغداد میں مدرسے اور شفاخانے قائم کیے۔

قطر الندی معتضد باللہ کی بیوی اور مکتفی کی ماں نامور خواتین اسلام میں بہت مشہور ہے۔ شرعی قوانین اور اصول قضاء سے بہت باخبر تھی۔ اس کے لڑکے کی بلوغت سے پیشتر اسی نے حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور بذات خود لوگوں میں فیصلے اور احکام صادر کرتی تھی۔ اس کے ارد گرد بے شمار شاعرات اور شاعروں' ادیبوں اور ادیبات کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔

شجرۃ الدر نجم الدین ایوب کی بیوی نے بذات خود شاہ فرانس سان لوئیس کے ساتھ جنگ کی۔ لوگوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ وہی مصر کی ملکہ ہے۔

جب ہم اندلس کی طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمان عورت یہاں اوج عظمت پر پہنچ چکی تھی اور قدر و منزلت کی بلند چوٹی تک پہنچ گئی تھی۔ وان کرومر اپنی ایک کتاب میں

لکھتا ہے:

"عرب فطرۃ قرطبہ میں عورتوں کا احترام کیا کرتے تھے۔ یہاں سے ہی اہل یورپ نے اپنی بیگمات کا احترام کرنا سیکھا۔"

عبدالرحمٰن الداخل نے اپنے محل کے دروازے پر اپنی بیوی کا شاندار مجسمہ نصب کرایا اور اس کی نیکی اور احسان کی یادگار کے لئے ایک محکم قصر کی تعمیر کرائی۔

سرزمین اندلس میں مسلمان طالبات علم کی تعداد بکثرت تھی' یہ عورتیں قرطبہ' غرناطہ' اشبیلیہ' ملقہ اور مرسیہ وغیرہ کی جامع مسجدوں میں نماز پڑھا کرتی تھیں۔

امیر سلیم شہنشاہ جہانگیر جب اپنے والد سلطان محمد اکبر کی وفات کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے سیدہ مہر النساء سے شادی کی۔ یہ خاتون عربی اور فارسی زبان میں ماہر اور دونوں زبانوں کی ادبیات پر کافی عبور رکھتی تھی۔ اس کو علم موسیقی میں بھی وسیع معلومات تھیں۔ اس کا شوہر اس کو از روئے محبت نور محل سے اور عوام نور جہاں سے پکارا کرتے تھے۔ نور جہاں مفید مشورے دیا کرتی' فوج کی تنظیم کرتی اور امیروں اور حاکموں کا استقبال کیا کرتی تھی۔ سلطنت میں بادشاہ اور ملکہ کے نام کا سکہ رائج تھا۔ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر اپنی سہیلیوں کے ساتھ شکار اور تفریح کو جایا کرتی تھی۔

ایک مرتبہ جہانگیر کسی جنگ کے سلسلہ میں دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تو اس نے فوج کی ہراول بن کر اس کو دشمنوں کے پنجے سے رہائی دلائی۔ اس سے بڑھ کر اس کی نیکیاں مشہور ہیں۔ وہ یتیم بچوں اور بچیوں کی پرورش کرتی' ان کی شادی بیاہ کا انتظام کرتی' مظلوم کی دادخواہی اور مسکینوں کی غم خواری کیا کرتی تھی۔ ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہیں جہاں اس کا نام نہ لیا جاتا اور اس کا نام نہ رکھا جاتا ہو۔

مورخین کو عربوں کے ارتقائی زینے عورتوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ ملتے جلتے نظر آتے ہیں۔ عورت کے دور انحطاط میں یہ پیش قدمی موقوف ہو گئی اور حالت ایام جاہلیت کی طرف عود کر گئی۔

اگر مسلمان آج بھی اپنی عظمت دیرینہ کو حاصل کرنا اور اپنی تاریخ کے زریں باب کو پھر درخشاں دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ مسلمان عورت کو وہ مقام اور وہ مرتبہ عطا کریں جو اوائل اسلام میں اس کو حاصل تھا۔

اسلام اور عورتوں کے مذہبی و روحانی حقوق:

مغرب کی سب سے بڑی غلط فہمی اسلام سے متعلق یہ ہے کہ جنت صرف مردوں کیلئے ہے اور عورتوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ اس غلط فہمی کو سورۃ نساء آیت نمبر 124 کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”من يعمل من الصلحت من ذكر او انثى وهو مومن فاولئك يدخلون الجنة ولا يظلمون نقيرا ○“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 5، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 124)

”اور جو کوئی نیک عمل کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہو صاحب ایمان تو ایسے لوگ جنتی ہیں اور ان کی تل (ذرہ) برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔ ○“

یہی بات سورت نحل کی آیت نمبر 97 میں دہرائی گئی ہے۔ فرمایا:

”من عمل صالحا من ذكر او انثى وهو مومن فلنحيينه حيوة طيبة ولنجزينهم اجرهم باحسن ما كانوا يعملون ○“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 97)

”جو کوئی نیک اعمال کرے چاہے مرد ہو یا عورت، ہو ایمان والا تو ہم اس کو پاک زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔ ○“

اسلام میں جنت میں جانے کیلئے مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

اسلام کے متعلق اہل مغرب کو جو دوسری غلط فہمی ہے وہ یہ ہے کہ عورت میں کوئی روح نہیں ہے۔ اصل میں یہ بات سترھویں صدی عیسوی میں روم میں منعقد کی گئی داناؤں کی مجلس میں متفقہ طور پر منظور کی گئی کہ عورت کوئی روح نہیں رکھتی۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں میں روح کی فطرت یکساں ہے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید کچھ یوں کہتا ہے:

”يايها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء واتقوا الله الذي تسآءلون به والارحام ان الله كان عليكم رقيبا ○“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 1)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے

اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے زمین میں بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم آپس میں ناطے جوڑتے ہو اور (خیال رکھو) رشتوں کا، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔o"

سورۃ النحل میں فرمایا گیا:

"واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا و جعل لکم من ازواجکم بنین و حفدۃ و رزقکم من الطیبت"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 14، سورۃ نمبر 16 (النحل)، آیت نمبر 72)

"اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لئے تمہاری بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاک چیزیں عطا کیں۔"

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

"فاطر السموات والارض جعل لکم من انفسکم ازواجا ومن الانعام ازواجا یذرؤکم فیہ لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیرo"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 25، سورۃ نمبر 42 (الشوریٰ)، آیت نمبر 11)

"وہ (اللہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے۔ اسی نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے جوڑے اور چوپایوں کے جوڑے بنائے، وہ تمہیں اس دنیا میں پھیلاتا ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔o"

کیا آپ اسلام کو محض اس بات پر فرسودہ کہیں گے کہ اس نے مرد اور عورت کی روح کو فطرت میں یکساں کہا ہے۔؟ قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح انسانوں میں پھونکی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مرد تھے یا عورتیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"پھر اس نے اس کے اعضاء کو ٹھیک کیا اور اس میں پھونکی اپنی (طرف سے) روح اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، پھر بھی تم بہت کم شکر کرتے ہو۔o"

(القرآن المجید، سورۃ نمبر 32 (السجدۃ)، آیت نمبر 9)

ہم قرآن مجید میں یہ پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ جیسا کہ سورۃ

الاسراء میں ہے:

”ولقد كرمنا بنى ادم و حملنهم فى البر و البحر و رزقنهم من الطيبت و فضلنهم على كثير ممن خلقنا تفضيلاo“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 15، سورۃ نمبر 17 (الاسراء)، آیت نمبر 70)

”اور تحقیق ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزق عطا کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔o“

غور کیجئے گا اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام کہتا ہے:

”آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو شرف بخشا گیا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو۔“

کچھ مقدس صحیفے مثلاً: انجیل میں حضرت حوا رضی اللہ عنہا پر یہ بہتان تراشی کی گئی ہے کہ ان کی وجہ سے نوع انسانی پر زوال آیا۔ حقیقت میں اگر آپ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 19 سے لے کر 27 تک کا مطالعہ کریں تو حضرت آدم علیہ السلام اور حوا رضی اللہ عنہا سے تقریباً درجن سے زیادہ بار خطاب کیا گیا ہے۔ دونوں کو شیطان نے پھسلایا، دونوں نے معافی مانگی، دونوں نادم ہوئے اور دونوں کو معاف کر دیا گیا۔ اگر آپ بائبل میں Genesis کے باب نمبر 3 کا مطالعہ کریں تو اس میں صرف حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو انسانی معراج کے زوال کا قصوروار ٹھہرایا گیا ہے۔ بائبل میں Genesis کے باب نمبر 3 کی آیت 16 میں ہے:

”حمل اور بچے کی پیدائش عورت کی تحقیر کا باعث ہیں۔“

بقول بائبل:

”دردِ زہ عورت کیلئے سزا کی مانند ہے۔“

اصل میں اگر آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو اس میں حمل اور بچے کی پیدائش کے ذریعے عورت کی شان بڑھائی گئی ہے۔ سورۃ النساء میں ہے:

”واتوا النساء صدقتهن نحلة فان طبن لكم عن شىء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 4)

”اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔“

سورۃ لقمان میں ہے:

"ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن من فصلہ فی عامین ان اشکر لی ولوالدیک الی المصیرo"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 21، سورۃ نمبر 31 (لقمان)، آیت نمبر 14)

"اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی، اسے اسکی ماں تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اور آخر کار دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے، (اے انسان!) میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔o"

سورۃ احقاف میں ارشاد فرمایا:

"ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھاً وحملہ و فصلہ ثلثون شھرا"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 46 (الاحقاف) آیت نمبر 15)

"اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس کو پہنچ جاتا ہے۔"

اسلام کہتا ہے کہ عورت کا حاملہ ہونا اس کیلئے عزت افزائی اور فخر کا باعث ہے نہ کہ تحقیر کا۔ حمل عورت کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔

سورۃ الحجرات میں ہے:

"یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیرo"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 26، سورۃ نمبر 49 (الحجرات)، آیت نمبر 13)

"اے لوگو! بیشک ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، بیشک اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے، بیشک اللہ تعالٰی علیم و خبیر ہے۔o"

جنس، رنگ، نسل، قوم، قبیلے، ذات، علاقے، ملک اور دولت کسی کا بھی اسلام میں کوئی معیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف تقویٰ ہی معیار ہے۔ کوئی جنس کی تفریق نہیں کہ جنس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کے لیے سزا یا جزا ہو۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی"

"بیشک میں کسی عمل کرنیوالے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، وہ (عمل کرنے والا) مرد ہو یا عورت۔"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 3 (آل عمران)، آیت نمبر 195)

"ان المسلمین و المسلمت و المومنین و المومنت و القنتین و القنتت و الصدقین و الصدقت و الصبرین و الصبرت و الخشعین و الخشعت و المتصدقین و المتصدقت و الصآئمین و الصائمت و الحفظین فروجھم و الحفظت و الذکرین اللہ کثیرا و الذکرت اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجرا عظیماo"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ نمبر 33 (الاحزاب)، آیت نمبر 35)

"بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں فرمان بردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار فرما رکھا ہے۔o"

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام میں مرد اور عورت کے روحانی و اخلاقی اقدار یکساں ہیں۔ دونوں کیلئے ایمان لازمی ہے۔ دونوں کیلئے نماز روزہ وغیرہ لازم ہیں۔

البتہ! عورت کیلئے اسلام میں ایک خصوصی گنجائش ہے وہ یہ کہ اگر عورت ماہانہ ایام یا حمل کے

دور سے گزر رہی ہے تو اس کیلئے روزہ نہیں ہے وہ روزہ بعد میں رکھے گی جب وہ صحت مند ہوگی۔ رہا نماز کا مسئلہ تو ماہانہ ایام اور حیض و نفاس کے ایام میں عورت کو نماز بالکل معاف ہے۔ روزے کی قضا لازم ہے، لیکن نماز کی قضا کسی بھی صورت لازم نہیں۔

اسلام میں عورتوں کے معاشی حقوق:

اسلام نے عورت کو مغرب سے تیرہ سو سال قبل ہی معاشی حقوق دے دیئے تھے۔ ایک بالغ مسلم عورت اپنی مرضی سے کسی کے مشورے کے بغیر جائیداد کی خرید و فروخت کر سکتی ہے۔ اس سے مستثنیٰ کہ وہ شادی شدہ ہے یا کنواری۔ 1970 میں انگلینڈ میں پہلی بار مغرب نے شادی شدہ عورت کے حقوق سمجھے اور اس بات کو منظور کیا کہ وہ خود جائیداد کی خرید و فروخت کر سکتی ہے۔ میں اس سے متفق ہوں کہ آج سے تیرہ سو سال قبل عورتوں کو جو معاشی حقوق دیئے گئے وہ قدیم حقوق ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ فرسودہ ہیں یا کہ جدید۔؟

اسلام میں عورت اگر چاہے تو کام کر سکتی ہے۔ قرآن مجید اور صحیح احادیث میں ایسا کوئی متن نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ عورت کو کام کرنے سے روکا گیا ہے۔ بلکہ بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہا چمڑا رنگنے کا کام کیا کرتی تھیں۔ کام جب تک اسلامی شریعت کی حدود میں ہو اور عورت اپنا اسلامی لباس پورے اہتمام کے ساتھ قائم رکھے تو وہ کام کر سکتی ہے۔ شرعی طور پر عورتیں ایسی نوکری نہیں کر سکتی جس کیلئے انہیں اپنی خوبصورتی اور جسم کی نمائش کرنی پڑے۔ مثلاً ماڈلنگ اور فلمی اداکاری یا ایسی دوسری Jobs مثلاً ساقیا وغیرہ کی۔ بہت سے شعبے اور نوکریاں ایسی ہیں کہ جو شریعتاً مرد اور عورت دونوں کیلئے ممنوع ہیں۔ مثال کے طور پر جواء خانوں میں کام کرنا یا غیر اخلاقی، غیر مہذبانہ کاروبار۔ ایسی تمام نوکریاں مرد و عورت کیلئے منع قرار دی گئی ہیں۔ ایک صحیح اسلامی معاشرے کی رو سے عورت کو چاہیے کہ وہ ڈاکٹری کے شعبے کو اپنائے۔ ہمیں خواتین گائناکالوجسٹ، نرسوں اور خواتین اساتذہ کی ضرورت ہے لیکن اسلام میں عورت پر کسی قسم کا معاشی بوجھ (ذمہ داری) نہیں ہے۔ معاشی ذمہ داری کا بوجھ خاندان کے مرد کے ذمے ہے۔ لہٰذا عورت کو زندہ رہنے کیلئے کسی جتن کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام میں کوئی عورت کو نوکری کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ہاں! اگر وہ چاہے تو اپنی مرضی و رضامندی سے یا اپنی کسی مجبوری کے باعث نوکری کر سکتی ہے۔ وہ ان شعبوں میں نوکری نہیں کر سکتی جو حرام ہوں، جس میں اس کی عزت و آبرو کو خطرہ ہو یا جس میں اسے اپنی جسمانی نمائش کرانی پڑے۔ وہ گھر بیٹھ کر سینے کا کام کر سکتی ہے، کندہ کاری کر

سکتی ہے، برتن سازی کر سکتی ہے اور وہ ٹوکریاں بنا سکتی ہے۔ اسے فیکٹریوں اور ان انڈسٹیز میں کام کرنے کی اجازت ہے جو کہ خصوصی طور پر عورتوں کیلئے مخصوص ہوں۔ وہ ان جگہوں پر کام کر سکتی ہے جہاں پر Gents اور Ladies کے علیحدہ Section (حصے) ہوں کیونکہ اسلام مرد و زن کے آپس میں گھلنے ملنے کو پسند نہیں کرتا۔ وہ کاروبار بھی کر سکتی ہے اور جہاں اسے کسی غیر مرد سے لین دین کی ضرورت پیش آئے جو کہ نامحرم ہو تو وہ اس کام کو اپنے باپ، بھائی، شوہر یا بیٹے کے ذریعے کرا سکتی ہے۔ اگر چند اں ایسا نہ ہو سکتا ہو تو اسلامی تقاضوں کے مطابق چل کر وہ خود بھی اس سے لین دین کر سکتی ہے۔ میں آپ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہترین مثال دوں گا جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ وہ اپنے زمانے کی نہایت کامیاب تاجرہ تھیں اور وہ اپنے شوہر کے ذریعے تجارت کیا کرتی تھیں۔

اسلام میں عورت کو بہ نسبت مرد کے زیادہ معاشی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ معاشی ذمہ داری اس کے کندھوں پر نہیں ہے بلکہ خاندان کے مرد کے ذمہ ہے۔ شادی سے پہلے یہ ذمہ داری عورت کے باپ، بھائی، دادا، چچا، ماموں اور تایا پر عائد ہوتی ہے اور شادی کے بعد اس کے شوہر یا بیٹے پر۔ شادی کے بعد اسے اپنے گھر کا خیال رکھنا ہوتا ہے، بچوں کی نگہداشت، کپڑوں وغیرہ کی دیکھ بھال اور معاشی ضروریات کا دھیان رکھنا اس کی ذمہ داری بنتی ہے۔ جب وہ شادی شدہ ہو جاتی ہے تو وہ لینے والوں میں شامل ہو جاتی ہے۔ وہ تحفہ لیتی ہے یعنی "مہر" جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے:

"واتوا النساء صدقتهن نحلة فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا۝"

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔۝"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 4)

شادی کا فریضہ انجام دینے کیلئے مہر لازم ہے لیکن بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے مسلم معاشرے میں ہم محض نام کا "مہر" ادا کرتے ہیں۔ 151 روپے، بعض لوگ 186 روپے اور بعض تو لوگ سوا 32 روپے دیتے ہیں اور وہ لاکھوں روپے زیب و آرائش، استقبالیے، پھولوں اور دعوت طعام پر خرچ کر دیتے ہیں۔ اسلام میں مہر کی نہ کوئی کم سے کم حد ہے اور نہ زیادہ سے

زیادہ لیکن ظاہر ہے کہ جو شخص استقبالیے پر لاکھوں خرچ کر سکتا ہے وہ یقیناً کافی زیادہ مہر ادا کر سکتا ہے۔

اگر عورت کام کرتی ہے تو وہ جو بھی کماتی ہے اس کی اپنی ملکیت ہے۔ اگر چاہے تو خاوند کو دے اور اگر چاہے تو نہ دے۔ اسے گھر کی ضرورت پر ایک پائی خرچ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتی ہے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ بیوی کتنی ہی دولت مند ہو اس کے باوجود اسلام میں خرچ شوہر کی ذمہ داری ہے۔ اسلام میں لازم ہے کہ مرد عورت کی نگہداشت، کپڑے اور معاشی ضروریات کا خیال رکھے۔

طلاق کی صورت میں یا اگر عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو عدت کے دوران اسے معاشی طور پر سنبھالا دیا جاتا ہے اور اگر اس کے بچے ہیں تو بچوں کی کفالت بھی کی جاتی ہے۔ اسلام نے صدیوں پہلے عورت کو وراثت کے حقوق تفویض کر دیے تھے۔ اگر آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو کئی سورتوں کی آیات میں (جیسا کہ سورۃ النساء، سورۃ البقرہ، سورۃ المائدہ) میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ عورت چاہے وہ بیوی ہے، ماں ہے، بہن ہے یا بیٹی ہے اس کا جائیداد میں حصہ ہے۔

اسلام میں عورتوں کے تعلیمی حقوق:

قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی پانچ آیات میں فرمایا گیا ہے:

"اقـرا باسـم ربك الـذی خـلـق ○ خـلـق الانسـان مـن علق ○ اقرا وربك الاکرم الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم ○"

(القرآن الجید، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 95 (العلق)، آیت نمبر 1 تا 5)

"پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ○ انسان کو چپکنے والی چیز سے ○ پڑھیے اپنے رب کے نام سے جو کرم فرمانے والا ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سکھایا ○ جس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ○"

قرآن مجید کی طرف سے پہلی ہدایت جو کہ بنی نوع انسان کو دی گئی وہ نماز کی نہ تھی، روزہ کی نہ تھی، زکوٰۃ کی نہ تھی، بلکہ تعلیم کے متعلق تھی۔ اسلام تعلیم کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ اسلام نے والدین کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو دین کی تعلیم دیں اور جب لڑکی کی شادی ہو جائے تو اسلام کے مطابق اس کے شوہر کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تعلیم سے آراستہ

کرے۔

صحیح بخاری کے مطابق عورتیں علم حاصل کرنے کیلئے بہت زیادہ پر جوش تھیں اور انہوں نے ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"آپ اکثر و بیشتر مردوں میں گھیرے رہتے ہیں۔ آپ ہمارے لئے ایک دن مخصوص کیوں نہیں کر دیتے تا کہ ہم بھی آپ سے سوال پوچھ سکیں۔؟"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی اس درخواست کو قبول فرما کر ان کے لیے ایک دن مخصوص فرما دیا جس دن وہ تعلیم حاصل کرتی تھیں۔

اندازہ کریں چودہ سو سال پہلے جب عورتیں جاہل تھیں اور وہ محض بطور ماں استعمال کی جاتی تھیں، اسلام نے ان کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے پاس بعض مسلم خواتین کی مثالیں موجود ہے جو کہ سکالرز ہیں اور سب سے بہترین مثال جو میں آپ کو پیش کر سکتا ہوں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے جو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم تک کو تعلیم دی۔ ان کے ایک مشہور شاگرد عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

"میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑا کوئی سکالر نہیں دیکھا جو کہ قرآن مجید میں بیان کیے گئے فرائض پر زیادہ عبور رکھتا ہو۔ وہ قانون اور دوسرے معاملات میں، ادب اور شاعری میں اور عرب کی تاریخ میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔ وہ محض دینی معاملات میں ہی ماہر نہ تھیں بلکہ ان کو ادویات کا بھی گہرا علم تھا۔ وہ حساب کے معاملات میں بھی کافی دسترس رکھتی تھیں اور اکثر و بیشتر ان کے رفقاء ان سے میراث کے مسائل پوچھنے کیلئے آتے کہ کتنا حصہ تقسیم کیا جائے اور ایک فرد کے حصے میں کتنا آتا ہے۔"

انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ خلفائے راشدین کو بھی تعلیم دی۔ ان کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی انہوں نے بعض دفعہ تعلیم دی اور انہوں نے دو ہزار دو سو دس احادیث روایت کیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جب بھی ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو کسی مسئلے پر علم کی کمی محسوس ہوتی تو ہم حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے جاتے اور ان کے پاس سے ضرور اس مسئلے کا حل نکل آتا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے 88 سے زائد سکالرز کو تعلیم دی۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عالموں کی استاذ تھیں۔

اس کے علاوہ اور بھی مثالیں ہیں۔ مثلاً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ آپ اسلامی عدالتی فقہ کی ماہر تھیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے وقت کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھیں۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتیس علماء کو تعلیم دی۔"

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سارا سارا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ فقہ پر بحث کیا کرتی تھیں اور وہ دونوں ان کی بات کو غلط ثابت نہ کر پاتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا نے اول دنوں میں ہجرت کی اور اس وجہ سے ان کے پاس عمیق علم تھا۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ ان کو دعوت و تبلیغ میں بہت مہارت حاصل تھی۔

سیدہ نفیسہ رحمۃ اللہ علیہا کی مثال بھی موجود ہے جو کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو تعلیم دی۔

اس کے علاوہ ام دردہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ ابو دردہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سائنس میں ماہر تھیں اور یہاں تک کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں اس کا ماہر سمجھتے تھے۔

حدیث مبارکہ ہے:

"طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم و مسلمة"

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر یکساں فرض ہے۔"

وہ دور جب خواتین جاہل گردانی جاتی تھیں اور جب عورتوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اس

وقت اسلام کے پاس علماء خواتین تھیں۔ طب کے میدان میں، سائنس کے میدان میں اور دین کے میدان میں کیونکہ اسلام کہتا ہے کہ ہر خاتون کو پڑھا لکھا ہونا چاہیے۔

اسلام میں عورتوں کے قانونی حقوق:

اسلامی قوانین کے مطابق عورت اور مرد برابر ہیں۔ شریعت اسلامیہ عورت اور مرد دونوں کی زندگی اور وراثت کی حفاظت کرتی ہے۔ اگر ایک مرد عورت کا قتل کرتا ہے اس کو بھی ''حرث'' کی سزا ملے گی جو کہ قصاص کی سب سے سخت سزا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"یایھا الذین امنو کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد ولانثی بالا نثی فمن عفی له من اخیه شی فاتباعم بالمعروف واداء الیه باحسان ذالك تخفیف من ربکم ورحمة فمن اعتدی بعد ذلك فله عذاب الیم o ولکم فی القصاص حیوة یاولی الالباب لعلکم تتقونo''

''اے ایمان والو! تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ تم مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) لو، آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام مارا جائے اور عورت کے بدلے عورت اور اگر قاتل کو اس کے مقتول بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (اسے چاہیے کہ وہ مقتول کے وارث کو) دستور کے مطابق خوشی سے کچھ دے، یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے، جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔o اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے عقل والو! تا کہ تم (قتل وخونریزی) سے پرہیز کرو۔o''

(القرآن المجید، پارہ نمبر 2، سورۃ نمبر 2 (البقرۃ)، آیت نمبر 178-179)

اگر مرد عورت کو قتل کرے تو اسے بھی مار دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر عورت قتل کرتی ہے تو اس کو بھی موت کی سزا ہے۔ اسلامی قوانین کے حکم ''قصاص'' کے مطابق عورت ومرد کی تخصیص کیے بغیر، ناک، کان، آنکھ، جسم سب کی سزا ایک سی ہے۔ اگر مقتول کی ولی ایک عورت ہے، نہ وہ قاتل کو معاف کرتی ہے اور نہ ہی دیت قبول کرتی ہے تو اس کا فیصلہ خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مقتول

کے ورثاء میں اختلاف ہے کہ دیت لی جائے یا قصاص تو لوگوں کو قصاص سے روکنا چاہیے اور بغیر تخصیص کیے کہ گواہ مرد ہے یا عورت ان دونوں کی اہمیت یکساں ہے۔

سورۃ المائدہ میں ہے:

”والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزآء بما کسبا نکالا من الله“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 6، سورۃ نمبر 5 (المائدہ)، آیت نمبر 38)

”اور چور چاہے وہ مرد ہے یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے کسب کی سزا اور عبرت ہے اللہ کی طرف سے۔“

معنی یہ ہے کہ اگر کوئی چوری کرتا ہے چاہے وہ مرد ہے یا عورت تو اس کے ہاتھ کاٹ دینے چاہیے۔ سزا دونوں کیلئے یکساں ہے۔

سورۃ النور میں ہے:

”الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذ کم بهما رافة فی دین الله ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الاخر ولیشهد عذا بهما طائفة من المومنینO“

”(کنواری) زانی عورت اور (کنوارہ) زانی مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے لگاؤ اور ان پر نرمی نہ کرو اللہ تعالیٰ کے دین میں، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کی سزا پر مسلمانوں کی ایک جماعت کو گواہ بنالو۔O“

(القرآن المجید، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 24 (النور)، آیت نمبر 2)

کنوارے مرد اور کنواری عورت کے لیے زنا کی سزا اسلام میں ایک سی ہے جو کہ سو کوڑوں پر مشتمل ہے۔

سورۃ بقرۃ کی آیات کے مطابق عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ گواہی دے سکے۔ اسلام نے عورت کو یہ گواہی کا حق ساڑھے چودہ سو سال پہلے تفویض کر دیا تھا۔ حالانکہ 1980 کی آخری دہائیوں میں یہودی ربی اس بات پر سوچ و بچار کر رہے تھے کہ کیا عورت کو گواہی کے حقوق دیئے جائیں یا نہیں۔ اسلام اس کے مقابلے میں یہ حقوق چودہ سو سال قبل عورت کو دے چکا ہے۔

سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتو باربعۃ شھدآء فاجلدو ھم ثمنین جلدۃ“

”اور جو لوگ پرہیز گار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو۔“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 18، سورۃ نمبر 24 (النور)، آیت نمبر 4)

اسلامی قوانین کے مطابق چھوٹے جرم کیلئے دو اور بڑے جرم کیلئے چار گواہ درکار ہیں۔ عورت پر غلط الزام دھرنا اسلام کی رو سے بڑے جرائم میں سے ایک ہے لہٰذا یہ چار گواہ طلب کرتا ہے۔ آج کل کی ماڈرن سوسائٹی میں آپ دیکھتے ہیں کہ مرد عورتوں کو برے برے ناموں مثلاً طوائف وغیرہ پکارتے ہیں اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اسلامی ریاست میں اگر کوئی شخص کسی عورت کو طوائف کہتا ہے۔ عوام میں یا کسی اور جگہ۔ اگر وہ عورت اس شخص کو عدالت میں لے جاتی ہے اور وہ شخص چار گواہوں کو لانے میں ناکام ہو جاتا ہے اور اگر وہ چار گواہ لاتا بھی ہے اور ان میں سے کوئی ایک جھوٹا نکلتا ہے تو وہ سارے اسی اسی کوڑوں کی سزا پائیں گے اور مستقبل میں ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

اسلام عورت کی عزت کو خصوصی اہمیت دیتا ہے۔ عموماً جب لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو وہ شوہر کا نام ساتھ لگاتی ہے۔ اسلام میں اس کے پاس یہ Choice موجود ہے کہ چاہے وہ اپنے پہلے نام کو قائم رکھے یا شوہر کا نام ساتھ لگائے یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ اسلام پہلے نام کو قائم رکھنے کو Recommend کرتا ہے اور اگر آپ بعض مسلم معاشروں میں دیکھتے ہیں کہ شادی کے بعد عورت اپنا پہلا نام برقرار رکھتی ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ مرد و عورت کے حقوق برابر ہیں۔

اسلام میں عورتوں کے سیاسی حقوق:

سورۃ التوبہ میں ہے:

”والمومنون والمومنت بعضھم اولیآء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اولئک سیرحمھم اللہ ان اللہ

عزیز حکیم o"

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں کہ اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔o"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 10، سورۃ نمبر 9 (التوبہ)، آیت نمبر 71)

اس آیت میں بیان ہوا کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کیلئے سہارا ہیں۔ محض معاشرتی سہارا نہیں بلکہ سیاسی بھی۔ سیاسی طور پر مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی مدد (Support) کرنا چاہیے۔

اسلام عورت کو ووٹ کا حق دیتا ہے۔ سورۃ الممتحنہ میں ہے:

"یایھا النبی اذا جآءك المومنت یبایعنك علی ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینك فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیمo"

"اے نبی جب آپ کے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ نہ تو شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ ہی اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کوئی بہتان باندھیں گی تو ان سے بیعت لے لیجئے اور ان کیلئے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔o"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 28، سورۃ نمبر 60 (الممتحنہ)، آیت نمبر 12)

یہاں عربی کا لفظ "یبایعن" استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ ہمارے موجودہ دور کے انتخابات سے زیادہ جدیدیت کا حاصل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض اللہ تعالیٰ کے رسول ہی نہ تھے بلکہ وہ ریاست کے سربراہ بھی تھے اور عورتیں آپ کے پاس آئیں اور وہ آپ کے سربراہ ہونے پر راضی ہوئیں۔ لہٰذا اسلام عورت کو ووٹ دینے کا برابر حق دیتا ہے۔

عورت قانون سازی میں حصہ لے سکتی ہے۔ مشہور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مہر کے متعلق بات کر رہے تھے کہ آج کل عورتوں نے زیادہ مہر مقرر کرنا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے اکثر غریب نو جوان مرد شادی کرنے کے معیار پر پورے نہیں اترتے تو پچھلی نشستوں سے ایک عورت اٹھی اور کہنے گی:

"اے عمر! جب قرآن نے ہمیں زیادہ حق مہر باندھنے سے نہیں روکا تو آپ کون ہوتے ہیں جو ہمارا حق مہر کم مقرر کریں۔؟ دیکھئے قرآن مجید میں ہے:

"وان اردتم استبدال زوج مكان زوج لا واتيتم احدهن قنطارا فلاتا خذوا منه شيئا اتا خذ ونه بهتانا واثما مبيناo"

"اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے شادی کرنا چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے۔؟"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 4، سورۃ نمبر 4 (النساء)، آیت نمبر 20)

"اے عمر! جب اللہ تعالیٰ کو مہر کی حد پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ کون ہیں جو مہر کی حد مقرر کریں۔؟"

اسی وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"عمر غلط ہے اور وہ عورت صحیح۔"

حدیث میں عورت کا نام موجود نہیں ہے لہٰذا آپ اسے ایک عام عورت سمجھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک ادنیٰ عورت بھی سربراہ ریاست پر اعتراض کر سکتی ہے۔ اگر تکنیکی طور پر دیکھا جائے تو اس حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ وہ عام خاتون قوانین کے غلط پہلو پر اعتراض کر رہی تھیں۔

عورتوں نے میدان جنگ میں بھی حصہ لیا۔ صحیح البخاری میں عورتوں کے میدان جنگ کے حالات کے متعلق ایک پورا باب ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ عورتوں نے زخمیوں کو پانی پلایا، انہوں نے مجاہدوں کو ابتدائی طبی امداد دی اور حضرت نصیبہ رضی اللہ عنہا کا نام خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

"الرجال قوامون علی النساء"

''مرد عورتوں کے محافظ ہیں۔''

لہٰذا عام حالات میں عورتوں کو میدانِ جنگ میں نہیں جانا چاہیے کیونکہ ان کی حفاظت کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا عورتیں کو صرف اشد ضرورت کے موقع پر ہی میدان جنگ میں حصہ لینا چاہیے۔ ورنہ! دوسری صورت میں آپ کی پوزیشن ویسی ہی ہو جائے گی جیسا کہ USA کی ہے۔ وہاں عورتوں کو میدانِ کارزار میں حصہ لینے کی 1901 تک آزادی تھی لیکن وہ صرف نرسنگ تک محدود تھیں۔ جب 1973 میں "Feminst Movement" شروع ہوئی اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ عورتوں کو بھی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ بھی میدان جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ لہٰذا امریکہ حکومت نے 1976 کے بعد سے عورت کو جنگ کرنے کا اختیار دے دیا۔

پچھلے سال امریکہ کی وزارت دفاع کے جاری کئے گئے بیان کے مطابق 24 اپریل 1993 کے سال میں ایک کنونشن میں نوے افراد زنا کرتے پکڑے گئے۔ جن میں تراسی عورتیں اور ایک سو تیرہ آفیسر کو ڈسپلنری ایکشن چارج کیا گیا۔ اندازہ کریں کہ صرف ایک کنونشن میں تراسی عورتوں کو Sexually Assault کیا گیا۔ 117 آفیسرز کا جرم کیا تھا؟ انہوں نے عورتوں کو دوڑایا، ان کے کپڑے پھاڑ ڈالے، انہوں نے انہیں مادرزاد برہنہ مارچ کروائی اور ان کو پبلک کے سامنے سیکس کرنے پر مجبور کیا گیا۔ کیا آپ اسے Women's Right کہہ سکتے ہیں۔؟ اس واقعہ کی وجہ سے پارلیمنٹ میں ہنگامہ کھڑا ہوا اور صدر بل کلنٹن کو بذاتِ خود عوام کے سامنے معذرت کرنا پڑی اور یہ کہنا پڑا:

''ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔''

لہٰذا اسلام عورتوں کو اسی وقت میدان جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے جب ان کی ضرورت ہو، لیکن اس صورت میں بھی چاہیے کہ وہ اپنا حجاب، اسلامی حدود و قیود اور اپنی شرم و حیاء کا خیال رکھیں۔ اسلام مرد اور عورت کی برابری میں یقین رکھتا ہے۔ یہاں برابری کا مطلب یکسانیت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک کلاس روم میں دو طالب علم A اور B امتحان میں فرسٹ آتے ہیں۔ دونوں 100 میں سے 80 فیصد نمبر لیتے ہیں۔ سینکڑوں طالب علموں میں دو طالب علم A اور B فرسٹ آئے۔ جب آپ "Question Paper" دیکھتے ہیں تو "Question Paper" میں سوالات ہوتے ہیں۔ ہر ایک کے دس نمبر۔ سوال نمبر 1

میں طالب علم A 10 میں سے 9 نمبر حاصل کرتا ہے اور طالب علم B 10 میں سے 7۔ سوال نمبر 1 میں طالب علم A کے نمبر B سے زیادہ ہوئے اور سوال نمبر 2 میں A دس میں سے 7 نمبر لیتا ہے اور B دس میں سے 9۔ لہٰذا دوسرے سوال میں B کے نمبر زیادہ ہوئے۔ البتہ سوال نمبر 3 میں دونوں آٹھ آٹھ نمبر حاصل کرتے ہیں۔ دونوں برابر اور آخر میں جب ہم تمام نمبروں کو جمع کرتے ہیں تو دونوں طالب علم A اور B سو میں سے 80 نمبر لیتے ہیں۔

لہٰذا مختصراً A Student اور B آپس میں برابر ہیں اور بعض سوالات میں A کے نمبر B سے زیادہ ہیں اور بعض سوالات میں B کے نمبر A سے زیادہ ہیں۔ باقیوں میں دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زیادہ طاقت دی ہے۔ مثلاً: ایک چور گھر میں داخل ہوتا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ میں Women's Right میں یقین رکھتا ہوں تو کیا آپ اپنی والدہ، بہن یا بیٹی سے کہیں گے کہ آگے بڑھو اور چور سے لڑو۔ لہٰذا جسمانی طور پر مرد عورت سے ایک درجہ فضیلت رکھتا ہے۔

آیئے! ایک اور مثال سمجھتے ہیں جو کہ والدین کی عزت سے متعلق ہے۔ بچوں کو اس بات پر ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ماں کا احترام باپ کی نسبت تین گنا زیادہ کریں۔ یہاں عورتیں مردوں سے ایک درجہ اوپر ہیں۔

مجموعی طور پر دونوں برابر ہیں۔ لہٰذا اسلام برابری میں یقین رکھتا ہے۔ یکسانیت میں نہیں۔ مجموعی طور پر مرد اور عورت اسلام میں برابر ہیں۔ یہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کی محض چیدہ چیدہ خصوصیات تھیں۔

اس کے بعد مسلم معاشروں نے کیا امتیاز روا رکھا۔ بعض مسلم معاشروں نے عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کیا اور انہوں نے قرآن اور سنت سے روگردانی کی۔ اس کی بڑی وجہ مغربی معاشرہ ہے کیونکہ مغربی معاشرے کی وجہ سے مسلم معاشرے زیادہ تحفظات و احتیاطوں کا شکار ہو گئے۔ وہ ایک انتہا پر چلے گئے اور اس طرح وہ قرآن و سنت سے دور چلے گئے۔ اس کے مقابلے میں بعض مسلم معاشروں نے مغربی کلچر کو اپنا لیا اور اسی رنگ میں رنگ گئے۔ میں مغربی معاشرے کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ قرآن و سنت کے مطابق عورتوں کے حقوق کا تجزیہ کریں تو آپ اسے انتہائی اعلیٰ اور فطرت کے عین مطابق پائیں گے۔

☆☆☆

باب نمبر 3:

اسلام اور تحفظ عصمت

عصمت کی اہمیت:

اسلام کہتا ہے کہ عورتوں کی عصمت اتنی اہم چیز ہے جس کا بدل دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی نہیں بن سکتی۔ عفت وعصمت کی حفاظت کے لئے دولت صرف ہوسکتی ہے، نہ کہ حصول دولت کے لیے عورتوں کے ناموس کا فروخت کرنا جائز ہوسکتا ہے۔ الغرض جو ہماری ماں، ہماری بیٹی اور ہماری بیوی ہے العیاذ باللہ! اس کو بیسوا اور بازاری عورت بنا کر رسوا اور ذلیل ہونے پر وہی راضی ہوسکتا ہے جو اپنی نسوانیت اور انسانی حمیت وغیرہ کا دیوالہ نکال چکا ہو۔

عقل اور مذمت خواہشات نفسانی:

خواہش مطلق انسان کو وقتی لذت پر ابھارتی ہے۔ اس کو انجام کی پرواہ نہیں ہوتی اور شہوات کو بروقت حاصل کرنے کی کوشش میں رہتی ہے۔ چاہے اس کو بروقت تکلیف اور اذیت بھی سہنی پڑے اور بعد میں وہ لذت باقی نہ رہے۔ عقلمند خود کو ایسی لذت سے باز رکھتا ہے جس کے انجام میں عذاب ہو اور ایسی خواہش سے بھی دور رکھتا ہے جو شرمندی کو جنم دے۔ بس اتنی سی بات بھی عقل کی تعریف اور خواہش وعشق کی مذمت میں کافی ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ بچہ اپنی ضد پر ڈٹا رہتا ہے چاہے اس کا انجام تباہی ہو اور عقلمند خود کو ایسی خواہش سے باز رکھتا ہے۔ جانوروں پر انسان کی فضیلت کیلئے اتنی سی بات کافی ہے کہ جانور اپنی طبیعت کے تقاضا کو پورا کرتے ہیں، ان کو انجام کی فکر نہیں ہوتی، جب ان کو غذا مل جائے کھا لیتے ہیں جب گوبر اور پیشاب آئے تو کر دیتے ہیں، لیکن آدمی طبیعت پر عقل کے غلبہ کی وجہ سے ایسی حرکات نہیں کرتا۔

جب دانا آدمی کو اس کا علم ہے کہ خواہش نفسانی عمومی طور پر پیش آتی رہتی ہے، اس لئے اس کو ایسے وقت میں لازم ہے کہ وہ ایسے موقعہ پر عقل کی عدالت سے فیصلہ حاصل کرے، وہ اس کو دائمی فوائد کے حصول کا مشورہ دے گی اور خواہشات نفس سے احتیاط کا حکم کرے گی اس طرح سے

اس کا شر سے بچنا یقینی ہو سکے گا۔

عقلمند جانتا ہے کہ خواہشات کا خوگر ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ اس عادت میں اس کو بڑی لذت حاصل نہیں ہوتی اور وہ اس کو چھوڑنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا، کیونکہ اس کی عادت اضطراری عیش میں بدل جاتی ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ شراب کا رسیا اور جماع کا عادی غیر عادی کے مقابلہ میں دسواں حصہ بھی لذت نہیں پاتا۔ بس اس کو عادت نے مجبور کیا ہوتا ہے۔ وہ خود کو عادت کے کاموں میں پھنسا کر ہلاکت میں ڈالتا رہتا ہے، اگر اس کی آنکھوں کے سامنے سے نفسانیت کی پٹی کھل جائے تو اس کو اندازہ ہو کہ وہ اپنی سعادت کو کس طرح سے بدبختی میں پھنسا رہا ہے۔

انسان یہ فکر کرے کہ وہ من پسند خواہشات کی تکمیل کیلئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ انجام کار پر نظر اور آخرت کیلئے عمل صالح کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت یہ بات کرتی ہے کہ چوپایہ جس طرح بے فکری سے کھانے پینے اور جماع کی لذت میں منہمک ہوتا ہے انسان کو ایسا عیش میسر نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ ساتھ چوپائے کو قربان گاہ کی طرف لے جایا جاتا ہے جب کہ وہ خواہشات کی تکمیل میں لگا ہوتا ہے کیونکہ اس کو انجام کا علم نہیں ہوتا۔ مگر قوتِ فکر کے استعمال کی وجہ سے آدمی کا انجام اس طرح نہیں ہوتا۔

انسان عشق و شہوت کے انجام میں فکر کرے کہ اس کی وجہ سے وہ کتنے فضائل سے محروم ہوا، کتنی گندگیوں میں الجھ گیا، کتنے کھانیوالے ہیں جو مرض میں مبتلا ہوئے، کتنی کوتاہیاں ہیں جنہوں نے عزت گھٹائی اور گناہ کے ساتھ ذکر بد کو لازم کر دیا۔

انسان خواہش نفس کی مخالفت کا فائدہ سوچے کہ دنیا میں نیک نامی حاصل ہوگی، عزت و نفس کی حفاظت ہوگی، آخرت میں اجر و ثواب ہوگا۔ پھر اس کے الٹ کا سوچے کہ اگر اس نے خواہش نفس سے اتفاق کیا تو دائمی رسوائی اور عذاب میں پھنسے گا۔ ان دونوں حالتوں میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی حالتوں کو سامنے رکھے۔

اے نصیحت پسند دوست! ان کلمات کو اپنے دل میں جگہ دے اور سوچ کہ جب یوسف علیہ السلام نے اس لذت کو چھوڑا تو اس ایک گھڑی کے مجاہدہ سے انہوں نے کتنا بڑا مرتبہ پایا۔؟

1: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"واتبع هواه فمثله كمثل الكلب"

(القرآن المجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر 76)

"جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اس کی مثال کتے کی مثال کی طرح ہے۔"

2: مزید ارشاد فرمایا:

"ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله"

(القرآن المجید، سورۃ ص، آیت نمبر 26)

"اور خواہش کی پیروی مت کرو، ورنہ وہ تجھے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی۔"

3: ارشاد الٰہی ہے:

"افرايت من اتخذ الهه هواه"

"کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو خدا بنا رکھا ہے۔؟

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔!

"اس شخص سے مراد "منافق" ہے جو جس شے کی خواہش کرتا ہے اسی کو حاصل کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔"

4: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا يومن احدكم حتى يكون هواه تبعالما جئت به"

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ کر دے۔"

5: حضرت ابو برزہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اخوف ماخاف عليكم شهوات الغيفي بطونكم و فروجكم و مضلات الهوى"

"سب سے بڑی خطرے کی چیز جس کے بارے میں میں تمہارے لئے ڈر رہا ہوں وہ تمہارے پیٹ اور شرمگاہ کی گمراہ خواہشات ہیں اور اتباع نفس کی گمراہیاں ہیں۔"

6: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ما تحت ظل السماء يعبد اعظم عند الله من هوى متبع“

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک (جھوٹے خداؤں میں) آسمان کے سایہ میں سب سے بڑا خدا پوری کی جانے والی خواہش ہے۔“

7: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ثلاث مهلكات، شح مطاع، وهواه متبع، واعجاب المرء بنفسه“

”تین چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں: پیروی کیا جانے والا بخل، پوری کی جانے والی خواہش اور آدمی کی خود پسندی۔“

8: خلیل بن خدویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عابد کے پاس سے گزرے جو ہوا میں عبادت کر رہا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا:

”تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس مقام پر کیسے فائز ہوئے؟“

اس نے عرض کیا:

”اس معمولی وجہ سے کہ میں نے خود کو دنیا سے الگ کر لیا، لایعنی گفتگو سے پرہیز کیا، جس کا مجھے حکم دیا گیا میں نے اس میں غور کر کے اتباع کی اور جس سے مجھے منع کیا گیا میں ان میں غور کر کے رک گیا۔ اس لئے اب یہ حالت ہے کہ جب میں اس سے التجاء کرتا ہوں وہ عطاء کرتا ہے، جب دعا کرتا ہوں تو قبول کرتا ہے، جب اس کے متعلق قسم کھاتا ہوں تو وہ مجھے قسم سے بری کرتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ مجھے ہوا میں ٹھہرا دے تو اس نے مجھے اس میں ٹھہرا دیا۔“

9: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں دو شخص بہت عبادت گزار تھے، یہاں تک کہ وہ پانی پر چلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ پانی پر چل رہے تھے کہ ان کی ہوا میں چلنے والے شخص سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے اس سے پوچھا:

”تم کس عمل سے اس مرتبہ کو پہنچے؟“

اس نے کہا:

”دنیا میں معمولی سا عمل کر کے۔ میں نے اپنے نفس کو شہوات سے روکا، اپنی زبان کو

فضول باتوں سے روکا، جس کی اللہ تعالیٰ نے مجھے دعوت دی اس کی طرف رغبت اور شوق کیا اور خاموشی کو لازم کر لیا پس اب اگر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کام کے کرانے کی قسم کھا بیٹھوں تو وہ مجھے جھوٹا نہیں ہونے دیتا بلکہ میری قسم کو پورا کر دیتا ہے اور اگر سوال کروں تو وہ عطاء کر دیتا ہے۔"

10: حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے فرمایا:

"جو شخص اپنی خواہشات پر قابو پالیتا ہے وہ اس شخص سے زیادہ طاقتور ہے جو کسی شہر کو اکیلے فتح کرے۔"

11: حضرت حذیفہ بن قتادہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا کہ اچانک وہ کشتی ٹوٹ گئی۔ میں اور ایک عورت کشتی کے ایک تختہ پر باقی رہ گئے۔ ہم نے سات دن اسی حالت میں گزارے۔ عورت نے کہا:

"مجھے پیاس لگی ہے۔"

پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایک زنجیر کو اتارا جس کے ساتھ ایک پانی کا کوزہ لٹکا ہوا تھا۔ چنانچہ اس عورت نے پانی پی لیا۔ میں نے اس زنجیر کو دیکھنے کیلئے نظر کو اوپر اٹھایا تو ایک آدمی کو ہوا میں چوکڑی مارے ہوئے بیٹھے دیکھا۔ میں نے پوچھا:

"تم کون ہو۔؟"

اس نے کہا:

"انسان ہوں۔"

میں نے کہا:

"تم اس درجہ پر کیسے پہنچے۔؟"

اس نے کہا:

"میں نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیا اسی بنا پر مجھے یہاں بٹھایا ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔"

12: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جب آدمی صبح کو اٹھتا ہے تو اس کی خواہش اور عمل کا ملاپ ہوتا ہے۔ اگر عمل خواہش

کے تابع ہو جائے تو اس کا وہ دن خراب ہو گیا اور اگر خواہش عمل کے تابع ہو جائے تو اس کا وہ دن بہتر ہو گیا۔"

13: حجاج بن یوسف (ایک ظالم گورنر) کہتا ہے:

"کفر چار کاموں میں ہوتا ہے۔ غصہ میں، شہوت میں، شوق میں اور خوف میں۔"

پھر حجاج نے کہا:

"ان میں سے دو تو میں نے خود دیکھی ہیں ایک آدمی نے غصہ میں ماں کو قتل کر ڈالا اور دوسرا عشق میں مبتلا ہو کر عیسائی ہو گیا۔"

14: حسن بن علی مطوعی کہتے ہیں:

"ہر انسان کا بت اس کی خواہش ہے اگر وہ اس کی مخالفت کر کے توڑ دے تو پھر وہ جوانی کے نام کا مستحق ہے۔"

15: حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تجھے اس وقت تک عبادت کی لذت نصیب نہیں ہو سکتی جب تک تو اپنے اور شہوات کے درمیان لوہے کی دیوار قائم نہیں کر لیتا۔"

16: حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"غلبہ نفسانیت کی بنیاد شہوات کے قریب جانا ہے۔ جب یہ خواہش نفسانی غالب ہوتی ہے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ جب دل سیاہ ہوتا ہے تو سینہ تنگ ہو جاتا ہے۔ جب سینہ تنگ ہوتا ہے تو اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ جب اخلاق بگڑتے ہیں تو مخلوق اس سے بغض شروع کر دیتی ہے۔ جب مخلوق اس سے بغض کرتی ہے تو وہ مخلوق سے بغض کرتا ہے۔ جب یہ ان سے بغض کرتا ہے تو ان پر ظلم کرتا ہے۔ جب ان پر ظلم کرتا ہے تو یہ شیطان مردود بن جاتا ہے۔"

17: حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس شخص نے جوانی میں اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پا لیا اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاپے میں فرشتہ بنا دے گا (فرشتوں جیسی عصمت نصیب فرمائے گا)۔"

جاہلیت کے نکاحوں کی تردید:

جاہلیت کا دستور کہ شوہر اپنی بیوی کو غیر مرد کے پاس عمدہ نسل لینے کے لئے بھیج دے۔ ایک

عورت نو نو مردوں کو بیک وقت اپنے آپ کو استعمال کرنے کا موقع دے، ان انسانیت سوز، حمیت گداز رواج کا خاتمہ جیسا کہ سن چکے اسلام نے ہمیشہ کے لئے کر دیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان گزر ہی چکا ہے:

”فلما بعث محمد رسول االه صلى الله عليه وسلم بالحق هدم نكاح الجاهلية كله الا نكاح الناس نكاح اليوم“

(بخاری کتاب النکاح)

”پس جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے کل نکاحوں کی بنیاد ڈھادی، سوائے اس کے جو آج کل رائج ہے۔“

حرمت زنا:

صرف انہی طریقوں کو نہیں روکا، بلکہ دوسرے ان تمام طریقوں کو بھی حرام قرار دے دیا جس سے عفت و عصمت پر زد پڑ سکتی تھی، جس سے نسل اور میراث میں گڑبڑ پیدا ہوتی تھی، جس سے صلہ رحمی اور مروت کی شہ رگ کٹتی تھی اور ان کو زنا کا نام دے کر لوگوں کا آگاہ کر دیا گیا اور قرآن ہی میں اعلان کیا گیا:

”ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلاً“

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر ۳۲)

”اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو۔ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات اور برا راستہ ہے۔“

یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو، بلکہ فرمایا گیا کہ زنا کے قریب بھی مت جانا۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ زنا ہی نہیں، بلکہ ہر وہ کام یا طریقہ جو زنا کے پہنچے تک پہچانے والا ہو، سب ہی سے بچنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اگر غور کیا جائے تو قرآن مجید کے ان اجمالی الفاظ میں بعض لطیف اشارے بھی آپ کو مل سکتے ہیں، یعنی فطرت انسانی میں جو نفرت اور برائی کا احساس زنا کے متعلق پایا جاتا ہے اس کی طرف فاحشۃ کے لفظ سے ایماء فرماتے ہوئے: ساء سبیلا (بہت برا رستہ) کے الفاظ سے اگر سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے نسب میں اختلاط اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اسکا اثر میراث، مسائل حرمت، حقوق کی پامالی اور اخلاق پر پڑتا ہے اور سلسلہ نہ معلوم یہ کہاں تک پہنچتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے اپنی مسند میں ایک روایت نقل کی ہے جس کے راوی حضرت ابو امامہ (صحابی) رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک نوجوان خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی:

"یارسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دی جائے۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی گستاخی بہت بری معلوم ہوئی۔ چنانچہ اس کو سبھوں نے ڈانٹا اور اس سوال پر نفرت کا اظہار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان سے فرمایا:

"قریب آجاؤ!"

وہ قریب آگیا، آپ نے فرمایا:

"بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا:

"کیا تم اس (زنا کے) کام کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو۔؟"

نوجوان نے کہا:

"نہیں یارسول اللہ!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"دوسرے لوگ بھی اس برائی کو اپنی ماں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ اس زنا کو تم اپنی لڑکی کے حق میں اچھا جانتے ہو۔؟"

نوجوان نے کہا:

"میں آپ پر نثار ہوں۔ انہیں یارسول اللہ!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"دوسرے لوگ بھی اس بدکاری کو اپنی لڑکیوں کے لئے اچھا نہیں جانتے۔ کیا تم اس برے کام کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت کر سکتے ہو۔؟"

نوجوان نے کہا:

"ہرگز نہیں یارسول اللہ!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"دوسرے لوگ بھی اس گندگی کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت نہیں کر سکتے۔

اچھا اس برے کام کو تم اپنی پھوپھی کے لئے پسند کرو گے۔؟"

نوجوان نے کہا:

"نہیں یارسول اللہ!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"دوسرے لوگ بھی اپنی پھوپھی کے لئے زنا کو پسند نہیں کرتے۔ یہ بتاؤ اپنی خالہ کے ساتھ گوارا کر لو گے۔؟"

نوجوان نے کہا:

"نہیں یارسول اللہ!"

آنحضرت ﷺ نے کہا:

"دوسرے لوگ بھی زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا نہیں کر سکتے۔"

اس طرح اس مسئلہ کو جب اس کے ذہن نشین کرا چکے تو آپ نے اپنے دست مبارک اس پر رکھا اور دعا فرمائی:

"اللھم اغفر ذنبه و طهر قلبه واحصن فرجه"

(تفسیر ابن کثیر، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۳۸)

"اے اللہ! اس کے گناہ معاف کر دے، اس کا دل پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔"

راوی کا بیان ہے کہ اس تقریر اور دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ اس شخص کو کبھی بھی اس کے بعد زنا کا خیال نہ گزرا۔ بات بھی کتنے پتہ کی بیان فرمائی گئی۔ غور کیجئے! کوئی ایسی عورت ہے جو کسی کی ماں نہ ہو، بہن نہ ہو، پھوپھی نہ ہو، خالہ نہ ہو؟ پھر یہ کیا انسانیت ہے کہ کسی کی ماں، بہن، لڑکی اور پھوپھی وغیرہ سے ناجائز ہمبستری کی جائے۔؟

ایک اور مقام میں قرآن مجید نے زنا کی برائی کا تذکرہ کیا ہے:

"لا تنکحوا ما نکح اباء کم من النساء الا ماقد سلف انه کان فاحشة و مقتاً وساء سبیلاً"

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۳)

"تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ مگر جو بات

گزر گئی، بیشک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔"

عورتوں سے بیعت جن الفاظ میں رسول اللہ ﷺ لیتے تھے، قرآن مجید میں ان کو محفوظ بھی کر دیا گیا ہے۔ عورتوں سے عہد لیا جاتا تھا:

"لا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینه بین ایدیھن و ارجلھن"

(سورۃ الممتحنہ، آیت نمبر۲)

"وہ بدکاری نہ کریں گی اور نہ دختر کشی کریں گی اور نہ ایسا افترا باندھیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان تراشا ہوگا۔"

زنا کی برائیوں کی انتہا نہیں مثلاً: زنا کے بعد شر وفتن کے چشمے ابل پڑتے ہیں، قوم میں کشت وخون کی گرم بازاری ہوتی ہے، اعمال واخلاق کی مٹی پلید ہو جاتی ہے، ملک کا معیار اخلاق گر جاتا ہے، زنا کار قوم کی عظمت ووقعت کا قصر رفیع زمین پر آ جاتا ہے، عزت وشوکت ملیامیٹ ہو جاتی ہے، پھر انسانیت میں جونہی ضعف آیا امن وامان خطرہ میں گر جاتا ہے، غریبوں کی جان لب پر آ جاتی ہے، ملک صحت کے اعتبار سے نیچے آ جاتا ہے اور جوان قوم خصوصاً اور عام افراد عموماً متعدی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

زنا کے ان ہی مفاسد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے زنا کو قتل کے بعد سب سے بڑا اجرام قرار دیا کہ یہ قتل نہ سہی لیکن انجام کے اعتبار سے قتل سے کم بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید نے جہاں اللہ کے نیک بندوں کی صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے:

"والذین لا یدعون مع اللہ الھا اخرو لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون و من یفعل ذلک یلق اثاماً"

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر۶)

"اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں، مگر حق پر۔ اور زنا بھی نہیں کرتے اور جو شخص ایسے برے کام کرے گا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"یضعف له العذاب یوم القیٰمة و یخلد فیه مهاناً"

(سورۃ الفرقان، آیت نمبر ۶)

"قیامت کے دن زنا کار کا عذاب بڑھتا چلا جائیگا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا۔"

قرآن مجید کے ان الفاظ پر غور کیجئے اور سوچئے کہ سزا کے ان ہولناک حالات سے دوچار کرنے والے جرائم میں ایک جرم زنا بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

" مامن ذنب بعد الشرك اعظم عند الله من نطفة و ضعها رجل فی رحم لا محل له"

(تفسیر ابن کثیر، 38، جلد نمبر 3)

"شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ سے بڑھ کر گناہ نہیں ہے، جس کو کوئی شخص کسی ایسے رحم میں رکھے جو شرعاً اس کے لئے حلال نہ تھا۔"

شاید اسی بنیاد پر مسلمانوں میں مشہور بھی ہو گیا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مومن ایاکم ایا کم"

(صحاح ستہ) (مشکوۃ المصابیح)

"زنا کار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔ زنا سے بچو زنا سے بچو!"

ایک دوسری حدیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا زنی العبد خرج منه الایمان فكان فوق راسه لا لظلة فاذا خرج من ذٰلك العمل یرجع الیه الایمان"

(مشکوۃ المصابیح، باب الکبائر)

"بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سایہ بن جاتا ہے۔ زانی جب فعل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قل انما حرم ربی الفوا حش ما ظهر منها و ما بطن و الاثم و البغی بغیر الحق“

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۴)

”آپ فرمائیے کہ تمام فحش باتوں کو میرے رب نے حرام کیا ہے۔ ان میں جو علانیہ ہوں ان کو بھی اور جو پوشیدہ ہوں ان کو بھی۔ اور ہر گناہ کی بات کو، اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو (بھی حرام کیا ہے)“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

”اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا کرے۔؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”چار عینی گواہ پیش کرے۔“

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو فطرتاً غیر معمولی غیور تھے بولے:

”اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو میری غیرت برداشت نہ کر سکے گی۔ میں اسی وقت تلوار اٹھاؤں گا اور دو ٹکڑے کر دوں گا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”سعد کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو؟ خدا گواہ ہے کہ میں خود ان سے بہت زیادہ غیرت والا ہوں۔ میری غیرت سے بڑھ کر خود رب العزت کی غیرت ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن تمام فواحش کو حرام قرار دے دیا۔ یہ کھل کر ہو یا پردہ پوشی کے ساتھ۔“

(الجواب الکافی لابن القیم، صفحہ نمبر ۲۱۹)

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا۔ اس موقع سے آپ ﷺ نے ایک بلیغ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”یا امة محمد و الله انه لا احد اغیر من الله ان یزنی او تزنی امته و الله لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا“

(صحیح البخاری)

”اے امت محمد! خدا کی قسم اس بات سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو غیرت نہیں ہوتی

کہ کوئی مرد اور عورت زنا کرے۔ بخدا جو کچھ میں جانتا ہوں تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بکثرت روتے۔"

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان و ایتای ذی القربی و ینھی عن الفحشاء و المنکر و البغی یعظکم لعلکم تذکرون"

(سورۃ النحل، آیت نمبر ۱۳)

"بیشک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتا ہے کہ تم نصیحت قبول کرو۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے بھی زنا کی برائی اور اس کے مفاسد پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید کر جب عزیز مصر نے اپنی بیوی زلیخا کے سپرد کیا کہ اس غلام کی نگہداشت کرو تو زلیخا نے اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا اور یوسف علیہ السلام نے جوانی کے میدان میں قدم رکھا ہی تھا کہ زلیخا یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر مفتون ہو گئی اور دل کشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اس کام پر آمادہ کر لے، جس کی تعلیم زلیخا کو اس کے نفس نے دی تھی۔ عیش و نشاط کے سارے سامان فراہم۔ نفسانی جذبات اپنے شباب پر۔ محبت اور پیار کی مسلح فوج سامنے۔ تنہائی کا عالم۔ سارے دروازے اور کھڑکیاں بند۔ تمام خطروں اور کل اندیشوں سے بظاہر اطمینان۔ پھر جوانی قیامت کا روپ بھرے کھڑی۔ شبابی قوت و طاقت کا سمندر موجزن۔ تجرد کی زندگی میں جنسی میلان کا صبر آزما تلاطم اور ایسے وقت میں ایک غارت گر ہوش و خرد اپنے آپ کو خود حضرت یوسف علیہ السلام پر پیش کرتی ہے الغرض:

"وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه و غلقت الابواب و قالت هیت لك"

(سورۃ یوسف)

"اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے، وہ عورت ان سے اپنا

مطلب نکالنے کے لیے ان کو پھسلانے لگی اور سارے دروازے بند کر دیے اور کہنے لگی آ جاؤ۔"

آسمان دیکھ رہا تھا، زمین دیکھ رہی تھی، ملائکہ دیکھ رہے تھے کہ یعقوب کا چشم و چراغ اب کدھر جاتا ہے۔ بلانے میں شیطانی قوت کی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا گیا تھا، مگر اللہ کے بندے حضرت یوسف علیہ السلام سب کچھ دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"معاذ الله انه ربی احسن مثوی انه لا یفلح الظلمون"

(سورۃ یوسف)

"اللہ بچائے! وہ میرا مربی ہے اس نے مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا۔ حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔"

اس آیت میں زانی کو جو ظالم قرار دیا گیا ہے۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ سوچیے تو یقین کرنا پڑے گا کہ زنا دنیا کے سارے مظالم کی جڑ ہے۔ دنیا کی ساری برائی زنا کاری میں پائی جاتی ہے۔ پھر زانی کے ظالم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔؟

زانی کا فعل زنا خود اپنے اوپر بھی ظلم ہے کہ اس سے اخلاق و اعمال کی مٹی پلید ہوتی ہے، خون اور روپیہ بے فائدہ ضائع ہوتا ہے، مادہ تولید جو باعث افزائش نسل انسانی ہے ناحق برباد ہوتا ہے، صحت پر ناخوشگوار اثر پڑتا ہے، ذلت اور رسوائی ہوتی ہے، ذاتی خوف و ہراس میں مبتلا رہتا ہے، حزن و ملال سے دوچار ہوتا ہے، مرض متعدی سوزاک و آتشک وغیرہ کے خطرے میں اپنے کو گرفتار کرنا پڑتا ہے، بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خود غرضی، نفسانی خواہش کی غلامی، ضبط نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی اور دوسری بیسیوں جسمانی، ذہنی اور روحانی امراض میں زنا آدمی کو مبتلا کر دیتا ہے۔

زنا اپنے خاندان پر بھی عظیم ظلم ہے کہ زنا کار خاندان کی عزت کو داغ لگاتا اور پھر خاندان کے لئے برائی کا ایک نمونہ قائم کرتا ہے۔ اہل خاندان اور بال بچوں کے لئے زنا کی شاہراہ بناتا ہے۔

زنا نسوانی عفت و عصمت کی لوٹ ہے۔ زانی ڈاکو ہے۔ ایک کمزور ارادے والی ذات کو اپنی ہوس ناکیوں کا تختہ مشق بناتا ہے۔ شرم و حیاء کی چٹانوں کے نیچے عورت کی فطرت جو قدرتا دبی ہوئی ہے ان چٹانوں کو یہی زانی اٹھا لیتا ہے۔ جس کے بعد عورت جس کے لئے کسی مرد سے خواہ اس

کا باپ اور بھائی کیوں نہ ہو خطاب میں حیا دامن گیر ہوتی تھی، اب وہ ایک بیباک، فتنہ پرداز عورت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ آنکھوں کا پانی اسکے ڈھل جاتا ہے، بے حیائی کے کاموں پر دلیر ہو جاتی ہے۔

آج عصمت فروشیوں کے سارے بازار جو شہروں میں نظر آتے ہیں در حقیقت زانی مردوں ہی کے کھولے ہوئے بازار تو ہیں۔ یہ سب انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

عورت بہر حال کسی خاندان ہی کی عورت ہوتی ہے، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن، کسی کی بیوی یا ماں ہوگی۔ سوچیے تو سہی کہ زانی مرد کن رسوائیوں کی سیاہی عورت کے خاندان والوں کے چہروں پر پھیرتا ہے کہ بسا اوقات خود کشی تک ان ہی رسوائیوں کے غیر معمولی احساس نے لوگوں کو پہنچا دیا۔

عورت کسی مرد کی باضابطہ منکوحہ ہے تو دوسرے مفاسد کے ساتھ غیر کے حق ناموس پر یہ کیسی شرمناک مداخلت اور بے جا اور ظالمانہ حملہ ہے۔

زنا کا بچے پر بھی ظلم ہے، کیونکہ یا تو اسے ضائع کر دیا جائے گا اور بے قصور قتل کیا جائے گا یا باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نگرانی و تربیت اور تعلیم کی ذمہ داری کا کوئی مرکز باقی نہیں رہتا۔ کسی طرح بچہ کو پروان چڑھنے کا موقع بھی مل جائے تو سیاہی کے اس داغ کو اس غریب کی پیشانی سے کون دھو سکتا ہے جو خود اس کے ناجائز باپ کے ہاتھوں اس کی پیشانی پر لگا ہے۔ سوسائٹی میں ذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، بسا اوقات زنا سے پیدا ہونے والے بچے امراض خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں عموماً گونگے، بہرے، لنگڑے لڑکے پیدا ہوتے ہیں، یعنی نوعی کمالات میں سے کسی کمال سے محروم ہو کر پیدا ہوتے ہیں۔ بظاہر قدرت کی طرف ان کی کوتاہیوں کو منسوب کرنے والے منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ موجودہ طبی تحقیقات کی روشنی میں پتہ چل رہا ہے کہ ان کوتاہیوں کی زیادہ تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جن سے گزر کر بچے دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ آئندہ نسلوں کی امانت جن کے سپرد ہوتی ہے وہ امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں۔ آئندہ نسلوں کے پھلنے پھولنے کا دارومدار ہی جذبہ امانت کے اس احساس پر مبنی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں ہلکی سی غفلت قوم کی قوم کو جسمانی، دماغی اور روحانی بربادیوں کی آندھیوں کے سامنے لے آتی ہے۔

اس مسئلہ کی ہمہ گیری کے لئے طبعیات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ زنا کا لفظ ایک بسیط مختصر سا لفظ

ہے، لیکن اس کے مفاسد کا دائرہ خاندانوں اور قوموں کو اپنے احاطہ میں عموماً لے آتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھڑی میں قید کی زندگی کو اس جرم کے اقدام پر ترجیح دی اور دعا مانگی:

"رب السجن احب الی مما یدعوننی الیه والا تصرف عنی کیدهن اصب الیهن و اکن من الجاهلین"

(سورۃ یوسف)

"اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے اور اگر تو ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کرے گا تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کر بیٹھوں گا۔"

ایک دفعہ یہودیوں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آیات بینات کیا ہیں۔؟ جواب میں ارشاد فرمایا گیا:

"لا تشرکوا باللّٰہ شیئًا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقذفوا محصنة"

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الکبائر)

"اللہ تعالیٰ کا نہ کسی کو شریک ٹھہراؤ، نہ چوری کرو، نہ زنا کرو اور نہ کسی پاک دامن کو زنا سے متہم کرو۔"

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یعنی اکبر الکبائر کون ہے۔؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا، حالانکہ اس نے ہی پیدا کیا۔"

اس شخص نے پوچھا:

"اس کے بعد پھر کونسا کام۔؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا۔"

اس نے پوچھا:

''پھر کون سا یارسول اللہ!''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان ترنی حلیلة جارك''

(صحیح بخاری، باب اثم الزنا)

''تیرا اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی برائی مختلف پیرا میں بیان کی اور چاہا کہ لوگوں اچھی طرح اس کی برائی سے واقف ہو جائیں اور اس بدترین کام سے باز آ جائیں۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

''دوزخ میں لوگ زیادہ تر اپنے منہ اور اپنی شہوت کی جگہ کی بدولت ڈالے جائیں گے۔''

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ سب قیامت کی علامتیں ہیں: علم کا اٹھ جانا، جہالت کا عام ہونا، شراب کا پینا، زنا کاری کا پھیل پڑنا اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم پڑ جائے تا آنکہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار صرف ایک مرد باقی رہ جائے۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ما ظهر الربا والزنا في قرية الا اذن الله باهلا كها''

(الجواب الکافی، صفحہ نمبر 220)

''کسی بستی میں سود اور زنا جب پھیل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کی ہلاکت کی اجازت مرحمت فرما دیتا ہے۔''

زنا کاری کبھی آبادی کی ویرانی کا موجب بن جاتی ہے اور پوری آبادی کو برباد کر ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس آبادی پر مسلط ہو جاتا ہے جس میں زنا کاری پھیل پڑتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب خلیفۃ المسلمین ہوئے اور بیعت عامہ ہو چکی جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے تو آپ ممبر تشریف لائے اور بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ ارشاد فرمایا:

''دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا، اللہ نے اسے ذلیل کر دیا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا

ہے۔"

(تاریخ ملتج، جلد نمبر۲، صفحہ نمبر۴۰)

پہلے خلیفہ رسول نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں ان کلمات کو فرما کر عصمت وعفت کے متعلق اسلام کے جس نقطہ نظر کو پیش کیا ہے اس سے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیئے کہ عروج واقبال کی زندگی کے تباہ کرنے میں سیہ کاریوں کو کس حد تک دخل ہے۔ گویا جو کچھ اب پیش آیا اسی کی پیشگوئی مسلمانوں کے سب سے پہلے خلیفہ نے کردی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ولا فشا الزنا قوم الا کثر یهم الموت"

(مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ نمبر ۴۵۹، عن مالک)

"زنا کسی قوم میں عام نہیں ہوتا، مگر ان بکثرت موت ہوتی ہے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مامن قوم یظهر الزنا الا اخذ وابا السنة وما من قوم یظهت فیهم الوشا الا احذو ا با لرعب رواه احمد"

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الحدود، صفحہ نمبر ۳۱۳)

"کسی قوم میں جب زنا پھیل پڑتا ہے تو اسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے تو اس پر خوف طاری کر دیا جاتا ہے۔"

انسان جب عفت وعصمت کے چہرہ کو داغدار بناتا ہے، شرعی و دینی حدود کی اس راہ میں پرواہ نہیں کرتا اور جائز وناجائز کی تفریق مٹا دیتا ہے تو اس وقت پوری قوم فتنہ میں ڈال دی جاتی ہے۔

بنی اسرائیل جو دنیا کی چنی ہوئی امتوں میں ایک خاص تاریخی امت ہے۔ اس میں بھی فتنہ عورتوں ہی کی راہ سے آیا اور فتنہ جب آیا تو پوری کی پوری امت ہی تہس نہس ہو کر رہ گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"فاتقو الدنیا واتقو النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء"

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح)

''دنیا اور عورتوں سے بچو۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں سے تھا۔''

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یخلون با مراۃ لیس معھاذو حرم منھا فان ثالثھما شیطان''

''جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہا نہ ہو، جس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو، کیونکہ ان دو کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لا یخلون رجل بامرأۃ لیست لہ بمحرم الا ھم اوھمت بہ قیل یا رسول اللہ وان کان صالحین قال ولو کانت مریم بنت عمران و یحییٰ بن زکریا''

''کوئی شخص کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ جس کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو تنہائی اختیار نہ کرے۔ ورنہ یا تو مرد گناہ کا ارادہ کر بیٹھے گا یا عورت۔ عرض کیا گیا!''یا رسول اللہ! اگر وہ دونوں نیک بزرگ ہوں۔؟''فرمایا!''اگر چہ وہ مریم بنت عمران (حضرت عیسیٰ کی والدہ) اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ اسلام بھی کیوں نہ ہوں۔''

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تین چیزوں میں اپنے آپ کو کبھی مبتلا نہ کرو۔! پہلی بادشاہ کے پاس ہرگز نہ جاؤ اگر چہ تم کہو کہ میں اس کو اطاعت خداوندی کا حکم کروں گا۔ دوسری کسی اجنبی عورت کے پاس نہ جاؤ اگر چہ تم کہو کہ میں اس کو قرآن پاک کی تعلیم دوں گا۔ تیسری اپنے کان کسی بھی خواہش پرست کی طرف متوجہ نہ کرو آپ کو کیا معلوم کہ ان کی کون سی بات آپ کے دل کو قابو کر لے۔''

حضرت ابو القاسم بن نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا:

''بعض لوگ عورتوں سے مجلس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کو دیکھنے سے بچے

ہوئے ہیں۔ کیا یہ درست ہے۔؟"

آپ نے فرمایا:

"جب تک مرد عورت باقی ہیں، امر و نہی بھی باقی ہیں اور حلال و حرام کا حکم بھی ان سے مخاطب ہے۔ شبہات (کے مقامات) پر وہی جرأت کر سکتا ہے جو محرمات میں مبتلا ہوتا ہو۔"

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ماترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء"

"میرے بعد مردوں کیلئے سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورتوں سے زیادہ کوئی اور نہ ہوگا۔"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان الدنیا حلوة خضرة وان اللہ عزوجل مستخلفکم فیھا لینظر کیف تعملون فاتقوا الدنیا واتقوا النساء وان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء"

"دنیا پسندیدہ اور سرسبز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ تم دنیا سے بھی بچو اور عورتوں سے بھی، کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں سے اٹھا تھا۔"

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جو اپنے زمانہ کے عابدوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھا۔ اس کے زمانہ میں تین بھائی تھے جن کی ایک کنواری بہن بھی تھی۔ ان پر دشمن فوج نے حملہ کر دیا تو انہوں نے سوچا کہ اپنی بہن کو کس کی حفاظت میں چھوڑ جائیں، کیونکہ ان کو کسی پر بھروسہ نہ تھا۔ ان کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ اس کو بنی اسرائیل کے عابد کے پاس چھوڑ تے ہیں۔ چنانچہ یہ اس کے پاس آئے اور اس سے اپنی بہن کو اپنے پاس رکھنے کی درخواست کی کہ جب تک ہم واپس نہ آئیں یہ آپ کے پاس رہے گی لیکن عابد نے اسے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ سے (لڑکی کے اور اس کے بھائیوں کے بارے میں) پناہ

مانگی۔ مگر وہ بھی لپٹے رہے حتیٰ کہ عابد مان گیا اور کہا:

"اس کو میرے عبادت خانہ کے سامنے والے گھر میں ٹھہرا دو۔"

چنانچہ انہوں نے اس کو اس میں ٹھہرا دیا اور چھوڑ کر چلے آئے۔ یہ لڑکی ایک عرصہ تک اس عابد کے پڑوس میں رہی۔ یہ عابد اپنے عبادت خانہ کے دروازہ پر کھانا لٹکا کر اتار دیتا، اپنا دروازہ بند کر کے اپنی عبادت گاہ میں جا بیٹھتا تھا اور پھر اس لڑکی کو اطلاع کرتا تھا تو وہ اپنے گھر سے نکل کر کھانا لے جاتی۔

شیطان نے عابد کے دل میں کچھ نرمی سی ڈالی، اس کے دل میں خیر کی ترغیب دیتا رہا اور کہا کرتا تھا:

"آپ دن کے وقت لڑکی کے گھر تک جایا کریں۔"

وہ عابد کو اس سے ڈراتا رہا:

"ایسا نہ ہو کہ لڑکی کے باہر نکل کر کھانا لے جاتے رہنے کی وجہ سے کوئی اس کو دیکھ کر اس پر عاشق نہ ہو جائے اس لئے آپ چل کر اس کے گھر کے دروازہ پر کھانا رکھ آیا کریں۔ اس میں آپ کو زیادہ ثواب ہوگا۔"

چنانچہ وہ عابد اس کا کھانا لے کر اس کے دروازہ پر جا کر رکھ آتا تھا مگر اس سے کوئی بات چیت نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح سے ایک عرصہ گزر گیا۔ ایک مرتبہ شیطان اس کے پاس آیا اور نیکی و اجر کی ترغیب اور لالچ دلاتے ہوئے کہنے لگا:

"کاش! آپ اس کے گھر کے اندر جا کر اس کا کھانا رکھ آیا کریں تو اس میں آپ کو اور بھی زیادہ ثواب ہوگا۔"

چنانچہ عابد اس کا کھانا لے کر اس کے گھر میں لے جا کر رکھنے لگا اور اس طرح سے ایک عرصہ گزر گیا۔ پھر ایک مرتبہ اس کے پاس شیطان آیا اور اس کو نیکی کی ترغیب دیتے ہوئے کہنے لگا:

"کاش! آپ اس لڑکی سے کچھ کلام کرتے، باتیں کرتے اور وہ آپ کی باتوں سے مانوس ہوتی۔ وہ اکیلی رہ رہ کر بہت پریشان ہو گئی ہے۔"

چنانچہ عابد ایک عرصہ تک اس لڑکی سے باتیں کرتا رہا اور اس کو مانوس کرنے کیلئے اپنے عبادت خانہ سے اس کی طرف جھانک لیتا تھا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ شیطان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا:

”کاش! آپ اپنے عبادت خانہ کے دروازہ پر بیٹھتے، وہ اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھتی، وہ تم سے باتیں کرتی اور اس سے اُس کو کچھ زیادہ انس ہوتا۔“

چنانچہ شیطان نے اس کو گرجا گھر کے دروازہ پر بٹھایا، لڑکی کو اس کے گھر کے دروازہ پر بٹھایا اور یہ دونوں ایک عرصہ تک آپس میں باتیں کرتے تھے۔ پھر ایک مرتبہ شیطان اس کے پاس آیا اور اس کو ثواب اور نیکی کی ترغیب دیتے ہوئے کہنے لگا:

”کاش! آپ اپنے عبادت خانہ سے نکل کر اس کے گھر کے دروازہ کے پاس بیٹھ کر اس سے باتیں کرتے تو اس کو اس سے زیادہ انس حاصل ہوتا۔“

عابد ایسا کرنے لگا اور ایک عرصہ تک یہی صورت رہی۔ پھر اس کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا:

”کاش! آپ اس لڑکی کے گھر کے دروازہ کے پاس ہو جاتے۔ کاش! آپ اس کے گھر میں داخل ہو جایا کریں تا کہ وہ اپنا چہرہ گھر سے باہر نہ نکالے۔“

چنانچہ وہ اس کے گھر میں داخل ہونے لگا، سارا سارا دن اس سے باتوں میں مصروف رہنے لگا اور جب شام ہوتی تو اپنے عبادت خانہ میں لوٹ جاتا۔ اس کے بعد پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس کے دل میں لڑکی کی زیب و زینت کے خیال ڈالنے لگا۔ حتیٰ کہ عابد نے لڑکی کی ران پر ہاتھ مارا اور بوسہ لیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے پڑا رہا، اس کی خوبصورتی اس کی آنکھوں میں جتلانے لگا اور اس کے نفس کو ابھارنے لگا حتیٰ کہ وہ گناہ میں مبتلا ہوا، وہ حاملہ ہوئی اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔ پھر شیطان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا:

”آپ جانتے نہیں کہ جب لڑکی کے بھائی آئیں گے تو بچے کو دیکھ کر تیرا کیا حشر کریں گے۔؟ مجھے امید نہیں ہے کہ تو شرمندہ نہ ہو اور نہ وہ تمہیں شرمندہ کریں۔ تم جا کر اس کے بیٹے کو ذبح کر کے دفن کر دو اور یہ لڑکی اپنے بھائیوں سے خوف کے مارے اس گناہ کو چھپا لے گی۔“

چنانچہ اس نے لڑکے کو قتل کر دیا۔ پھر شیطان نے کہا:

”تم کیا سمجھتے ہو کہ تم نے جو کرتوت کی ہے اس کو یہ لڑکی اپنے بھائیوں سے ذکر نہیں کرے گی۔؟ تم اس کو بھی پکڑ کر ذبح کر دو اور اس کے بیٹے کے ساتھ اس کو بھی دفن کر دو۔“

چنانچہ اس نے لڑکی کو بھی ذبح کیا، اس کے لڑکے کے ساتھ اس کو بھی ایک گڑھے میں ڈالا، اوپر سے بڑی چٹان رکھ دی اور ان پر زمین کو برابر کر دیا۔ پھر اپنے عبادت خانہ میں جا کر عبادت میں مصروف ہو گیا۔ اس طرح سے جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا یہ عبادت میں لگا رہا حتیٰ کہ اس لڑکی کے بھائی جنگ سے فارغ ہوئے اور اس کے پاس آ کر اپنی بہن کا مطالبہ کرنے لگے تو اس نے ان سے تعزیت کی لڑکی کیلئے دعا کے جملے کہے، صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے رونے لگا اور کہنے لگا:

''وہ نیک خاتون تھیں۔ یہ ان کی آخری آرام گاہ ہے۔ یہ دیکھو!''

اس کے بھائی اس کی قبر پر آئے، افسوس کیا اور ایک دن تک اس کی قبر پر رہے پھر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

جب رات ہوئی اور یہ اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے تو شیطان ان کے پاس آیا۔ سب سے پہلے بڑے کے پاس آیا اور اس سے اس کی بہن کا پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا جو عابد نے دیا تھا کہ وہ تو فوت ہو گئی ہے۔ شیطان نے اس بات کو جھٹلا کر کہا میں تو تمہاری بہن کے قضیہ کی تصدیق نہیں کرتا۔ اس عابد نے تمہاری بہن کو حاملہ کیا، اس نے اس کا بچہ جنا، پھر اپنی جان بچانے کیلئے اس عابد نے اس کو لڑکے سمیت ذبح کیا اور گھر کے دروازہ کے پیچھے دفن کر دیا۔

پھر شیطان درمیان والے بھائی کے پاس آیا اور اس کو بھی ویسا ہی کہا۔ پھر وہ چھوٹے کے پاس آیا اور اس کو بھی ویسا ہی کہا۔

جب یہ بھائی اٹھے تو اس خواب کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے۔ چنانچہ جب یہ تینوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے گئے اور کہنے لگے کہ میں نے عجیب خواب دیکھا ہے، میں نے عجیب خواب دیکھا ہے۔ تو بڑے بھائی نے کہا:

''یہ کوئی جھوٹا اور بے حقیقت خواب ہے چلو چھوڑو۔''

چھوٹے نے کہا:

''میں تو نہیں چھوڑوں گا۔ میں اس جگہ پر جاؤں گا اور اس کو دیکھوں گا۔''

چنانچہ وہ تینوں تین دن خواب دیکھنے کے بعد چل پڑے، اس جگہ کو تلاش کیا اور اپنی بہن کو اسکے بچہ سمیت ذبح شدہ پایا۔ پھر اس کے بارے میں عابد سے پوچھا تو ابلیس کی بات کی تصدیق ہو گئی جو اس نے اس لڑکی کے ساتھ کیا تھا۔ ان بھائیوں نے اس کا مقدمہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا تو اس عابد کو اسکے عبادت خانہ سے گرفتار کیا گیا اور سولی چڑھانے کیلئے لے جایا گیا۔ جب اس

کو سولی کی لکڑی پر کھڑا کیا تو اس وقت شیطان عابد کے پاس آیا اور کہنے لگا:

”تو جانتا ہے میں تمہارا وہی ساتھی ہوں جس نے تمہیں اس لڑکی کے فتنہ میں مبتلا کیا، تو نے حاملہ کر کے اس کو اور اس کے بیٹے کو ذبح کیا۔؟ اگر آج تم میری پیروی کرو اور اس اللہ کا انکار کرو جس نے تمہیں پیدا کیا تو میں اس مصیبت سے نجات دلا دوں گا جس میں تم پھنس گئے ہو۔“

عابد نے اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا۔ جب اس نے یہ کفر کیا تو شیطان اس سے اور اسکے دشمنوں کے سامنے سے ہٹ گیا کیونکہ وہ اس کو گمراہ کرنے کا اپنا مکروہ مقصد پورا کر چکا تھا۔ چنانچہ عابد کو اسی کفر کی حالت میں سولی دے دی گئی۔

اسی قصے کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

”کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریء منك انی اخاف الله رب العالمین فکان عقبتهما انهما فی النار خالدین فیها و ذلك جزاء ا لظالمین○“

(القرآن الکریم، سورۃ الحشر، آیت نمبر 12)

”جیسے شیطان کی مثال ہے جب وہ انسان کو کہتا ہے کہ کفر کر لو تو جب وہ کفر کر لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے ”اب میں تم سے بری ہوں میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں“ ان دونوں (یعنی شیطان اور کافر ہونے والے) کی سزا یہ ہے کہ یہ دونوں دوزخ میں جائیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔○“

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ:

” و خلق الانسان ضعیفا“

” اور اللہ نے انسان کو کمزور پیدا فرمایا“

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”کمزور کا معنی یہ ہے کہ جب انسان کسی عورت کی طرف دیکھتا ہے تو صبر نہیں کر سکتا۔“

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

”اگر کوئی شخص اپنے گھر کا مال بطور امانت میرے پاس رکھے تو مجھے امید ہے کہ میں اس کو اس کے مالک تک صحیح سلامت لوٹا سکوں گا اور اگر کوئی حبشی، بدی اور کالی

عورت ہی بطور امانت میرے پاس رکھی جائے اور میں اس کے ساتھ ایک گھڑی کیلئے تنہائی پالوں تو میں اپنے نفس پر اعتماد نہیں کر سکتا۔"

حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور کہنے لگی:

"میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتی ہوں۔؟"

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"پہلے دروازہ بند کرو۔ پھر اس کے پیچھے جا کر مجھ سے بات کرو۔ شیطان کہتا ہے کہ عورتیں میرا ایسا تیر ہیں کہ جب میں اس کو استعمال کروں تو وہ ٹھیک نشانہ پر لگتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتے تھے۔ چنانچہ حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند عورتیں بیعت کیلئے آئیں (انہوں نے ہاتھ کے ساتھ بیعت کرنا چاہی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انی لا اصافح النساء"

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔"

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے کہ عورتوں نے آج کیا کر رکھا ہے تو آپ علیہ السلام ان کو گھروں سے باہر نکلنے سے منع فرما دیتے یا ان کا باہر نکلنا حرام قرار دے دیتے۔"

زنا کی تباکاریاں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة و ساء سبيلا"

(القرآن المجید، سورۃ اسراء، آیت نمبر 32)

"زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ یہ بدکاری اور برا راستہ ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا یزنی زان حین یزنی وھو مومن"

"جب کوئی زانی زنا کر رہا ہوتا ہے وہ اس وقت مومن نہیں رہتا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لكل بني آدم حظ من الزنا، فالعينان تزنيان و زنا هما النظر، واليدين تزنيان وزنا هما البطش، والرجلان تزنيان و زنا هما المشي، والفم يزني وزناه القبل، والقلب يهوى ويتمنى والفرج يصدق ذلك اويكذبه"

"ہر انسان کا زنا میں کچھ نہ کچھ حصہ ہوتا ہے۔ پس آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے۔ ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے۔ پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا چلنا ہے۔ منہ بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوسا ہے۔ دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتے ہوئے (زنا میں مبتلا ہوتی) ہے یا جھٹلا کر (باز رہتی) ہے۔"

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"يا امة محمد ما احد اغير من الله ان يرى عبده او امته تزني"

"اے امتِ محمد! اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا کہ وہ کسی مرد کو یا عورت کو زنا کرتا دیکھے۔"

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"رايت الليلة جليين اتياني فاخرجاني فانطلقت معهما فاذابيت مبني على بناء التنور اعلاه ضيق واسفله واسع يوقد تحته نار، فيه رجال ونساء عراة فاذا وقدت ارتفعوا حتى يكادوا ان يخرجوا فاذا اخمدت رجعوا فيها۔ فقلت ماهذا؟ قالا الزناة"

''آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دو شخص (فرشتے) آئے، وہ مجھے لے کر گئے اور میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کمرہ ہے جو تنور پر بنایا گیا ہے، اس کا اوپر کا حصہ تنگ ہے، نیچے کا کھلا ہے اور اس کے نیچے سے آگ جلائی جا رہی ہے۔ اس میں مرد اور عورتیں ننگے ہیں، جب آگ بھڑکائی جاتی ہے یہ اوپر ہو جاتے ہیں اور اس کمرہ سے باہر نکلنے کو دوڑتے ہیں اور جب آگ دھیمی کی جاتی ہے تو اس میں واپس گر جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا:

''یہ کون ہیں۔؟''

فرشتوں نے کہا:

''یہ زنا کار ہیں۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ان اعمال امتی تعرض فی کل یوم جمعة اشد غضب الله علی الزناة''

''میری امت کے اعمال (اللہ کے اور میرے سامنے) ہر جمعہ کے دن میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ زنا (کرنے والوں) پر غضبناک ہوتا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''ان الایمان سربال یسربل الله من یشاء، فاذازنی العبد نزع منه سربال الایمان، فاذاتاب ردالیه''

''ایمان کا ایک لباس ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے وہ لباس پہناتا ہے۔ جب کوئی انسان زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان کا لباس اتار لیا جاتا ہے پھر جب وہ (اس سے) توبہ کرتا ہے تو اس کو وہ لباس لوٹا دیا جاتا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مامن ذنب بعد الشرك اعظم عند الله من نطفة وضعها رجل فی رحم لا یحل له''

"شرک کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ آدمی کا کسی ایسے رحم میں نطفہ ڈالنا (ایسی عورت سے زنا کرنا) ہے جو اس کیلئے حلال نہ ہو (وہ اس کی بیوی نہ ہو۔)"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ایاکم والزنافان فی الزناست خصال ثلاث فی الدنیا و ثلاث فی الآخرة، اما اللواتنی فی الدنیا فذهاب نور الوجه و انقطاع الرزق و سرعة الفناء واما اللواتی فی الآخرة فغضب الرب و سوء الحساب والخلود فی النار الا ان یشاء الله"

"تم اپنے آپ کو زنا سے بچاؤ کیونکہ زنا میں چھ تباہیاں ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ دنیا کی تباہیاں تو یہ ہیں کہ چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے، رزق میں تنگی آجاتی ہے اور بہت جلد (اعضائے بدن گھل کر) بے کار ہو جاتے ہیں۔ آخرت کی تباہیاں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا، حساب بہت سختی سے ہوگا اور ہمیشہ دوزخ میں جلنا ہوگا مگر جب اللہ چاہے گا (زانی کو دوزخ سے نجات بخشے گا۔)"

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بینا انا نائم اذا تانی رجلان فاخذ بضبعی فاکر جانی فاذاانا بقوم اشد شیء انتفا خا وانتنه ریحا کان ریحهم المراحیض قلت من هولاء؟ قال هولاء الزانون والزواتی"

"میں سو رہا تھا کہ میرے پاس دو شخص (فرشتے) آئے، انہوں نے میرے بازو سے تھاما اور مجھے باہر لے گئے۔ میں ایک ایسی قوم کے پاس پہنچا جو سب سے زیادہ پھولی ہوئی تھی اور سب سے زیادہ بدبودار تھی۔ گویا کہ ان کی بدبو گٹر ہیں۔ میں نے (ان دو فرشتوں سے) پوچھا:

"یہ کون لوگ ہیں۔؟"

انہوں نے کہا:

''یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنتیوں کو ایک خوشبو سنگھائی جائے گی تو وہ کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ہم جب سے جنت میں داخل ہوئے ہیں ہم نے اس سے زیادہ پاکیزہ خوشبو نہیں سونگھی۔''

اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ارشاد ہوگا:

''یہ روزہ داروں کے مونہوں کی خوشبو ہے۔''

اسی طرح دوزخیوں کو بھی بدبو سنگھائی جائے گی تو وہ کہیں گے:

''اے ہمارے پروردگار! ہم جب سے دوزخ میں داخل ہوئے اس سے زیادہ بدبو ہم نے کبھی نہیں سونگھی۔''

اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ارشاد ہوگا:

''یہ بدکار زانیوں کی شرمگاہوں کی بدبو ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ماطفف قوم كيلا ولا بخسوا ميزانا الا منعهم الله القطر، ولا ظهر في قوم الزنا الا ظهر فيهم الموت، ولا ظهر في قوم عمل قوم لوط الا ظهر فيهم الخسف''

''جو قوم بھی ناپ تول میں کمی کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے اور جس قوم میں زنا عام ہو جائے اس میں کثرت سے موتیں ہوتی ہیں۔ جس قوم میں اغلام (لواطت) عام ہو جائے اس میں زندہ زمین میں دھنسا دیا جانا عام ہو جاتا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"ومن قدر علی امراۃ اوجاریۃ حراما فوقعھا حرم اللہ علیہ الجنۃ ادخلہ النار و من ابصر امرءۃ نظرۃ حرزما ملااللہ عینیہ نار اثم امر بہ الی النار، ومن صافح امراۃ حراما جاء یوم القیامۃ مغلولا یدہ الیہ عنقہ ثم یو مربہ الی النار، ومن فاکھھا جس بکل کلمۃ کلمھا فی الدنیا الف عام وای امراۃ طاوعت الرجل حراما فالتز مھا او قبلھا او باشر ھا اوفاکھھا او واقعھا فعلیھا من الوزر مثل ما علی الرجل"

"جس شخص نے کسی عورت یا لونڈی پر قدرت پائی اور اس سے زنا کیا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کو حرام کر فرما دیتا ہے اور اس کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ جس نے کسی عورت کو حرام نظر سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں (دوزخ کی) آگ بھرے گا پھر اس کو آگ میں دخل کرنے کا حکم فرمائے گا اور جس نے کسی (اجنبی) عورت سے حرام کا مصافحہ کیا تو وہ جب قیامت میں پیش ہوگا تو اس کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے، پھر اس کو دوزخ میں (لے جانے کا) حکم دیا جائے گا۔ جس شخص نے (اجنبی عورت سے) دل لگی کی تو اس کو ہر کلمہ کے بدلہ میں جو اس نے اس عورت سے بولا تھا دنیا کے ہزار سال کے برابر (دوزخ) میں قید کیا جائے گا۔ جس عورت نے مرد کے ساتھ حرام پر اتفاق کیا اور مرد اس کے پاس گیا، اس کا بوسہ لیا، اس سے مباشرت کی یا اس سے دل لگی کی تو اس عورت پر بھی اتنا ہی گناہ ہے جتنا مرد پر ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کی شرمگاہ بنائی اور فرمایا کہ یہ تیرے پاس میری امانت ہے۔ اس کو اس کے حق کے علاوہ کہیں استعمال نہ کرنا۔"

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ سب سے زیادہ غمناک، اندوہناک، گرم اور زیادہ بدبودار زانیوں کا دروازہ ہوگا جنہوں نے جان بوجھ کر زنا کا ارتکاب کیا ہوگا۔"

یہ بات اپنے علم میں رکھنا ضروری ہے کہ زنا بہت بڑا گناہ ہے پھر اس کے کئی درجے ہیں۔ سب سے خطرناک کسی شخص کا اپنے محرم کے ساتھ زنا کرتا ہے اور ایسا بہت ہوا ہے۔ اس کے بعد سخت ترین زنا انسان کا کسی شخص کی بیوی سے زنا کرنا ہے جس کے نطفوں اور نسب میں آمیزش ہو جاتی ہے۔ پھر سخت ترین زنا اس عورت سے زنا کرنا ہے جو پڑوس کی ہو یا رشتہ دار ہو۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''یارسول اللہ! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ کہ تم اللہ کا کسی کو شریک بناؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔''

میں نے عرض کیا:

''پھر کونسا گناہ بڑا ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوگی۔''

میں نے عرض کیا:

''پھر کونسا گناہ سب سے بڑا ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔''

چند حضرات نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے لوگوں کی بدکاریوں کا تذکرہ کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا زنا سب سے زیادہ برا ہے۔؟''

انہوں نے کہا:

''اے امیر المومنین! یہ سب برے ہیں۔''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تمہیں بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا زنا یہ ہے کہ کوئی شخص کسی

مسلمان کی بیوی سے زنا کر کے زانی ٹھہرے اور مسلمان کیلئے اس کی بیوی کو خراب کرے۔''

یہ فرمانے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قیامت کے دن لوگوں کے سامنے بدبودار ہوا چلائی جائے گی جس سے ہر نیک و بد کو ایذا ہوگی۔ جب وہ ان تک پہنچ کر اذیت میں مبتلا کر کے ناک میں دم کر دے گی تو ان کو ایک منادی ندا کرے گا جس کو سب سنیں گے۔ وہ کہے گا:

''کیا تم جانتے ہو یہ بدبو کیسی ہے جس نے تمہیں ایذا میں مبتلا کیا۔؟''

وہ کہیں گے:

''قسم بخدا! ہم تو نہیں جانتے مگر اس نے ہمیں تکلیف دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

ان کو بتایا جائے گا کہ یہ زنا کاروں کی شرمگاہوں کی بدبو ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں پیش ہوئے ہیں جب کہ انہوں نے اس جرم سے توبہ نہیں کی تھی۔

اغلام بازی کی تباہ کاریاں:

لواطت حرام ہے۔ اپنی بیوی کے ساتھ ہو یا کسی دوسری عورت یا مرد کے ساتھ۔ یہ ایسی برائی ہے جس پر تقریباً تمام اہل علم سلیم الطبع کا اتفاق ہے۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو اپنی بیوی سے لواطت کو جائز کہتے ہیں اور وہ اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

''نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انیٰ شئتم''

(سورۃ البقرہ)

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ پس تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرف سے چاہو۔''

مگر تعجب ہے کہ وہ اس آیت کو اپنی دلیل میں کیسے پیش کرتے ہیں یہ آیت تو ان کی تردید کرتی ہے، کیونکہ ''حرث'' کا لفظ کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ موضع کاشت عورت کے آگے کا مقام ہے، نہ کہ پیچھے کا۔ کیا کوئی مثال ہے کہ پیچھے کے حصہ (دبر) سے کسی عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا ہو یا کوئی ڈاکٹر اپنے فن کے اعتبار سے اس کی کاشت کو ثابت کر سکتا ہے؟ جب یقینی طور پر ایسی بات نہیں تو پھر کوئی ذی عقل اور سمجھدار اس آیت سے کیونکر ثابت کر سکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی

غور کرنے کی ہے کہ وطی فی الدبر کو جائز قرار دیا جائے تو مقاصد نکاح کا کیا حشر ہوگا۔
کوئی بدطینت مرد فرض کر لیجئے اپنی جنسی خواہش عورت کے پچھلے حصہ (دبر) سے پوری کر بھی لے تو سوال یہ ہے کہ عورت کیا کرے گی۔؟ قرآن میں اس کی تفسیر خود موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''فاتوھن من حیث امرکم اللہ''

(سورۃ البقرہ)

''سو تم ان کے پاس آؤ جس جگہ میں اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔''
کتب حدیث میں بیسیوں حدیثیں صراحتاً بتاتی ہیں کہ عورت کے ساتھ بھی وطی فی الدبر حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من اتی النساء فی اعجازھن فقد کفر''

(رواہ الطبرانی ورواتہ ثقات)

''جس نے عورتوں سے وطی فی الدبر کی اس نے کفر کیا۔''
رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''ھن اتی حائضا او امرأۃ فی دبرھا او کاھنا فقد کفر بما انزل علی محمد''

(سنن الترمذی)

''جو شخص حائضہ سے یا اس کے دبر سے جنسی میلان پورا کرے یا کاہن کے پاس آئے اس نے دین محمد کا انکار کیا۔''
عورت کے ساتھ لواطت کسی حال میں جائز نہیں۔ صحابہ کرام میں کوئی بھی اس کی حلت کا قائل نہیں ہے۔ آئمہ اربعہ بھی لواطت کو (عورت کے ساتھ بھی) حرام کہتے ہیں۔
جس حدیث میں یہ ہے کہ عورت کے پیچھے سے آسکتے ہیں اس کا مطلب خود صحابہ نے یہ بیان کیا ہے کہ پیچھے کی طرف سے استمتاع کرے۔
علامہ نووی لکھتے ہیں:

''و اتفق العلماء الذین یعتدبھم علی تحریم وطی المرأۃ فی دبرھا حائضا کانت او طاھرا لاحادیث کثیرۃ و مشھودۃ''

''بہت سی احادیث مشہورہ کے پیش نظر قابل اعتماد علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سے وطی فی الدبر کرنا خواہ خواہ حائضہ ہو خواہ پاک حرام ہے۔''

مرد کا مرد سے اپنے جنسی میلان کا پورا کرنا یہ اپنے پیچھے ایک لمبی تاریخ رکھتا ہے۔ قرآن مجید کی شہادت یہ ہے کہ اس فعل بد کی ابتداء قوم لوط نے کی۔ اس قوم سے پہلے کوئی اس کا مرتکب نہ تھا' قوم لوط کے اس فعل بد کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد الٰہی ہے:

''ولوطا اذقال لقومه اتاتون الفاحشة ماسبقكم بها من احد من العالمين انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النسآء بل انتم قوم مسرفون''

(سورۃ الاعراف)

''اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تم ایسا فحش کام کرتے ہو' جس کو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم حد سے گزر گئے ہو۔''

اس معنی کی اور بھی متعدد آیتیں قرآن میں مذکور ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ''استلذاذ بالمثل'' مردوں میں قوم لوط سے شروع ہوا۔ یہی قوم اس کی موجد ہے حضرت لوط علیہ السلام کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے اس فعل کو اس طرح شروع کیا کہ ان کی قوم کے سامنے اس طرح کی کوئی مثال نہ تھی۔

قرآن مجید ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوم لوط کی خباثت اس سلسلہ میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس برائی پر ان کو ذرہ برابر ندامت محسوس نہ ہوتی تھی، بلکہ علی الاعلان اس برائی کا ارتکاب کرتی تھی۔ ان کی شیطانیت کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی خوبصورت کو دیکھا لوگ ٹوٹ پڑے۔ مہمان کی بھی اس سلسلہ میں پرواہ نہ تھی۔

سورۃ ہود ساتویں رکوع میں رب العزت نے اس وقت کا نقشہ کھینچا ہے جب عذاب کے فرشتے نوجوان انسان کی صورت میں مہمان بن کر لوط علیہ السلام کے یہاں پہنچے ہیں اور قوم لوط ان مہمانوں کی بے حرمتی کے لیے آمادہ ہوگئی ہے۔

لوط علیہ السلام کی پریشانی کا عجیب عالم ہے۔ قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ عورتوں سے اپنی جنسی تسکین چاہو۔ اس غیر فطری فعل پر تم کیوں مصر ہو؟ پھر اللہ کا واسطہ دے رہے ہیں کہ یہ میرے

مہمان ہیں، تم نے کوئی بات کی تو میری رسوائی ہوگی، مگر ملعون قوم ہے کہ ایک نہیں سنتی۔

بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور بری طرح سے قوم لوط تہ و بالا ہوئی، زمین کو الٹ کر اس قوم پر دے مارا اور پھر پتھر کی بارش بھی ہوئی۔

عذاب کا نقشہ قرآن مجید میں کھینچتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ولما جآء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا وامطرنا علیھا حجارۃ من سجیل منضود مسومۃ عند ربک''

(سورۃ الھود، آیت نمبر 7)

''سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور اس سرزمین پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے جو لگاتار گر رہے تھے جن پر ان کے رب کے پاس خاص نشان بھی تھا۔''

قوم لوط کے بعد اس فعل کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ لواطت کا وجود قبل مسیح بھی تھا۔ یونان اور روما کے متعلق بیان ہے کہ یہاں یہ ذوق انتہائی عروج پر تھا۔ اس تلذذ بالمثل یا امرد پرستی کے سلسلہ میں لوگوں نے سقراط، ارسطو، سکندر اعظم، مسیحی اور جولیس سیزر وغیرہ کا نام بھی لیا ہے۔

فرانس کے متعلق لکھا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی میں ''امرد پرستی'' اور ''تلذذ بالمثل'' کا بڑا زور تھا اور حکومت کو اس سلسلہ میں 1212 عیسوی میں یہ قانون پاس کرنا پڑا کہ اس فعل کی سزا قتل ہے۔ اسی طرح چودھویں اور اٹھارھویں صدی کے متعلق بھی بیان ہے کہ فرانس میں بڑی کثرت تھی اور جرمنی کا بھی یہی حال تھا۔

آپ یہ سن کر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ نازی دور سے پہلے ایک صاحب ڈاکٹر ماگنوس ہرشفیلڈ تھے جو دنیا کی مجلس اصلاح صنفی کے صدر رہ چکے ہیں۔ انہوں نے عمل قوم لوط کے حق میں چھ سال پروپیگنڈا کیا، آخر کار جمہوریت کا آلہ اس حرام کو حلال کر دینے پر راضی ہوگیا اور جرمن پارلیمنٹ نے کثرت رائے سے طے کر دیا کہ اب یہ فعل جرم نہیں ہے، بشرطیکہ طرفین کی رضامندی سے اس کا ارتکاب کیا جائے اور مفعول کے نابالغ ہونے کی صورت میں اس کا سرپرست ایجاب وقبول کی رسم ادا کرے۔

مشرقی ممالک میں ایران کا نام بدنام ہے۔ فارسی کی شاعری سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں کراچی کا نام بھی لیا گیا ہے کہ 1945 عیسوی میں تین اڈے ایسے پائے گئے جہاں ہیجڑے لڑکے عصمت فروشی کیا کرتے تھے۔ افغانستان کے متعلق بھی بعض مصنفوں کا بیان ہے۔

مغربی ممالک میں جیسا کہ کنسے رپورٹ کے تذکرے سے معلوم ہو چکا ہے اب تک اس کا چرچا ہے اور کافی ہے۔ ہندو پاکستان کو بھی اس سلسلہ میں پاک نہیں کہا جا سکتا، مگر یہاں عوام میں نہیں ہے، بلکہ تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ میں ہے۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی اور مدارس بھی اس لعنت میں گرفتار ہیں۔

اسلام نے دوسری برائیوں کے ساتھ اس برائی سے بھی سختی کے ساتھ روکا اور اس فعل بد کی سزا نہایت سخت سے سخت تجویز کی۔ ذرا سی بھی رو رعایت ملحوظ نہیں رکھی۔ اول تو قرآن مجید میں قوم لوط کا واقعہ تفصیل سے متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا۔ اس برائی کے سلسلہ میں حضرت لوط علیہ السلام نے جس جس طرح اپنی قوم کو سمجھایا اُسے نقل کیا گیا۔ اس طرف اشارہ کیا کہ جس قوم کو تلذذ بالمثل اور امرد پرستی کی عادت ہو جاتی ہے اس کی اخلاقی حالت کس قدر پست اور ذلت آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر قوم کی عبرت انگیز سزا کا نقشہ پیش کیا تا کہ قرآن کے پڑھنے والے اس برائی کے انجام سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور اس طرح اپنے آپ کو اس غیر فطری فعل سے محفوظ رکھیں۔

قرآن و حدیث میں اس اُمت کے لئے اس غیر فطری فعل کی سزا بھی بیان کی گئی اور اس سے روکنے اور امت کو بچانے کے لئے بڑا مواد فراہم کر دیا گیا ہے۔ شروع میں قرآن مجید میں اس غیر فطری فعل کے کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا:

"و الذین یاتینھا منکم فاذوھما"

(سورۃ النساء)

"تم میں سے جو دو مرد بدکاری کریں ان کو ایذا دو۔"

پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دلنشین پیرایہ میں اس غیر فطری فعل کی برائی ذہن نشین کرنے کی سعی فرمائی۔ طرح طرح سے روکا اور اس کی سخت سے سخت سزائیں بیان کیں۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے اپنے خطرہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"ان اخوف ما اخاف علی امتی عمل قوم لوط"

"مجھے اپنی امت میں سب سے زیادہ خطرہ قوم لوط کے عمل کا ہے۔"

گویا یہ پیش بندی تھی کہ قوم کا رخ ادھر نہ ہونے پائے اور امت محسوس کرے کہ یہ ایسی برائی ہے جس کا اندیشہ ظاہر کر کے پیغمبر اسلام روک چکا ہے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنا جنسی میلان مرد سے پورا کرتا ہے یعنی لواطت کرتا ہے' رب العزت اس کی طرف نظر کرم کبھی نہیں کرے گا۔''

خالق کائنات کو لوطی سے شدید نفرت ہے۔ قوم لوط کا عمل دنیا میں سب سے بدترین عمل ہے۔ بالکل غیر فطری ہے جو حیوانوں اور جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ اس عمل کا ارتکاب کر کے انسان انسانیت کی مٹی پلید کرتا ہے اور یہی نہیں عورتوں کی تباہی و بربادی بھی اس میں مضمر ہے۔ خود اس کرنے والے مجرم کی بھی ہلاکت ہے۔ اپنے کو طرح طرح کی بیماریوں کا شکار بناتا ہے، کیونکہ اس کے اعضائے رئیسہ مضمحل ہو جاتے ہیں، چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے کسی کام کا نہیں رہتا۔ یہ محروم القسمت انسان اولاد جیسی نعمت اور عفت جیسی عظیم الشان دولت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی سزا قتل بیان فرمائی:

''من وجد تمرہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ'' (سنن ترمذی)

''لوط کے عمل میں جس کو بھی مبتلا دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔''

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح الاسناد ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔''

اس حدیث کی بنیاد پر جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص لواطت کا مرتکب ہو اس کو قتل کر دیا جائے خواہ محصن ہو یا غیر محصن۔ یہ ایسا جرم ہے جس میں معافی کی کوئی صورت ہی نہیں' کیونکہ اس غیر فطری فعل کو زنا سے بھی بدتر سمجھا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ' خالد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ' عبداللہ بن معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' زہری رحمۃ اللہ علیہ' ربیعہ بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' اسحاق بن

راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان تمام بزرگوں کا یہی قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ جو زانی کی سزا شریعت میں مقرر ہے وہی لوطی کی بھی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے قائلوں میں عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ حسن بصری سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم نخعی قتادہ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف اور امام شافعی ہیں۔

اس کے خلاف دوسری جماعت کہتی ہے کہ زنا اور لواطت میں بڑا فرق ہے۔ زنا پر حد مقرر ہے اور لواطت پر کوئی حد مقرر نہیں۔ اس لئے لوطی کی بعینہ وہی سزا نہ ہوگی جو زنا کار کی ہے۔ ہاں حاکم کو البتہ اختیار ہے کہ اس سے بھی زیادہ سخت اور دردناک سزا دے۔ لوطی کو ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر کچلوا دیا جائے، پہاڑ کے اوپر سے گرا کر مار ڈالا جائے یا آگ میں جلا کر مار دیا جائے۔ حضرت ابو حنیفہ اور حاکم کا یہی مذہب ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اجماع صحابہ اسی پر ہے کہ قتل کر دیا جائے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زنا والی حد جاری کی جائے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جس طریقہ سے بھی لوطی کو مارا جائے جائز ہے۔ بہر حال اتنی بات مشترک ہے کہ لوطی کے موت کے گھاٹ اتارنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ قتل کی نوعیت میں البتہ اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لعن اللہ من عمل عمل قوم لوط ولعن اللہ من عمل عمل قوم لوط ولعن اللہ من عمل عمل قوم لوط"

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا کام (لڑکیوں، لڑکوں اور مردوں سے بدفعلی) کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا کام (لڑکیوں، لڑکوں اور مردوں سے بدفعلی) کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا کام (لڑکیوں، لڑکوں اور مردوں سے بدفعلی) کا ارتکاب کرتا ہے۔"

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان اخوف ما اخاف علی امتی عمل قوم لوط"

"سب سے زیادہ خطرہ کی بات جس کے بارے میں میں اپنی امت کے متعلق ڈرتا ہوں وہ قوم لوط کا عمل ہے (کہ کہیں میری امت اغلام بازی میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کے سخت ترین عذاب میں نہ مبتلا ہو جائے)۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا ینظر اللہ الی رجل اتی رجلا او امراۃ فی دبرھا"

"اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جس نے مرد سے یا عورت سے پاخانہ کی جگہ میں بدفعلی کی ہوگی۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"لم یعل فعحل فلا حتی کان من قوم لوط، فاذا علا الفحل الفحل ارتج او اھتز عرش الرحمن عزوجل، فاطلعت الملائکۃ تعظیما لفعلھما فقالوا یارب الا تامر الارض ان تعزرھما و تامر السماء ان تحصبھما؟ فقال انی حلیم لا یفوتنی شی"

"جب کوئی مذکر مذکر سے بدفعلی کرتا ہے تو وہ قوم لوط (میں لکھا جاتا ہے اور قوم لوط جیسا بن جاتا ہے) اور جب مذکر مذکر سے بدفعلی کرتا ہے تو اللہ کا عرش کانپ اٹھتا ہے، جس سے فرشتوں کو فاعل ومفعول کے گھناؤنے جرم کرنے کا پتہ چل جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں!" اے باری تعالیٰ! زمین کو کیوں حکم نہیں دیا جاتا کہ وہ ان کو سزا (کے طور پر دھنسا) دے اور آسمان کو کیوں حکم نہیں دیا جاتا کہ وہ ان پر کنکر برسائے۔؟" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!" میں بردبار ہوں۔ مجھ سے کوئی چیز چھوٹ نہیں سکتی۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مرد مرد سے بدفعلی کرتا ہے تو زمین ان کے نیچے سے، آسمان ان کے اوپر سے، گھر اور چھت سب پکار اٹھتے ہیں:

"اے پروردگار! ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم ایک دوسرے سے مل جائیں (اور

ان دونوں گناہ کرنے والوں کو درمیان میں پیس کر رکھ دیں)، ان کیلئے عذاب اور عبرت بن جائیں۔؟"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"میرا صبر ان (کی اس کرتوت) سے زیادہ وسیع ہے جو مجھ سے چھوٹ نہیں سکتا۔"

عورت کا عورت سے بدفعلی کرنا ویسے ہی سخت گناہ ہے جیسا کہ مرد کا مرد سے بدفعلی کرنا سخت گناہ ہے۔ چنانچہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سحاق النساء زنا بینھن"

"عورت کا عورت سے گناہ کرنا ان کا آپس میں (زنا کرنے کی طرح) ہے۔"

حضرت یونس بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں حج کی نیت میں مکہ حاضر ہوا۔ جب عرفات کی رات آئی تو جو امام صاحب ہمارے ساتھ حج کر رہے تھے انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ پھر جب ہم مکہ واپس لوٹ گئے تو ہم نے ایک منادی کی ندا سنی جو پتھر کے اوپر سے پکار رہا تھا:

"اے گروہ حجاج! خاموش ہو جاؤ۔!"

اس کی ندا سن کر تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ پھر اس نے کہا:

"اے گروہ حجاج! تمہارے امام نے یہ خواب دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کی مغفرت فرما دی ہے جنہوں نے اس سال بیت اللہ شریف کا حج کیا ہے صرف ایک آدمی کو نہیں معاف کیا، کیونکہ اس نے ایک لڑکے سے بدکاری کی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو اغلام بازی (لواطت) کی وجہ سے جو عذاب دنیا میں دیا تھا اس کو قرآن مجید میں کئی جگہ پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے کفر کا ذکر اتنا کثرت سے نہیں کیا گیا جتنا ان کے اس برے عمل کا کیا گیا ہے۔ حالانکہ کفر اس بدکاری سے بھی بڑا گناہ ہے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر ان کے اس برے عمل کی وجہ سے دنیا میں پتھر برسائے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من وجدتموہ یعمل بعمل قوم لوط فارجموا الاعلی والا

سفل''

''جس شخص کو تم قوم لوط والا گناہ کرتے دیکھو تو اوپر اور نیچے والے (دونوں) کو سنگسار (پتھر مار مار کر ہلاک) کر دو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم لوط کا عمل کرنے والے کے متعلق فرمایا:

''فاعل (بدکاری کرنے والا) اور مفعول (کرانے والا) دونوں کو قتل کر دیا جائے۔''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خط روانہ کیا جس میں مرقوم تھا:

''ایک علاقہ میں ایک شخص ایسا ملا ہے جس نے مرد سے نکاح کر رکھا ہے بالکل ایسے ہی جیسا کہ عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ ان کے اس عمل کی کیا سزا ہے۔؟''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قضیے کو حل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جمع کیا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''یہ ایسا گناہ ہے جس کو سوائے ایک امت کے کسی اور امت نے نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا جو حشر کیا اس کو آپ حضرات جانتے ہیں۔ میری رائے یہ ہے اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے۔''

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ اغلام باز کو آگ میں جلا دیا جائے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ ایسے آدمی کو آگ میں جلا دیا جائے۔

اسی طرح دو واقعوں میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ہشام بن عبد الملک نے بھی ایسے لوگوں کو آگ میں جلا دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک لوطی کو سنگسار کرا دیا۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا عمل کرے اس کو قتل کر دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لوطی کی سزا کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آبادی میں کوئی اونچا گھر تلاش کیا جائے پھر لوطی کو منہ کے بل پھینکا جائے اور پھر

اس پر پتھروں کی بارش کر دی جائے۔"

امام شعبہ اور حضرت سعید بن المسیب، جابر بن زید، عبید اللہ بن عبداللہ بن معمر، امام مالک، ربیعہ، ابن ہرمز، امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں:

"لوطی کو سنگسار کیا جائے۔ چاہے وہ شادی شدہ ہو یا کنوارہ۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں فرمایا:

"من نكح امراة في دبر ها اور غلاما لو رجلا حشر يوم القيامة انتن من الجيفة ينادى به الناس حتى يد خله الله نار جهنم ويحبط الله عمله ولا يقبل منه صرفا ولا عدلا ويجعل في تابوت من النار و يسمر عليه بما مير من حديد من نار فتستل تلك المسامير في وجهه وفي جسده"

"جو شخص کسی عورت، کسی لڑکے یا کسی آدمی کی پاخانہ کی جگہ پر برائی کرے گا وہ قیامت کے دن سڑے ہوئے مردار سے زیادہ بدبودار اٹھایا جائے گا۔"

اس حدیث کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مذکورہ سزا اس لوطی کو دی جائے گی جو بغیر توبہ کئے مر گیا تھا۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سبعة لا ينظر الله يوم القيامة ولا يز كيهم ولا يجمعهم مع العالمين يدخلون النار اول الداخين الا ان يتو بو ا فمن تاب تاب الله عليه الناكح يده و الفاعل و المفعول به و مدمن خمر و الضارب ابويه حتى يستغيثاء و الموذي جير انه حتى يلعنو موالنا كح خليلة جاره"

"سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی طرف نہ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا، نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان لوگوں کو (میدان حشر میں) باقی مخلوقات کے ساتھ

جمع کرے گا۔ (یعنی انہیں قبروں سے نکلتے ہی پہلے ہی پہل دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ مخلوقات کے ساتھ جمع ہونے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔) وہ دوزخ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے ہوں گے۔ ہاں! اگر انہوں نے توبہ کر لی تو جو توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ پہلا مشت زنی کرنے والا، دوسرا فاعل (زنا یا لواطت کرنے والا) تیسرا لواطت کرانے والا، چوتھا شراب کا عادی، پانچواں والدین کو پیٹنے والا یہاں تک کہ وہ فریاد کرنے لگیں، چھٹا اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے والا حتیٰ کہ وہ اس پر لعنت کرنے لگیں اور ساتواں اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والا۔"

لوطی بغیر توبہ کے کسی صورت میں پاک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللوطیان لو اغتسلا بماء البحر لم یجز هما الا ان یتوبا"

"اگر لواطت کرنے اور کرانے والے سمندر کے تمام پانی سے غسل کریں تب بھی پاک نہیں ہو سکتے۔ مگر جب وہ توبہ کر لیں (تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا)"

لوطی کو قوم لوط میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من مات من امتی یعمل عمل قوم لوط نقله الله الیهم حتی یحشر معهم"

"جو آدمی میری امت میں قوم لوط والا گناہ کرے، مر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قوم لوط میں منتقل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی اسے انہیں کے ساتھ کھڑا کرے گا۔"

لوطی بندروں اور خنزیروں کی شکل میں ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن لوطیوں کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں کھڑا کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"جو شخص جس حالت میں فوت ہوتا ہے اسی حالت میں قبر سے نکالا جائے گا حتیٰ کہ لوطی کو جب نکالا جائے گا تو اس نے اپنا آلہ تناسل اپنے دوست کے پاخانہ پر رکھا ہو

گا۔ یہ دونوں قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے بے حد شرمندہ ہو رہے ہوں گے۔"

اغلام بازی سے بچنے کے طریقے:

اسلام چاہتا ہے کہ اس غیر فطری فعل سے انسان اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ اس کی صورت یہی ہے کہ خوبصورت لڑکوں سے اجتناب کیا جائے اور جو اس کے دواعی ہو سکتے ہیں ان سے الگ تھلگ رہنے کی سعی کی جائے۔

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

"مالداروں کے لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ یہ اپنی شکل وصورت اور لباس و پوشاک سے سراپا فتنہ ہیں۔ ایسا فتنہ کہ بسا اوقات عورتوں سے بڑھ کر ثابت ہوتے ہیں۔"

اللہ تمہیں توفیق بخشے یہ جان لو کہ یہ مسئلہ بہت خطرناک ہے۔ بہت سے لوگ اس سے بچنے سے بے فکر ہیں، حالانکہ شیطان کو جہاں سے ممکن ہو انسان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا ہے اور جہاں تک اس کا بس چلے انسان کو فتنوں میں مبتلا کر دیتا ہے، کیونکہ وہ شروع شروع میں انسان کے پاس آ کر زنا کرنے کی خوبیاں نہیں جتلاتا، بلکہ نظر کرنے کو اچھا جتلاتا ہے۔ عالم اور عابد اپنی نظروں کو اجنبی عورتوں سے تو محفوظ کر لیتے ہیں، کیونکہ ان کی صحبت اور اختلاط عام طور پر ان کو حاصل نہیں ہوتا، جبکہ لڑکوں کا ان سے اختلاط ہوتا رہتا ہے، اس لئے ان کو لڑکوں کے فتنہ سے بہت بچتے رہنا چاہیے، کیونکہ بہت سے قدم یہاں پھسل چکے ہیں اور بہتوں کے عزم ٹوٹ چکے ہیں۔ ایسے فرد بہت کم ہیں جو اس فتنہ کے قریب رہ کر محفوظ رہے ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا تجالسوا ابناء الملوك فان الانفس تشتاق اليهم ما لا تشتاق الى الجوارى المو ائق"

"تم شہزادوں (امیرزادوں) کے پاس نہ بیٹھا کرو، کیونکہ نفس ان سے ایسی چیز کی خواہش کرتے ہیں جس کی خوبصورت لونڈیوں سے بھی نہیں کرتے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نهى رسول الله ﷺ ان يحد الرجل النظر الى لاغلام الامرد "

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ انسان کسی بے ریش لڑکے کی طرف نگاہ ڈالے۔"

حضرت حسن بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تم امیروں کی اولاد کے ساتھ مت بیٹھا کرو، کیونکہ ان کی اولاد کی شکلیں عورتوں کی شکلوں کی طرح خوبصورت ہوتی ہیں۔ یہ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس بیٹھنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا، اس لئے گناہ میں مبتلا ہونے کے چانس زیادہ ہیں۔ بخلاف عورتوں کے ان کے اختلاط اور دیکھنے سے عموماً مسلمان آدمی بچتا ہے اور اس کے فتنوں میں مبتلا نہیں ہوتا۔ (لیکن یہ آج سے ہزار سال پہلے کے زمانے کی بات ہے اب تو دونوں سے اپنی نظر و اختلاط کی حفاظت نہیں کی جاتی اور یہ دونوں اس وقت معاشرہ میں سب سے بڑا فتنہ ہیں۔)"

احادیث کے حافظ، عالم علل الحدیث، واقف اختلاف الحدیث حضرت احمد بن صالح ابو جعفر مصری رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد میں تشریف لائے اور حفاظ حدیث کے پاس بیٹھنے لگے۔ ان کے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان مذاکراتِ حدیث جاری رہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کا تذکرہ بھی کرتے تھے اور ان کی تعریف بھی۔ ان سے امام بخاری اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے شرف تلمذ حاصل کیا تھا اور ان سے احادیث روایت کی تھیں۔

یہ حضرت احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ صرف داڑھی والوں کو احادیث پڑھاتے تھے۔ ان کی مجلس درس میں کوئی بے ریش لڑکا داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ جب حضرت امام ابوداؤد سجستانی اپنا بیٹا ان کے پاس لے گئے، تاکہ وہ بھی ان سے حدیث کی سماعت کر لے جبکہ وہ امرد (بے ریش) تھا تو حضرت احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیٹے کو اپنی مجلس میں بٹھلانے سے انکار کر دیا۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"اگرچہ یہ بے ریش ہے، لیکن تمام داڑھی والوں سے زیادہ حافظ الحدیث ہے۔ آپ جو چاہیں اس سے امتحان لے سکتے ہیں۔"

چنانچہ انہوں نے اس کا امتحان لیا تو اس نے سب سوالات کا جواب دے دیا تو انہوں نے اس کو درس حدیث میں شامل کر لیا، لیکن اور کسی امرد (بے ریش) کو احادیث نہیں سنائیں۔ ان کا بے ریش لڑکوں کو احادیث نہ سنانے سے خود کو بے ریش لڑکوں کے فتنوں سے دور رکھنا مقصود تھا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سماع حدیث کیلئے بے ریش لڑکوں کو اپنی مجلس میں بیٹھنے سے منع کرتے تھے۔ ہشام بن عمار حیلہ کر کے لوگوں کے مجمع میں چھپ کر بیٹھ گئے، اس وقت وہ بے ریش تھے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سولہ حدیثیں سن لیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کی خبر دی گئی تو انہوں نے اس کو بلایا اور سولہ درے مارے۔ حضرت ہشام فرماتے ہیں:

"کاش کہ میں ان سے سو حدیثیں سنتا اور وہ مجھے سو درے مارتے۔"

حضرت امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کسی بے ریش نے میرے پاس آنے کا طمع نہیں کیا اور نہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے راستہ میں آنے کا طمع کیا۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ اس کے ساتھ ایک حسین چہرے والا لڑکا بھی تھا۔ آپ نے اس شخص سے پوچھا:

"یہ کون لڑکا ہے۔؟"

اس نے عرض کیا:

"یہ میرا بیٹا ہے۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اس کو دوبارہ اپنے ساتھ نہ لانا۔"

جب وہ شخص چلا گیا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے محمد بن عبدالرحمٰن محدث نے عرض کیا:

"اللہ تعالیٰ اس شخص کی مدد کرے وہ پاکدامن تھا اور اس کا بیٹا (بے ریش لڑکا) اس سے افضل تھا؟"

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ہم نے جس مقصد کا ارادہ کیا ہے اس کو ان کا پاکدامن ہونا نہیں روکتا۔ ہم نے شیوخ اساتذہ کو اسی طرز عمل پر دیکھا اور انہوں نے ہمیں اپنے اسلاف سے اسی کا

پتہ دیا ہے۔"

حضرت شیخ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں ایسے تیس شیوخ کے پاس رہا ہوں جن کو ابدال (کے درجہ کا ولی) کہا جاتا تھا۔ ان سب نے مجھے اپنے سے رخصت ہوتے وقت نصیحت فرمائی کہ تم بے ریش لڑکوں کی صحبت وغیرہ سے بچتے رہنا۔"

حضرت امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد محمد بن حسین نے چالیس سال آسمان کی طرف نگاہ نہ اٹھائی۔ حضرت محمد بن احمد بن ابی القاسم فرماتے ہیں کہ ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمارے ساتھ ایک نوعمر لڑکا بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

"تم میرے سامنے سے اٹھ جاؤ اور میری پشت کے پیچھے بیٹھو۔"

حضرت عبدالوہاب بن افلح رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ خوبصورت لڑکا دیکھا تو فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگے۔ عرض کیا:

"اے اللہ! یہ ایک گناہ ہے۔ میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور اس سے تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ تو بھی مجھ پر وہی پہلے والا فضل فرما دے جس کو میں ہمیشہ سے ملاحظہ کرتا ہوں۔"

حضرت ابو سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عنقریب اس امت میں ایک گروہ ہوگا جس کو لونڈے باز کہا جائے گا۔ ان کی تین قسمیں ہوں گی:

1: ایک قسم صرف حسین لڑکوں کو دیکھنے والی ہوگی۔

2: دوسری قسم ان سے ملاقات اور مصافحہ کرے گی۔

3: تیسری قسم گھناؤنا فعل کرے گی۔"

حضرت ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اپنی اولاد کی برے دوستوں سے حفاظت کرو۔ پہلے اس کے کہ تم ان کو گناہ میں مبتلا کر دو، کیونکہ سب سے پہلے بچوں میں خرابی ان کے آپس میں شروع ہوتی ہے۔"

ابو عبداللہ بن الجلاء کہتے ہیں کہ میں کھڑے ہو کر ایک حسین صورت عیسائی لڑکے کو دیکھ رہا تھا تو میرے پاس سے حضرت ابو عبداللہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ گزرے اور پوچھا:

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔؟"
میں نے عرض کیا:
"اے چچا! آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ حسین صورت (کافر ہونے کی وجہ سے) دوزخ میں جلائی جائے گی۔؟"
انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:
"تم اس (بدنظری) کا وبال دیکھو گے، اگرچہ کچھ مدت بعد۔"
ابن الجلاء فرماتے ہیں:
"میں نے اس کا وبال چالیس سال بعد دیکھا کہ مجھے قرآن مجید بھلا دیا گیا۔"
خلیفہ مامون الرشید نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو دیکھا۔ وہ اس کے ایک خادم کو دیکھ رہا ہے تو اس نے خادم سے کہا:
"جب میں اٹھ جاؤں تو تم اس کے پاس چلے جانا۔ میں ابھی وضو کیلئے اٹھوں گا اور اس (قاضی صاحب) کو کہہ جاؤں گا کہ آپ یہیں پر تشریف رکھیں۔ یہ جو کچھ بھی تمہیں کہے مجھے بتانا۔"
پھر مامون اٹھ گیا، یحییٰ کو بیٹھے رہنے کا کہہ گیا اور خادم کو اٹھتے ہوئے آنکھ سے اشارہ کر گیا۔ اس خادم کو یحییٰ بن اکثم نے کہا:
"اگر تم حسین لوگ نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔"
اس خادم نے جا کر مامون کو اس کی خبر کی تو مامون نے اس خادم کو کہا:
"تم اس کے پاس جاؤ اور کہو: "جب ہدایت تمہارے پاس آچکی تو کیا ہم نے تمہیں اس سے روک رکھا ہے۔؟ بلکہ تم خود ہی مجرم ہو۔"
خادم یحییٰ کے پاس گیا، اس کو یہ جواب سنایا تو اس نے شرم کے مارے آنکھیں بند کر لیں اور ایسی حالت ہوئی کہ وہ گھبراہٹ میں مر جاتا۔
پھر مامون الرشید یہ شعر پڑھتے ہوئے سامنے آیا:
"اٹھ اور چلا جا! اللہ سے ڈر اور اپنی نیت کو درست کر لے۔"
حضرت عبداللہ بن موسیٰ بڑے درجہ کے صوفیاء میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے گلی میں ایک لڑکا دیکھا، اس کی چاہت میں مبتلا ہو گئے اور اس کی محبت میں عقل بھی کھو بیٹھے۔ یہ اس لڑکے کے

راستہ میں جا بیٹھتے تھے اور اس کو آتے جاتے وقت دیکھا کرتے تھے۔ ان کی یہ مصیبت طویل ہوگئی اور چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ ایک قدم چلنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے۔

حضرت ابو حمزہ صوفی فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ان کی عیادت کرنے کو گیا اور پوچھا:

''اے ابو محمد! تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی۔؟ تم اس مصیبت میں کیسے پھنس گئے جو میں دیکھ رہا ہوں۔؟''

انہوں نے فرمایا:

''کچھ وجوہات ہیں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ مجھ سے امتحان لے رہا ہے۔ میں اس امتحان میں ثابت قدم نہیں رہ سکا اور اس کے برداشت کرنے کی بھی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ بہت سے گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کو انسان معمولی سمجھتا ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو حرام کی طرف دیکھتا ہے اس کے امراض (گناہ) بڑھ جاتے ہیں۔''

پھر وہ رو دیئے۔ میں نے پوچھا:

''آپ کیوں روتے ہیں۔؟''

انہوں نے فرمایا:

''میں ڈر رہا ہوں کہ دوزخ میں میری بدبختی طویل نہ ہو جائے۔''

پھر میں ان کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا اور جو میں نے ان کی حالت دیکھی اس پر مجھے ترس آ رہا تھا۔

حضرت ابوالحسن واعظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب حضرت ابو نصر حبیب النجار واعظ رحمۃ اللہ علیہ بصرہ میں انتقال کر گئے تو ان کو خواب میں دیکھا گیا کہ ان کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی ٹکیہ کی طرح ہے، لیکن ان کے چہرہ پر ایک سیاہ داغ ہے۔ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے پوچھا:

''اے حبیب! کیا بات ہے میں آپ کے چہرہ پر یہ سیاہ داغ دیکھ رہا ہوں۔؟ یہ کیوں ہے۔؟''

آپ نے فرمایا:

"ایک مرتبہ میں بنی عبس کے محلّہ میں سے بصرہ میں گزر رہا تھا۔ میں نے ایک بے ریش لڑکا دیکھا جس نے ایک باریک کپڑا زیب تن کر رکھا تھا اور اس سے اس کا بدن لہلہا رہا تھا۔ پھر جب میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوا تو حکم ہوا:

"اے حبیب!"

میں نے عرض کیا:

"لبیک"

فرمایا:

"اس آگ کو عبور کرو۔"

میں نے عبور کیا۔ اس سے مجھے آگ کی ایک لپٹ جھلسا گئی تو میں نے کہا:

"اوہ!"

ندا آئی:

"یہ ایک لپٹ اس ایک لمحہ کے بدلہ میں ہے۔ اگر تم اور زیادہ ملوث ہوتے تو ہم بھی تمہیں اور زیادہ سزا دیتے۔"

حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں نے طواف کرتے ہوئے ایک آدمی کو دیکھا جو طواف کے دوران یہ کہہ رہا تھا!

"اعوذ بك منك"

"میں آپ سے آپ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔"

میں نے اس سے پوچھا:

"یہ کیا دعا ہے جو تم مانگ رہے ہو۔؟"

اس نے کہا:

"میں پچاس سال سے حرم شریف کا مجاور ہوں۔ میں نے ایک دن ایک شخص کو دیکھا اور اس کی تعریف کر دی تو اچانک ایک تھپڑ میری آنکھ پر آ کر لگا جس نے میری آنکھ میرے گال پر بہا دی۔ میں نے آہ بھری تو دوسرا تھپڑ رسید ہوا اور کسی کہنے والے نے کہا: "اگر تم پھر آہ نکالو گے تو ہم اور لگائیں گے۔"

حضرت محمد بن داؤد اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن جامع صیدلانی کی طرف میلان رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ محمد بن جامع حمام میں داخل ہوئے، اپنے رخ کو سنوارا اور آئینہ اٹھا کر اپنا چہرہ دیکھا، پھر اس کو ڈھانپ لیا اور محمد بن داؤد کی طرف سوار ہو کر چلے۔ جب انہوں نے محمد بن جامع کو چہرے ڈھانپے دیکھا تو ڈر گئے کہ شاید اس کا چہرہ خراب ہو گیا (بگڑ گیا) ہے اور پوچھا:

''کیا بات ہے۔؟''

اس نے کہا:

''میں نے کچھ دیر پہلے اپنے چہرے کو آئینہ میں دیکھا، پھر ڈھانپ لیا اور میں نے یہ چاہا کہ آپ سے پہلے میرے اس بگڑے ہوئے چہرے کو اور کوئی نہ دیکھے۔''

چنانچہ آپ یہ سن کر بے ہوش ہو گئے۔

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ غسل خانے میں داخل ہوئے۔ اتفاق سے اسی وقت ایک لڑکے نے بھی غسل خانہ میں داخل ہونا چاہا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا: اسے یہاں سے نکالو اور جلد نکالو۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی:

''فانی اری مع امرأۃ شیطانا ومع کل صبی بضعۃ عشر شیطانا''

''عورت کے ساتھ مجھے ایک ہی شیطان دکھائی دیتا ہے، مگر امرد کے ساتھ دس سے بھی زیادہ شیطان دکھائی دیتے ہیں۔''

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص کسی ضرورت سے حاضر ہوا۔ اس شخص کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا۔ اسے دیکھ کر آپ نے پوچھا:

''یہ کون ہے۔؟''

اس شخص نے بتایا:

''بھانجا ہے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''دیکھو اب دوبارہ اسے ہمارے یہاں نہ لانا اور تم بھی اس کو ساتھ لے کر بازار میں چکر نہ لگانا تاکہ تمہارے متعلق کسی کو برا گمان کرنے کا موقع نہ ملے۔''

یہ ان بزرگوں کی رائے ہے جو اپنے علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں مسلم ہیں۔ پھر کیا یہ رائے بے وجہ ہے۔؟ ان بزرگوں نے جو ہدایت فرمائی وہ بالکل درست ہے اور قابل عمل بھی۔ ہمارے زمانہ کے ان حضرات کے لئے ان واقعات میں عبرت و بصیرت ہے جو تنہائی میں "امرد لڑکوں" سے پاؤں دبواتے ہیں اور بے تکلف بلکہ ان کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کی نیتوں میں فساد ہے' بلکہ آگاہ یہ کرنا ہے کہ فتنہ کے دواعی سے اپنی حفاظت ایک ضروری فریضہ ہے۔

فقہاء شہوت کے اندیشہ "امرد" کے چہرہ کو دیکھنا حرام کہتے ہیں:

"فانه محرم النظر الی وجهها و وجه الامرد اذا شك فی الشهوة"

(درمختار بر حاشیہ ردالمختار)

"جنسی میلان کا خطرہ ہو تو اس وقت عورت اور امرد کے چہرہ پر نگاہ ڈالنا حرام ہوتا ہے۔"

"امرد" اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کی داڑھی ابھی نہ نکلی ہو' مونچھ آ رہی ہو۔ بعض علماء تو لکھتے ہیں کہ امرد اگر حسین ہو تو عورت کے حکم میں ہے، یعنی سر سے پاؤں تک اس کا جسم ستر ہے۔ اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے' مگر ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ شہوت کے ساتھ دیکھنا تو جائز نہیں، مگر اس کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ ماحصل یہ ہے کہ تلذذ مقصود ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں۔

"قال ابن القطان اجمعوا علی انه یحرم النظر الی غیر الملتحی بقصد التلذذ و تمتع البصر بمحاسنه واجمعوا علی جوازه بغیر قصد اللذة والناظر مع ذلك امن الفتنة"

(ردالمختار، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 285)

"ابن القطان فرماتے ہیں کہ امرد جس کی داڑھی نہیں نکلی ہے تلذذ اور اس کی خوبصورتی سے متمتع ہونے کے ارادہ سے ایسے لڑکوں کو دیکھنا بالاجماع حرام ہے اور تلذذ مقصد نہ ہو اور دیکھنے والا فتنہ سے مامون ہو تو بالاجماع جائز ہے۔"

شہوت کس کو کہتے ہیں اس کی تفسیر میں مختلف قول ہیں' مگر علامہ شامی کی یہ تفسیر زیادہ صحیح ہے:

"انها میل القلب مطلقا"

(ردالمختار، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 285)

"شہوت نام ہے دل کے میلان کا۔"

اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اسی فتنہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لایفض الرجل الی الرجل فی ثوب واحد" (صحیح المسلم)

"ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ آئے۔"

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولایجوز للرجل مضاھعۃ الرجل وان کان کل واحد منھما فی جانب من الفراش"

"دو مردوں کا ایک ساتھ سونا لیٹنا جائز نہیں ہے، گو دونوں بستر کے کنارے ہی کیوں نہ ہوں۔"

یہ حکم نفسیات کے بالکل مطابق ہے۔ دو شخصوں کا یکجا سونا کسی حال میں ضرر سے خالی ہے اور غالباً اور وجوہ کے ساتھ یہ وجہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوا ھم علیھا وھم ابناء عشر و فرقوا بینھم فی المضاجع"

"تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم کرو اور دس کی عمر کو پہنچ جائیں تو نماز کے لئے پٹائی بھی اور ان کو الگ الگ بستر پر سلاؤ۔"

عمر کے اس حصے میں بچوں کا بستر علیحدہ کر دینے سے نفسیاتی طور پر بھی بڑا فائدہ ہوگا اور صحت کے اعتبار سے بھی بچے فائدہ میں رہیں گے۔ عمر کے اس حصہ سے انسان میں جنسی میلان کی سوجھ بوجھ شروع ہونے لگتی ہے۔

ہمارے اس دور میں خصوصیت سے اس پر عمل کرنا چاہئے کہ اس دور میں ایسی چیزوں کی کثرت ہے جو جنسی میلان کو مشتعل کرتی رہتی ہیں اور کم و بیش ہر شخص پر اس کا اثر بھی پڑتا رہتا ہے۔ پھر یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ جس طرح یہ حرام ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ان حصوں کو دیکھے جن کو "ستر" سے تعبیر کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی حرام ہے کہ بغیر ضرورت دو مردوں کے جسم اس طرح مل جائیں کہ بیچ میں کوئی چیز حائل باقی نہ رہے۔ ہاں اس حکم سے مصافحہ وغیرہ طرح کی چیزیں مستثنیٰ ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی بھی صراحت فرماتے ہیں:

"ویحرم لیس عورة غیره بای موضع بدنه کان بالاتفاق"

(فتح الباری، پارہ 21، صفحہ نمبر 148)

"غیر مرد کے ستر کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ بدن کے جس حصہ سے بھی "ستر" چھوئے سب حرام ہے۔"

ہمارے اس دور میں ان لوگوں کے لئے عبرت و بصیرت کا سبق ہے جو لڑکوں کے سامنے گھٹنے کھولنا اور تیل کی مالش کرانا عیب نہیں سمجھتے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"لاینظر الرجل الی عورة الرجل"

(صحیح مسلم)

"ایک مرد دوسرے مرد کی ستر نہ دیکھے۔"

اسلامی تعلیمات سے روگردانی کا انجام:

اسلامی نقطہ نظر کا اجمالی نقشہ بقدر ضرورت آپ کے سامنے پیش ہو چکا۔ اب آیئے ذرا موجودہ حالات پڑھیے:

امریکہ جو اس وقت دنیا میں ممتاز ملک مانا جاتا ہے، وہاں زنا کاری کی وباء کا نتیجہ یہ ہے کہ تیس چالیس ہزار کے درمیان بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں۔ سوزاک میں نوجوان کم از کم ساٹھ فیصدی مبتلا ہیں۔ اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں ہیں۔ شادی شدہ عورتوں کے اعضائے جنسی پر جتنے آپریشن کئے جاتے ہیں، ان میں پچھتر فیصدی ایسی نکلتی ہیں جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے۔

"جج لنڈسے" لکھتا ہے، جو "ڈنور" کی عدالت جرائم اطفال کا صدر ہے اور اس حیثیت سے وہ جرائم کا کافی تجربہ رکھتا ہے:

"ہائی اسکول کی عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہو چکا۔ ان میں صرف پچیس ایسی ہیں جن کو حمل ٹھہر گیا تھا۔"

اسی جج لنڈسے کا امریکہ کے متعلق بیان ہے:

"امریکہ میں ہر سال کم از کم پندرہ لاکھ حمل ساقط کئے جاتے ہیں اور ہزار ہا بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیئے جاتے ہیں۔"

لنڈ سے کہتا ہے:

''ہائی اسکول کی کم از کم پنتالیس فیصدی لڑکیاں سکول چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکی ہوتی ہیں۔''

زنا کی جسمانی اذیتوں کا ذکر کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر 25 میں ہے:

''امریکہ کے دواخانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریض کا علاج کیا جاتا ہے۔ ساڑھے چھ سو دواخانے صرف انہی امراض کے لئے مخصوص ہیں، مگر سرکاری دواخانوں سے زیادہ مرجوعہ پرائیویٹ ڈاکٹروں کا ہے، جنکے پاس اکسٹھ فیصدی اور سوزاک کے نواسی فیصدی مریض جاتے ہیں۔ امریکہ میں جن عورتوں نے مستقل پیشہ اختیار کرلیا ہے انکی تعداد کا کم از کم اندازہ چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔ قحبہ خانوں کے علاوہ بکثرت ملاقات خانے ہیں جو اس غرض کے لئے آراستہ کیے جاتے ہیں کہ شریف اصحاب اور خواتین جب باہم ملاقات کرنا چاہیں تو ان کی ملاقات کا انتظام کردیا جائے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں ایسے اٹھتر مکان تھے، دوسرے شہر میں تینتالیس، ایک اور شہر میں تینتیس۔ ان مکانوں میں بن بیاہی خواتین کا بھی گزر ہوتا ہے۔ ایک مشہور ریفارمر کا بیان ہے کہ نیویارک کی شادی شدہ آبادی کا پورا تہائی حصہ ایسا ہے جو اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے اپنی ازدواجی ذمہ داریوں میں وفادار نہیں ہے۔ امریکہ میں بلوغ سے پہلے لڑکے لڑکی کی محبت اور مباشرت دونوں شروع ہوجاتی ہیں۔''

1948 عیسوی میں ڈاکٹر ہنلی کنسے نے ایک مبسوط رپورٹ پیش کی ہے اور یہ رپورٹ ڈاکٹر کنسے اور ان کے ساتھیوں نے بارہ ہزار امریکی مردوں سے مل کر تیار کی ہے اور ان کے خفیہ حالات معلوم کیے ہیں۔ کنسے رپورٹ میں ہے:

''استلذاذ بالنفس (مشت زنی) میں نوے فیصدی امریکی مرد زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں مبتلا رہے۔ استلذاذ بالمثل میں امریکی مردوں کی ایک تہائی آبادی نے کم از کم اپنی زندگی میں ایک مرتبہ اس شوق کی تکمیل کی۔ گویا ستر لاکھ امریکی مرد استلذاذ بالمثل میں مبتلا ہیں۔ چار فیصدی لوگ تمام عمر امرد پرست رہتے ہیں۔ استلذاذ بالضد (زنا) پندرہ سال کی عمر تک 25 فیصدی، چھبیس سے چالیس سال تک

40 فیصدی ہے۔ تعلیم کے اعتبار سے جن کی تعلیم گرامر اسکول تک ہوتی ہے ان میں 84 فیصد کو عورتوں سے اختلاط کا سابقہ رہا ہے۔ ہائی اسکول تک تعلیم پانے والوں کا تناسب غیر عورتوں سے اختلاط میں 77 فیصدی ہے اور کالج کے تعلیم یافتوں کا تناسب زنا میں 49 فیصدی ہے۔ یہ اکیس سال عمر والوں کی تعداد ہے۔ شادی شدہ مردوں میں نصف تعداد ایسی ہے جنھوں نے اپنی بیوی کے سوا غیر عورتوں سے دوران ازدواج میں اختلاط کیا ہے۔"

انگلستان جو اپنی جدت پسندی میں مشہور ہے کے متعلق وہیں کا ایک انگریز جارج رائیلی اسکاٹ اپنی کتاب تاریخ الفحشاء میں لکھتا ہے:

"پیشہ ور عورتوں کے علاوہ بڑی تعداد ان عورتوں کی ہے جو آمدنی میں اضافہ کے لئے زنا کاری کے پیشہ کو بھی ضمنی طور پر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اب جوان لڑکی کے لئے بدچلنی اور بے باکی، بلکہ شوقیانہ اطوار تک فیشن میں داخل ہو گئے ہیں۔ ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو شادی سے پہلے صنفی تعلقات بلا تکلف قائم کر لیتی ہیں اور وہ لڑکیاں اب شاذ کے حکم میں ہیں جو کلیسا کی قربان گاہ کے سامنے نکاح کا پیمان وفا باندھتے وقت صحیح معنی میں دوشیزہ ہوتی ہوں۔ انگلستان میں کم از کم اندازہ کے مطابق ہر سال نوے ہزار حمل اسقاط کئے جاتے ہیں۔ شادی شدہ عورتوں میں اس کا تناسب اس سے بھی زیادہ ہے۔"

انگلستان کے بعد تھوڑا سا حال فرانس کی بدکاری اور اس سے نقصانات کا بھی پڑھ لیجیے۔

جنگ عظیم کے ابتدائی دو سالوں میں جن سپاہیوں کو محض آتشک کی وجہ سے رخصت دیکر ہسپتالوں میں بھیجنا پڑا ان کی تعداد پچھتر ہزار تھی۔ ایک متوسط درجہ کی چھاؤنی میں بیک وقت 242 سپاہی اس مرض میں مبتلا ہوئے۔

ایک ماہر فرانسیسی ڈاکٹر کا بیان ہے:

"فرانس میں ہر سال صرف آتشک اور اس کے پیدا کردہ امراض کی وجہ سے تیس ہزار جانیں ضائع ہوتی ہیں۔"

جنگ عظیم سے پہلے موسیو بیولو فرانس کے اٹرنی جنرل نے اپنی رپورٹ میں ان عورتوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی ہے جو اپنے جسم کو کرایہ پر چلاتی ہیں۔ اس فن کے

لئے اشتہار سے پورا کام لیا جاتا ہے۔

یہ مختصر سے اقتباسات میں نے اس لئے پڑھنے کی زحمت دی کہ آپ غور کر سکیں کہ زنا کاری کے مفاسد کیا ہوتے ہیں اور ان سے قوم و ملک کا کتنا زبردست جانی، مالی، اخلاقی اور سیاسی نقصان ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی سوچیں کہ زنا کاری کی سزا میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں وہ کتنے سخت اور مہلک ہوتے ہیں۔ مزید یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ دنیا کا کوئی کامیاب علاج زنا کاری کے دنیاوی عذاب سے نہیں بچا سکتا اور ان بڑے مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کا جو نقشہ میں پیش کیا گیا ہے ان کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ اسلام نے جن مفاسد کی طرف اشارے کئے ہیں وہ کتنے صحیح ہیں اور قوانین عفت مرتب کر کے اس نے دنیا پر کتنا زبردست احسان کیا ہے۔

غیر فطری طریقے اور ان کا عبرت ناک انجام:

مادہ تولید کا خارج ہوتے رہنا صحت کے لئے ضروری ہے، قدرت نے جو فطری طریقہ اس کے اخراج کا مقرر کر دیا ہے اس سے انحراف کر کے جو مادہ تولید کو غیر راہوں سے نکال نکال کر برباد اور ضائع کرتے ہیں ان کو قدرت کے انتقام سے ڈرنا چاہئے۔ آدمی آئندہ نسلوں کا امین ہے، اس امانت کیساتھ خیانت ہولناک مستقبل کو سامنے لاتا ہے، اتنا ہولناک جس کا اندازہ اس وقت نہیں ہوتا جس وقت خیانت کرنے والے اس امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں اور غیر فطری راہوں سے اس کو ضائع کرتے ہیں

محمد بن زکریا رحمۃ علیہ کا بیان ہے:

"ایک جماعت جس نے مقاربت کا فطری طریقہ چھوڑ دیا تھا اور مادہ تولید کو غیر فطری راہوں سے ضائع کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ ان کے بدن ٹھنڈے پڑ گئے، ان کی تیزی میں سستی آ گئی، بلا سبب ان پر حزن و ملال چھایا رہنے لگا، ان کی امنگیں پژمردہ ہو کر رہ گئیں اور ان کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔"

جو لوگ مادہ تولید کو غیر فطری طریقوں سے نکالتے ہیں ان کی صحت دائمی طور پر خطرہ میں گھر جاتی ہے اور وہ پھر عورت کے لائق باقی نہیں رہتے جس سے ملک کا بڑا نقصان ہوتا ہے۔ آدمی کی پیدا وار رک جائیگی اور عورتیں بے سہارا رہ جائیں گی۔ استمنا بالید (اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرنے والے) یا قوم لوط کی عادت کو اختیار کرنے کے جو اپنے جسم اور اپنی روح پر ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں، ملعونوں کا یہ طبقہ جس پر خدا کی، خدا کے فرشتوں کی لعنتیں برستی ہیں، اپنے لئے

بھیانک نتیجوں کو مرنے سے پہلے اسی زندگی میں جن شکلوں میں دیکھ لیتا ہے اسی سے اندازہ کر سکتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو کن حالتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔

ایک معتمد ڈاکٹر لکھتے ہیں:

"استمنا بالید کی بدخصلت اور قبیح حرکت کی ابتداء تو افریقہ سے ہوئی، لیکن عرب مصر، ہندوستان بلکہ دنیا کے تمام مہذب اور غیر مہذب ممالک میں یہ بدعادت قدیم ایام سے کم وبیش برابر جاری ہے۔ اکثر طالب علم، مجرد لوگ اور ریا کار زاہد ہی اس مرض میں مبتلا ہوا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا قبیح اور شنیع فعل ہے کہ جس کی بدولت بہت سے خاندان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں، برادرن وطن کی عام ناطاقتی اور کمزوری اس کی بین شہادت ہے۔ صرف اکیلی حرکت ناشائستہ آجکل ہماری نسلوں کو بیحد کمزور بنا رہی ہے۔ جوانوں کی جوانی خاک میں ملانے والی شباب کی اُمنگوں اور حوصلہ پر پانی پھیرنے والی اور ترقی و ترفع کے ولولوں کو ملیا میٹ کرنے والی یہی بدترین خصلت ہے۔ کاش! اس وبائے عام کے مہلک نتائج اب بھی نوجوانوں کے سامنے آئیں۔ کاش! ان کی آنکھیں کھلیں اور سینکڑوں واقعات سے عبرت و بصیرت حاصل کریں۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس تباہ کن عادت میں 80 فیصد آدمی گرفتار ہیں۔ یہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بہترین زندگی کو خاک میں ملا کر زندہ درگور ہو کر ہمیشہ کف افسوس ملتے رہتے ہیں۔ ان نتائج کا اثر قلب و دماغ و جگر و معدہ و گردوں اور آلات تولید پر یکساں پڑتا ہے۔ ایک اور قبیح و شنیع حرکت بھی ہوتی ہے۔ وہ اغلام ہے اس کے نتائج بھی قریب قریب جلق ہی جیسے ہوتے ہیں اور اس علت کا گرفتار بھی ایسی ہی پریشانی اٹھاتا ہے جیسے مجلوق۔ ان دونوں صورتوں میں عضو مخصوص کے پٹھے بالکل کمزور ہو جاتے ہیں اور ماند پڑ جاتے ہیں۔ نیز رطوبات فاسدہ جمع ہو کر اس کو فعل طبعی سے روک دیتی ہے اور اسی وجہ سے ضعف انتشار اس کا اولین نتیجہ ہوتا ہے۔"

مادہ تولید کو ہاتھ وغیرہ سے نکال کر ضائع کرنا اسلام میں اس کی بھی سختی سے ممانعت کی گئی ہے:

"الناکح بالید ملعون"

"ہاتھ سے منی نکالنے والا ملعون ہے۔"

باب نمبر 4:

اسلام کا تحفہ نکاح

ترغیب نکاح:

زنا جیسی مہلک اور خطرناک برائی جو انسان کو ہر اعتبار سے سخت سے سخت نقصان پہنچاتی ہے اس کی روک تھام کی جس شدومد سے ضرورت تھی، وہ ذی عقل سے مخفی نہیں۔ صرف روک دینا ہی کافی نہ ہوتا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے، بلکہ اس کے لیے ایک مکمل ضابطہ کی ضرورت تھی اور اسلام نے یہی کیا۔ انسان کی فطرت کو جانچا اور اس کے مطابق علاج اور پرہیز کی تاکید کی۔ اسلام نے غیر مذاہب کی طرح افراط وتفریط کا راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ انسانی مزاج کو پرکھ کر اعتدال کا طریقہ پسند کیا اور مرد وعورت کو نکاح کی ترغیب دی۔

حکم نکاح:

زنا کے نقصانات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ مرد وعورت جن کو شادی کی ضرورت محسوس ہو، ضروری شادی کریں کہ عفت وعصمت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سبب یہی ہوسکتا ہے۔ رب العزت نے شادی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”وانكحوا الايامى منكم و الصالحين من عبادكم وامائكم“
(سورۃ النور، آیت نمبر ۳۲)

”اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اس کا بھی۔“

ایامی ایم کی جمع ہے۔ اس کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لیے ہے۔ جس مرد کی بیوی نہ ہو اس کو ایم بھی کہتے ہیں اور جس عورت کا شوہر نہ ہو اس کو بھی ایم کہتے ہیں۔ پھر چاہے سرے سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو یا شادی ہوئی تھی مگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہوگیا یا طلاق ہوگئی ہو۔ رجل ایم

بھی کہا جاتا ہے اور امراۃ ایم بھی۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۲۸۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کچھ نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے تھے جنہوں نے شادیاں نہیں کی تھیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر واحسن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فان الصوم له وجاء"

"اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو (بری جگہ دیکھنے سے) جھکاتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ جس جوان میں نکاح کی ہمت نہیں (یعنی بیوی کی مادی ضروریات پوری نہیں کرسکتا) تو وہ روزے رکھے کیونکہ یہ روزے اس کیلئے (گناہ سے) دور رہنے کا (ذریعہ) ہے۔"

شیطان کا واویلا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ایھا شاب تزوج فی حداثة سنه عج شیطانه: یا ویله عصم منی دینه"

"جو نوجوان شروع جوانی میں شادی کر لیتا ہے تو شیطان اس پر واویلا کرتا ہے کہ ہائے! اس پر افسوس! اس نے مجھ سے اپنا دین محفوظ کر لیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تزوجوا الودود الولود تناسلوا فانی مباہ بکم الامم یوم القیامة"

(تفسیر ابن کثیر)

"بہت جننے والی عورت سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ، اس لئے کہ قیامت کے دن تمہاری وجہ سے فخر کروں گا۔"

اس حدیث میں نکاح کا بھی حکم دیا گیا ہے اور یہ مقصد بھی نکاح کا بیان کیا گیا ہے کہ شادی کا منشاء توالد و تناسل اور نسل انسانی کی بقاء ہے، تا کہ قوم کے افراد کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو۔
مشکوٰۃ میں ایک حدیث ان لفظوں کے ساتھ نقل کی گئی ہے:

"تز و جوالو دالولو دفائی مکاثر بکمالامم"
(مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح)

"خوب محبت کرنے والی اور بہت بچے دینے والی عورت سے شادی کرو، اس لئے کہ میں تمہاری کثرت سے اور امتوں پر فخر کروں گا۔"

اس حدیث میں تکثیر نسل کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شوہر سے محبت والفت کرنے والی عورت ہو، کیونکہ معاشرتی زندگی کے خوشگوار بنانے کی یہی واحد تدبیر ہے۔ زن وشوہر میں محبت والفت ہی کے رشتہ میں سارے خاندان کی مسرت کی حمایت پوشیدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"شادی کرنے سے انسان بہت ساری برائیوں سے بچ جاتا ہے، بلکہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ دنیا سے پاک وصاف جائے اور اس کا دامن وعفت وعصمت ملوث نہ ہو تو اس کی شکل یہی شادی ہے۔"

حدیث مبارکہ میں ہے:

"من ارا دان یلقی اللہ طاھرا مطھرا فلیتزوج الحرائر"
(مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح)

"اللہ تعالیٰ سے جو شخص پاک وصاف ملنا چاہے اس کو شریف عورتوں سے شادی کرنی چاہیئے۔"

اس حدیث میں شادی سے جو عفت وعصمت اور پاک دامنی حاصل ہوتی ہے، اس کا بڑا بلیغ بیان ہے، بلکہ اس میں جو الفاظ آئے ہیں، ان سے سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ شادی کرنے سے اللہ تعالیٰ دوسرے گناہوں سے بھی آدمی کو بچا لیتا ہے اور یہ کہ شادی ذریعہ بن جاتی ہے شادی کرنے والے کی ہدایت کا بھی اور پھر نجات کا بھی۔

جس کی شادی نہیں ہوتی اور جائز طور پر جنسی میلان پورے نہیں کرتا وہ عموماً مختلف گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، خواہ ان گناہوں میں غیر ارادی طور پر ہی لوگ کیوں نہ مبتلا ہو جاتے ہوں، لیکن شادی شدہ آدمی کے پاس چونکہ بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لئے ان گناہوں سے اس کا رشتہ خود بخود کٹ جاتا ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو شادی بھی نہیں کرتے اور پاک دامنی کی بھی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ خواہ مخواہ کش مکش کی ایسی زندگی گزارتے ہیں جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ

کس وقت ان سے کیا حرکت سرزد ہو جائے۔

ایک حدیث میں نکاح کو نصف دین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین"

(مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح)

"آدمی نے جب شادی کرلی تو اس نے نصف دین پورا کرلیا۔"

غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ گناہوں کے بڑے حصہ کا تعلق جنسی میلانات ہی سے ہے۔ شرعی اور آئینی حدود میں اپنے آپ کو جکڑ دینے کے بعد اسباب کی حد تک بے راہ روی کے خطرات کم ہو جاتے ہیں۔

نکاح رسولوں کی سنت ہے:

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا:

"تم نے شادی کی۔؟"

میں نے جواب دیا:

"نہیں۔!"

انہوں نے کہا:

"تزوج فان اخیر ھذہ الامۃ کان اکثرھم نساء یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم"

(صحیح بخاری، کتاب النکاح)

"شادی کرو، کیونکہ اس امت کے سب سے بہتر فرد (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) بیویوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ تھے۔"

پھر یہ بھی مسلم ہے کہ نکاح تمام انبیاء ورسل کی سنت رہی ہے اور تقریباً تمام رسولوں نے شادیاں کیں ہیں اور بال بچوں والی زندگی گزاری ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"ولقد ارسلنا رسلا من قبلک وجعلنا لھم ازواجا و ذریۃ"

(سورۃ الرعد، آیت نمبر ۶)

"اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور

بچے بھی دیئے۔"

شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا:

جو شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ اس کو دیکھ لے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی شان ہے:

"من اراد ان یتزوج امراۃ فلینظر منہا ما یدعوہ الی نکاحہا فذلك احری ان یودم بینہما"

"جو شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اس کا وہ حصہ (چہرہ) دیکھ لے جو اس کی طلب کی دعوت دیتا ہے، کیونکہ یہ طریقہ ان کے مابین دائمی محبت کیلئے زیادہ مناسب ہے (اور اگر بن دیکھے کسی عورت سے شادی کر لی اور دیکھا تو پسند نہ آئی اور روز روز کے جھگڑے فساد کھڑے ہوئے یہ بات درست نہیں)"

نیز آدمی اس بات کا بھی لحاظ رکھے کہ وہ ایسی عورت کا انتخاب کرے جو حسین ہونے کے ساتھ ساتھ دیندار بھی ہو۔ جیسا کہ نبی اکرم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

"فاظفر بذات الدین تربت یداك"

"تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں دیندار عورت کا انتخاب کر۔"

خاک آلود ہونے کا لفظ عرب میں بطور محبت اور بطور تنبیہ کہا جاتا ہے۔

نکاح کسی کی ذمہ داری ہے:

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے رشتہ ازدواج کے قیام کی تاکید فرمائی ہے اور ان تمام مرد و عورت کی شادی کر دینے کا حکم دیا ہے، جن کو شادی کی ضرورت ہو، حتیٰ کہ غلام جو بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے، اس کے متعلق بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی بھی شادی ضروری ہے، اگر ان میں حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ پھر اس ذمہ داری کو رب العزت نے قوم کے سر ڈالا ہے، تاکہ اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہو۔ ارشارہ کیا گیا ہے کہ شادی کے جو فائدے ہوتے ہیں، اس سے پوری قوم مستفید ہوتی ہے اور شادی نہ کرنے کے جو نقصانات ہیں ان کا اثر پوری قوم پر پڑتا ہے۔ کوئی ذی عقل انسان اس بات سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا کہ جائز شادی کا رواج اگر بند کر دیا جائے تو پوری قوم کے اخلاق گندے ہو جائیں گے۔

اس آیت کے اگلے حصہ میں رب العزت نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ کسی موہوم

خدشہ کو حیلہ بنا کر اس نیک رشتہ کے قائم کرنے سے بچنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ اس آیت سے اتنی بات بہر حال کھل کر معلوم ہوتی ہے کہ جو مرد یا عورت شادی کے لائق ہو ان کی شادی کر دی جائے اور یہ شادی کرنے کی ذمہ داری ولی کے سر بھی ہے اور قوم کے مضبوط دوش پر بھی، کوئی اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

اہمیت نکاح:

شادی کرنا واجب ہے۔ احادیث سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنسی میلان حد برداشت سے جب باہر ہو جائے اور خطرہ شرعی حدود کے توڑ دینے کا سامنے آ جائے یعنی ظن غالب اس خطرہ میں مبتلا ہو جانے کا ہو تو اس وقت نکاح کرنا مومن کے لئے واجب ہو جاتا ہے، لیکن اگر بے تابی حد سے نہ گزری ہو تب نکاح سنت مؤکدہ ہے، اسی طرح اگر ظن غالب ہو کہ حقوق زوجیت ادا نہ ہو سکیں گے تو اس وقت نکاح کی قید میں اپنے آپ کو مقید کرنا شرعاً ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہے، بلکہ حقوق زوجیت کے متعلق عجز کا جسے یقین ہو ایسے آدمی کے لئے تو نکاح حرام ہے۔

بلوغ کے بعد شادی کا حکم اور دیگر ہدایات:

اسلام نے عفت وعصمت کے ان لوازمات کو اپنی تعلیمات میں سمو دیا ہے، جن سے عفت و اخلاق کی بنیادیں استوار ہوں اور پاکبازی و پاکدامنی کا ماحول فراہم ہو جائے۔ ساتھ ہی کہیں سے کوئی ایسا رخنہ پیدا ہونے کا موقع نہیں دیا ہے، جس سے شیطانی وسوسے راستہ پا سکیں اور انسان کو عفت وعصمت کی خرابی پر آمادہ کر سکیں۔

یوں تو اسلام نے اجازت دے رکھی ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے ہی لڑکا اور لڑکی کا نکاح کیا جا سکتا اور جوانی کا ہنگامی دور آنے سے پہلے ہی ایسا رشتہ قائم کیا جا سکتا ہے جو مرد و عورت کے خیالات کو بھٹکنے سے روک دے اور اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ابتدائے بلوغ میں بھی جب سوچیں گے تو دونوں جائز ہی محبت اور رشتہ داری پر سوچیں گے۔

مگر بلوغ کے بعد تو اسلام نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ جلد سے جلد شادی ہو جانی چاہیے کہ یہ دور شباب کا ہے، امنگ کا زمانہ ہے اور جنسی خواہشات کے ابھرنے کا موقع ہے۔ آدمی میں اس عمر میں گو مستقبل پر غور کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، مگر وہ جذبات کے نیچے دبی دبائی ہوتی ہے، عموماً کمتر ہی لوگ عمر کے اس حصہ میں نفع و نقصان سوچنے کی زحمت برداشت کرتے ہیں۔ اس لئے اگر عمر

کے اس نازک ترین حصہ میں قانونی نگرانی نہ کی جائے تو راہ راست سے دور پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ اس لئے خصوصیت سے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

"یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج"

(صحیح البخاری)

"اے نوجوانو! تم میں جو اسباب جماع پر قادر ہو اسکو شادی کر لینا چاہیے۔"

شباب کا زمانہ بلوغ کے بعد شروع ہوتا اور بتیس برس کی عمر تک رہتا ہے اور بعض کے نزدیک تیس تک۔

بال سفید ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ مزاجوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے۔ اس تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ بلوغ کے فوراً بعد اسلام نے شادی کرنے کا مطالبہ کیا ہے اور منشاء یہی ہے کہ عمر کے اس ہنگامے خیز زمانہ میں انسان غلط راستہ پر پڑ کر عفت وعصمت کے دامن کو داغدار کرنے نہ پائے۔

اس عمر میں عموماً انسان والدین کی زیر نگرانی ہوتا ہے۔ شادی کا سامان خود فراہم کرنا چاہے تو اکثر انسان فراہم نہیں کر سکتا۔ حیاء وشرم الگ دامن گیر ہوتی ہے، جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضرورت محسوس کرنے پر بھی والدین سے کہنے کی جرأت نہیں ہوتی اور ایسے زمانہ میں عفت وعصمت کبھی کبھی خطرہ میں گھر جاتی ہے، اس لئے پیغمبر اسلام نے اس عمر کی شادی کی ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے۔ ہدایت نبوی ہے:

"من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علی ابیه"

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان) (مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ نمبر ۲۷۱)

"جس شخص کا بچہ ہو اسکو چاہیئے کہ بچہ کا اچھا نام رکھے، تعلیم وتربیت دے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے، بلوغ کے بعد اگر باپ نے شادی نہیں کی اور اس سے گناہ ہو گیا تو اسکا گناہ اس کے باپ پر ہے۔"

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، پہلی بات یہ کہ لڑکے لڑکی کو تعلیم وتربیت دے جو اس کی آئندہ زندگی میں رہبر کا کام دے اور اسکے دل میں خشیت الٰہی کی پرورش کرے، تاکہ گناہ کے کاموں سے مجتنب اور متنفر رہے۔ دوسری بات یہ کہ جونہی بالغ ہو باپ اس کی شادی کر دے،

تاخیر اور تساہلی سے کام نہ لے، کیونکہ اگر والدین کی عدم توجہی سے تاخیر ہوئی اور اس اثناء میں اس سے گناہ سرزد ہو گیا تو والدین بھی گناہ سے نہ بچ سکیں گے۔

دوسری حدیث میں لڑکی کے متعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قال فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثما فاثم ذالك علیه"

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان) (مشکوٰۃ، صفحہ نمبر ۲۷۱)

"تورات میں لکھا ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اسکی شادی نہ کرے اور اس لڑکی سے گناہ سرزد ہو جائے تو وہ گناہ اس شخص پر ہوگا۔"

ان دونوں حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائے تو والدین پر ذمہ داری ہے کہ جلد سے جلد ان کی شادی کر دیں، خود لڑکا اور لڑکی پر بھی ذمہ داری ہے کہ شادی کرنے میں ٹال مٹول نہ کرے۔ وقت آئے تو فوراً تیار ہو جائے اور والدین کا بھی فریضہ ہے کہ لڑکے لڑکی کی شادی وقت پر کر دیں، مگر ان کی رائے معلوم کر کے، تاکہ رشتہ مضبوط ہو سکے۔

والدین پر تاکید جتانے اور مسئلہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر وقت پر شادی نہ ہوئی، والدین نے اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کیا اور اس کی وجہ سے لغزش ہو گئی اور لڑکے یا لڑکی میں سے زنا یا دواعی زنا کا ارتکاب ہو گیا تو گناہ کا ایک حصہ والدین کا بھی ہوگا اور مرتکب معصیت تو گناہ میں ڈوب ہی جائے گا۔

اعلان نکاح اور گواہ:

اسلامی قوانین عفت میں تمام فتنہ و فساد کے سرچشموں کو بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، سوسائٹی اور سماج کے اندر جس چیز سے بداخلاقی نشو و نما پا سکتی ہے، حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اس کو بند کرنے کی سعی بلیغ کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کا اعلان بڑی حد تک ضروری سمجھا ہے، کیونکہ اگر نکاح کا اعلان نہ ہوا تو اس راستہ سے فتنوں کے سر اٹھانے کا اندیشہ کیا جاتا ہے۔ پہلی بات تو ذہن نشین رہنی چاہیے کہ کھلے طور پر نکاح اور ناجائز تعلقات کے درمیان مابہ الامتیاز کوئی حد ضرور ہونی چاہیے، تاکہ التباس پاس نہ پھٹکنے پائے اور آدمی ذہنی گمراہی میں مبتلا نہ ہو۔

نکاح کی صحت کی شرط یہ بھی ہے کہ کم از کم دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ

ہوں جو نکاح کی مجلس میں موجود ہوں اور ایجاب وقبول اس طرح ہو کہ گواہ سن سکیں اور اولیٰ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ آدمی شریک ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف"

(سنن ترمذی، باب ماجاء فی اعلان النکاح)

"اس نکاح کا اعلان کرو، نکاح مسجد میں کرو اور اس پر دف بجاؤ (کہ خوب اعلان ہو جائے)۔"

مسجد میں نکاح کا ایک بڑا فائدہ اعلان کا حصول ہے۔ جہاں آزادی کیساتھ ہر خاص وعام آسکیں، کسی کو پہنچنے میں اعتراض باقی نہ رہے اور دف بجانے کا مقصود اعلان کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسلام میں فضول لہو ولعب کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فصل مابين الحلال والحرام الصوت والدف في النكاح"

(سنن ترمذی، باب ماجاء فی اعلان النکاح)

"حلال وحرام میں حد فاصل نکاح کی شہرت اور دف ہے (کہ لوگوں کو خبر ہو)"

اگر نکاح کی شہرت ضروری قرار نہ دی جائے تو پھر لوگ چوری چھپے آشنائی اور ناجائز تعلق کو بھی نکاح کی صف میں لاکر ملا دیں اور اس طرح ایک چور دروازہ قائم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ شادی سے عفت مقصود ہونا چاہیے صرف ہوس رانی نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

"محصنين غير مسافحين ولا متخذي اخدان"

(سورۃ المائدہ)

"نکاح کرنے والا مرد پارسا ہو، نہ صرف مستی نکالنے والا ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والا۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"محصنٰت غير مسافحات ولا متخذات اخدان"

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۴)

"عورتیں پاکباز ہوں، نہ مستی نکالنے والی ہوں اور نہ چھپے چوری آشنائی کرنے

والیاں۔"

نکاح کی افادیت:

اسلام میں صرف جائز فطری راہ کھلی رکھی گئی ہے کہ ہر حیثیت سے وہ مفید ہی مفید ہے۔ یہ جائز طریقہ وہی نکاح کا طریقہ ہے، مذاہب وادیان، آئین وخاندانی اور قبائلی زندگی کا دارومدار ہے۔ نکاح کا طریقہ اگر نہ ہوتو نظام حیات درہم برہم ہوجائے اور مدنیت وارتقاء کا نام ونشان مٹ جائے۔

کون نہیں جانتا کہ عمر کے ایک مخصوص حصہ میں آکر مرد کو عورت کی اور عورت کو مرد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تاکہ مرد عورت سے تسکین حاصل کرے اور عورت کو مرد کی تلاش ہوتی ہے جس کا سہارا لے کر وہ اپنی سب سے بڑی دولت عصمت کو محفوظ رکھ سکے اور پھر دونوں مل کر پاکدامنی کی زندگی گزاریں اور حوادث زمانہ کے وقت ایک دوسرے کے معاون ہوں۔

مرد کو عقل ہے دل نہیں، عورت کو دل ہے عقل نہیں یعنی ہر ایک کا ایک پہلو کمزور ہے۔ جب تک دونوں مل نہ جائیں، زندگی مکمل کسی کی بھی نہیں ہوسکتی۔ شادی کرنا اجتماعی حیثیت سے بھی ضروری ہے کہ مذکورہ فوائد کے ساتھ اجتماعی شیرازہ بندی میں سہولت پیدا ہو، تعلقات اور باہمی انس ومحبت دو خاندانوں کو جوڑ دے۔ اگر شادی نہ ہوتو باپ کہاں سے آئے گا۔؟ ماں کون ہوگی۔؟ بھائی، بہن کا رشتہ کس طرح پیدا ہوگا۔؟ شوہر اور بیوی کون کہلائے گا۔؟ رضاعی اور غیر رضاعی رشتہ کی شاخ کس درخت سے پھوٹے گی۔؟ بھائی برادری دنیا میں کہاں سے جنم لے گی اور باہمی تعلقات کی جڑ کیونکر مضبوط ہوگی۔؟

شادی اور مفکرین کی آراء:

آپ شادی کی مذہبی حیثیت پڑھ چکے۔ اب یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ دنیا کے مفکرین اور روشن خیال اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں:

ہندوستان کے مشہور لیڈر اور بھارت کے پہلے ہندوستانی گورنر جنرل مسٹر راجگوپال اچاریہ فرماتے ہیں:

"عورتوں کے لئے شادی کرنا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹری، انجینیئرنگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت پیشے ہیں، مگر گھر بار کی نگرانی اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے۔ فوجی کارخانوں میں کام کرنا اور فرموں میں حاضری دینا خواہ کتنا ہی

اہم ہو، لیکن گھریلو زندگی کے نوک و پلک درست کرنا، اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ میں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے۔"

ایک فاضل فرنگن لکھتی ہے:

"عورت کا اولین فریضہ شادی، مادیت اور خانہ داری ہے۔ معاشرہ کا فرض ہے کہ ہر عورت کے لئے اس کو موقعہ بہم پہنچائے اور عورت جس کی تلاش میں ہو اسے وہ آسانی سے مل جائے، جیسے مرد کو ذریعہ معاش۔"

ایک مغربی مفکر این تھونی ایم لوڈوویسی اپنی کتاب "عورتوں کا تحفظ" میں لکھتا ہے:

"اس امر پر زور دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر عورت کے لئے ایک خاص عمر تک ازدواجی زندگی کو مقصود زندگی قرار دیا جانا چاہیے اور والدین کے ذہن نشین یہ امر کرنا چاہیے کہ ازدواج ہی وہ اصل غرض ہے جس کے لئے لڑکیوں کی تربیت کی جانی چاہیے۔ انسانیت کے بہترین پہلوؤں کی تکمیل ماں بننے سے ہوتی ہے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایک عورت حاصل کرے وہ اس سے کمتر درجہ رکھتی ہے۔ وہ لوگ جو اسے عالم شباب میں یہ فریب دیتے ہیں کہ اس کے لئے ماں بننے سے بڑھ کر یا اس کے برابر اور مشاغل بھی ہیں، وہ نہ صرف صنف نازک، بلکہ نوع انسانی کے دشمن ہیں۔

یہی مصنف لکھتا ہے:

"چونکہ عورت کامل طور پر زندگی اور اس کی افزائش کے کاروبار میں ڈوبی ہوئی ہے، اس لئے اس حقیقت کا صاف طور پر اور بلا خوف تردید اعلان ہونا چاہیے کہ تمام وہ لوگ جو اسے یہ سکھاتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی اور شغل اس کا اصلی شغل ہے، تمام وہ لوگ جو مسائل حاضرہ کے گورکھ دھندے میں اسے نسوانیت کے بارے میں ایسے قصے کہانیوں سے پریشان کرتے ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اصلی نسوانیت زندگی اور اس کی افزائش سے علیحدہ کوئی چیز ہے، غرضیکہ وہ تمام لوگ جو اسے مرد اور بچے سے دور رکھتے ہوئے مسرت، اطمینان اور راحت کی توقعات دلاتے ہیں جھوٹے ہیں۔"

یہ چند نمونے بطور مثال نقل کیے گئے ہیں، ورنہ انسانی تاریخ کا ایسا کونسا حصہ ہے جس میں ازدواجی زندگی کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہئیے کہ دوسرے منافع وفوائد کے ساتھ رشتہ ازدواج کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عفت وعصمت اور ناموس وآبرو کی انمول دولت جو انسان کو بخشی گئی ہے۔ اس دولت کی حفاظت کا ضامن یہی آئینی طریقہ ہے جسے ہم نکاح کہتے ہیں۔

شرائط نکاح:

قرآن مجید نے جہاں محرمات کا بیان کیا ہے وہاں ان کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

"احل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین"

(سورۃ النساء، آیت نمبر۴)

"ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اس طرح کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ چاہو، ان کو بیوی بناؤ، صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو۔"

محرمات کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ چار شرطوں کے ساتھ حلال ہوتی ہیں:

1: دونوں طرف سے ایجاب وقبول پایا جائے۔ جس کی طرف "ان تبتغوا" سے اشارہ کیا گیا ہے۔

2: مال دیا جائے جس کو اصطلاح میں مہر کہتے ہیں جسے "باموالکم" کا لفظ بتارہا ہے۔

3: عورت کو قبضہ میں لانا اور جائز طریقہ پر رکھنا مقصود ہو کہ طرفین کو عفت وعصمت اور اخلاق کی دولت نصیب ہو۔ محض مادۂ تولید کا ضائع کرنا مقصود نہ بنالیا جائے، جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے کہ دل کی بھڑاس نکلی، منہ کالا کیا اور چلتے بنے۔ ماحصل یہ ہے کہ شادی اس مقصد سے کی جائے کہ عورت کو بیوی بنا کر ہمیشہ رکھیں گے اور عورت اس کے پاس پاکدامن بن کر رہے گی۔ مطلب یہی ہے کہ ازدواجی رشتہ وقتی نہیں ہے کہ چند مہینوں کے لئے رکھا اور پھر علیحدہ ہوگئے جس پر "محصنین غیر مسافحین" کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

4: دوستی مخفی نہ ہو کہ ناجائز عشق ومحبت کی زنجیر میں جکڑے ہوں اور کسی کو علم نہ ہو، بلکہ رشتہ ازدواج کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کے شرعی

گواہ ہوں۔ عام اعلان اور شہرت ہو تو بہتر ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے:

"غیر متخذی اخذان"

نکاح محافظ عفت و عصمت...... نکاح کے بنیادی مقاصد:

احصان کا لفظ جو قرآن مجید میں لایا گیا ہے وہ حصن سے مشتق ہے، جس کے معنی قلعہ کے ہیں یعنی انسان شادی کر کے عفت و عصمت کے قلعہ میں آجائے اور مفاسد اخلاق سے محفوظ ہو جائے، جو شادی کا بنیادی مقصد ہے۔ ایسا نہ ہو کہ صرف لطف اندوزی کا ارادہ ہو اور بس۔ محصنین غیر مسافحین کا لفظ بتا رہا ہے کہ بغیر اس مہتم بالشان چیز کے، جس کو عفت کہتے ہیں، نکاح نکاح نہیں ہے۔

نکاح جس طرح مردوں کے لئے پاک دامنی اور اخلاق کا ذریعہ ہے، عورتوں کے نکاح کا مقصد بھی یہی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فانکحو ھن باذن اھلھن و اٰتو ھن اجور ھن بالمعروف محصنت غیر مسافحات و لا متخذات اخذان"

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۲۵)

"سو ان کے ولیوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لیا کرو اور ان کے مہر ان کو قاعدہ کے مطابق دے دیا کرو، اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں، نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی۔"

اس آیت میں کھلے لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ شادی سے عورتوں کا مقصد بھی یہی ہو کہ وہ عفت و عصمت کی زندگی گزاریں گی، اخلاق و کردار کو بلند رکھیں گی اور اپنے داعیات فطرت کو اپنے شوہر کے ذریعہ پورا کریں گی۔ بدکاری، چھپے چوری آشنائی اور عفت میں خیانت نہ کریں گی۔ سورۃ المائدہ میں ہے:

"الیوم احل لکم الطیبات و طعام الذین اوتو االکتب حل لکم و طعا مکم حل لھم و المحصنت من المومنت و المحصنت من الذین اوتو االکتب من قبلکم اذا اتیتمو ھن اجور ھن محصنین غیر مسافحین و لا متخذی اخذ ان"

(سورۃ المائدہ)

"آج تمہارے لئے حلال رکھی گئیں پاکیزہ چیزیں اور جولوگ کتاب دیئے گئے ہیں انکا کھانا تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں اہل کتاب کی۔ یہ سب بھی حلال ہیں، جبکہ تم ان کو حق مہر دیدو۔ اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ، نہ کہ علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔"

اس آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ شادی کرتے وقت پاکدامن عورت کی تلاش وجستجو ہونی چاہیے اور رشتہ ازدواج کے قیام کے وقت اول نظر پاکدامنی اور عفت وعصمت پر ہی ہونی چاہئے۔ اس آیت کے آخر میں مردوں سے پاکدامنی اور عفت واخلاق کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے، گویا اسلام نے بتایا کہ شادی کے ذریعہ شوہر عصمت محفوظ رکھنے والا بن جائے اور دونوں صنفیں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں اور فطری پیاس بجھائیں، ہاں! صرف شہوت رانی اور ہوا پرستی پیش نظر نہ ہو، ورنہ حیوانی اور انسانی زندگی میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔؟

ماحصل یہ ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ شادی کر کے صنفی تقاضوں کی تکمیل کا موقعہ حدود اللہ کے اندر رہ کر حاصل ہو، کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی حدودں کو توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلاشبہ! عفت وعصمت ایسی بیش قیمت چیز ہے کہ اس پر دنیا کی ساری چیزیں قربان کی جاسکتی ہیں، مگر یہ کبھی جائز نہیں ہوسکتا کہ کسی دوسری چیز پر عفت کو قربان کر دیا جائے۔

عفت اگر خطرہ میں گھر جائے، حدود اللہ ٹوٹنے کا خطرہ سامنے آجائے اور شادی کا جو بنیادی مقصد ہے وہی زد میں آجائے تو ضرورت کے وقت شادی کی گرہ کھول دی جائیگی۔ مثلاً زن شوہر کے تعلقات آپس میں کشیدہ ہوجائیں کہ ایک کو دوسرے سے نفرت ہو جائے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرسکیں تو ایسی حالت میں اسلام علیحدگی کی اجازت دیتا ہے، مگر یہ برداشت نہیں کرتا کہ رشتہ ازدواج میں بندھے ہوئے ہوں اور عفت وپاک دامنی کھودی جائے، اسی وجہ سے ایسی حالت میں طلاق کی اجازت ہے، تاکہ عورت بھی آزاد ہوجائے اور وہ بھی اپنا کوئی جائز سامان کر لے اور مرد کو بھی آزادی حاصل ہو جائے اور یہ بھی ضرورت سمجھے تو کسی دوسری عورت سے اپنا جائز رشتہ قائم کرلے اور اسی بنیاد پر عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے کہ وہ ظالم شوہر کے پنجہ میں گرفتار ہو کر بے بس نہ ہو جائے، بلکہ اگر وہ ایمان داری سے سمجھتی ہے کہ موجودہ شوہر کیساتھ رہ کر حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکے گی تو شوہر کو مہر کا کچھ حصہ یا کل حصہ دے کر شوہر سے طلاق حاصل کرسکتی ہیں۔

اسی عفت کی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے مرد کو اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ چار مہینے سے زیادہ اپنے ایلاء کو باقی رکھے اور عورت سے ہمبستری کرنے سے قسم کھالے، بلکہ اگر چار ماہ تک مرد اپنی اس قسم پر باقی رہا تو پھر اس کے بعد اس کو حق نہیں ہے کہ عورت کو اپنی قید میں ڈالے رہے، کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عورت داعیات فطرت سے مجبور ہو کر عصمت کا فانوس توڑ ڈالے اور اپنی پاک دامنی کھو دے اور اسی عفت و عصمت کی اہمیت کا یہ اثر ہے کہ چند شادی کرنے والوں کو اسلام نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم ایک عورت پر ایسا جھک پڑو کہ دوسری لٹکی رہ جائے:

" فلا تمیلو ا کل المیل فتذر و ھا کالمعلقه"

(سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۹)

"پس ایک طرف نہ جھک پڑو کہ دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔"

شاید یہ چیز معلقہ کے لئے حدود اللہ توڑنے کی وجہ بن جائے اور شادی کا جو مقصد اعظم ہے، وہ فنا کے گھاٹ اتر جائے۔ نکاح کے سلسلہ میں جو حدیثیں بیان کی گئی ہیں ان سے بھی مقصد کی تائید ہوتی ہے کہ عفت و عصمت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

نکاح کا دوسرا مقصد بنیادی یہ ہے کہ رشتہ ازدواج کے ذریعہ مرد و عورت ان دو صنفوں میں باہم محبت ہو، انس اور خلوص ہو اور ان میں سے ہر ایک کو طمانیت اور سکون قلب میسر آئے جو اجتماعی زندگی میں ترقی اور عروج کا ذریعہ ثابت ہوں۔ تہذیب و تمدن سے جو چیزیں متعلق ہیں ان کو باہمی اشتراک عمل سے آگے بڑھا سکیں اور پھر اس طرح وہ ملک اور قوم کے لئے حوصلہ افزائی ہوں۔ خود ان کی زندگی کے لئے شادی وجہ راحت و مسرت اور باعث اطمینان و سکون ہو۔ قرآن مجید نے جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے وہ بس اسی مقصد کا حصہ ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

"و من اٰیته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا و جعل بینکم مودة و رحمة"

(سورۃ الروم، آیت نمبر ۳)

"اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری قسم سے جوڑا پیدا کیا، تاکہ ان کے پاس چین حاصل کرو اور اس لئے تمہارے درمیان پیار اور مہربانی رکھی۔"

اس آیت میں رب العزت نے مقاصد نکاح کو بیان کرتے ہوئے، ارکانِ نکاح کو بتایا ہے کہ اس رشتہ سے جو پہلی چیز حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے سے تسکین خاطر اور اطمینان میسر ہوتا ہے اور پھر ہر ایک دوسرے کی بے چینی میں سہارا ہو اور جب کبھی اور جس وقت بھی طبیعت انسانی میں امنگ پیدا ہو، دل میں گدگدی کا احساس ہو اور جنسی اضطراب چھیڑے تو ایک جائز آئینی ذریعہ فطرت کے ان تقاضوں کی تکمیل کا سامنے موجود رہے۔ اسی مسئلہ کی طرف کتنے بلیغ پیرایہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے:

"ان المراة تقبل في صورة الشيطان و تدبر في صورة شيطان، اذا احد كم اعجبته المراة فوقعت في قلبه فليعمد الىٰ امراته فليواقعها فان ذلك يرد ما في نفسه"

(صحیح مسلم، باب ندب من رائی امراۃ)

"بلا شبہ عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور اسی کی صورت میں واپس ہوتی ہے۔ تم میں سے کسی کو جب عورت بھلی معلوم ہو اور دل پر اس کی چوٹ پڑے تو چاہئے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہو۔ اس تدبیر سے اجنبی عورت کا اثر دل سے جاتا رہے گا۔"

جنسی میلان جن کا قوی ہوتا ہے، طبعاً عورت کی طرف ان کی نگاہیں اٹھ جاتی ہیں اور عورت اپنی قدرتی ہیئت سے مرد کے خوابیدہ جذبات کو جگا دیتی ہے، اس سے بچنے کی تدبیر اسلام نے بتائی ہے تو اگر ایسے بات سامنے آ بھی جائے اور کسی عورت کی دید باعث ہیجان ہو تو ایسے نازک موقعے کے وقت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے پاس چلے جاؤ اور اس مادہ کو خارج کرآؤ جو اس کا محرک بنا ہے، تا کہ اس کے نکلنے کے بعد شیطان تمہارے دل میں وسوسہ ڈالنے کی جرأت نہ کرے اور نہ تم کو گناہ میں ملوث کرنے پائے۔

علامہ نووی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"انه يستحب لمن راي امراة فتحركت شهوته باتي امراته فليواقعها ليدفع شهوته و تسكن نفسه و يجمع قلبه علي ما هو بصدده"

(شرح صحیح مسلم:۴۴۹)

"کسی عورت کو دیکھنے سے جب کسی کی خواہش میں ابھار پیدا ہو تو اسکو چاہیے کہ اپنی بیوی سے مقاربت کرے، تا کہ دل کا تقاضا ٹھنڈا پڑ جائے اور نفس کو سکون حاصل ہو اور قلب جس کے درپے ہے وہ بات جاتی رہے۔"

عورت کی آمدورفت کو شیطان کی صورت سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ عورت میں فطرتاً کچھ ایسی جاذبیت اور دلکشی رکھی گئی ہے کہ قدرتاً مرد کا دل عورت کی طرف کھنچتا ہے، گویا شیطان کو موقع ملتا ہے کہ عورت کو مرد کی لغزش کا ذریعہ بنائے، گویا عورت کو باہر نکلنا شیطان کا باہر نکلنا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عورت کو بغیر شدید ضرورت کے گھر سے نکل کر مردوں کی سوسائٹی میں گھسنے پھرنے سے بچنا چاہیے۔

اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسلام نے نکاح کے جن بنیادی مقصدوں کی نشان دہی کی اور جن کی طرف جگہ جگہ وضاحت اور اشارہ سے کام لیا ہے، ان کا حصول ناممکن ہے جب تک نکاح کا وہی فطری اور شرعی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ شادی کے وہ طریقے جو اسلامی طریقے سے مختلف میں ان سے مقاصد نکاح کا حصول محال ہے۔

معشوقہ سے شادی:

جو شخص کسی کی محبت کا شکار ہو اور وہ شادی کا ارادہ کرے تو وہ اسی عورت سے شادی کی کوشش کرے جس کے عشق میں مبتلا ہے۔ جبکہ اس عورت سے شادی کرنا جائز ہو۔ اگر وہ پہلے سے کسی کے نکاح میں موجود ہے یا وہ عورت محرمات میں سے ہے تو پھر اس کی بجائے کسی ایسی عورت سے شادی کرے جس سے اس کے عشق کی آگ ٹھنڈی ہو کہ جب وہ اس کو دیکھے تو اس کو تسکین ہو۔

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تورات میں لکھا ہوا تھا کہ ہر شادی (جس میں شادی کرنے والے کی) محبت نہ ہو وہ قیامت کے دن حسرت اور ندامت ہو گی۔ کیونکہ جب میاں بیوی میں سے کسی ایک کو دوسرے سے محبت نہ ہو گی تو وہ دوسرے کے حقوق میں کوتاہی کرے گا جو قیامت کے دن حسرت بنیں گے، ان میں سے جس کو دوسرے سے محبت ہو گی وہ اس کی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل کرے گا اور قیامت کے دن سرخرو ہو گا۔ ہاں اگر ناجائز خواہشات کی تکمیل کی تو پھر حسرت و ندامت ہو گی اور عذاب بھگتنا

پڑے گا۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ معاف کر دے تو وہ غفور رحیم ہے، مگر اس کی مغفرت کو دیکھ کر اترانا نہیں چاہیے۔"

اگر کوئی یہ کہے کہ میں آپ کی ان باتوں کو تسلیم کرتا ہوں اور میں نے جان لیا ہے کہ محبوب سے قطع تعلق کر کے نا امیدی کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔ اب میں نے محبوب کو مکمل طور پر چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے اور حتمی طور پر اپنی طمع کو اس سے ہٹا دیا ہے۔ اب اتنی بات تو ضرور باقی ہے کہ میرا دل بے یقین ہے، سکون نہیں پاتا، ایسی جلن ہے جو مٹتی نہیں اور ایسے شعلے بھڑک رہے ہیں جو بجھتے نہیں تو کیا اس کا بھی کوئی علاج ہے۔؟

جواب: اگر تو تمہارا محبوب ایسا ہے جس سے شرعی طور پر نکاح ہو سکتا ہے اور تم اس سے نکاح کی قدرت بھی رکھتے ہو تو اس مرض کیلئے اس سے بہتر کوئی علاج نہیں، کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوئے ہیں جن کو عشق نے لاچار کر دیا تھا۔ جب ان کو اپنے محبوب سے وصال ہوا تو وہ بہت جلدی صحت یاب ہو گئے، کیونکہ نکاح عشق کو زائل کر دیتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس ایک یتیم بچی رہتی ہے جس سے نکاح کا پیغام ایک امیر اور ایک غریب نے دیا ہے جبکہ یہ لڑکی غریب و تنگدست کی طرف میلان رکھتی ہے اور ہم امیر کی طرف میلان رکھتے ہیں۔؟"

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"لم یر للمتحابین مثل النکاح"

(ابن ماجہ، مستدرک حاکم، جامع صغیر علامہ سیوطی)

"آپس میں جو دو محبت کرتے ہیں اور ان کو عشق کا مرض لگ جاتا ہے۔ اس کا علاج ان کے باہمی نکاح کرنے سے زیادہ بہتر اور کچھ نہیں پایا گیا۔"

اگر شریعت کے لحاظ سے محبوب سے شادی کرنا جائز ہو مگر تنگدستی کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو محب اللہ تعالیٰ کی طرف اس معاملہ کی آسانی کی التجاء کرے اور جس غلط طریقہ سے اس کو روکا گیا ہے اس پر صبر کرے۔ انشاء اللہ! اس کی مراد جلد پوری ہو گی۔

ایک بزرگ محمد بن جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک لونڈی رہتی تھی جس کو

میں نے فروخت کر دیا، لیکن میرا دل اس سے چمٹ گیا تو میں نے اس کے مالک کے پاس اپنی جماعت کے احباب کے ساتھ جا کر ملاقات کی اور اس سے کہا:

''میں اپنے اور تمہارے درمیان اس معاملہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور میں اس سودے پر مزید بیس دینار نفع کے بھی دینا چاہتا ہوں۔''

مالک نے ماننے سے انکار کر دیا تو میں اس سے ناکام واپس آ گیا اور خود کو بہت سنبھالا، مگر ناکام رہا۔ میں نے ساری رات جاگ کر کاٹی اور مجھے کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ میں کیا کروں۔ وہ شخص بھی ڈر گیا کہ میں اس کے پاس دوبارہ نہ پہنچ جاؤں۔ چنانچہ وہ لونڈی کو شہر مدائن کی طرف لے گیا۔ جب میں نے اپنی یہ مصیبت دیکھی تو اس کا نام اپنی ہتھیلی پر لکھا اور قبلہ رو ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر جب بھی اس کی یاد ستاتی میں اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیتا اور عرض کرتا:

''اے میرے آقا! میری یہ حالت ہے۔''

دوسرے دن جب سحری کا وقت ہوا تو ایک شخص نے میرے گھر کا دروازہ کھٹکایا۔ میں نے پوچھا:

''کون ہو۔؟''

اس نے کہا:

''میں لونڈی کا مالک ہوں۔''

میں اس کے پاس اٹھ کر گیا تو وہ میرے سامنے تھا۔ اس نے کہا:

''یہ لونڈی لے لو! اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے برکت دے۔''

میں کہا:

''تم وہ رقم اور منافع لیتے جاؤ۔''

اس نے کہا:

''میں تم سے کوئی دینار و درہم لینے کا نہیں۔''

میں نے پوچھا:

''کیوں۔؟''

اس نے کہا:

''گزشتہ رات ایک شخص خواب میں میرے پاس آیا ہے اور مجھ سے کہا کہ یہ لونڈی

ابن عبید کو واپس کر دو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا کرے گا۔"

ابوالبختری کہتا ہے:

"حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی اور آپ کا ایک مؤذن بھی تھا جو رحبہ میں رہتا تھا۔ وہ صبح اندھیرے میں اذان دے دیتا تھا اور یہ لونڈی آپ کیلئے نہر فرات سے میٹھا پانی لایا کرتی تھی۔ وہ لونڈی جب بھی اس مؤذن کے پاس سے گزرتی یہ اس کو کہتا:

"اے فلانی! اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

جب اس نے ایسا اکثر کرنا شروع کر دیا تو لونڈی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

"جب وہ تمہیں یہ کہے: "اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں" تو تم بھی اس سے کہنا: "اللہ کی قسم! میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔ اب کیا چاہتے ہو۔؟"

لونڈی نے اس سے یوں ہی کہا تو موذن نے کہا:

"ہم صبر کریں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ فرما دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

لونڈی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور مؤذن کی بات بتائی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم جاؤ اس کو ساتھ لے کر آؤ۔"

جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے اس کو خوش آمدید کہا، قریب بٹھایا اور فرمایا:

"اے فلاں! کیا تمہیں فلانی سے محبت ہے۔"

اس نے عرض کیا:

"جی ہاں! امیر المومنین۔!"

آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"کیا اسکا کسی اور کو بھی علم ہے۔؟"

اس نے عرض کیا:

"اللہ کی قسم! اور کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کو تین مرتبہ قسم دے کر پوچھا اور اس نے قسم کھا کر وہی جواب دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے یہ لونڈی تجھے دی۔ تم اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ۔ یہ اللہ ہی کے حکم سے ہے اور اللہ بہتر ہی حکم فرماتا ہے۔''

حضرت موسیٰ بن علقمہ مکی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

''ہمارے پاس مکہ مکرمہ میں ایک آدمی غلاموں اور لونڈیوں کی تجارت کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک لونڈی ایسی تھی جس کے جمال و کمال کی بڑی تعریف کی جاتی تھی۔ یہ تاجر اس کو حج کے موسم میں سامنے لاتا تھا اور اس کیلئے بڑے بڑے ہدیے اور تحفے پیش کئے جاتے، مگر یہ اس کو فروخت نہیں کرتا تھا اور بہت زیادہ قیمت مانگتا تھا۔ وہ اسی طرح سے ایک عرصہ دراز تک کرتا اور اس کا یہ قصہ بہت سے شہروں تک پھیل گیا۔ کئی لوگ حج کے بہانہ سے اس لونڈی کو دیکھنے جایا کرتے تھے۔ ہمارے ہاں ایک نوجوان عبادت گزار بھی رہتا تھا جو اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آیا اور ہمارا پڑوسی بن گیا تھا۔ اس نے بھی لونڈی کو اس کی نمائش کے دن ایک مرتبہ دیکھ لیا اور وہ اس کے دل میں اتر گئی۔ یہ اس کی نمائش کے دنوں میں اس کو آ کر دیکھتا تھا اور لوٹ جاتا تھا۔ جب لونڈی کو پردہ میں بٹھا دیا گیا تو یہ بہت غمگین اور سخت بیمار ہو گیا اور اس کا جسم پگھلنے لگ گیا۔ چنانچہ یہ لوگوں سے الگ تھلگ رہنے لگا اور اس کی مصیبت ایام حج تک طول پکڑے رہتی۔ جب یہ لونڈی نمائش کیلئے باہر نکالی جاتی تو یہ اس کو دیکھ دیکھ کر سکون پاتا تھا حتیٰ کہ وہ پھر پردہ میں کر دی جاتی۔ یہ جوان اسی طرح سے کئی سال تک دبلا پتلا ہوتا اور پگھلتا رہا۔ میں اس سے وجہ پوچھا کرتا مگر وہ اس کا اظہار نہ کرتا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک مرتبہ مجھے بتا دیا مگر یہ مطالبہ کیا کہ اس کی بات کو کسی کے سامنے ذکر نہ کروں اور نہ کوئی اور اس بات کو سنے۔ میں نے اس پر ترس کھایا کہ یہ بیچارہ کتنی بڑی مصیبت میں پھنس کر کس حالت کو پہنچ گیا ہے تو میں اس لونڈی کے مالک کے پاس گیا اور اس سے بات چیت کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس سے اس نوجوان کی بات اور اس کی تکلیف کا اظہار کر دیا۔ اب جو اس کی حالت ہو چکی تھی وہ بھی بتائی اور یہ بھی بتایا کہ وہ اس وقت موت کی حالت کو پہنچ چکا تھا۔ اس تاجر نے

کہا:

"تم میرے ساتھ چلو تا کہ میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔"

چنانچہ ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے پاس پہنچے۔ جب اس لونڈی کا مالک اس کے قریب گیا اور اس کی حالت زار دیکھی تو اپنے گھر واپس لوٹنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تاجر نے خوبصورت اور حسین لباس نکال کر کہا:

"فلانی لونڈی کا بناؤ سنگھار کرو، یہ لباس اس کو پہناؤ اور اس کے ساتھ وہ کرو جو تم حج کے موسم میں کیا کرتے تھے۔"

انہوں نے اس لونڈی کو سجا دیا، پھر اس تاجر نے اس کے ہاتھ سے پکڑا، اس کو بازار میں لے گیا اور لوگوں کو پکارا تو کثیر لوگ جمع ہو گئے۔ پھر اس نے کہا:

"اے لوگو! تم گواہ ہو جاؤ میں نے اپنی فلانی لونڈی اور اس نے جو کچھ پہن رکھا ہے سب اس نوجوان کو ہدیہ میں دیا، اس کے عوض جو اللہ تعالیٰ کے پاس میرے اس نیک کام کا انعام ہے۔"

پھر اس نوجوان سے کہا:

"تم یہ لونڈی قبول کرو۔ میری طرف سے تم کو ہدیہ ہے۔ اس مال اور زیور سمیت جو اس کے پاس ہے یا اس نے پہن رکھا ہے۔"

لوگ اس کو یہ کہتے ہوئے دور ہونے لگے کہ تم تباہ ہو جاؤ تم نے یہ کیا کیا ہے، حالانکہ تمہارے سامنے اس کے اتنے بڑے بڑے معاوضے پیش کیے جاتے تھے اور تم نے اس وقت اس کو نہیں بیچا اور اب اس جوان کو بخشش کر دی۔؟

تاجر نے کہا:

"تم سب مجھ سے دور ہو جاؤ۔ میں نے (یہ لونڈی لقمہ اجل ہونے والے نوجوان کو ہدیہ کر کے) تمام روئے زمین کے لوگوں کو زندگی دی ہے۔ (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ومن احیا فکانما احیا الناس جمیعا"

(القرآن المجید، سورۃ المائدہ، آیت نمبر 32)

"جس نے کسی ایک نفس کی زندگی بچائی تو اس نے تمام انسانوں کی زندگی بچائی۔"

بشر بن ولید نے کہا کہ میں نے امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ گزشتہ رات جب میں سونے لگا تو کسی نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے چادر اوڑھی اور باہر دروازے پر آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہرثمہ بن اعین ہے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے کہا:

''امیر المؤمنین کی خدمت میں چلو۔''

میں نے اسے کہا:

''اے ابا حاتم! میں تجھے عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ امیر المؤمنین نے مجھے ایسے وقت میں بلایا کہ مجھ پر خوف طاری ہو گیا ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس معاملے کو کل تک ٹال دے۔؟''

اس نے کہا:

''یہ بات میرے بس کی نہیں۔''

میں نے کہا:

''میرے بلانے کا سبب کیا ہے۔؟''

اس نے کہا:

''میرے پاس مسرور خادم آیا اور مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو امیر المؤمنین کے پاس لے کر آؤں۔''

میں نے کہا:

''مجھے اجازت دو کہ میں غسل کر کے خوشبو لگا لوں۔ اگر کوئی نامناسب امر ہو گا تو میرے لئے (یہ غسل و خوشبو) مفید ہو گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے عافیت دی تو یہ چیزیں نقصان نہ دیں گی۔''

اس نے اجازت دے دی تو میں نے نئے کپڑے پہن کر خوشبو لگالی۔ پھر ہم گھر سے نکل کر چلے حتیٰ کہ امیر المؤمنین کے گھر پہنچے۔ مسرور کھڑا تھا ہرثمہ نے اس سے کہا:

''میں امام صاحب کو لے آیا ہوں۔''

میں نے مسرور سے کہا:

''اے ابا ہاشم! کیا تو جانتا ہے کہ ایسے وقت میں امیر المؤمنین نے مجھے کیوں طلب

فرمایا ہے۔؟''

اس نے کہا:

''مجھے اس بات کا علم نہیں۔''

میں نے اس سے پوچھا:

''اس وقت امیر المؤمنین کے پاس اور کون ہے۔؟''

اس نے جواب دیا:

''عیسیٰ بن جعفر۔''

میں نے پوچھا:

''اور کوئی۔؟''

اس نے کہا:

''اور کوئی نہیں ہے، لیکن جب آپ صحن میں پہنچیں تو اپنا پاؤں زور سے زمین پر مارنا۔ امیر المؤمنین پاؤں کی آواز سن پوچھیں گے! ''کون ہے۔؟'' تو بتا دینا کہ میں ابو یوسف ہوں۔''

میں نے ایسا ہی کیا۔ امیر المؤمنین نے پوچھا:

''کون ہے۔؟''

میں نے کہا:

''میں یعقوب ہوں۔''

انہوں نے کہا:

''آ جاؤ۔!''

میں جب اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ امیر المؤمنین تشریف فرما ہیں اور ان کے دائیں جانب عیسیٰ بن جعفر بیٹھا ہے۔ میں نے سلام کیا تو ہارون رشید نے مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا:

''میرا گمان ہے ہم نے تجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔؟''

میں نے کہا:

''واللہ! بات کچھ ایسی ہی ہے۔''

ہارون رشید نے مجھے بیٹھنے کو کہا۔ میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ میرا خوف دور ہو گیا۔ میری طرف

امیر المومنین نے توجہ کی اور کہا:

''اے یعقوب! کیا تو جانتا ہے کہ ہم نے تجھے کیوں بلایا ہے۔؟''

میں نے کہا:

''مجھے اس کا علم نہیں ہے۔''

ہارون رشید نے کہا:

''اس (عیسیٰ بن جعفر) کے پاس ایک کنیز ہے۔ میں نے اسے کہا ہے کہ یہ کنیز مجھے ہبہ کر دو تو اس نے انکار کیا۔ میں نے کہا کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو تو بھی اس نے انکار کیا۔ خدا کی قسم! اگر یہ ایسا نہ کرے گا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔''

میں نے عیسیٰ بن جعفر کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

''تو کیوں انکار کرتا ہے اور کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔؟''

اس نے کہا:

''آپ نے بات کرنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے اور میری مجبوری کو نہ جانا۔

میں نے کہا:

''بتاؤ! حقیقت میں کیا ہے۔؟''

اس نے کہا کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اگر اس کنیز کو فروخت یا ہبہ کروں تو میری بیوی کو طلاق، سارے غلام آزاد اور میرا مال صدقہ۔ اس پر ہارون رشید میری طرف متوجہ ہوا اور کہا!

''اس مسئلے کا کوئی حل ہے۔؟''

میں نے کہا:

''ہاں!''

اس نے کہا:

''کیا حل ہے۔؟''

میں نے کہا:

''یہ عیسیٰ بن جعفر اس کنیز کو نصف ہبہ کر دے اور نصف فروخت کر دے۔''

عیسیٰ بن جعفر نے کہا:

''ایسا کرنا جائز ہے۔؟''

میں نے کہا:

"ہاں۔!"

اس نے کہا:

"میں نے اس کنیز کا نصف امیر المومنین کو ہبہ کیا اور نصف فروخت کر دیا بعوض ایک لاکھ دینار کے۔"

پس عیسیٰ بن جعفر کنیز لے آیا اور ہارون رشید نے اسے مال دے دیا۔ اس پر عیسیٰ نے کہا!

"اے امیر المومنین! آپ کو کنیز مبارک ہو۔؟"

ہارون رشید نے کہا:

"اے یعقوب! ایک چیز باقی رہ گئی۔"

میں نے کہا:

"وہ کیا۔؟"

کہا:

"یہ لونڈی ہے اور اس کا استبراء ضروری ہے اور اگر آج رات یہ مجھے نہیں ملتی تو میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔"

میں نے کہا:

"اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیں کیونکہ آزاد عورت کے استبراء کی ضرورت نہیں۔"

ہارون رشید نے کہا:

"میں نے اسے آزاد کیا۔ اب میرے ساتھ اس کی شادی کون کرے گا۔؟"

میں نے کہا:

"میں کروں گا۔"

میں نے مسرور اور حسین دونوں کی موجودگی میں خطبہ نکاح پڑھا اور بیس ہزار دینار مہر کے بدلے اس کا نکاح ہارون رشید کے ساتھ کر دیا۔ مہر لایا گیا اور اس عورت کے حوالے کر دیا گیا۔ پھر ہارون رشید نے مجھے کہا کہ آپ تشریف لے جائیں اور پھر مسرور سے کہا:

"اے مسرور!"

اس نے کہا:

"امیر المومنین! میں حاضر ہوں۔"

ہارون رشید نے کہا:

"یعقوب کو دو لاکھ درہم اور بیس تھان کپڑے کے دے دو۔"

مسرور ان چیزوں کو اٹھا کر میرے ساتھ میرے گھر تک آیا۔ بشر بن ولید امام یوسف کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

"جو آپ نے کیا اس میں کوئی حرج تو نہیں۔؟"

میں (ابو یوسف) نے کہا:

"نہیں۔"

پھر امام ابو یوسف نے کہا:

"اس میں سے اپنا حق لے لو۔"

بشر نے کہا:

"میرا کیا حق ہے۔؟"

فرمایا:

"دسواں حصہ۔"

اس پر بشر نے شکریہ ادا کیا اور اٹھ کر جانے لگا تو ایک بڑھیا آ گئی اور اس نے کہا:

"اے یعقوب تیری بیٹی (امیر المومنین کے نکاح میں آنے والی لڑکی) نے تجھے سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ بخدا آج رات مجھے وہی مال ملا ہے جو میرا مہر باندھا گیا۔ میں اس سے آدھا آپ کو بھیج رہی ہوں اور آدھا میں نے اپنی حاجت کے لئے رکھ لیا ہے۔ امام ابو یوسف نے اس بڑھیا سے فرمایا:

"اسے واپس لے جاؤ! خدا کی قسم! میں اس مال کو قبول نہ کروں گا۔ میں نے اس لڑکی کو غلامی کی زندگی سے نکال کر ہارون رشید کی زوجیت میں دیا اور وہ مجھ سے راضی ہوئی۔"

لڑکی کے بار بار اصرار کی وجہ سے آپ کو ایک ہزار دینار لینے پڑے۔

سنت ولیمہ:

نکاح کے اعلان کی ایک اور صورت اختیار کی گئی ہے جس کی دلچسپی اور پاکیزگی کا ہر ایک کو اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت کے پاس شب باشی کے بعد دعوت مستحب ہے۔ حدیثوں میں دعوت ولیمہ کی خاص تاکید پائی جاتی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعوت دی ہے اور لوگوں کو ولیمہ کا کھانا کھلایا ہے۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جب آپ ﷺ نے عقد کیا تو بکری ذبح کی گئی اور اس کے گوشت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت ولیمہ کی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو حیس پکوایا اور لوگوں کو کھلایا۔ حیس ایک خاص طرح کا عربی کھانا ہوتا ہے جو کھجور، پنیر اور گھی ملا کر بنتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض ازواج مطہرات میں اور کچھ فراہم نہ ہو سکا تو دو مد جو سے دعوت کی۔

(مشکوٰۃ المصابیح) (سنن ابن ماجہ، باب الولیمہ)

صحابہ کرام کو بھی دعوت ولیمہ کی تاکید فرمائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

”ولم ولو بشاۃ“

(صحیح بخاری، باب الولیمہ حق)

”دعوت ولیمہ کرو! اگرچہ ایک ہی بکری سے ہو“

بعض لوگوں نے اسی وجہ سے اس دعوت کو واجب کہا ہے، مگر صحیح یہی ہے کہ سنت ہے یا مستحب۔ جس کو جتنا میسر ہو لوگوں کو بھی کھلانے کی سعی کرے، یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ قرض لے کر اور سود ادا کر کے روپیہ ملے تو بھی ضرور لے اور دعوت ولیمہ کرے۔

دعوت ولیمہ کا ایک طرف حکم ہے اور دوسری طرف جن لوگوں کو دعوت ملے ان کو حکم ہے کہ ضرور دعوت ولیمہ میں شریک ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

”اذا دعی احدکم الیٰ ولیمۃ عرس فلیجب“

(سنن ابن ماجہ، باب اجابۃ الداعی)

”شادی میں جب کسی کو دعوت ولیمہ دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہیے۔“

تاکید نبوی ہے کہ دعوت ایسی نہ ہونی چاہیے کہ مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے، بلکہ بھوکوں اور غریبوں کو بھی بلایا جائے۔ ارشاد نبوی ہے:

"شر الطعام طعام الوليمه يدعى الا غنياء و يترك الفقراء"
(صحیح بخاری و مسلم)

"بدترین ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں مالدار بلائے جائیں اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔"

ایک مرتبہ فرمایا:

"من ترك الدعوة فقد عصى الله و رسوله متفق عليه"
(مشکوۃ المصابیح، باب الولیمہ)

"جس نے ولیمہ کی دعوت کے باوجود شرکت نہ کی اس نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی۔"

ان حدیثوں کو سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس دعوت کی کتنی اہمیت ہے۔ اس میں اظہار خوشی کے ساتھ ساتھ ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ نکاح کی خوب شہرت ہوتی ہے اور کسی کو شک و شبہ کا موقع نہیں ملتا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلان و شہرت کا بڑی حد تک مقصد یہی ہے کہ عفت و عصمت کی پوری طرح حفاظت عمل میں آئے اور کوئی اس راستہ سے ناجائز طور پر عفت و عصمت نہ لوٹ سکے کہ نکاح کا نام لے کر کوئی بدنیت دوسری کاروائی نہ کر سکے اور ساتھ ہی جائز نکاح کے سلسلہ میں کسی کے دل میں شکوک و شبہات نہ رہ جائیں۔

زوجین میں نااتفاقی پھیلانا:

1: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من خبب امراة على زوجها فليس منا"

"جو شخص کسی عورت کو اس کے خاوند کے خلاف بھڑکائے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

2: بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی تھا جو کپڑا بننے کا کام کرتا تھا۔ اس کی بیوی بنی اسرائیل کی تمام عورتوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اس کے حسن کی شہرت بنی اسرائیل کے ایک ظالم بادشاہ تک جا پہنچی تو اس بادشاہ نے اس عورت کے پاس ایک بڑھیا کو بھیجا اور کہا:

"تم اس کو اس کے خاوند کے خلاف کر دو اور کہو کیا تم اتنی خوبصورت ہونے کے

باوجود ایک کپڑا بننے والے کے پاس پڑی ہو۔؟ اگر تم میرے پاس ہوتی تو میں تجھے سونے سے لاد دیتی، تجھے ریشم پہناتی اور نوکر چاکر تیری خدمت کو مقرر کرتی۔"

چنانچہ اس بڑھیا نے ایسا ہی جا کر کہا۔ یہ حسین و جمیل عورت اپنے خاوند کیلئے روزہ افطاری پیش کرتی تھی اور اس کا بستر سنوارتی تھی۔ اس نے یہ خدمت چھوڑ دی اور خاوند کے حق میں بگڑ گئی۔ خاوند نے پوچھا:

"اے ہنات! تجھے کیا ہو گیا ہے۔؟ تمہاری ایسی بد خلقی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔؟"

عورت نے کہا:

"بس ٹھیک ہے۔ جو میں نے کیا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو۔!"

اس نیک آدمی نے اس کو طلاق دے دی اور اس ظالم بادشاہ نے اس سے شادی کر لی۔ جب وہ حجلۂ عروسی میں گیا اور پردے چھوڑ دیئے تو بادشاہ بھی اندھا ہو گیا اور وہ عورت بھی اندھی ہو گئی۔ بادشاہ نے چاہا کہ چلو اس کو ہاتھ سے تو چھولوں تو اس کا وہ ہاتھ بھی خشک ہو گیا پھر اس عورت نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو چھونا چاہا تو اس کا ہاتھ بھی خشک ہو گیا اور یہ دونوں بہرے اور گونگے ہو گئے۔ ان کی شہوت مٹا دی گئی۔ جب صبح ہوئی اور پردے ہٹائے گئے تو یہ بہرے، اندھے اور گونگے پائے گئے۔ ان کی خبر بنی اسرائیل کے ایک نبی کے سامنے عرض کی گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

"الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔؟"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"میں ان کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کیا یہ دونوں یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ انہوں نے اس کپڑا بننے والے سے کیا ہے میں اس کو نہیں دیکھتا۔؟"

:3 حضرت عثمان بن عطا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد سے اپنے گھر تشریف لاتے تھے تو گھر کے دروازہ پر اللہ اکبر کہتے تھے تو آپ کی اہلیہ بھی اللہ اکبر کہتی تھیں۔ جب آپ گھر کے صحن میں داخل ہوتے تھے تو بھی اللہ اکبر کہتے تھے تو بھی ان کی بیوی ان کو جواب دیتی تھیں۔ پھر جب وہ کمرہ کے دروازہ پر پہنچتے تھے اس وقت بھی اللہ اکبر کہتے تھے اور آپ کی بیوی ان کو جواب دیتی تھیں۔

ایک رات وہ گھر واپس آئے اور گھر کے دروازہ پر تکبیر کہی تو ان کو کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر جب صحن میں داخل ہوئے اور تکبیر کہی تو بھی ان کو کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر جب کمرہ کے دروازہ پر پہنچے اور تکبیر کہی تو بھی آپ کو کسی نے جواب نہ دیا۔ حالانکہ ان کی عادت یہ تھی کہ جب آپ گھر میں آتے تو ان کی بیوی ان کی جبہ اور جوتے اتارتی پھر ان کے پاس کھانا لاتی۔

کہتے ہیں کہ جب آپ اس دن گھر میں داخل ہوئے تو گھر میں دیا تک نہیں جلایا گیا تھا اور ان کی بیوی گھر میں سر نیچا کیے ہوئے لکڑی سے زمین کو کرید رہی تھیں۔ آپ نے بیوی سے پوچھا:

"تجھے کیا ہوا۔؟ آج تم بگڑی ہوئی کیوں ہو۔"

تو اس نے کہا:

"آپ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بڑا مرتبہ ہے (وہ آپ کی بہت عزت کرتے ہیں) ہمارا کوئی نوکر نہیں ہے اگر آپ ان سے اس کا ذکر کرتے تو وہ غلام ہماری خدمت کرتا اور آپ کو غلام بھی مل جاتا۔"

آپ نے یہ سن کر یہ دعا کی:

"اللھم من افسد علی امراتی فاعم بصرہ"

"اے اللہ! جس نے میری بیوی کو میرے خلاف بگاڑا ہے اس کو اندھا کر دے۔"

آپ کی بیوی کے پاس ایک عورت آئی تھی اور وہ یہ کہہ گئی تھی کہ تیرے خاوند کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بڑا مقام و مرتبہ ہے اگر تم ان سے کہو کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کسی خادم کا مطالبہ کریں اور وہ اس کو خادم دے دیں تو تم عیش سے رہو۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جب فساد پھیلانے والے کے لیے اندھے ہونے کی بددعا کی تو وہ عورت اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک اپنی بینائی کھونے پر کہنے لگی:

"ہمارے دیئے کو کیا ہو گیا وہ کیوں بجھ گیا ہے۔؟"

گھر والوں نے کہا:

"نہیں! وہ کہاں بجھا ہے وہ تو جل رہا ہے۔"

اس وقت اس عورت کو معلوم ہوا کہ میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ پھر وہ حضرت ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روتی ہوئی حاضر ہوئی اور آپ سے درخواست کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری بینائی واپس لوٹا دے۔ حضرت ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ترس کھایا اور اللہ

تعالیٰ سے اس کی بینائی واپس کرنے کی دعا فرمائی تب اس کی بینائی لوٹ کر آئی۔

حضرت ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مشہور تابعی اور صاحب کرامت ولی تھے۔ پہلے یہ ایک کافروں کے ملک میں رہا کرتے تھے۔ جب یہ اسلام لائے تو ان کو بڑی بڑی سزائیں دی گئیں، لیکن یہ اسلام پر قائم رہے حتیٰ کہ آگ جلا کر ان کو اس میں ڈالا گیا تو آگ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا بلکہ نار نمرود کی طرح بالکل ٹھنڈی اور معتدل رہی۔ آپ اس سے زندہ سلامت نکل آئے تو اس ملک کے ظالم بادشاہ نے آپ کو ملک بدر کر دیا۔

پاکیزہ نفس عورت رسول اللہ کی نظر میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الدنیا کلھا متاع و خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ"

(صحیح مسلم)

"پوری دنیا متاع ہے اور بہترین متاع نیک عورت ہے۔"

جس دین میں عورت دنیا کی بہترین نعمت ہو اس میں یہ کیونکر برداشت کیا جا سکتا ہے کہ اس کو ناپاک قرار دیا جائے اور اس سے کنارہ کشی کا حکم فرما دیا جائے۔؟ باقی یہ سوال کہ نیک عورت دنیا کی بہترین پونجی ہے۔ سوچا جائے تو آسانی سے بات سمجھ میں آ سکتی ہو۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عورت مرد کو بہت سے خطرات وسیئات سے محفوظ رکھتی ہے۔ طبیعت کو اس سے تسکین حاصل ہوتی ہے اور فطری بے چینیوں کے ازالہ کا ذریعہ وہی ہے۔ یہ ایک مسلّم بات ہے کہ انہی امور کے حصول کے بعد کوئی آدمی یکسوئی سے کوئی نیک کام انجام دے سکتا ہے اور برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ ورنہ نفسیاتی خواہشات کے ادھیڑ پن سے فرصت ملنا ہی محال ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حبب الّی من الدنیا النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ"

(عشرۃ النساء)

"دنیا کی چیزوں میں سے میرے دل میں عورت اور خوشبو کی محبت ڈالی گئی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز کو بنایا گیا۔"

☆☆☆

باب نمبر 5:

غیر شادی شدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں......

نکاح نہ کرنے کے نقصانات

اصل مسکین:

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ شخص مسکین ہے جس کی بیوی نہیں ہے۔"

صحابہ کرام نے عرض کیا:

"گو وہ کثیر المال ہو تب بھی۔؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہاں! گو وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ عورت مسکین ہے، جس کا شوہر نہیں ہے۔"

لوگوں نے پوچھا:

"یا رسول اللہ! اگر چہ اس کے پاس بہت مال ہو تب بھی مسکین ہی ہے۔؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہاں تب بھی وہ مسکین ہی ہے۔"

(جمع الفوائد، کتاب النکاح، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۲۱۶)

یہ اور اس طرح بیسیوں حدیثیں ہیں جو صراحتاً نکاح کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان تمام حدیثوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں عقد ازدواج پر کتنا غیر معمولی اصرار کیا گیا ہے، مقصود یہی ہے کہ جنسی میلان کو حدود میں رکھ کر افزائش نسل کا ذریعہ بھی اس کو بنایا جائے اور

عصمت و عفت کے انمول سرمایہ کی حفاظت کا بھی واحد ذریعہ یہی ہے۔

نکاح سے مقصود:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بالکل صحیح فرمایا ہے:

"ویتزوج لکسر الشھوۃ و اعفاف النفس و تکثیر النسل"

(فتح الباری، پارہ ۲۱، صفحہ نمبر ۲۷)

"شادی شہوت توڑنے، نفس کو عفیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لئے کی جاتی ہے۔"

حضرت عثمان بن مظعون:

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ نکاح سے بعض لوگ پرہیز ہی کو بہتر سمجھتے ہیں تو ان کو فہمائش کر کے شادی کر لینے پر آمادہ کیا۔

حدیث میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ انھوں نے عورتوں سے کنارہ کشی کر لی اور خصی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا کہ شہوت کی زحمت سے نجات پائیں اور فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور رات دن اسی میں مشغول رہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے اس جذبہ کی تردید فرمائی اور بالآخر حضرت عثمان بن مظعون کو اس ارادہ سے باز آنا پڑا۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح)

تین صحابیوں کو نصیحت:

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر آئے اور آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کی عبادت کے متعلق پوچھا۔ ان سے آپ کی عبادت کی کیفیت بیان کی گئی۔ یہ سنکر انھوں نے جو رائے ظاہر کی اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ شاید وہ آپ کی عبادت کو کم سمجھ رہے ہوں۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

"کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کے وسیلے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور کہاں ہم سراپا گنہگار۔"

ایک نے کہا:

"میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔"

دوسرے نے کہا:

''میں دن میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا۔''

تیسرے نے کہا:

''میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا اور شادی سے ہمیشہ پرہیز کروں گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی جب اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا:

''تم لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں۔؟ سنو! خدا کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے بڑھ کا متقی ہوں، لیکن بایں ہمہ روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ پس جو بھی میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

(صحیح بخاری، کتاب النکاح)

اس حدیث کے آخری حصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تنبیہ کی جنھوں نے فخریہ انداز میں کہا تھا کہ عورتوں سے علیحدہ رہیں گے اور شادی سے پرہیز کریں گے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمل پیش فرما کر ان کے خیال کی تردید کی اور آخیر میں فرمایا:

''اتزوج فمن رغب عن سنتی فلیس منی''

(صحیح بخاری، باب الترغیب النکاح)

''میں شادی کرتا ہوں، پس جو میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

حضرت عکاف بن بشیر:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عکاف بن بشر تیمی رضی اللہ عنہ ایک دن خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

''اے عکاف! تمہارے بیوی ہے۔؟''

حضرت عکاف نے جواب دیا:

"نہیں۔!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"لونڈی۔؟"

حضرت اعکاف نے کہا:

"یہ بھی نہیں۔"

یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صلاحیت رکھتے ہو اور خوشحال بھی ہو پھر بایں ہمہ تم نے شادی سے گریز کیا:

"اذا انت من اخوان الشیاطین"

(مسند امام احمد)

"تب تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔"

پھر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی کرا دی۔

حضرت ابو ہریرہ:

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی خدمت نبوی میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں ایک جوان مرد ہوں۔ زنا کا خطرہ محسوس کرتا ہوں اور اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ شادی کر سکوں۔"

ان کا منشاء یہ تھی کہ خصی ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر یہی عذر بیان کیا اور اجازت کی درخواست کی۔ اب کی دفعہ بھی آپ ﷺ نے خاموشی ہی اختیار فرمائی۔ تیسری مرتبہ پھر حضرت ابو ہریرہ نے اپنا سوال دہرایا۔ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابو ہریرہ! جو کچھ ہونے والا ہے، وہ لکھا جا چکا ہے۔ تم خصی ہو یا نہ ہو۔ پھر تم خواہ مخواہ ایک موہوم خدشہ کی وجہ سے غلط اقدام کی اجازت طلب کرتے ہو۔؟"

(صحیح بخاری، باب ما یکرہ عن التبتل)

اسی بنیاد پر اپنے آپ کو خصی بنا لینا اسلام میں ناجائز ہے۔

شادی کا تاکیدی حکم:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہم لوگوں کو سختی سے اس

بات سے منع فرماتے تھے کہ ہم عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اور فرماتے تھے کہ تم لوگ شادی کرو۔

(بلوغ المرام، لابن حجر، کتاب النکاح)

بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ داریوں کے قبول کرنیکی اجازت کسی کی معاشی حالت اگر نہ دیتی ہو تو ایسوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ روزے رکھ کر جنسی میلان کے زور کو توڑیں، لیکن اپنے آپ کو خصی بنانے کی اجازت اسلام میں نہیں دی گئی۔ روزہ ہی کو خصی بنانے کا قائمقام قرار دیا گیا ہے۔

بہرحال پیغمبر اسلام نے بڑے شدومد سے نکاح سے کنارہ کشی کرنے والوں کی تردید فرمائی اور فرمایا ہے کہ یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ ایک ایسی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دی ہے یہ اسکو ضائع کرنا ہے۔

نکاح کا یہ تاکیدی حکم مصلحت وحکمت پر مبنی ہے۔ انسان کی سرشت میں جنسی میلان رکھا گیا ہے، بلوغ کے بعد اس میلان کے آثار کا ظہور شروع ہوتا ہے اور بتدریج شدت پذیر ہوتے ہوئے، تقاضے کا رنگ اختیار کرلیتا ہے۔ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے، ہر وقت اسی احساس کو اپنے اوپر غالب ومستولی پاتا ہے۔ دل اور عقل میں جنگ جاری رہتی ہے۔ طبیعت حدود کی پروا کئے بغیر ابھارتی ہے کہ خواہش پوری ہو۔ خواہ جس ذریعہ سے بھی ہو۔ عقل خواہش پر لگام لگاتی ہے۔ الغرض طبیعت اور عقل کی اس کشمکش میں کبھی عقل کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی طبیعت ہی عقل کو دبا دیتی ہے۔ غیر ازدواجی زمانہ خصوصاً ایام شباب میں یہی کشمکش ہے جس سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں۔

مگر انسان جب شادی کرلے اور جائز راستہ حصول خواہش کے لئے پیدا ہو جائے تو پھر وہ اس خود آفریدہ کشمکش سے نجات پا جاتا ہے اور لاحاصل خیالات کی ادھیڑ بن سے محفوظ ہو کر وقت کو صحیح مصارف میں صرف کرنے کا موقع خود بخود مل جاتا ہے۔ طمانیت اور یکسوئی میسر آتی ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو کام یکسوئی اور دل کی طمانیت کے ساتھ انجام پائے گا وہی نتیجہ خیز ہو گا۔

انسانی صحت کی حفاظت:

زن وشوہر کے باہمی جنسی تعلقات کے تین ضروری مقاصد بیان کئے گئے ہیں، یعنی نسل

انسانی کے اجراء کا یہ ذریعہ ہے، یہ تو خیر عام بات ہے۔ قیام قیامت تک آدمی کا وجود اسی کا رہینِ منت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہوئی، دوسرا طبی نفع بھی۔ مادہ تولید اگر جسم سے خارج نہ ہو تو طرح طرح کے امراض کا خطرہ رہتا ہے اور طبعی تقاضے کی تکمیل سے لذت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ یہ تیسرا فائدہ کہ ہے کہ ماہرین ڈاکٹروں اور حکیموں کی رائے ہے کہ انسانی صحت کی حفاظت کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب جماع بھی ہے۔

(زادالمعاد، از ابن قیم الجوزیہ، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۱۴۶)

مادہ تولید کا حبس:

جالینوس کا قول ہے کہ مادہ تولید پر آگ اور ہوا غالب ہے اور اس کی طبیعت گرم و تر ہے۔ اس کا فاضل حصہ بھی روک لیا جاتا ہے، یا رُک جاتا ہے اور اسی طرح ایک عرصہ تک رُکا رہتا ہے تو اس سے خراب قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ کبھی وسواس کی بیماری ہوتی ہے، کبھی جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ نیز مادہ تولید کا اخراج متعدل صحت پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے۔ بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے، ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زیادتی کے وقت انسانی طبیعت اس کے باہر نکالنے پر مجبور ہوتی ہے۔

نفیسی جو طب کی مشہور کتاب ہے، اس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت سے مقاربت اس وقت کرنا چاہیے جب طبعی خواہش پوری قوت سے اس کی متقاضی ہو۔ طبیعت کا واقعی تقاضا ہو تکلف اور جبری تصورات و خیالات کا نتیجہ نہ ہو۔ علامت طبعی تقاضے کی یہ ہے کہ مادہ تولید میں گویا اضطراب و التہاب کی کیفیت محسوس ہو، بے قراری کا سا حال طاری ہو جائے۔ یہی مقاربت کا صحیح وقت ہے۔ ورنہ بغیر اس کے صحت کو اس فعل سے نقصان ہی پہنچتا ہے۔

آخر میں علامہ نفیسی لکھتے ہیں:

"وحینئذ لا بد من الجماع و دفع المنی لانه اذا ترك و كثر فی الاوعیة خنق الحار الغریزی و اطفاه و یلزم ذلك ان یبرد و یبرد البدن"

(نفیسی، صفحہ نمبر ۴۱۳)

"اور اس وقت مقاربت اور مادہ تولید کا خارج کرنا ضروری ہے، کیونکہ اگر اسے

ترک کر دیا جائے گا اور وہ ظرف میں زیادہ ہو جائے گا تو حرارت عزیزی کا یہ گلا گھونٹ دیگا اور اسے بجھا دیگا، اور یہ لازم ہوگا کہ وہ خود ٹھنڈا پڑ جائے گا اور بدن کو بھی ٹھنڈا کر دے گا۔"

نقصانات یہیں ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ اور بھی مفاسد پیدا ہوتے ہیں:

"وقد يستحيل المنى الىٰ طبعيته سمية ويرسل الىٰ القلب و الدماغ بخاراً رديا سميا يوجب الغشي والصرع انحو هما"

(نفیسی، صفحہ نمبر ۲۱۳)

"مادہ تولید زہر آلود طبیعت میں بدل جائے گی اور یہ زہر آلود مادہ دل اور دماغ کی طرف زہر آلود ردی بخار کو روانہ کر دے گا جو غشی مرگی اور اس طرح کی دوسری بیماریوں کا موجب ہوگا۔"

پھر آگے لکھتے ہیں:

"مادہ تولید جو خود نکلنے کے لئے بے چین ہو تو اس کا خارج کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ غذا قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے۔"

(نفیسی، صفحہ نمبر ۲۱۴)

علامہ ابن القیم نے بہت درست لکھا ہے کہ مقاربت سے بالکل کنارہ کش نہ ہونا چاہیئے ورنہ جس طرح اس کنوئیں کا پانی خراب ہو جاتا ہے جس کا پانی نکالا نہیں جاتا، یہی حشر کلی پرہیز کا بھی ہوگا۔ محمد بن زکریا فرماتے ہیں کہ ترک مقاربت سے اگر وہ کچھ عرصہ قائم رہے تو اعصاب کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں، اس کے سوت بند ہو جاتے ہیں اور نسلی عضو سکڑ کر رہ جاتا ہے۔

(زاد المعاد، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۱۴۶)

ایک موقع پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وربما غلبت على الرجل شهوته فيتضر بالتا خير في بدنه او قلبه او في بصره"

(نووی شرح مسلم، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۴۵۰)

"مرد پر جنسی میلان کا تقاضا بسا اوقات مستولی ہو جاتا ہے، اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر سے کام لیا جائے گا تو نقصان بدن کو بھی پہنچتا ہے، دل کو بھی اور بینائی کو بھی۔"

ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ شادی کرنا ضروری ہے، کیونکہ مادہ تولید کا اخراج تقاضے کی شدت کے وقت نہ کیا جائے گا تو صحت بھی بگڑتی ہے اور اس کے سوا بھی دینی و دینوی نقصانات کا آدمی نشانہ بن جاتا ہے۔

مادہ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوب صورت عورتوں کو دیکھنا آدمی کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی ہے، اس بخار کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف بھی آتا ہے، جسکی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی ہے اور مقاربت کی قوت ابھرتی ہے اور یہ عموماً نوجوانی کے دور میں ہوتا ہے۔ شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا کے لئے ابھارتی ہے۔ اس کے اخلاق گندے ہونے شروع ہوتے ہیں اور ایک دن شہوت اسے بڑے خطروں میں ڈال دیتی ہے۔
(حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۲۲)

ہمبستری کے فائدے:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج"

(مشکوۃ المصابیح)(صحیح بخاری)(صحیح مسلم)

"اے جماعت نوجوانان! تم میں سے جو اسباب مقاربت پر قدرت رکھے اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرے، نکاح ناجائز نظر کو روکتا ہے اور شرمگاہ کا محافظ ہے۔"

جالینوس نے اپنی کتاب "حفظ الصحۃ" میں لکھا ہے:

"بیوی سے اختلاط مخصوص اعتدال کے ساتھ تندرستی کے مختلف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے اور بہت سے امراض کی شفاء ہے۔"

علامہ نفیسی لکھتے ہیں:

"مقاربت کرنے سے حرارت عزیزی بڑھتی ہے اور یہ فعل بدن کو غذا قبول کرنے کی صلاحیت بخشتا ہے، انسان کو خوش رکھتا ہے، غصہ کو توڑتا ہے، بے ہودہ خیالات کو دور کرتا ہے اور بہت سے سوداوی اور بلغمی امراض کے لئے مفید ہے۔ ترک مقاربت صحت کے لئے مضر ہے اور اس سے پرہیز کرنے والا بہت سی تکلیفوں اور مہلک

بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

(نفیسی، صفحہ نمبر ۴۱۵)

حضرت شیخ الاسلام اپنے ایک ارادتمند کو لکھتے ہیں:

"اما قولکم ان الباطن مع الاشتغال بالزوجة لا یمکن فلا کاذا سلمه فان الجماع یصفی القلب ویزیل الکدورات الروحیة وقد قال شارح کتاب القاضی عیاض کل شهوة یسود القلب الا الجماع فانه یزیده صفاء"

"تمہارا یہ کہنا کہ شادی کرنے کے بعد باطن کی اصلاح ناممکن ہے میں اسے تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ مقاربت تو دل کو جلا بخشتی ہے اور روحانی آلائشوں کو صاف کرتی ہے۔ قاضی عیاض کے شارح نے کہا ہے کہ ہر شہوت قلب کو سیاہ کرتی ہے، مگر ایک مقاربت کا فعل کہ اس سے دل کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔"

مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اعتدال کے حدود کو توڑ کر اسی مشغلہ میں آدمی ڈوب جائے، کیونکہ یہ بے اعتدالی بھی سخت مضر ہے۔ جالینوس اور نفیسی کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں ان میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ اس فعل میں اعتدال کا لحاظ از بس ضروری ہے۔ صادق اور سچے تقاضے کے بعد ہی یہ مفید ہے، ورنہ خواہ مخواہ زور و جبر سے آمادہ ہو کر اس میں مشغول ہونا حد سے زیادہ مضر ہے۔ نفیسی لکھتے ہیں:

"والافراط فی الجماع یسقط القوة و یضرا العصب فیوقع فی الرعشه والفالج والتشنج ویضعب البصر"

(نفیسی، صفحہ نمبر ۴۱۶)

"مقاربت کی کثرت قوت کو گھٹا دیتی ہے، رگ پٹھوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ پھر رعشہ، فالج اور تشنج اس سے پیدا ہوتا ہے اور بینائی کی قوت کمزور ہوتی ہے۔"

معلوم ہوا کہ مقاربت کی زیادتی انسان کو سخت نقصان میں ڈالتی ہے۔ اس سے پرہیز بڑی حد تک ضروری ہے۔ اس حد تک رہے جو اس کی صحت کے لئے مفید ہو اور دین کے کاموں میں الجھنوں سے محفوظ رکھے۔

☆☆☆

باب نمبر 6:

نکاح......امیر بننے کا ایک اہم ترین نسخہ

بے حد ترغیب:

اسلام اپنے پیروکار کو جائز طور پر شادی کرنے کی بے حد ترغیب دیتا ہے۔ ناقابل برداشت حد تک جنسی میلان کا تقاضا پہنچ جائے تو نکاح اسلام میں واجب ہو جاتا ہے۔ فقہاء اسلام کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

نکاح غنی بننے کا سبب ہے:

نکاح کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ معاشی خطرات کو خواہ مخواہ محسوس کر کر کے نکاح سے جو کترانا چاہتے تھے، قرآن مجید میں انہی کو حکم دیا گیا ہے:

"ان یکونو افقرآء یغنیھم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم"

(سورۃ النور)

"اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ کشائش والا ہے۔"

رزق من جانب اللہ:

معاشی مسائل کے متعلق صرف عقلی مشوروں پر چلنے والے جن اوہام اور وساوس میں تہ و بالا ہوتے رہتے ہیں، وہی اکثر سوچتے ہیں کہ شادی کیسے کریں؟ افلاس نے گھر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، بیوی اور پھر بال بچوں کی خوراک و پوشاک کا کیا نظام ہوگا؟

اس قسم کی تنگ خیالیوں کے معاملہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کیطرف سے دلاسا اور تسلی دی گئی ہے کہ اس مسئلہ کو اتنا پریشان کن نہ بناؤ۔ رزق کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے۔ بار بار قرآن مجید میں اطمینان دلایا گیا ہے۔

"ویرزقہ من حیث لا یحتسب"

(سورۃ الطلاق)

''اور وہ اسکو رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی نہیں گزرتا۔''

''نحن نرزقکم وایاھم''

(سورۃ الانعام)

''ہم تم کو اور تمہاری اولاد کو رزق دیں گے۔''

مطلب یہی ہے کہ حال پر مستقبل کو قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ الرزاق ذوالقوۃ المتین پر اعتماد کرکے چاہیئے کہ نکاح کا زمانہ جب آجائے تو آدمی نکاح کرلے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیوی کی شرکت کی وجہ سے خیر و برکت بڑھ جائے۔ بیوی کا خاندان امداد کرے یا کسی جائز ذریعہ معاش کا بندوبست کردے۔ خود شادی کرنے والے میں شادی کے بعد مستعدی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، کبھی خود بیوی ہاتھ بٹاتی ہے اور کبھی اس طرح کا کوئی دوسرا سامان فراہم ہو جاتا ہے۔

فقر و فاقہ کے شبہات و شکوک کا حل:

نکاح کے بعد بھی اگر کسی کا فقر قائم نظر آئے تو یہ دراصل مشیّت الٰہی سے متعلق ہے، مگر چونکہ یہاں پہنچ کر انسان کو کئی قسم کے فقر و افلاس سے شبہات پیدا ہوتے ہیں، اس لئے اس موقعہ پر قرآن مجید نے خصوصیت سے اس موہوم خطرہ کا تذکرہ کرکے اس سے انسان کو نکالنے کی سعی کی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شآء''

''اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو اللہ آئندہ تم کو اگر اس نے چاہا غنی کردے گا۔''

اس آیت میں بھی غنا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کیا گیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موہوم فقر سے ڈر کر ضروری کام چھوڑنا نہیں چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فقر کے بعد بھی غنا پیدا کردیتا ہے۔ بہر حال ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ رب العزت نے انسان کو شادی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فقر کو حیلہ بنا کر نکاح سے کترانا بے ہودہ خیال قرار دیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کھل کر وعدہ کیا ہے کہ اگر اس میں استعداد و صلاحیت ہو اور اس نے فوری محتاجی اور تنگ دستی کے خطرات کو دل سے نکال ڈالا ہے تو ایسی حالت میں وہ کوئی نہ کوئی سامان ضرور کردے گا۔ ہاں انسان کا فریضہ ہے کہ وہ حصول رزق کے لئے تدابیر اختیار کرے اور اس کے لئے جدوجہد کرے۔

قرآن مجید کی آیت:

"ان یکونوا فقراء یغنیھم اللہ من فضلہ"

کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نکاح کی رغبت دلاتا ہے اور اس شخص کو شادی کا حکم دیتا ہے جس میں شادی کی صلاحیت پائی جائے اور ساتھ ہی غنا کا وعدہ فرماتا ہے۔"

(جمع الفوائد، صفحہ نمبر 216)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شادی کے ذریعہ غنا تلاش کرو، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"التمسوا الغنی فی النکاح"

"غنا نکاح میں تلاش کرو۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثلاثۃ حق علی اللہ عونھم المکاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید العفاف و المجاھد فی سبیل اللہ"

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح)

"جن کی مدد اللہ پر لازم ہے وہ تین ہیں۔ ایک مکاتب غلام جو ادا کا ارادہ رکھتا ہے، دوسرا نکاح کرنے والا جو عفت و پاک دامنی کا ارادہ کرتا ہے اور تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔"

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عورتوں سے شادی کرو، وہ تمھارے یہاں مال اور دولت لانے کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی آمد کی وجہ سے روزی میں برکت دے گا۔"

حضرت جابر کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر کے شادی کرے اور دل میں اسکی خوشنودی کا جذبہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس شخص کی مدد کرے اور اس کو برکت عطا کرے۔"

حالت فقر میں اجازت نکاح:

رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے فقر کا شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے اس کو نکاح کرنے کا حکم

فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے فوری فقر میں صحابہ کرام کو شادی کا حکم دیا۔ کسی کے پاس کچھ نہ تھا۔ صرف لوہے کی ایک انگوٹھی تھی اور آپ نے اسے شادی کا حکم دے دیا۔ کسی صحابی کی تعلیم قرآن پر شادی کرادی جس کے پاس اس کے سوا کوئی دولت نہ تھی۔ کوئی خدمت نبوی میں آیا اور شادی کی خواہش ظاہر کی اور اسکے پاس ایک ازار (لنگی) کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے شادی کی اجازت دے دی۔ کسی نے اپنی بیوی کو صرف جوتی دی اور آپ ﷺ نے شادی کی اجازت دی۔ حد یہ ہے کہ ایک لپ ستو اور کھجور پر شادی کی اجازت دے دی۔

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الصداق) (صحیح بخاری وصحیح مسلم، باب المہر)

ان حدیثوں کو پیش کر کے کہنا یہ ہے کہ عہد نبوی میں خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس طرح کے واقعات پیش آئے جو بتاتے ہیں کہ تنگ دستی اور فقر وفاقہ کے اس عالم میں شادی کی اور کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت دی اور رزق کا سامان فرمایا۔

اسلام نے شادی کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ اور پیغمبر اسلام نے لوگوں کی شادی ایسی تنگدستی میں کیوں کرائی؟ سوچا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ سارا اہتمام اس لئے عمل میں آیا کہ عفت وعصمت کی پاکیزہ زندگی میسر آئے اور اس طرح جائز طور پر بچے پیدا ہوں، جس سے پاکبازی پھیلے اور پھر دنیا میں اخلاق اور عزت پر کوئی اثر نہ پڑے۔

ہاں! انسان میں شادی کی جب بالکل صلاحیت نہ ہو، نہ بالفعل اور نہ بالقوت۔ وہ دائمی طور پر مجبور ہو یا اس کو بیوی نہ مل سکے تو ایسی حالت میں اسلام نے اجازت دی ہے کہ اس وقت تک شادی روکی جاسکتی ہے جب تک انسان میں صلاحیت واستعداد نہ آجائے یا بیوی نہ مل جائے، مگر اس حالت میں بھی اسے عفت اور پاک دامنی کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

”ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ“

(سورۃ النور)

”ایسے لوگ جن کو نکاح کی استعداد نہیں ہے وہ ضبط کریں تا آنکہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔“

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے رشتہ ازدواج پر زور ڈالا ہے اور بالکل مجبوری کی حالت میں حکم دیا

ہے کہ ضبط نفس اور پاک دامنی سے کام لے اور ضبط نفس کی جو جائز صورت ہو عمل میں لائے۔ رحمت عالم ﷺ نے ایسے مجبور آدمی کے لئے حکم دیا ہے کہ روزہ رکھ کر خواہشات نفسانی کا زور توڑے، ایسا نہ ہو کہ شہوت کا غلبہ کہیں بدکاری پر آمادہ کرے:

”ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه ،وجاء“

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح)

”جو شخص اسباب جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ اس پر روزہ لازم ہے کہ وہ شہوت کو توڑتا ہے۔“

کتب احادیث میں متعدد صحابہ کرام کے متعلق تذکرہ ملتا ہے کہ وہ مجبوری کی وجہ سے شادی نہ کر سکے، حالانکہ نکاح کی ان کو ضرورت تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور انھوں نے اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ رکھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے شادی کا سامان فراہم کر دیا تو پھر انھوں نے شادی کر لی۔

☆☆☆

باب نمبر 7:

مسئلہ کفو

عقائد:

رشتہ ازدواج کے انعقاد میں اسلام نے اسکا بھی خیال رکھا ہے کہ رشتہ مضبوط سے مضبوط بنیاد پر قائم ہو، تاکہ آئندہ چل کر اس میں ضعف و اضمحلال نہ پیدا ہونے پائے، اسی وجہ سے شریعت نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ جو دو اجنبی رشتہ مناکحت سے آپس میں مل رہے ہیں وہ دونوں اپنے عقائد و اعمال، طرز معاشرت اور مسلک و مذہب میں ایک جیسے ہوں، اسی بنیاد پر مشرک مرد و عورت سے مسلمان مرد و عورت کی شادی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی آیت:

"لا تنکحوا المشرکات حتی یومن"

میں نکاحِ مشرک کی حرمت بتائی گئی ہے۔

نیک نیک کا کفو ہے:

اس مؤدت و محبت اور خوشگواری کی وجہ سے خود مسلمانوں میں بھی بعض چیزوں میں کفائت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ مثلاً: یہ کہ نیکوکار عورت کی شادی بدکار مرد سے یا نیکوکار کی شادی بدکار عورت سے نہ کی جائے گی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"الزانی لا ینکح الا زانیة او مشرکة والزانیه لا ینکحها الا زان او مشرك و حرم ذالك علی المومنین"

(سورۃ النور، آیت نمبر ۱۰)

"زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے۔ زانیہ کیساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ زناکار مرد اور زناکار عورت نیک مرد اور نیک عورت کے کفو نہیں ہیں، کیونکہ عملی طور پر ان دونوں میں بڑا فرق ہوگا۔ میل ملاپ ہونے کی امید بہت کم ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اور قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

"افمن کان مو منا کمن کان فاسقا لا یستون"

(سورۃ السجدہ، آیت نمبر ۲)

"کیا ایمان لانے والا اس درجہ میں ہوگا جس درجہ میں نافرمان ہے۔؟ ہرگز نہیں۔ وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔"

مال میں کفو:

مال میں کفو کا تقریباً اعتبار نہیں ہے، صرف امام شافعی مالی کفو کے قائل ہیں، مگر تجربات کی روشنی میں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو محبت میں حائل ہو۔ یوں تو کبھی کبھی ثروت و دولت باعث فساد بھی ہو جایا کرتی ہے۔

نسب میں کفو:

نسب میں بھی بعض ائمہ نے کفو کا اعتبار کیا ہے۔ غالباً عقلی مصالح ان کے پیش نظر تھے۔ تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کے معاشرتی اختلافات کیوجہ سے مختلف پیچیدگیاں عملی زندگی میں پیدا ہوتی ہیں، لیکن جہاں تک مسئلہ کی دینی حیثیت ہے بقول ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے کفو نسبی کے معتبر ہونے میں کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے، بلکہ برعکس اسکے ایسے آثار و روایات کا ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوت و عہد صحابہ میں نسبی کفو کو کسی قسم کی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

امام بخاری نے "باب الا کفاء فی الدین" کے عنوان کے نیچے دو ایسے واقعات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نسبی کفو کا اعتبار نہ تھا۔ پہلا واقعہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے جو بدری صحابی ہیں کہ انھوں نے حضرت سالم کی شادی جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے، اپنی بھتیجی ہند بنت ولید کے ساتھ کی اور یہ ہند رضی اللہ عنہا مہاجرات میں سے ہیں۔

دوسرا واقعہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کا نقل کیا ہے کہ ان کی شادی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی، حالانکہ ضباعہ اپنے نسب کے اعتبار سے بہت اونچی تھیں۔

(صحیح بخاری، باب الاکفاء فی الدین)

حافظ ابن القیم الجوزیہ نے اس پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نسب میں کفو معتبر نہیں ہے اور کفو فی النسب میں شدت اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شعوب و قبائل کو دنیا میں باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسلام میں اس کا کوئی خاص حصہ نہیں

ہے، کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

"ان اکر مکم عند اللہ اتقکم" (سورۃ الحجرات)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلاشبہ تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہو۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"انما المومنون اخواۃ" (سورۃ الحجرات)

"بلاشبہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

یہ اور اسی طرح کی دوسری آیتیں مسلمانوں کا باہمی مساوات ظاہر کرتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مسئلہ کو اجاگر کیا ہے۔ جامع ترمذی کی یہ حدیث ہے:

"اگر تمہارے پاس پیام نکاح ان لوگوں کی طرف سے آئے جن کا اخلاق اور دین تمہارے پسند کے لائق ہے تو اس سے شادی کر لو، کیونکہ دین اور اخلاق کے ماسوا کسی دوسری چیز کو بنیاد بناؤ گے تو روئے زمین میں فتنہ وفساد کے چشمے اُبل پڑیں گے۔"

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان ال نبی فلان لیسوالی باد لیاء ان اولیا ئی المتقون حیث کانو اواین کانوا"

(زادالمعاد، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۲۲)

"فلاں نبی کی اولاد میرے اولیاء نہیں ہیں۔ میرے اولیاء متقی لوگ ہیں، جہاں ہوں اور جس طرح کے ہوں۔"

پھر یہ بات بھی کوئی چھپی ڈھکی نہیں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش قرشیہ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کی۔ فاطمہ بنت قیس فہریہ کی شادی زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ سے کی۔ حضرت بلال بن رباح حبشی کی شادی حضرت عبدالرحمن بن عوف کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ (زادالمعاد، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۲۲)

اس طرح کے واقعات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے کہ کفایت فی النسب کی کتنی اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ کفائت کے مسئلہ میں سختی اختیار نہ کی جائے۔

باب نمبر 8:

نکاح کرنے والوں کے حقوق وفرائض

حدود اللہ میں رہ کر پسند کی شادی.....مرد وعورت دونوں کے لیے:

اسلام نے عفت وعصمت کے تحفظ کے لئے ایک سے زیادہ بیویوں کی بعض ضروری شرطوں کے ساتھ اجازت دی ،مگر اسے گوارا نہ کیا کہ انسانی شرافت کے چہرہ پر گندگی کی دھول بھی اُڑ کر پڑے۔اسی طرح عفت وعصمت اور اخلاق واعمال کی پاکیزگی کے لئے انسان کو اس بات کی بھی اجازت دی کہ شادی کرنے میں حدود اللہ کے اندر رہ کر اپنی پسند کی بیوی کرے اور عورت اپنے پسند کے مطابق شوہر تجویز کرے۔ارشاد ربانی ہے:

''فانکحوا ماطاب لکم من النسآء''

(سورۃ النساء)

''تم نکاح کرلو عورتوں میں جو تم کو پسند آئیں۔''

اس عورت سے شادی کا مشورہ دیا گیا ہے جو پسند ہو اور دل کو بھائے۔اس مسئلہ میں جو پابندی ہے وہ بس اتنی کہ حدود اللہ ٹوٹنے نہ پائے ،یعنی کچھ عورتیں ایسی ہیں جن سے شادی جائز نہیں ہے، ان سے رشتہ ازواج کا قیام شریعت نے حرام قرار دیا ہے،ان میں کچھ قرابت دار ہیں اور کچھ غیر مذاہب کی۔ان کو چھوڑ کر جو عورتیں حلال ہیں ان میں انتخاب کا حق عطا کیا گیا ہے۔جس طرح مردوں کو عورتوں کے جائز انتخاب میں اختیار ہے،اسی طرح عورتوں کو بھی اسلام نے حق انتخاب بخشا ہے۔حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے ان میں سے کوئی بھی مجبور نہیں کیا گیا ہے کہ کسی خاص عورت یا مرد سے رشتہ جوڑے ہر ذی عقل جانتا ہے کہ چند پیسے کی جو چیز خریدی جاتی ہے اسے ٹھوک بجا کر دیکھ لیا جاتا ہے اور شادی جیسی اہم چیز جس کا پوری زندگی سے واسطہ ہے اور جسکے ذریعہ دو اجنبی مرد وعورت ایک مضبوط رشتہ میں منسلک ہورہے ہیں، اس میں غفلت کا مشورہ کون دے سکتا ہے!؟

اسلام جو ستم رسیدوں کے لئے عدل و مساوات کا پیام بن کر آیا اور مظلوم و بے سہارا لوگوں کی جائز حمایت جس کی سرشت میں داخل ہے وہ کیسے یہ برداشت کر سکتا تھا کہ حق والوں کو ان کا حق نہ ملے یا ظالموں کی بیخ کنی نہ ہو۔؟ چنانچہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک ظلم و جور کی بنیاد ڈھا دینے کا اعلان کیا۔ اس نے زندگی کے اس شعبہ میں بھی جس میں دو اجنبی ملتے ہیں، اصلاح کی۔ مظلوموں کو ان کا حق دلایا اور ظالم کا ظلم سے ہاتھ پکڑ لیا، تاکہ رشتہ ازدواج سے جو بنیادی مقاصد وابستہ ہیں وہ حسن و خوبی سے وجود میں آئیں۔

رشتہ ازدواج کے سلسلہ میں قرآن مجید کی ہدایتوں اور مشکوٰۃ نبوت کی روشنی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو یقینی طور پر بہتر ہوگا کہ نہ مرد مسلوب الاختیار ہے اور نہ عورتیں، جو بات پابندی کی نکلے گی وہ صرف اتنی کہ حدود اللہ کے اندر رہنا ضروری ہے۔

ترجیح رائے......عورت کی عدم رضا سے نکاح منعقد نہیں ہوتا:

حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے اسلام نے مرد و عورت جس کی شادی ہو رہی ہے اس کی رائے کو ترجیح دی ہے اور ان کی رائے قبول کرنے کو بہر حال ضروری بتایا ہے۔ اسلام سے پہلے اس باب میں ظلم ہوتا تھا، لڑکیوں پر ان کے ولی ناجائز دباؤ ڈالتے تھے اور ایسے مردوں سے ان کی شادی کر دیتے تھے جن کو لڑکیاں پسند نہ کرتی تھیں۔ یہ یتیم لڑکیوں کے حق میں خصوصیت سے انصافی ہوتی تھی۔

جاہلیت کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی معاشرہ میں عورتوں کی حیثیت کس قدر پست تھی، یہ غریب مال منقولہ سمجھی جاتی تھیں۔ شادی کے بعد شوہر یہ سمجھتا تھا کہ میں نے مہر کے بدلہ بیوی کو خرید لیا ہے۔ چنانچہ شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کے وارث عورت کو اپنی ملکیت میں شمار کرتے اور اس طرح دوسرے مظالم ہوتے تھے۔ اسلام جب آیا تو اس نے ظلم و ستم کی بیخ کنی کو بھی ضروری سمجھا۔

حد بلوغ تک پہنچنے کے بعد عاقل لڑکا اور لڑکی جس طرح دنیا کے دوسرے معاملات میں بڑی حد تک آزاد ہوتے ہیں، اسی طرح اسلام نے ان کو شادی کرنے میں بھی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادی بخشی ہے۔ والدین اور دوسرے اقرباء اس شعبۂ زندگی میں اپنے تجربات کی روشنی میں معتدل مشورے ضرور دے سکتے ہیں اور ان کو مشورہ دینا بھی چاہیے، مگر یہ دباؤ اور جبر نہیں ڈال سکتے۔ شادی کرنے والے جوڑے کو بھی چاہیے کہ اپنے بزرگوں کے مشوروں کو قبول

کریں کہ ان کی رائیں پختہ ہوتی ہیں اور محبت و شفقت میں ڈوبی ہوئی بھی۔ بایں ہمہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان کو ان مشوروں کے قبول کرنے پر اسلام نے مجبور نہیں کیا ہے۔

عورتیں جن کو جاہلیت کے ماحول میں ہم مجبور محض سمجھتے ہیں اسلام نے ان کو اتنا مجبور ہرگز نہیں کیا، جتنا سمجھا جاتا ہے۔ بالغ لڑکوں کی طرح بالغ لڑکیوں کو بھی اس باب میں بڑی حد تک آزادی ہے۔ نکاح کے باب میں بالغ لڑکیوں کی رضا اور ان کی اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا ینکح الا یم حتی مرر لا تنکح البکر حتی تستاذن''

(صحیح بخاری، باب لا ینکح الاب الکبر والثیب الا برضاہا)

''شوہر دیدہ کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے۔''

دوسری حدیث اس سے بھی واضح ہے:

''الایم احق بنفسھا من ولیھا و البکر یستاذنھا فی نفسھا واذنھا صما تھا''

(صحیح مسلم، باب استیذان الثیب بالنطق والبکر بالسکوت)

''شادی شدہ (بیوہ یا مطلقہ) عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔''

تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''الثیب احق بنفسھا من ولیھا و البکر یستاذنھا ابو ھا واذ نھا صما تھا''

(صحیح مسلم، باب استیذان الثیب بالنطق والبکر بالسکوت)

''وہ عورت جو شوہر دیکھ چکی ہے بذات خود ولی سے حقدار ہے اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔''

ان حدیثوں میں جولب ولباب اختیار کیا گیا ہے اور جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام کا منشاء کیا ہے۔ عورتوں کو شادی کے باب میں مختار بنایا گیا ہے یا ان کو مسلوب الاختیار گردانا گیا ہے۔؟

اللہ تعالیٰ نے جن کو ذرا بھی فہم و عقل عطاء کی ہے وہ فیصلہ دینے پر مجبور ہوں گے کہ اسلام نے عورتوں کو شادی کرنے کے سلسلہ میں مسلوب الاختیار نہیں بنایا، بلکہ ان کی منظوری کو ضروری قرار دیا ہے۔ بغیر عورت کی رضا حاصل کیے اس کی شادی کسی مرد سے نہیں کی جاسکتی۔

باپ بھی زبردستی نہیں کرسکتا:

ولی کا فریضہ ہے کہ پہلے بالغ سے رضا حاصل کرے، پھر وہ کسی مرد سے اس کی شادی کی بات چیت طے کرے۔ حد یہ ہے کہ باپ جو لڑکی کے حق میں سراپا رحیم و شفیق ہوتا ہے اس کو بھی پیغمبر اسلام حکم دے رہے ہیں کہ لڑکی کی رائے معلوم کرے اور اس کی اجازت حاصل کرلے، پھر اس کی شادی اسکی پسند کے مطابق کرے۔ مگر اسلام نے جہاں لڑکی کی رضا اور اجازت کو ضروری قرار دیا ہے، وہاں لڑکی حیا اور شرم کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا، بلکہ پاسِ ادب یہ ہے کہ لڑکی کے سکوت کو بھی اجازت کا درجہ دیا ہے، اگر وہ کنواری ہے۔ ہاں! اگر ثیبہ ہے تو اس کی صراحتاً اجازت کی ضرورت ہے۔ استیمار اور استیذ ان سے اسی طرف اشارہ ہے۔

ایک صحابیہ حضرت خنساء بنت حزام کے باپ نے کسی شخص سے ان کی شادی کردی۔ حضرت خنساء کو یہ رشتہ پسند نہ آیا۔ دربار نبوی میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء کی درخواست قبول فرمالی اور ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو رد فرمادیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں آئی اور بیان کیا کہ میرے باپ نے جس سے میری شادی کردی ہے، وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دیتے ہوئے فرمایا:

''جی چاہے تو رکھو۔ جی چاہے تو رد کردو۔!''

حضرت بریدہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربار نبوی میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچازاد بھائی سے کردی ہے جو مجھے پسند نہیں ہے۔

اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری سن کر آپ ﷺ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا کہ تم کو اس نکاح کے رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ عورت نے سن کر اطمینان کی سانس لی اور بولی کہ میرے باپ نے جو کچھ کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں:

"ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الآباء من الامر شیئ"

(سنن ابن ماجہ، من زوج ابنتہ وہی کارہۃ)

"لیکن اس وقت سوال کرنے اور حضور سے جواب حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کو سبق دوں کہ باپ دادا کے ہاتھ میں یہ نہیں ہے کہ بالغ لڑکی کی رضا حاصل کئے بغیر شادی کر دے۔"

عبدالرحمن بن یزید اور مجمع بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کی شادی کی۔ ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اپنی ناپسندگی کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو باطل قرار دیا اور پھر اس عورت نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے شادی کی۔

(ابن ماجہ، باب من زوج ابنتہ وہی کارہۃ)

ان حدیثوں کو پڑھنے کے بعد اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ بالغہ عورت کی شادی میں اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کو شوہر کے انتخاب میں پورا اختیار ہے اور اس ساری کدوکاوش اور اختیارات کا مقصد یہ ہے کہ عفت وعصمت، محبت ومودت اور بقائے نسل انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں وہ بحسن وخوبی انجام پذیر ہوں۔

نابالغہ لڑکی کا نکاح البتہ اسکی اجازت کے بغیر ولی کر سکتا ہے۔ اس کے باب میں باپ کو بھی اختیار ہے اور دوسرے ولی کو بھی، مگر بلوغ کے بعد لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوگا کہ چاہے تو نکاح کو باقی رکھے، چاہے تو رد کر دے۔

یہاں ایک اور بات سمجھنے کی ہے۔ وہ یہ آج کل کا ردعمل یہ ہو رہا ہے کہ شادی کرنے والے اپنی شادی کے معاملہ میں ولی حتی کہ والدین کی رائے بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ کوئی شبہ نہیں کہ شادی اپنی پسند ہی کی ٹھیک ہوتی ہے، مگر ساتھ ہی یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیئے کہ جوش کے ساتھ ہوش نہایت ضروری ہے اور شادی کا جہاں جنسی میلان کی تسکین سے تعلق ہے اس کے ساتھ شادی کا

تعلق گھر، خاندان، قوم اور ملک سے بھی ہے۔ حال کے ساتھ مستقبل پر نگاہ رکھنا بھی دور اندیش کا فریضہ ہے۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا کہ شادی کے معاملہ میں والدین یا ولی کا مشورہ بڑی حد تک ضروری ہے۔

اب یہ سوال باقی رہ گیا کہ عورت کی رائے اور مرد کی رائے میں ٹکراؤ باگزیر طور پر ہوتا ہے تو ایسے موقع پر کیا فیصلہ ہوگا۔؟ تو یہاں تک بغیر شک وشبہ یہ کہا جائے گا کہ عورت کی مرضی مقدم ہوگی اور اسی کی رائے کو شرعی طور پر ترجیح دی جائے گی، کیونکہ شادی عورت کی ہو رہی ہے۔ عفت و عصمت کا تعلق اس سے عورت کا ہے، ولی کی شادی نہیں ہو رہی ہے اور نہ اس بندھن کے نباہنے کی ذمہ داری ہی ولی پر ہے۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ٹکراؤ کے وقت میں ولی کی رائے کو ترجیح دی جائے اور عورت کی رائے و رضا کی پرواہ نہ کی جائے۔ پھر عہد نبوی کے فیصلے اور واقعات موجود ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی مرضی کے خلاف فیصلہ نہیں فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف"

(سورۃ البقرۃ)

"وہ عورتیں جب اپنی میعاد پوری کر لے تو تم کو اس بات میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو وہ قاعدہ کے مطابق اپنی ذات کے لئے کچھ کریں۔"

اس آیت میں عورت کو اپنا معاملہ نبٹانے کی پوری آزادی ہے۔ عورت انسان ہے، عقل و فہم کی مالک ہے، وہ کوئی عضو معطل نہیں کہ بغیر ولی کی اجازت کے کوئی کام کر ہی نہیں سکتی۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر ماننا پڑے گا کہ نکاح میں حتی الوسع عورت اور ولی دونوں کی موافقت ضروری ہے، تاکہ کام خوش اسلوبی سے انجام پا سکے۔

علماء لکھتے ہیں:

"ایسے معاملات جن کا تعلق جماعت سے ہے، شریعت (اسلام) نے ان میں طرفین کی رعایت ملحوظ رکھی ہے اور ایسے باب میں مجموعہ احادیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ صرف ایک جانب کو سامنے رکھ کر جو بھی فیصلہ ہوگا اس سے شارع علیہ السلام کی مراد کا پالینا مشکل ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کا معاملہ ہے۔ اس معاملہ کا زکوٰۃ

دینے والے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے دونوں سے تعلق ہے۔ زکوٰۃ دینے والے کے متعلق حدیث میں صراحت کے ساتھ بات ہے کہ اگر اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے تو زکوٰۃ دینے والا اس کو خوش کرے جو مانگے دے۔ انصاف کرے گا اپنے لئے کرے گا، اگر خدانخواستہ ظلم کو راہ دے گا تو اپنے لئے وبال خریدے گا، کیونکہ زکوٰۃ کا کمال یہ ہے کہ وصول کرنے والا خوشی خوشی سے دے۔ کسی حدیث میں مذکورہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو خوش کرو! زکوٰۃ میں جیسا مال مانگے دو۔ پوچھنے والے نے دریافت کیا: یا حضرت! ظلم کرے تو بھی۔؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! پھر بھی! دوسری طرف عامل کے متعلق حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! مال والوں کا بہترین مال زکوٰۃ میں لینے سے پرہیز کرو، مظلوم کی دعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ دونوں کو سامنے رکھیے اور سوچئے تو معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ دینے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہدایت دے رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس معاملہ میں بولنے کا حق نہیں ہے۔ عامل جو مانگے دے، ظلم کرے تو بھی نہ بولے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کے متعلق جو ہدایت نبوی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو زیادتی کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ انصاف سے مال جو دے دے، لے لے، ورنہ وعید کا مستحق ہوگا۔ خود میاں بیوی کا باہمی معاملہ قابل غور ہے: ایک طرف بیوی کو حکم ہے کہ شوہر خوش رکھو! بیوی کے لئے ذرا سی بدخلقی پر دوزخ کی وعید شدید ہے، مگر دوسری طرف شوہر کو فرمایا ہے کہ تم میں کامل فی الایمان وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور اپنی بیوی کے لئے بہترین ہو۔ ٹھیک اسی طرح عورت اور اس کے ولی کا معاملہ ہے۔ عورت کو کہا جارہا ہے کہ تمہارے نکاح میں ولی کا حق ہے اور اس قدر حق ہے کہ بغیر اسکی اجازت کے نکاح باطل ہے۔ ادھر ولی کو کہا جاتا ہے کہ عورت اپنے حق کی تم سے زیادہ حقدار ہے، گویا ولی کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ مگر اس باب کے پورے ذخیرہ احادیث کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ کیا جاتا سکتا ہے کہ دونوں پر ذمہ داری ہے کہ ایک دوسرے کی رضا کے بغیر نکاح

نہ کرے۔ عورت کو ولی کی بات کا وسعت بھر پاس رکھنا چاہیئے اور ولی کو عورت کی رضا حاصل کرنا ضروری ہے۔ نہ ولی اس حد تک زیادتی کرے کہ عورت اپنے جائز حق سے محروم ہو جائے اور نہ عورت اتنی بے راہ روی اختیار کرے کہ ولی اور خاندان کے لئے باعث ننگ و عار بن جائے۔ یوں بالغہ عورت پر ولی کو جبر کا بالکل اختیار نہیں۔ ہاں مستحب ہے کہ مشورہ دے۔ نابالغ کے باب میں جبر کا البتہ اختیار ہے اور ولی اور عورت کی رائے میں جب اختلاف ہوگا تو بالغہ عورت کی رائے کو ترجیح ہوگی جس کو قرآن و حدیث سے تائید ہوتی ہے۔"

علماء کرام فرماتے ہیں:

"نکاح میں تنہا عورت کی رائے جائز نہیں، کیونکہ ان کی عقل میں نقص ہے، ان کا غور و فکر نسبتاً زیادہ اہم نہیں۔ پھر مردوں کو عورتوں پر قوّام بنایا گیا ہے۔ ارباب حل وعقد مرد ہی ہیں، پھر معاملہ ایسا ہے عورت کرے تو بے حیائی سے تعبیر ہو، دوسرے آشنائی اور نکاح میں تمیز کے لئے بیچ میں اولیاء کا ہونا ضروری ہے، تاکہ اس کی شہرت ہو سکے، اس لئے عورت کو ولی کی رائے لینی چاہیئے، مگر ولی کو بھی یہ اختیار ہرگز نہیں کہ صرف اپنی رائے سے عورت کی شادی کر دے۔ اس لئے کہ معاملہ عورت کا ہے اور اپنا معاملہ جو خود عورت سمجھتی ہے مرد نہیں سمجھ سکتا ہے۔ نفع و نقصان عورت کو پہنچنے والا ہے، اس لئے حکم اس سے لینا ضروری ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ، باب صفۃ النکاح، جلد دوم)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"و حقها اوكد من حقه فانه لو اراد تزويجها كفوًا و منعت لم تجبر لو ارادت ان تتزوج كفوًا فامتنع الولي اجبر فان اصر زوجها القاضي ندل على تاكد حقها و رجحانها"

(شرح مسلم نووی، جلد نمبر ا، صفحہ نمبر ۴۵۵)

"عورت کا حق ولی کے حق سے زیادہ موکد ہے۔ اگر ولی کسی کفو سے اس کی شادی کرنا چاہے اور لڑکی آمادہ نہ ہو تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر خود عورت کسی کفو سے شادی کرنے کا ارادہ کرے اور اس کا ولی راضی نہ ہو تو اس ولی کو مجبور کیا جائے

گا۔ اگر ولی اصرار کرے گا تو قاضی اس عورت کی شادی کر دے گا۔ یہ دلیل ہے کہ عورت کا حق موکد اور راجح ہے۔"

تمام مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت شادی کے معاملہ میں مجبور محض نہیں، بلکہ اچھا طریقہ وہی ہے کہ عورت کی رائے معلوم کر کے ولی اس کی شادی کا انتظام کرے۔ اگر کسی لڑکے سے عورت شادی کرنے سے انکار کر دے تو اسکی زبردستی اس سے شادی کرنے کی جرأت نہ کی جائے۔ قرآن مجید نے جس سکون و طمانیت کو مقصد اولیٰ قرار دیا ہے، بغیر عورت کی رضا کے اس کا حصول غیر ممکن ہے۔ طلاق، خلع وغیرہ مسائل اسی لئے وضع کئے گئے ہیں۔

چنانچہ مبسوط میں ہے:

"نکاح کے موقع پر عورت سے اجازت لے لی جائے، کیونکہ ہوسکتا ہے اس کو کوئی اندرونی مرض ہو جس کی وجہ سے عورت سے صحبت نہیں ہوسکتی ہے یا ممکن ہے عورت کا دل اس شخص کے علاوہ کسی دوسرے سے معلق ہو جس سے شادی ہو رہی ہے، تو اگر عورت سے حکم حاصل کئے بغیر اس کی شادی کر دی جائے گی تو اس حالت میں اس شوہر سے اس کا نباہ نہ ہوگا اور عورت فتنہ میں پڑ جائے گی، کیونکہ اس کا دل تو غیر سے معلق ہے اور عشق کی بیماری سے بڑھ کر دوسری بیماری کون ہوسکتی ہے۔؟"

(مبسوط للسرخسی، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۱۹۷)

مرد کے عدم رضا سے نکاح نہیں ہوتا:

عورت کے مسئلہ کے حل ہو جانے کے بعد مرد کی رضا کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق صرف اس قدر کہنا ہے کہ بالغ و عاقل مرد جس کی شادی ہو رہی ہے اس کی رضا اور اجازت مقدم ہے۔ مرد کو چونکہ کبھی مجبور محض نہیں سمجھا گیا اس لئے اس مسئلہ کی بحث کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ یہاں تو یہ کہنا چاہیئے کہ لڑکا جب اپنی شادی کرنے لگے تو اپنے بڑے بزرگ کی رائے پر ضرور غور کرے یہ کہہ کر نظر انداز نہ کر دے کہ اس ذاتی معاملہ میں والدین اور گھر کے بڑے بوڑھے دخل دینے والے ہوتے کون ہیں۔؟ کیونکہ شادی میں تجربہ کار اور علم الانسان کے ماہرین کی رائے اہمیت رکھتی ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ دور اندیشی جو بڑے بوڑھوں میں ہوتی ہے ان نوجوانوں میں ہرگز نہیں ہوتی جنکے ہوش پر جوش کا غلبہ ہوتا ہے۔

عورت کے انتخاب کے متعلق مرد کو حکم شرع:

اب رہا عورت کے انتخاب کا مسئلہ، اس میں شریعت مطہرہ کا مشورہ یہ ہے کہ دینداری کا لحاظ مقدم ہونا چاہئے۔ مال دار سے شادی کی جائے، اونچے حسب و نسب والی سے شادی کی جائے، حسین اور خوبصورت سے شادی کی جائے یا کسی معمولی عورت سے، بہر حال پہلے عورت کی دینداری اور سیرت کا جائزہ لیا جائے۔ ارشاد نبوی ہے:

"تنکح المرأة لاربع لمالها و لحسبها و لجمالها و لدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"

(صحیح بخاری، باب الاکفائی الدین)

"عورت سے چار چیز کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے: اسکی مالداری کی وجہ سے اور اسکی دینداری کی وجہ سے، حسب و نسب کی وجہ سے اور خوبصورتی کی وجہ سے۔ پس دینداری کو لیکر کامیاب ہو جا۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔"

مقصد یہ ہے کہ انسان جب شادی کرنے لگتا ہے تو عورت کا انتخاب انہی چیزوں کے پیش نظر کرتا ہے۔ کبھی بیوی کا انتخاب اس کی مالداری کی وجہ سے کرتا ہے کہ عورت صاحب جائیداد ہے، باثروت ہے اور شان دار کوٹھی کی مالکہ ہے۔ اگر اس سے شادی ہو گئی تو زندگی مزے سے گزرے گی، بہت سی فکروں سے نجات مل جائیگی اور اپنے افلاس کے باوجود مطمئن زندگی کا ذریعہ پیدا ہو جائے گا، دیندار ہو یا نہ ہو۔ مگر انسان عجلت پسندی کی وجہ سے دوسرے پہلو پر غور نہیں کرتا ہے کہ مالدار بیوی کو شریک حیات بنائے گا تو زندگی کا لطف جاتا رہے گا۔ لذت و مسرت مفقود ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے زن و شوہر کی اجتماعی زندگی کی جو صدارت مرد کے حوالہ کی ہے، اس میں رخنہ پڑ جائے گا۔ عورت کے نان و نفقہ کا قیام باقی نہ رہ سکے گا اور گھر کے سامان اور فرنیچر کو دیکھ کر جو مسرت ہوا کرتی ہے، بال بچوں کے لباس نے طبیعت میں جو کیف و انبساط پیدا ہوتا ہے یہ کرکرا ہو جائے گا، کیونکہ یہ سب غیر کا اثر نعمت ہے، اپنی کمائی نہیں۔ بیوی کی نگاہ میں جو عزت و وقعت چاہئے باقی نہ رہے گی، کیونکہ مالدار بیوی کی نظر میں مفلس شوہر کی وقعت منتجر اور منتظم سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ بھی اس وقت جب عورت بلند اخلاق ہو اور اگر خدانخواستہ عورت بے ادب ہوئی تو ہر قدم پر ٹھوکر لگائے گی اور احسان جتائے گی۔ پھر اپنی اس مالدار بیوی سے جو اولاد ہوگی یہ اولاد بھی باپ کی وہ عزت و مکرمت نہیں کر سکتی ہے جو کرنی چاہئے۔ بیوی کی کسی غلطی

پر شوہر تنبیہ کرنا چاہے گا تو ایسی بیوی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو جائے گی اور نہ معلوم کیا کیا کہہ دے گی، پھر خود سوچا جائے ایسے حالات میں زندگی کی لذت و مسرت کیا باقی رہے گی۔؟ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تزوجوهن لاموالهن فعسى اموالهن ان تطغيهن"

(سنن ابن ماجہ، باب افضل النساء)

"عورتوں سے ان کی مالداری کی وجہ سے شادی نہ کرو۔ عموماً ان کا مال ان کو سرکشی پر آمادہ کر دیتا ہے۔"

کبھی کوئی عورت کا انتخاب محض اسکے حسب و نسب کی وجہ سے کرتا ہے۔ ذاتی شرافت اور صلاحیت ہی نہ ہو، اور پھر اگر صرف نسلی امتیاز ہو اور دینداری نہ ہو تو یہ نسلی امتیاز میں عورت کبر و غرور پیدا کر دیتی ہے اور وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ جانے کی سعی کرتی ہے۔ بتدریج یہ چیز بھی مرد کی قوامیت کو مجروح کر ڈالتی ہے۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ نسب کا لحاظ کیا ہی نہ جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نری نسل امتیازی کوئی مفید چیز نہیں جب تک ذاتی صلاحیت اور دینداری نہ ہو۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اسلام میں اول دینداری ہے، پھر کوئی اور چیز۔ دین کے مقابلہ میں حسب و نسب کوئی چیز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ولامة خرماء سوداء ذات دين افضل"

(سنن ابن ماجہ، افضل النساء)

"کالی کلوٹی، بے وقوف لونڈی جو دیندار ہو افضل ہے۔"

دوسری حدیثوں سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اولیاء متقی ہیں۔ جہاں کہیں بھی ہوں اور جو کوئی بھی ہوں۔"

کبھی کوئی بیوی کے انتخاب میں محض خوبصورتی کو معیار بنا لیتے ہیں کہ تراش خراش اور نوک پلک دلکش ہو، رنگ و روپ میں جاذبیت ہو، عشوہ ادا کی مجسمہ ہو اور اس کے اعضاء متناسب ہوں، صرف یہی نہیں، بلکہ جدید روشنی سے آراستہ ہو، شوخ اور بیباک ہو اور زمانہ کے اثر سے پوری متاثر ہو۔

مگر ان خیالات کے وقت سوچتے نہیں کہ یہ کوئی خاص خوبی نہیں، اگر اس میں صلاحیت اور

سلیقہ نہیں۔ محض خوبصورتی کوئی معیار نہیں اگر خوبصورتی کے ساتھ سیرت نہ ہو، کیونکہ پھر حسن و جمال سراپا فتنہ بن جائے گا اور یہ حسن بیوی میں تکبر اور ناز ضرورت سے زیادہ پیدا کر دے گا، وہ فضول خرچ اور متکبر ثابت ہوگی، دوسرے لوگ الگ فتنہ میں ڈالنے کی سعی کریں گے اور اسی تنہا خوبصورتی کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

"لا تزو جو النساء لحسنهن فصی حسنهن یر د بهن"

(سنن ابن ماجہ، باب افضل النساء)

"عورتوں سے محض ان کے حسن کیوجہ سے شادی کی خواہش نہ کرو، کیونکہ حسن عموماً ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔"

اس لئے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"شادی کے موقع پر عورت کے انتخاب میں دینداری کو معیار بناؤ۔ مال و دولت، حسن و جمال اور حسب و نسب ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کو اس باب میں معیار قرار دیا جائے۔"

بیوی کے انتخاب میں آدمی کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی ذاتی صلاحیت اور لاقیت پر نگاہ رکھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا:

"حسن و جمال اور دولت و ثروت کی بنیاد پر شادی نہ کیا کرو کہ ان سے فتنے کے اندیشے ہیں۔ تم دینداری کو وجہ ترجیح بناؤ کہ کالی کلوٹی دیندار عورت بہر حال بہتر ہے۔"

ارشاد نبوی ہے:

"و لکن تز و جو هن علی الدین"

(سنن ابن ماجہ باب افضل النساء)

"اور لیکن عورتوں سے شادی ان کی دینداری کی بنیاد پر کرو۔"

با صلاحیت اور دیندار بیوی شوہر کے حقوق کا ہر وقت احساس رکھتی ہے، شوہر کی خوشنودی اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور گھر کے کام ہر حال میں عمدہ انداز سے چلاتی ہے۔ ایسی عورت میں بے جا تکبر و غرور نہیں ہوتا، بچوں کی تعلیم و تربیت کا پورا دھیان رہتا ہے، پڑوسیوں، قرابت داروں اور دوسرے لوگوں سے جھگڑا نہیں کرتی، خود دوسرے لوگوں کو بھی دیندار اور نیک عورت پر اعتماد ہوتا

ہے، محلہ پڑوس کے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں اور اس طرح شوہر کا گھر باوقار بن جاتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کو چار چیزیں حاصل ہو جائیں اس کو دین و دنیا دونوں کی بہتری حاصل ہو گئی۔ ایک شکر گزار دل، دوسری ذاکر زبان، تیسری مصائب پر صبر کرنے والا بدن اور چوتھی ایسی بیوی جو گناہ سے اجتناب کرنے والی اور شوہر کے مال کی محافظ ہو۔''

(مفتاح الخطابتہ، صفحہ نمبر ۱۸۱)

ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''شادی ایسی عورت سے کی جائے جو اپنے اندر کمال درجہ کا ایمان رکھتی ہو اور آخرت کے لئے معین اور مددگار ثابت ہو۔''

(سنن ابن ماجہ، باب افضل النساء)

یہ بات غور طلب ہے کہ اگر لوگوں کا نقطہ نگاہ اخلاق و اعمال کے بجائے صرف جاہ، مرتبہ اور حسن و جمال ہو جائے تو پھر دنیا کا کیا حال ہوگا؟ شر و فتن کے چشمے ابل پڑیں گے، امن و امان خطرہ میں گھر جائیگا اور عزت و آبرو ناپید ہو جائیگی۔ بہت سی لڑکیاں ایسی گھروں میں بیٹھی نظر آئینگی جن کو شوہر میسر نہ ہوگا اور جب بے شوہر کی عورتیں بے کار رہوں گی تو اس وقت شیطان کو اپنی شیطانیت کا پورا موقع ملے گا، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اذا خطب الیکم من ترضون دینہ و خلقہ فزوجوہ الا تفعلوا تکن فتنۃ فی الارض و فساد عریض''

(سنن ترمذی، باب ماجاء من ترضون دینہ)

''تمہارے پاس جب کوئی ایسا شخص پیام نکاح لیکر پہنچے جس کا دین و اخلاق تم کو پسند ہے تو اس سے شادی کر دو، ورنہ زمین میں فتنہ و فساد پھیل پڑے گا۔''

عورت کے انتخاب کے سلسلہ میں جو کچھ اوپر لکھا گیا اس سے یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے کہ مرد خوب صورت عورت سے شادی نہ کرے بد صورت سے کرے۔ یہ منشا ہرگز نہیں ہے۔ مقصد صرف اتنا تھا کہ سیرت کے ساتھ ساتھ صورت پر نظر کی جائے، سیرت کو نظر انداز کر کے صرف صورت پر جان نہ دینا چاہیے، ورنہ خوبصورتی کوئی بری چیز نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔

حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ مذکور ہے کہ انھوں نے خدمت نبوی میں آکر کہا کہ ایک

انصاری عورت سے شادی کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''دیکھ لیا کرو۔ اس لئے کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔''

مطلب یہ کہ دیکھ بھال کر شادی کیا کرو۔ بعد میں ایسی نوبت نہ آئے کہ تم کو اس سے شکایت پیدا ہو جائے اور اس بہانہ سے آپس کی زندگی میں کشیدگی اور شکررنجی آ جائے۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''و کان صلی اللہ علیہ و سلم یحرص امتہ علی النکاح الا بکار الحسان ذوات الدین''

(زاد المعاد، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۱۴۶)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو باکرہ، خوبصورت اور دیندار عورتوں سے شادی کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔''

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے، اس سے اتنی بات آسانی سے ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرے تو کوئی عیب کی بات نہیں، بلکہ اچھی بات ہے، مگر حسن و جمال کو مقصد اصلی قرار نہ دینا چاہیے اور نہ صرف خوبصورتی ہی پر نظر رکھنی چاہیے، بلکہ ساتھ ساتھ اخلاق واعمال اور سیرت و کردار پر بھی نظر ہونی چاہیے۔

پھر واضح رہنا چاہیے کہ خوبصورتی کا مطلب صرف چڑے اور رنگ و روپ کی خوبصورتی نہیں ہے، بلکہ ساتھ ہی سیرت بھی خوب ہو، اخلاق واعمال پاکیزہ ہوں اور دین میں بھی پختگی ہو۔ خوبصورتی کا معیار رنگ و روپ میں بھی اپنے طبعی ذوق پر ہے، کسی آدمی کو وہ عورت بھی خوبصورت معلوم ہوتی ہے جو بہتوں کی نگاہ میں بدصورت سمجھی جاتی ہے تو اب اس معاملہ میں دوسروں کی پسند کا اعتبار نہ ہوگا۔

سچی بات پوچھئے تو بہت سے واقعات کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ خوبصورتی محبت سے پیدا ہوتی ہے اور موافقت و پسندیدہ سیرت سے۔ واقعات شاہد ہیں کہ محبت و عشق نے رنگ و روپ کی جاذبیت کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ پھر اس وقت اور بھی جب اعمال و اخلاق اچھے نہ ہوں، اس لئے رنگ و روپ پر جان دینا عقلمندی نہیں۔ ہاں! دینداری اور پسندیدہ اعمال و اخلاق کے ساتھ خوبصورتی مل جائے تو نعمت سمجھنا چاہیے۔

ماحصل یہ ہے کہ عفت و عصمت کی حفاظت کی خاطر اسلام نے اس بات کی بھی اجازت دی

ہے، بلکہ کہنا چاہیئے کہ رغبت دلائی ہے کہ نوجوان، شیریں دہن اور پیکر حسن سے شادی کرے، مگر گوہر عفت اور عصمت کی بے وقعتی کا دھیان ہرگز دل میں نہ آنے دے۔

کنواری لڑکی سے شادی:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ابھی حال میں میری شادی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

"باکرہ (کنواری) ہے یا ثیبہ (بیاہی)۔؟"

حضرت جابر نے کہا:

"ثیبہ ہے۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فهلا بكرا تلاعبها و تلاعبك"

(صحیح بخاری، باب الثیبات)

"کنواری سے کیوں نہیں کی؟ تم اس سے دلبستگی کرتے اور وہ تم سے دلبستگی کرتی۔"

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

"تضاحكك و تضاحكها"

(صحیح مسلم، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۴۷۵)

"وہ تم سے ہنستی بولتی اور تم اس سے ہنستے بولتے۔"

میں مانتا ہوں کہ باکرہ اس لئے فرمایا کہ اس سے موافقت اور اتحاد عمل کی زیادہ امید ہوتی ہے، کم سے کم پر راضی وشاکر رہتی ہے، محبت زیادہ کرتی ہے، لیکن اگر اس سے خوبصورتی و رعنائی بھی سمجھی جائے تو کیا برا ہے، جبکہ حدیث کا لب ولہجہ بھی اس کی تائید میں ہے کہ آپس کی تفریح اور دلبستگی میں رعنائی اور قبول سیرت اور صورت کو دخل ہے۔ اسی سلسلہ کی دوسری حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عليكم بالابكار فانهن اعذب افواها و انتق ارحاما و ارضه باليسير"

(مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح)

"تم کو کنواری عورتوں سے شادی کرنا لازم ہے، کیونکہ وہ شیریں دہن ہوتی

ہیں، بچے بہت جنتی ہیں اور تھوڑے پر خوش و خرم رہتی ہیں۔"

اس حدیث میں باکرہ کی تخصیص صراحت کے ساتھ ہے۔ اس میں بھی ایک پہلو ایسا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی میں عورت کی دلربائی اور رعنائی دیکھی جائے تو کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ کسی درجہ میں شاید مطلوب ہے۔

نوجوان عورت سے شادی:

حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ کے ساتھ جا رہا تھا۔ راستہ میں میری ملاقات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ وہ کھڑے ہو کر ان سے گفتگو کرنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ سے کہا:

"الا تزوجك جارية شابة لعلها تذكر بعض ما مضى من زمانك"

(صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۴۴۸)

"آپ کیوں نہیں اپنی شادی کسی نوجوان لڑکی سے کرتے کہ وہ آپ کے گزرے ہوئے دنوں کی یاد دلا دے۔؟"

اس حدیث کے ضمن میں امام نووی تحریر فرماتے ہیں:

"فيه استحباب نكاح الشابة لانها المحصلة لمقاصد النكاح فانها الذ استمتاعا واطيب نكهة وارغب في الاستمتاع الذي هو مقصود النكاح واحسن عشرة وافكه محادثة واجمل منظرا والين ملمسا واقرب ان يعودها زوجها الاخلاق التي يرتضيها"

(نووی شرح مسلم، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۴۴۹)

"اس حدیث میں ہے کہ نوجوان سے شادی مستحب ہے کہ مقاصد نکاح کے حصول کے لئے موزوں ہے، لطف اندوزی میں مزیدار ہے، خوشبو میں سب سے عمدہ ہے، لطف اندوزی میں طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے، رہن سہن میں بہت اچھی معلوم ہوتی ہے، گفتگو میں خوش طبع ہوتی ہے، دیکھنے میں خوبصورت اور چھونے میں نرم و نازک

ہوتی ہے اور اس کی قوی امید ہے کہ شوہر اپنے رنگ کا اسے عادی بنا دے۔"

زوجین ہم عمر ہوں:

فقہاء کرام لکھتے ہیں:

"ولا یزوج ابنة الشابة شیخا کبیرا ولا رجلا دمیما"

(ردالمختار)

"باپ اپنی جوان لڑکی کو کسی بڈھے اور بدصورت مرد سے نہ بیاہے۔"

لڑکی کی شادی میں شوہر کے ہم عمر ہونے کا لحاظ بھی ولی کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگر گوشہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں ہم عمری کا لحاظ رکھا تھا۔ امام نسائی نے ایک باب الگ باندھا ہے:

"تزوج المرأة مثلها فی السن"

"عورت کی شادی اس کے ہم عمر سے کرنا۔"

اس باب کے تحت امام نسائی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

"خطب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنهما فاطمه فقال رسول صلی اللہ علیه وسلم انها صغیرة فخطبها علی فزوجها منه"

(سنن نسائی، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۶۹)

"حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے لئے پیغام بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (فاطمہ) کمسن ہیں۔ پھر حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے نکاح کے لئے پیام دیا تو آپ ﷺ نے ان سے حضرت فاطمہ کی شادی کر دی۔"

محدثین نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ہم عمری کا لحاظ بڑی حد تک ضروری ہے اور یہ بڑے فوائد پر مشتمل ہے۔ گو یہ بات مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے ان کی کم سنی میں شادی کی، مگر یہاں جو مقصد پیش نظر تھا وہ سب سے اہم تھا، دنیا کو اس کا علم ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ دین کا کتنا بڑا حصہ پھیلا اور اسلام کی کتنی عظیم الشان خدمت اس سلسلہ سے انجام پذیر ہوئی۔

چند اہم ترین امور:

بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ اصول پیش نظر ہوں تو مناسب ہے:

"ندب ان تكون اقل منه حسبا و سنبا و عزا وما لا و سنا وا علىٰ منه خلقا وادبا و ورعا و جمالا"

(درمختار، کتاب النکاح)

"اچھا یہ ہے کہ عورت حسب ونسب عزت و مال اور عمر میں مرد سے کم ہو اور اخلاق و ادب اور حسن وورع میں عورت مرد سے زیادہ ہو۔"

ساتھ ہی ان امور کا بھی شادی کرتے وقت خیال رکھنا چاہیے:

"ولا يتروج طويلة مهزولة ولا قصيرة د ميمة ولا سيئة الخلق ولا ذات الولد ولا المسنة ولا زانية"

(شامی، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۲۸۴)

"نہ تو آدمی لمبی ترین عورت سے شادی کرے اور نہ ہی بہت زیادہ چھوٹی قد والی سے۔ نہ تو برے اخلاق والی سے شادی کرے نہ ہی بہت کم عمر سے، نہ ہی بہت بوڑھی سے اور نہ ہی زانیہ سے۔"

ماحصل یہ ہے کہ جس عورت سے شادی ہو رہی ہے، وہ ہر اعتبار سے مناسب و موزوں ہو، دینوی لحاظ سے بھی اور دینی پہلو سے بھی، تاکہ باہم موافقت اور انس و محبت قائم رہے۔ مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں عورتوں میں جن خوبیوں کا ہونا سمجھ میں آتا ہے ان کا اجمالی بیان یہ ہے:

1: عورت دیندار اور نیک طینت ہو، ارشاد نبوی ہے:

" فاظفر بذات الدين "

"پس دین داری کو شادی کرتے وقت ترجیح دو۔"

2: خوشی وغم میں شریک ہونے والی اور فرماں بردار ہو۔ ارشاد ہے:

" تسره اذا نظر، و تطيوه اذا امر "

"شوہر جب بیوی کو دیکھے تو بیوی اسے خوش کر دے اور جب تو وہ اسے حکم دے تو بیوی اطاعت کرے۔"

3: پاک دامن، امانت دار، گھر کی منتظم، مہذب اور شاکر و صابر ہو۔ ارشاد ہے:

"ولا تخالفه في نفسها و ماله"

"اور بیوی نہ تو اپنے نفس میں خاوند کی مخالفت کرے اور اس کے مال میں۔"

4: بچوں کی خدمت گزار، ان سے محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے والی اور تندرست ہو۔ ارشاد ہے:

"خير نساء ركبن الابل، صالح نساء قريش احناه على ولد في صغره وارعاه على زوج في ذات يده"

5: شوہر سے انس و محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد جننے والی۔ ارشاد ہے:

"تزوجوا الودود الولود"

"زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے شادی کرو۔"

6: صالحہ اور باعزت خاندان کی رکن اور خود بھی تعلیمیافتہ ہو۔ ارشاد ہے:

"فليتزوج الحرائر"

"پس آزاد عورتوں سے شادی کرو۔"

7: نیک صفتوں کی مالک اور عیوب سے پاک ہو۔

8: دنیا میں رہ کر آخرت سے بے فکر نہ رہتی ہو۔

عورت شوہر کا انتخاب کیسے کرے:

عورت اپنے شوہر کا انتخاب کرنے میں کم و بیش انہی امور کو ملحوظ رکھے، تا کہ اس کی زندگی خوشگوار اور مطمئن گزرے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

"والمرأة تختار الزوج الدين الحسن و الخلق الوسرو لا تتزوج فاسقا"

(ردالمحتار، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۲۸۴)

"عورت ایسے مرد کو اپنا شوہر بنائے جو دیندار، با اخلاق اور وسیع الظرف ہو۔ عورت اس مرد کو شوہر نہ بنائے جو دین سے بیگانہ ہو۔"

اسی طرح اگر باپ اپنی لڑکی کی شادی کرے تو وہ بھی ان ضروری باتوں کو پیش نظر رکھے جیسا

رواج ہو گیا ہے کہ جاہل اور لالچی باپ جب اپنی لخت جگر کے لئے شوہر کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی نگاہ دولت پر ہوتی ہے۔ عمر، صلاحیت اور ذاتی شرافت پر نہیں ہوتی۔ اس رواج سے بھی متنفر ہونا اور گریز کرنا انسانی فریضہ ہے۔

بیوہ یا مطلقہ عورت سے شادی:

سابقہ بیانات سے یہ مطلب نکالنے کی سعی نہ کی جائے کہ کنواری ہی سے شادی ضروری ہے بیوہ سے شادی کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلاشبہ! احادیث میں کنواری عورتوں سے شادی کی ترغیب پائی جاتی ہے اور اسکی معقول وجہ بھی ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں سبب بیان کر دیا گیا ہے کہ کنواری سے میل ملاپ اور ہم ذوقی جلد پیدا ہو جاتی ہے، پہلے پہل شوہر کے یہاں آتی ہے، اس لئے شوہر جس چیز کا عادی بناتا ہے آسانی سے اس کی عادی ہو جاتی ہے۔ کم سے کم چیزوں پر خوش رہتی ہے اور ان سب بڑھ کر مرد ان سے دلی طور پر اتنا گھل مل جاتا ہے کہ اس کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے اور اس طرح مرد نظر اور خیالات کی بدکاری سے محفوظ ہو جاتا۔

مرد اگر خود دوسری شادی کر رہا ہو یا زیادہ عمر کا ہو تو کمسن لڑکی سے اس کی شادی بے جوڑ ہوگی اور فقہا کرام کی رائے آپ پڑھ آئے ہیں کہ انھوں نے نوجوان لڑکی کی شادی بوڑھے مرد کے ساتھ کرنے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ ایسے معمر و مسن مرد کو بیوہ کا مطلقہ ہی سے شادی کرنی چاہئے کہ میاں بیوی میں نباہ ہو سکے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کا عملی نمونہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک کے سوا بقیہ تمام بیوہ و مطلقہ عورتوں ہی سے شادی کی۔ اپنی بعض صاحبزادیوں کی جو بیوہ ہو گئی تھیں شادی کرائی۔ جلیل القدر خلفاء اور صحابہ کرام کی تاریخ پڑھیئے تو معلوم ہوگا کہ ان حضرات نے بیوہ و مطلقہ عورتوں سے کس کثرت سے شادیاں کیں۔ صحابیات کی زندگی پڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ انھوں نے شوہروں کی وفات کے بعد دوسری تیسری شادیاں کیں۔

مقصود یہ ہے کہ اگر بیوہ سے شادی کرنا کوئی ناپسندیدہ بات ہوتی تو خود عہد نبوی و عہد صحابہ میں ان بیواؤں کے ساتھ شادی کی جاتی۔؟ پس معلوم ہوا کہ بیواؤں سے شادی کوئی تلخ چیز نہیں، بلکہ ایک کار ثواب ہے اور شرعی نقطہ نظر سے ایک پسندیدہ عمل ہے۔

☆☆☆

باب نمبر 9:

لڑکی لڑکے کا ایک دوسرے کو دیکھنا...... اظہار محبت

بغیر اہتمام کے دیکھنا:

اسلام نے عفت وعصمت کے تحفظ کے لئے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ ممکن ہو تو بغیر کسی اہتمام کے عورت کو شادی سے پہلے دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

"اذا خطب احد کم المرأة فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوه الی نکا حھا فلیر عل"

(مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح)

"تم سے جب کوئی عورت کو پیام نکاح دے اور وہ اس کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کو ایسا کرنا چاہیے۔"

معلوم ہوا نکاح سے پہلے مہذب اور شرعی طریقہ سے دیکھ لے تاکہ تذبذب جاتا رہے اور شادی کرنے میں عورت کی طرف سے جو شکوک وشبہات ہیں وہ دور جائیں۔ آئندہ کے لئے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ عورت کے متعلق کوئی بات ایسی کہنے کا موقع نہ رہے گا جس سے عورت کی سبکی ہو، اس طرح مقاصد نکاح بحسن خوبی بروئے کار آسکیں گے۔ گویا یہ ضروری نہیں ہے کہ خود ہی دیکھے، کوئی دوسرا دیکھ لے اور اسکے بیان پر اعتماد ہو تو یہی کیا جائے۔ مزید اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کے متعلق جو معلومات حاصل کرنا چاہیے کر سکتا ہے۔ دین، جمال، خاندان، خوشحالی اور اس طرح کی دوسری باتیں تاکہ اطمینان حاصل کیا جا سکے۔

دیکھنا محبت کا سبب:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو نے دیکھ لیا ہے۔؟"

میں نے کہا:

"نہیں یا رسول اللہ!"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"فانظر الیها فانه احری ان یوم بینکما"

(سنن ترمذی، باب ما جاء فی النظر الی المخطوبہ)

"اس عورت کو دیکھ لو! اس لئے کہ یہ باہمی تعلقات کی استواری کے لئے مناسب ہے۔"

یہ فرمان نبوی کھلا ثبوت ہے کہ جس عورت سے شادی ہونے والی ہے اسکو دیکھ لینا اور کچھ نہیں تو مستحب ضرور ہے۔ امام ترمذی نے بھی لکھا ہے:

"بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور انھوں نے کہا ہے کہ عورت کو شادی سے پہلے دیکھ لینا میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ اس کا وہ حصہ نہ دیکھا جائے جس کا دیکھنا حرام ہے اور یہی امام احمد رحمۃ علیہ اور اسحاق کا ہے۔"

پھر امام ترمذی فرماتے ہیں:

"و معنی ان یودم بینکما قال احری ان تدوم المودۃ بینکما"

(سنن ترمذی)

"ان یوم بینکما کے معنی ہیں کہ تم میں پائیدار محبت رہ سکے۔"

دیکھنے کا حکم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جس نے کسی عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا پوچھا:

"انظرت الیها؟"

"کیا تم نے اس کو دیکھ لیا۔؟"

اس نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اذهب فانظر الیها فان فی اعین الانصار شیئاً"

(صحیح مسلم، باب ندب من اراد امرأۃ الی ان ینظر قبل خطبتها، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۴۵۶)

"جاؤ اس عورت کو دیکھ لو، کیونکہ انصاری عورت کی آنکھوں میں کچھ (عیب) ہے۔"

امام نووی رحمۃ علیہ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس عورت کو دیکھنا جس سے شادی کرنے کا ارادہ کیا جائے مستحب ہے۔ یہی ہمارا، امام حنیفہ، امام مالک، تمام کوفیین، امام احمد اور جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔ قاضی نے ایک قوم کی کراہت کا جو قول نقل کیا ہے وہ غلط ہے اور اس صریح حدیث کے خلاف اور اجماع امت کے مخالف ہے۔ پھر ہمارا، امام مالک رحمۃ علیہ کا، امام احمد رحمۃ علیہ کا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس دیکھنے میں عورت کی رضا شرط نہیں ہے، بلکہ بغیر اطلاع عورت کی غفلت پا کر بھی اسکو دیکھا جا سکتا ہے۔ عورت سے طلب اذن کی بھی شرط نہیں ہے، عورت سے بغیر اجازت حاصل کئے اسے دیکھا جا سکتا ہے، اجازت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور اسطرح کے معاملہ میں عورت کو اجازت دینے میں حیاء بھی دامن گیر ہوا کرتی ہے اور معاملہ دھوکا کا ہے یقینی نہیں ہے، کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عورت کو دیکھا جاتا ہے اور وہ پسند نہیں آتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا شادی نہیں کرتا ہے، تو اگر اجازت کے حصول کے بعد دیکھا جائے اور شادی نہ کی جائے تو اس کو اس سے اذیت اور دلی تکلیف ہوگی اور بغیر اطلاع دیکھ لی گئی اور اس سے شادی نہ کی گئی تو یہ فعل اس کے لئے موجب اذیت نہ ہوگا، کیونکہ اس کو علم ہی نہیں ہے اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب (شوافع) کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شادی کا پیغام بھیجنے سے پہلے ہی دیکھ لیا جائے، تا کہ اگر پسند نہ آئے تو بغیر کسی تکلیف دیئے معاملہ ختم ہو۔ ہمارا (شوافع) کا قول ہے کہ اگر خود دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی ایسی عورت کو اسے دیکھنے کے لئے بھیجا جائے جس پر اعتماد اور وثوق ہو، تا کہ وہ آ کر صحیح صحیح خبر دے اور یہ سب نکاح کی بات چیت کرنے سے پہلے ہونا چاہیے۔"

(شرح مسلم نووی، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۴۵۶، ۴۵۷)

دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں:

محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اذا القی اللہ فی قلب امرء خطبۃ امرأۃ فلا باس ان ینظر

الیھا"

(ابن ماجہ، باب النظر الی المرأۃ)

"اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے دل میں کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش ڈال دے تو اس کے لئے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

ان تمام حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اچھا ہے۔ خواہ خود اپنی آنکھوں سے ہو یا کسی معتمد عورت کے ذریعہ ہو۔ اس سے بڑی حد تک اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے اور شادی کرنے میں شکوک وشبہات اور شیطانی وساوس پیدا نہیں ہوتے۔ پھر اس سلسلہ کے ابتدائی فتنے سر اٹھانے نہیں پاتے۔ البتہ لازمی شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو، دیکھنے سے منشاء فتنہ پیدا کرنا نہ ہو۔

رویت مستحب ہے:

فقہا کرام بھی دیکھنے کو جائز کہتے ہیں:

"قالوا یجوز النظر الی المخطوبة کیلا ینجر الامر الی الفساد و قالو یخلق النیة عند ابتداء النظر ثم یفوض الامر الی الله"

"فقہاء نے کہا ہے کہ جس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کو دیکھنا جائز ہے، تاکہ معاملہ فساد برپا نہ کرے اور یہ بھی کہا ہے کہ دیکھتے وقت نیت میں خلوص ہو، پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔"

اب یہ سوال کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا کیسا ہے؟ فقہاء اس باب میں عموماً مستحب کے قائل ہیں، جسے وہ "ندب" کے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت جابر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس پر عمل تھا۔ وہ بھی شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"میں نے ایک عورت کو شادی کا پیام دیا اور میں نے چھپ کر اسے دیکھنے کی سعی کی اور اس میں کامیاب ہو گیا۔ دیکھنے کے بعد اس میں کچھ ایسی باتیں دیکھیں کہ میں نے اس سے شادی کر لی۔"

محمد بن مسلمہ:

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری نسبت ایک عورت سے ٹھہری۔ میں نے چھپ کر اس کو دیکھنے کی سعی کی۔ بالآخر ایک دن میں نے اس کو اپنے باغ میں دیکھ لیا۔ ان کی اس حرکت پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(سنن ابن ماجہ، باب النظر المرأۃ اذا اراد ان تزوجہا)

حضرت عمر فاروق:

حضرت عمر نے حضرت علی کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کی لڑکی ام کلثوم سے شادی کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس روایت کے اخیر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمر نے پہلے ان کو دیکھ لیا تھا۔

ذرا رُکیے:

مگر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی اجازت تو ضرور ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں وہ رواج بھی ہمارے یہاں جائز ہے جو غیر قوموں میں ہے کہ شادی کے پہلے ہونے والے میاں بیوی ایک مدت تک بیبا کی کے ساتھ ملی جلی زندگی گزارتے ہیں اور عشق و محبت کی وادی طے کر کے نکاح کی منزل پر پہنچتے ہیں۔ یہ طریقے اسلام میں قطعاً جائز نہیں ہیں۔ حضرت جابرؓ کے دیکھنے کا واقعہ نقل کیا گیا، اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں دیکھنے کی کیا نوعیت تھی۔ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اسلام میں شریف عورت کا تمام جسم ستر ہے، سوائے چہرہ اور ہتھیلی یا زیادہ سے زیادہ قدم بھی۔ ان تین (چہرہ، ہتھیلی، قدم) کے سوا دوسرے حصہ جسم کا عورت کے لئے کھولنا غیر مرد کے سامنے جائز نہیں ہے تو بس ہمارے یہاں اسی حد تک دیکھنا چاہئے۔

چہرہ اور ہتھیلی:

دیکھنے میں تجسس جائز نہیں، یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عورت کو علم ہو کہ مجھے دیکھا جا رہا ہے۔ مرد کو مخطوبہ کے متعلق یقین کے ساتھ کسی طرح ضروری معلومات ہو جانا چاہئے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"ثم انما یباح له النظر الی وجهها و کفیها فقط لانهما لیسا

بعورة ولانه ليستدل بالوجه على الجمال و بالكفين علي خصوبة البدن او عدمها"

(شرح مسلم، جلد نمبر ا، صفحہ نمبر ۴۵۶)

''مرد کے لئے جائز ہے کہ مخطوبہ (جس سے شادی کرنا ہے) کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھ لے کہ یہ دونوں ستر نہیں ہیں اور اس لئے کہ چہرہ سے خوبصورتی معلوم ہو جائے گی، اور ہتھیلی سے بدن کی تروتازگی کا اندازہ مل جائے گا۔''

یہ بالکل درست ہے کہ چہرہ دیکھ کر آدمی عورت کی تراش خراش کا بڑی حد تک اندازہ لگا سکتا ہے، خوبصورتی و بدصورتی چہرہ سے عیاں ہو جاتی ہے، بلکہ آدمی ذرا ذہین ہو تو چہرہ سے اس کی زندگی کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ قدرت نے چہرہ کو ظاہری بدن کا قلب بنایا ہے اور اگر اسے آلہ باطن نما کہا جائے تو غلط نہیں۔

ان قوانین سے اسلام کا منشا یہ ہے کہ شادی میں ان تمام ضروری امور کا لحاظ رکھا جائے جس کی وجہ سے آئندہ ملی جلی زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائے اور مقاصد نکاح اس رشتہ سے پوری طرح ادا ہوں۔

علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:

''میں تیس چالیس سال سے عورت کے متعلق مسائل اور زن و شوہر تعلقات پر کام کر رہا ہوں، اس سلسلہ میں بہت سی قدیم و جدید کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھنے پڑے اور اس مسئلہ پر اپنی تفسیر المنار میں بہت کچھ لکھ بھی چکا ہوں، مگر بایں ہمہ اہل مغرب و مشرق کے اس قول کے غلط ہونے کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ زن و شوہر تعلقات کی خوشگواری کا دارومدار اس بات پر ہے کہ شادی سے پہلے ہونے والے میاں بیوی میں تعارف ہو اور ہر ایک کو دوسرے سے عشق ہو۔ تجربات نے اس بات کی غلطی آشکار کر دی ہے اور یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ نوجونوں کا باہمی عشق و محبت شادی کے بعد عموماً ختم ہو جاتا ہے اور عرب کا یہ قول بالکل صادق آتا ہے: ''الزوج یفسد الحب'' شادی پہلی محبت کی بنیاد ہلا دیتی ہے۔ زن و شوہر کے تعلقات کی خوشگواری کے لئے صحیح قاعدہ وہی ہے جو حضرت عمر نے اس عورت سے کہا تھا جس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست دی تھی اور اپنے شوہر کے متعلق کھول کر کہا تھا: اس

سے طبعی محبت نہیں کرتی ہوں، یعنی میرے دل میں اس کی طبعی محبت جاگزیں نہیں ہوتی ہے۔ حضرت عمر نے یہ سنکر عورت سے فرمایا: اگر عورتوں میں سے کسی عورت کو اپنے شوہر سے طبعی محبت نہ ہوتو اس عورت کو چاہئے کہ یہ بات اپنے شوہر سے نہ بیان کرے، کیونکہ بہت کم ایسے گھر ہیں جنکی بنیاد طبعی محبت پر ہوتی ہے۔ لوگ باہمی زندگی حسب اور اسلام پر بسر کیا کریں، یعنی میاں بیوی میں ہر ایک اس بات کا التزام کرے کہ ایک دوسرے کے شرف ومجد کا لحاظ کرے اور اسلام نے زن وشوہر کے تعلقات کے سلسلہ میں جو ضروری ذمہ داریاں، آداب اور فرائض عائد کیے ہیں ان کو نباہنے اور بجا لانے کی سعی کرے۔ بس اسی طریقہ سے زندگی کی خوشگواری نصیب ہوسکتی ہے۔ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ دل میں جتنی محبت پاتا ہے، اظہار اس سے زیادہ کا کرے، تاکہ اس طرح بتدریج محبت دلوں میں جاگزیں ہوجائے اور باہمی زندگی اطمینان وسکون اور مسرت وانبساط سے نباہ دے۔''

(ندا المجلس اللطیف، صفحہ نمبر ۱۱۴)

☆☆☆

باب نمبر 10:

دولہا سے چند باتیں

عملی زندگی کا سب سے بڑا امتحان:

نکاح کا وقت، عملی زندگی کے سب سے بڑے امتحان میں داخلہ کا وقت ہے۔ نکاح کا وقت، بلوغ کے بعد ٹھہرایا گیا ہے اور رضا مندی معتبر صرف بالغ ہی کی ہوتی ہے، لیکن خود بلوغ کے معنی کیا ہے؟ یہی نا کہ ذمہ داری کا احسان پیدا ہو گیا اور روح و جسم اور قلب ایک عظیم الشان ذمہ داری کو اٹھانے کیلئے تیار ہو گئے۔ نفس خوش نہ ہو کہ عمر بھر کیلئے خدمت کو ایک باندی ہاتھ آ گئی، یہ تخیل اور جہاں کہیں کا بھی ہو، اسلام کا تخیل یقیناً نہیں۔ وقت غفلت کے قہقہوں کا، عیش و مسرت کی تالیوں کا نہیں، مقام قلب سلیم کے ڈرنے اور لرز جانے کا ہے کہ ایک عظیم الشان امانت سونپی جا رہی ہے اور ایک اپنے برابر کی انسانی ہستی کی خبر گیری کا بار سر پر آ پڑنے کو ہے۔

اب تک صرف کھانا تھا اب کھلانا بھی ہو گا۔ جیسا خود کھایا ویسا ہی کھلانا ہو گا:

" ان تطعمها اذا طعمت"

اب تک صرف پہننا تھا اب پہنانا بھی ہو گا۔ جب اور جس وقت خود پہنا اس وقت اور اسی طرح پہنانا بھی ہو گا:

" و تکسوها اذا کتسئت"

سب سے بڑھ کر یہ کہ اعتراض و عیب جوئی سے، نکتہ چینی و دل شکنی سے زبان روکنی ہو گی۔

"و لا تقبح"

یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جھوٹے عیب نہ نکالے جائیں، عیب سچے یا جھوٹے کسی طرح کے بھی نہ نکالے جائیں اور پھر نکتہ یہ ہے کہ کھلانا پہنانا جو کچھ بھی ہو خیرات کی مد میں نہ ہو، بھیک کی جھولی میں ٹکڑا ڈال دینے کی حیثیت سے نہ ہو، بیوی کا حق اور اپنا فرض سمجھ کر ہو۔ ان معاملات کے برتنے کا طریقہ بہتر سے بہتر اور شائستہ سے شائستہ ہو۔

ایمان کامل ہوتا ہے:

"ان من اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا و الطفهم باهله"

"مومنین میں کامل ترین ایمان والے وہ ہیں جو خلق میں بہترین ہوں اور اپنے اہل کے حق میں نرم ترین ہوں۔"

(سنن ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:

"خیارکم خیارکم لنسائهم"

"تم میں سے بہتر وہ ہیں جو بہتر ہوں اپنی عورتوں کے حق میں۔"

نیکی اور بزرگی کا معیار یہ نہیں ارشاد ہوا کہ کون باہر والوں کے ساتھ کیسا ہے؟ پبلک پلیٹ فارم پر کس روپ میں آتا ہے؟ بلکہ یہ کہ اپنی رفیقۂ خلوت کے حق میں، اپنی شریک حیات کے سابقہ میں کیسا ہے؟ اور حق یہ ہے کہ انسان کی اصل سیرت کا، اندرونی کریکٹر کا، نفس کی گہرائیوں کی پیمائش کا اس سے جانچا تلا پیمانہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

جس نبی کے یہ احکام ہیں اس کا خود عمل یہ ہے کہ ایک شب مبارک میں بستر مبارک سے اٹھ کر مرحومین کے حق میں دعاء مغفرت کا خیال آتا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ آپ آہستہ سے اٹھے، ردائے مبارک آہستہ سے اٹھائی اور حجرہ کا دروازہ آہستہ سے کھولا۔ یہ ہر ہر جنبش میں آخر آہستگی کا اہتمام کیوں؟ اس لئے کہ پاس ہی آرام فرمانے والی ایک خاتون عائشہ صدیقہ کی راحت میں بلاضرورت خلل نہ پڑے۔ اللہ اکبر! جس آقا و سردار ﷺ کو یہ اہتمام رفیقہ حیات کی راحت و آسائش کے باب میں تھا، آج اسی کی امت میں مشرک قوموں کے اختلاط سے یہ خیال پھیل گیا ہے کہ بیوی بھی بھلا شوہر کی طرف سے کسی عزت و تکریم کے قابل ہوتی ہے؟ بیوی کی حیثیت تو ایک بن داموں کی کنیز کی ہوتی ہے۔ ایسے مذاہب بھی اسی دنیا کے پردہ پر یقیناً موجود ہیں جنہوں نے عورت کے وجود کو ننگ انسانیت اور بیوی کو ایک گندی ہستی قرار دیا ہے، لیکن شارع علیہ السلام نے تو صاف اسے ایک نعمت قرار دیا ہے:

"خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة" (صحیح مسلم)

"دنیا میں بہترین جنس اچھی اور پاک بیوی ہے۔"

جس نے یہ تعلیم دنیا کو دی، جس نے خود اپنی ازدواجی زندگی اس معیار پر گزاردی، حق تھا کہ وہ اپنے متعلق تو واقعہ نفس الامر کا اور اپنی امت سے متعلق نصب العین کا اعلان کھلے لفظوں میں کر دے:

''خیر کم خیر کم لاھلہ و انا خیر کم لاھلی''(سنن ترمذی)

''تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ہو۔ اور ''میں'' اپنے اہل کے حق میں بہتر ہوں۔''

جہیز کا مطالبہ:

اسلام کے ماننے والوں میں ایک بڑی فکر انگیز تحریک شروع ہو چکی ہے کہ اچھے بھلے سمجھ دار لوگوں نے اپنے گھریلو اخراجات اپنی منکوحہ کے والدین سے لینے شروع کر دیئے ہیں۔ اس طرح بیٹی والوں کو عزت دینے کی بجائے انہیں ایک بڑے بوجھ تلے دبا کر والدین کو زیر بار کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے۔ اس کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے۔ یہ نسل انسانی کا بقاء و تسلسل اور فطری تقاضوں کی تکمیل معصیت و گناہ، فواحش و بے حیائی سے اجتناب اور معاشرۂ انسانی کا نظم وضبط ''ازدواجی زندگی'' پر موقوف ہے اور یہ ازدواجی زندگی احکام شریعت کے مطابق ہی منظم، سہل، کامیاب اور پرسکون ہو سکتی ہے۔ اس لئے فطرت انسانی کے اس تقاضے وضرورت کی تکمیل (نکاح وازدواج) اور شریعت کی اس اہم عبادت و ذریعہ تقرب خداوندی و محبوب سنت نبوی کی تکمیل میں، جب اپنی طرف سے فرض کردہ ایسی شرائط ولوازمات اور ایسے مطالبات عائد کئے جائیں گے، جن کی وجہ سے اس اہم انسانی ضرورت (نکاح) کی تکمیل اور اس دینی فریضہ کی ادائیگی کسی کیلئے ناممکن اور کسی کیلئے ایسی دشوار و مشکل ہو جائے کہ اس کو بعض اوقات ملتوی یا شدید طور پر مؤخر کرنا پڑے۔ اس کی وجہ سے بہت سے محظورات کا امکان پیدا ہو جائے اور بعض اوقات اس کیلئے جان پر کھیلنا پڑے اور وہ باعث مسرت و برکت ہونے کی بجائے سخت عذاب و مصیبت بن جائے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی نظر میں صریح ظلم و معصیت اور نتائج کے اعتبار سے ہزاروں خرابیوں، بداخلاقیوں، بے برکتیوں اور پریشانیوں اور نحوستوں کا موجب اور قہر خداوندی کا سبب ہو سکتی ہے۔

اس کی آخرت میں جو سزا بھی ہو، اس دنیا میں بھی اس کی سزا کھلی آنکھوں دیکھی جا سکتی ہے۔ لڑکی والوں سے کسی رقم یا خاص چیز کا مطالبہ یا من مانی فرمائشیں اور مالی و اقتصادی منافع کے حصول کی شرط جس کو بعض علاقوں میں ''تلک''، بعض مقامات پر ''گھوڑا جوڑا''، بعض جگہ ''جہیز'' کی معروف و متداول اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعض لوگ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا اپنی ایک صاحبزادی، حضرت زینب (بنت

رسول) کو ان کی شادی کے وقت "ہار" دینا بھی جہیز کے سنت ہونے کیلئے سند خیال کرتے ہیں، لیکن یہ سند اور بنیاد ہی بہت زیادہ کمزور ہے، کیونکہ اول تو یہ فعل ام المومنین کا تھا (آنحضرت ﷺ کا نہیں تھا) اور وہ بھی قبل از اعلان نبوت کے زمانہ کا یعنی جبکہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہونا شروع نہیں ہوئی تھی۔ اگر بعثت کے بعد کا یہ واقعہ ہوتا تو بھی محض اس سے جواز ثابت ہوتا (تقریری حدیث کے امکان کی بناء پر) اس عمل کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

مگر جب یہ معلوم و ثابت ہے کہ یہ واقعہ قبل از بعثت کا ہے تو اہل علم جانتے ہی ہیں کہ جواز پر بھی استدلال کی گنجائش نہیں رہ جاتی، چہ جائیکہ سنت ہونے پر، یہ الگ بات ہے کہ بغیر کسی صریحی یا غیر صریحی شرط کے بلا نام و نمود بآسانی مہیا کر کے شادی کے موقعہ پر بھی کچھ دینے کا جواز تو دوسرے دلائل سے ثابت ہے، لیکن شوہر کی طرف سے مطالبہ بالکل ناجائز ہے۔

ابوالعاص سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی، جس میں ہار دیا گیا تھا، کا قبل از نبوت ہونا، دوسری تیسری صدی ہجری کے معروف و مستند مورخ عبدالمالک بن ہشام (المتوفی ۲۱۳ یا ۲۱۸ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "سیرۃ ابن ہشام" میں زیر عنوان "سبب زواج ابی العاص من زینب" اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ قبل از نبوت کا ہے۔

اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی شادی کے وقت جو گھریلو سامان دیا گیا تھا اسے بھی موجود جہیز کے رواج کیلئے سند بنانا درست نہیں، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی چار بیٹیوں میں سے صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دینا، اس غرض سے تھا کہ حضرت علی کی مستقل علیحدہ سکونت کا انتظام نہ تھا، تو ظاہر ہے کہ گھریلو سامان کی موجودگی کا بھی کوئی سوال نہیں تھا، علاوہ ازیں حضرت علی کرم اللہ وجہ کے سرپرست بھی آنحضرت ﷺ ہی تھے، جیسا کہ تمام ارباب سیر نے لکھا ہے۔ مثلاً مشہور محدث و مورخ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب "الاستیعاب" میں ہے:

"کان ابو طالب ذاعیال کثیر ...... فاخذ رسول اللہ ﷺ علیا فضمہ الیہ ...... فلم یزل علی من ابنتہ فاطمۃ"

(الاستیعاب ج ۲، ص ۳۸ مکتبہ نھضۃ مصر)

اگر اس سے استدلال درست بھی ہو تو وہ جہیز کیا تھا۔؟ اسی طرف آئیے! اور چکی، کھجور کی چھال کا گدا اور مشکیزہ دیجئے اور لڑکے والے بس اسی کا مطالبہ کریں۔!

باب نمبر 11:

راز کی باتیں

ادائیگی حق مہر:

عقل مند لوگ تو پہلے ہی حق مہر کی رقم یا طلائی زیور اپنے بزرگوں کے ہاتھوں دلہن تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگر یہ فریضہ ادا ہو چکا ہے تو بہتر ورنہ پہلی فرصت میں تھوڑی سی بے تکلفی کے بعد ادا کر دیجئے۔!

دو رکعت نفل:

کیا خوب ہوگا اس خوشی کے موقع پر شکریے کے دو دو نوافل دونوں ہی ادا کر لیں۔ اللہ اپنے ان نیک بندوں سے بہت راضی اور خوش ہوتا ہے جو:

"الذین یحمدون اللہ فی السراء و الضراء"

(مشکوۃ المصابیح)

"ہر خوشی اور تکلیف میں اللہ کی تعریف اور شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔"

وہ کمرہ یقیناً بند ہو۔ احتیاط کا بھی تقاضہ ہے کہ پردے کا لحاظ رکھا جائے، سب سے پہلے دلہن کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو کر یہ دعا پڑھ لیجئے:

"اللھم انی اسئلك من خیرھا و خیر ما جبلتھا علیھا و اعوذ بك من شرھا و شر ما جبلت علیھا"

"اے اللہ! میں آپ سے اس کی بھلائی اور اس کی عادتوں کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کی برائی اور اسکی بری عادتوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔"

لیجئے! آپ نے آنحضور ﷺ کی بتلائی ہوئی دعا پڑھ لی ہے، اس کی برکتیں پوری عمر محسوس کریں گے۔

ضروری احتیاطیں:

طب نبوی لابن قیم میں چند آداب لکھے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

بیوی کی آمادگی کیلئے بوس و کنار، بات چیت اور جسم کے مختلف حصوں پر ہاتھ پھیرنا چاہیئے۔ چوپائے کی طرح بے تحاشہ کود پڑنا، کسی طرح بھی مفید نہیں۔ ایسا کپڑا ڈھانپ لیں، جس میں دونوں چھپ جائیں۔ عورت یہ نہ سمجھے کہ یہ شخص صرف اپنی نفسانی غرض کو پورا کرنے کیلئے مجھ سے محبت کر رہا ہے، اس لئے ممکن ہو تو فوراً ''ایسا'' نہ کریں۔

صیغہ راز میں کچھ باتیں رکھنے کا قانون ہر مذہب، ہر کاروبار اور ہر محکمے میں ہے۔ باشعور لوگ اس سے پورے طور پر مستفید ہوتے ہیں۔ اس طرح میاں بیوی کی اندرونی زندگی میں بہت سی باتیں محفوظ رہنی چاہئیں۔ ہم نے بھی انہیں ''راز کی باتیں'' کا عنوان دیا ہے جن کا علم تو جوانوں کیلئے ضروری ہے۔

مباشرت کی دعاء:

''عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لو ان احد کم اذا اراد ان یاتی اهله قال بسم الله اللهم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان مارزقتنا فانه ان یقدر بهما ولد لذالك لم یضره شیطان ابدا''

(صحیح بخاری ومسلم)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے: ''بسم الله اللهم جنبنا الشیطان مارزقتنا'' (بسم اللہ! اے اللہ! تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا! اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا!) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہو گا، تو شیطان کبھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور وہ ہمیشہ شیطان سے محفوظ رہے گا۔''

اگر مباشرت کے وقت اللہ سے اس طرح کی دعا نہ کی اور خدا سے غافل ہو کر جانوروں کی طرح شہوت نفس کا تقاضا پورا کر لیا تو ایسی مباشرت سے جو اولاد پیدا ہو گی، وہ شیطان کے شر سے محفوظ نہیں رہے گی۔

اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق اور عادات جو عام وطور سے خراب و برباد ہیں، اس کی خاص بنیاد یہی ہے۔

دوبارہ جماع کرنا ہو تو:

ایک دفعہ فراغت کے بعد دوبارہ جماع کرنا ہو تو بہتر ہے کہ دونوں غسل کر لیں، پھر جماع کریں، ورنہ شرم گاہ دھو کر وضو تو کر ہی لیں۔

(صحیح مسلم)(سنن ابی داؤد)

طب نبوی میں ہے کہ مذکورہ احتیاط نہ کرنے والا اولاد کی صفت سخاوت اور عقل مندی سے محروم ہو جاتا ہے۔

شرم گاہ کو دیکھنے سے گناہ نہ ہوگا، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ اجازت والے ہر کام پر فائدہ بھی ہو۔ طب نبوی میں ہے کہ شرم گاہ کو دیکھنے سے نظر کمزور ہو جاتی ہے۔

(طب نبوی، از ابن قیم)

دیکھیں! کہیں نماز کا وقت تو نہیں! ورنہ اولاد نافرمان پیدا ہو گی۔ اعتدال ہر عمل میں مسنون ہے۔ حکماء کی متفقہ رائے ہے کہ جب تک خود بخود ہی شہوت غالب نہ ہو جماع نہ کرنا چاہیے۔ اپنی قوت باہ کا تحفظ اور لحاظ کر کے جماع کرنا مفید رہتا ہے۔ پہلے پہل کم، پھر آہستہ آہستہ اپنی قوت کے اعتبار سے چار دن بعد اور بعض صورتوں میں کمزوری سے بچنے کیلئے ایک ہفتہ یا دو ہفتے بعد مناسب رہتا ہے۔

ایام خاص کے احکامات:

اسلام ایک مہذب اور صحت مند معاشرہ اور خاندان کی تشکیل چاہتا ہے وہ اپنے ماننے والوں کو نہ صرف دینی، بلکہ دینوی بے شمار فوائد سے متعارف کروا کر دونوں جہانوں کی کامیابیوں سے ہم کنار کرواتا ہے۔

چنانچہ اس نے میاں بیوی کے ”خاص تعلقات“ کو ہر ماہ کچھ دنوں کیلئے روک دیا ہے، اسی طرح بچہ کی پیدائش کے بعد طبی اور شرعی فوائد کے حصول کیلئے حکم ہے کہ نفاس کے ختم ہونے تک مرد عورت کے قریب نہ جائے اور نہ ہی عورت۔ ارشاد الٰہی ہے:

”ویسئلو نك عن المحيض قل هو اذى“

(سورۃ البقرہ)

"اور لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ حیض گندگی کی چیز ہے، تو حالت حیض میں عورتوں (کے ساتھ صحبت کرنے) سے علیحدہ رہا کرو اور (اس حالت میں) ان سے قربت مت کرو، جب تک وہ (حیض سے) پاک نہ ہو جائیں۔ پھر جب وہ (عورتیں) اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں، توبہ کرنیوالوں سے۔"

حیض کی حالت میں بیوی سے ہمبستری کرنا حرام ہے۔

حیض کی حالت میں عورت کا بوسہ لینا اور اس کا جھوٹا پانی پینا اور اس سے لپٹ کر سونا اور اس کے بدن کو ناف کے اوپر، اسی طرح زانو اور زانو کے نیچے کے جسم سے اپنے جسم کو ملانا، اگرچہ درمیان میں کپڑا نہ ہو اور ناف اور زانو کے درمیانی بدن کو کپڑا درمیان میں حائل کر کے ملانا جائز ہے۔ ہاں! اگر یہ خیال ہو کہ کہیں حالت حیض میں پاس لیٹنے سے ہمبستری نہ ہو جائے، تو علیحدگی بہتر ہے، لیکن حیض کی وجہ سے نفرت کر کے عورت سے علیحدہ ہو کر سونا یا اس کے اختلاط سے بچنا مکروہ ہے۔

حیض کی حالت میں عورت کی ناف اور زانو کے درمیان کے جسم کو ننگے دیکھنا حرام ہے۔

کسی عورت کی عادت پانچ دن کی یا نو دن کی تھی، پھر جتنے دن کی عادت تھی، اتنے ہی دن خون آیا، پھر بند ہو گیا تو جب تک غسل نہ کر لے، اس وقت تک صحبت کرنا درست نہیں۔ اگر غسل نہ کرے، تو جب ایک نماز کا وقت گزر جائے کہ ایک نماز کی قضاء اسکے ذمے واجب ہو جائے، تو بغیر نہائے بھی صحبت درست ہے، اس سے پہلے صحبت درست نہیں۔

نماز کا وقت گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی فرض نماز کے شروع وقت میں خون بند ہوا، ہو تو اس نماز کا باقی سب وقت گزر جائے اور اگر کسی نماز کے اخیر وقت میں خون بند ہو، تو اس نماز کا وقت ملنا ضروری ہے کہ جس میں غسل کر کے نماز کی نیت کرنے کی گنجائش ہو، اگر اس سے بھی کم وقت ملے، تو پھر اس کے گزرنے کا کچھ اعتبار نہیں، دوسری فرض نماز کا پورا وقت گزرنا ضروری ہے۔

اور اگر خون ایسے وقت بند ہوا ہے کہ نماز کا وقت نہیں ہے، جیسے: طلوع آفتاب سے زوال تک کا وقت ہے، تو اس وقت کے گزرنے کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد ظہر کی نماز کے وقت کا

گزرنا صحبت حلال ہونے کیلئے ضروری ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کسی خاص وجہ سے (مثلاً بیوی کی صحت یا پہلے بچے کی صحت کے تحفظ کے خیال سے) یہ نہیں چاہتا کہ اس وقت اسکی بیوی کو حمل قرار پائے۔ وہ اس غرض سے ایسا کرتا ہے کہ انزال کا وقت قریب آنے پر اپنے کو بیوی سے الگ کر لیتا ہے، تا کہ مادۂ منویہ باہر خارج ہو جائے، اسی کو عزل کہتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ایسا کرتے تھے۔

امت کے اکثر فقہاء نے اس باب کی حدیثوں سے یہی سمجھا ہے اور ان کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خاص حالات اور مصالح کی وجہ سے "عزل" کرے، تو گنجائش ہے، گناہ نہیں ہے۔

لیکن فی زمانہ مغربی اقوام وممالک کی تقلید و پیروی میں بعض ملکوں میں ملکی اور قومی پیمانے پر تحدید نسل کی مہمیں چلائی جارہی ہے، جن کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی نسل بڑھنے نہ پائے۔ اگر بڑھتی رہی تو روٹی نہیں ملے گی۔ اس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یہ وہی گمراہانہ نقطہ نظر ہے جس کی بناء پر زمانہ جاہلیت کے بعض عرب اپنے نومولود بچوں کو ختم کر دیتے تھے۔

قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

"لا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقهم و ایاکم"

(سورۃ الانعام)

"اپنے بچوں کو مفلسی اور ناداری کی وجہ سے ختم نہ کرو، ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔"

"عن جابر ان رجلا اتی رسول الله فقال ان لی جارية هی خادمنا و انا اطوف عليها و اكره ان تحمل فقال اعزل ان شئت فانه سياتيها ما قدر لها فلبث الرجل قد اخبرتك انه سياتيها ما تدرلها"

(صحیح مسلم)

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے اور وہی ہمارے گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ میں اس سے محبت بھی کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اس کا حمل قرار پا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو عزل کرو، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس باندی کے لئے جو مقدر ہو چکا ہے، وہ ضرور ہوگا۔ کچھ دنوں کے بعد وہی آدمی آیا اور عرض کیا کہ اس باندی کے تو حمل قرار پا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تم کو بتایا تھا کہ جو اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے، وہ ہو کے رہے گا۔"

اس حدیث طیبہ میں باندی کا ذکر، جبکہ دیگر کئی احادیث عام ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ باندی اور غیر باندی کا ایک ہی حکم ہے کہ بغیر شدت کے 'عزل' نہ کرنا چاہیے۔

☆☆☆

باب نمبر 12:

انبیاء کرام اوران کی ازواج

سیدنا آدم وحواء:

جب حضرت آدم وحواء دونوں جنت میں مکین تھے تو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا۔ اب انہیں حکم الٰہی بھولنے پر فرمان ہوا:

"الم انھکما عن تلکما الشجرۃ و اقل لکما ان الشیطن لکما عدو مبین"

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر: ۲۲)

"کیا میں نے منع نہ کیا تھا تم کو اس درخت سے اور کہا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔؟"

حضرت آدم وحوا اللہ تعالیٰ سے مدد اور بخشش کے طالب ہوئے۔ دونوں میاں بیوی نیک تھے اور اللہ کے فرمانبروار، دونوں عرض کرنے لگے:

" ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین"

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر: ۲۳)

"پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔"

یہ کلمات توبہ واستغفار آج بھی ایک شوہر کیلئے اس لحاظ سے فائدہ مند ہیں کہ وہ استغفار خود کرے اور اپنے اہل خانہ کو بھی یہ عادت ڈالے۔ اس طرح استغفار سے جہاں گناہ معاف ہوتے ہیں وہاں روزی کی تنگی اور مصائب بھی دور ہوتے ہیں۔

سیدنا نوح اور ان کی بیوی واعلہ:

سیدنا نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ آج جتنی انسانیت ہے یہ ان ہی کے خاندان کی اولاد ہے۔ باقی لوگوں کی نسلیں طوفان نوح کی نذر ہو گئیں، نوح علیہ السلام عظیم پیغمبر اور عظیم شوہر بھی تھے۔ ان کی برداشت اور حوصلہ قابل تقلید ہے کہ آخری دم تک نافرمان بیوی کی اصلاح میں کوشاں اور نافرمان اولاد کو آخری وقت تک اللہ کے عذاب سے بچا لینے کی پوری کوشش کرتے نظر آرہے ہیں اور صبر و ضبط اور شکر گزاری کی داد دیتے ہوئے ان کا تذکرہ بڑے اچھے الفاظ میں کرتے ہیں کہ انتہائی نامساعد حالات یعنی بیوی کی مخالفت میں اپنے مشن پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں رطب اللسان ہیں اور خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام جو شکر گزاروں کے پیشوا ہیں اور جن کی خود اللہ کریم نے تعریف کی ہے:

"انه كان عبدا شكورا"

(سورۃ الاسراء، آیت نمبر:۳)

"بے شک نوح علیہ السلام ہمارے شکر گزار بندے تھے۔"

امام ترمذی نے حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے میں (سعد) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

"کون لوگ مصیبت میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔؟"

آپ نے فرمایا:

"انبیاء! پھر ان سے نیچے والے، پھر ان سے نیچے والے۔"

آدمی اپنے دین کے مطابق ہی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے، جس کا دین قوی ہو اس پر آزمائش بھی بھاری آتی ہے اور جس کے دین میں ذرا ضعف ہو اس کی آزمائش بھی نسبتاً کم درجے کی ہوتی ہے۔ بندے پر آزمائشیں پڑتی رہتی ہیں، حتیٰ کہ اس کا کوئی گناہ باقی نہیں چھوڑتیں۔ اس لئے گھریلو معاملات میں حوصلہ اور برداشت سے اصلاح احوال کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔!

یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بندہ بقدر دین ہی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھئے کہ کس قدر صبر و شکر کی آزمائشوں میں مبتلا ہوئے، قوم نے جھٹلایا، تمسخر اڑایا، ہر قسم کی اذیتیں آپ کو پہنچائیں اور اس پر مزید بیٹے کی طرف سے بھی آزمائش کہ آخری وقت میں بھی دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔

یہ ایک سبق دیا جا رہا ہے کہ بیوی بچے بعض اوقات خلاف طبع ہوتے ہیں تو بھی انسان کو ان سے قطع تعلق نہ کرنی چاہیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نوح علیہ السلام کی بیوی جسے آپ کا ہمدرد اور غمگسار ہونا چاہیے تھا وہ کافروں سے ملی ہوئی ہے، حالانکہ آپ نے اسے کافروں سے نکالنے کی بہت سعی فرمائی، لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ہو کر رہتا ہے کہ نوح علیہ السلام کا قرب بھی اسے فائدہ نہ دے سکا، لہٰذا دینی قرب معتبر ہے، نہ کہ نسبتی قرب، اس لئے اپنے اعمال کی طرف بھی انسان کو متوجہ رہنا چاہیے۔

انبیاء علیہم السلام کے تمام حالات انسانوں کی راہنمائی کیلئے ہوتے ہیں، دو نبیوں کی ازواج نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا، بلکہ ان کے مخالف تھیں، لیکن اُن اللہ کے نیک بندوں نے آخری دم تک اس رشتے کو نباہنے کی کوشش کر کے آج کے دولہا اور اس کے اعزہ کو سبق دیا ہے کہ رشتوں، باتوں کا تعلق توڑنے کیلئے نہیں، ہمیشہ کیلئے ہوتا ہے۔ انہیں نباہنے میں ہی خیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے:

"ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امراۃ نوح و امراۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتا ھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا و قیل ادخلا النار مع الداخلین"

(سورۃ التحریم، آیت نمبر: ۱۰)

"دونوں ہمارے نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان سے خیانت کی، تو وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ دوسرے داخل ہونیوالوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے، ہر ایک ایک نبی کے گھر میں تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت کی تفسیر حدیث پاک میں مذکور ہے کہ دعوت دین کے بارے میں خیانت کرتی تھی، بدکاری کی خیانت نہ کرتی تھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ کسی بھی نبی کی بیوی کبھی زنا کاری میں مبتلا نہیں ہوئی۔

سیدنا حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی:

یہ اس وقت کا تذکرہ ہے جب وہ لق و دق صحرا میں اپنے جگر پارے اور بیوی کو چھوڑ کر چلے

گئے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے الفاظ کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے پلٹتے ہوئے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچے، جہاں حضرت ہاجرہ اور بیٹا ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھائے اور دعا مانگی:

”ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی رع عند بیتك المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون“

(سورۃ ابراہیم، آیت نمبر:۳۷)

”اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدان مکہ میں تیری عزت وادب والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔اے پروردگار! تاکہ یہ نمازیں پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف جھکے رہیں اور انہیں میووں سے روزی دے، تاکہ وہ تیرا شکر کریں۔“

عظیم لوگوں سے کام بھی عظیم لیا جاتا ہے۔یہاں دونوں میاں بیوی بڑی شان والے ہیں۔ ان دونوں نے جب الٰہی میں زندگی کے جو لمحات خرچ کیے، اسی کا ثمرہ تھا کہ اس مختصر سے خاندان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر ”بیت اللہ“ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور وہ وقت آیا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام مل کر تعمیر بیت اللہ کرتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھیں اور اللہ کا انعام تھا جو آپ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جو اپنے والد محترم کے پرتو اور نمونہ تھے۔ان کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام مسرت کا اظہار فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا گھر بنانے کا حکم دیا ہے کہ جس کی طرف لوگ دور دراز مقامات سے حج کرنے کیلئے آئیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی تعمیر کی جگہ بھی متعین کر کے بتا دی۔ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے پوچھا:

”اسماعیل کہاں ہے۔؟“

حضرت ہاجرہ بی بی نے پوچھا:

”کیوں! ان سے کیا کام ہے۔؟“

آپ نے فرمایا:

''ہاجرہ! خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔''

یہ سنتے ہی حضرت ہاجرہ شکر گزاری کیلئے بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہو گئیں کہ اللہ کریم نے ان کے بیٹے کو اس شرف کیلئے چن لیا ہے اور اپنے اس گھر کی تعمیر میں حصہ لینے کو پسند فرما لیا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کیلئے ''جائے امن'' اور ذریعہ ثواب بنایا ہے۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے گھر کا نقشہ تیار کرنے لگے اور جب کبھی حضرت ہاجرہ بی بی کو موقع ملتا تعمیر کے کام میں اپنے شوہر اور بیٹے کا ہاتھ بٹاتیں اور وہ مسلسل کام میں لگے رہتے۔ کیا مبارک ساعتیں تھیں جب دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کا پاک گھر بنانے میں مصروف تھے اور ان کی بیوی حضرت ہاجرہ علیہ السلام بھی شامل تھیں۔

سیدنا اسمٰعیل کی ازدواجی زندگی:

حوصلہ مندی، صبر اور جرأت و شجاعت ملی جلی صفات ہیں، اس سے ایک انسان دوسرے انسانوں (بیوی، اعزہ و دیگر رشتہ داروں) سے مل کر رہنا سیکھ جاتا ہے۔ اس کے برعکس غصہ، جلد بازی اور بے سوچے کوئی قدم اٹھانا زندگی کو برباد کر دیتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام قبیلہ جرہم ہی میں رہ کر جوان ہوئے، حوصلہ مندی اور اصلاح کی تمام خوبیاں آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلے سے کی ہوئی دعا کا اثر ظاہر ہوا کہ آپ نے دعا فرمائی تھی:

''رب هب لی من الصالحین فبشرنا ہ بغلام حلیم''

''اے میرے پروردگار! مجھے ایک صالح بیٹا عنایت فرما، تو ہم نے انہیں ایک حوصلہ مند بیٹے کی خوشخبری دی۔''

(سورۃ الصافات، آیت نمبر: ۱۰۰ا۔۱۰۱)

اس آیت کے بارے میں حضرت ابوسعد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین بشارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی ہیں:

1: وہ بیٹا ہوگا۔

2: وہ جوان ہوگا۔

3: حوصلہ مند ہوگا۔

چھوٹے سے بچہ میں عام طور پر یہ اوصاف نہیں ہوتے۔
اس سے بڑھ کر اور حوصلہ مندی اور کیا ہو گی کہ جب آپ کے والد محترم نے آپ کے سامنے ذبح کرنے کا معاملہ پیش کیا تو آپ نے عرض کیا:

"یاابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء الله من الصابرین"

"ابا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے! اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں سے پائیں گے۔"

(سورۃ الصافات، آیت نمبر:۱۰۲)

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو ایک حوصلہ مند بیٹا عطا فرمایا۔

گھر میں بیوی کی تربیت ایسی ہونی چاہیے کہ وہ زندگی کی دوڑ میں دوسروں سے تقابل کے بجائے شکر گزاری اپنائے، اسی سے زندگی بنتی ہے اور عنایات الٰہی کے دروازے کھلتے ہیں، اس کے برخلاف ناشکرا خاندان بہت محروم رہتا ہے۔

حضرت اسماعیل اپنی والدہ کی نگرانی میں پل کر پروان چڑھے، جنھوں نے آپ کو اعلیٰ خصائص حمیدہ سے سنوارا کہ قبیلہ جرہم میں یکتا زمانہ شمار ہونے لگے اور اپنی حوصلہ مندی اور ہمت و دانہ کی بنا پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے اور پوری طرح جوان ہو گئے۔ قبیلہ جرہم میں عربی تعلیم حاصل کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی فصیح و بلیغ خالص عربی زبان تعلیم فرمائی۔ قبیلہ جرہم نے آپ کی نفاست اور پاکیزگی کو دیکھ کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنا داماد بنانے کی خواہش ظاہر کی، لہٰذا آپ نے ایک لڑکی صدی بنت سعد کو دیکھ کر اس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا جس پر اس کے باپ نے اپنی لڑکی صدی کو آپ کی زوجگی میں دے دیا۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد کی یہ بیٹی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مزاج شناس نہیں تھی اور نہ ہی وہ آپ کے مقام و مرتبے کو جانتی تھی۔ بس عام سی سادی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السالم کے دروازے کے سامنے آ کر کہا:

"السلام علیکم یا اھل البیت"

معلوم ہوتا ہے کہ صدی نے آپ کو روکھا سا جواب دیا اور بڑی ترش روئی سے آپ کو دیکھا،

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پوچھا:

"اسماعیل علیہ السلام کہاں ہیں۔؟"

صدی نے جواب دیا:

"ہمارے لئے رزق کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام بھیڑ بکریاں چرانے جاتے تھے اور ساتھ ہی اپنی کمان کندھے پر ڈال کر جاتے اور شکار بھی کر لاتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی زیادہ تر گزر شکار پر ہی تھی۔ لہٰذا آپ اکثر شکار کیلئے جایا کرتے تھے۔ تھوڑی دیر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے۔ پھر پوچھا:

"تمہارے پاس ٹھہرنے کی کوئی جگہ ہے۔؟"

بہو نے سختی سے جواب دیا:

"بالکل نہیں!"

پھر آپ نے صدی سے گھر کے گزر اوقات کے بارے میں پوچھا کہ کھانے کو کچھ مل سکتا ہے۔؟ تو اس نے نہایت رکھائی سے جواب دیا:

"کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے اور بکریاں بھی کوئی زیادہ دودھ نہیں دیتیں۔"

اس نے اس طرح کفرانِ نعمت کر کے آپ سے گھر کی بدحالی اور تنگی کا ذکر کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نہایت کھور اور بدتمیز ہے اور ایسی صالح اولاد پیدا کرنے سے قاصر ہے جو دنیا میں اللہ کی طرف سے رسالت کا بوجھ اٹھا سکے۔ یہ سوچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کے لئے زبانی پیغام چھوڑا اور صدی سے کہا:

"جب تمہارے شوہر اسماعیل علیہ السلام گھر آئیں تو میرا اسلام کہنا اور انہیں کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو۔"

جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام تھکے ماندے گھر پہنچے، بیوی سے یہ باتیں سن کر اور والد صاحب سے اس کی بدسلوکی اور کنجوسی دیکھ کر آپ بہت ملول ہوئے، کیونکہ وہ خود اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح مہمان نوازی اور خدمت کے بہت عادی اور خوگر تھے۔ اس سے پوچھا:

''بزرگوں نے کچھ اور کہا تھا؟''

کہنے لگی:

''ہاں! کہا تھا کہ اسماعیل کو میرا اسلام کہنا اور آپ کیلئے کہا تھا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ میرے محترم والد تھے اور مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ کر دوں۔''

پھر آپ نے اس سے فرمایا:

''جاؤ! اپنے گھر چلی جاؤ۔''

پھر آپ نے اسے طلاق دے کر اپنے والد محترم کے حکم کی تعمیل کی۔

صدی سے مفارقت کے کچھ عرصے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ایک پرہیزگار، خدا کا خوف رکھنے والی بیوی گھر میں لائیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر مکمل ایمان رکھتی ہو اور دکھ درد میں ان کی ساتھی ہو اور ایک ایسی عورت کی تلاش میں رہے جو دنیا کے عیش و آرام کو چھوڑ کر محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے ان کا ساتھ دے سکے اور جسے دنیا کی زیب و زینت کے مقابلے میں آخرت کی لگن ہو۔

حتیٰ کہ آپ کو ان صفات سے موصوف قبیلہ جرہم میں سے ہی نیک خاتون مل گئیں جن کا اسم گرامی رعلہ بنت مضاض تھا۔ لہٰذا آپ نے ان کے والد کو ''رعلہ'' کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا، ان کے والد نے آپ کا پیغام نکاح قبول کر کے اپنی بیٹی ''رعلہ'' کا نکاح حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کر دیا۔

اس طرح حضرت بی بی رعلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی بن کر ان کے گھر آ گئیں اور ایسا مبارک شوہر ملنے پر اسے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوئیں اور انہوں نے شوہر کی خیر و برکات کو پہلے دن ہی محسوس کر لیا تھا۔ رعلہ خاتون پکی مومنہ تھیں اور ابراہیم علیہ السلام پر نازل شدہ صحیفوں پر مکمل ایمان رکھتی تھیں، جن میں انسانوں کیلئے صحیح دستورِ زندگی کا بیان تھا اور اپنے شوہر کے پاکیزہ اخلاق سے انہوں نے خوب استفادہ کیا تھا اور وہ اخلاق و ملنساری میں ان عورتوں کیلئے (نمونہ) بن گئی تھیں، جنہیں اللہ تعالیٰ کی رضاء اور آخرت کی تلاش رہتی ہے۔

وہ تسبیح و تحمید کے اذکار کو اپنے لئے سعادت خیال کرتیں اور اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ

کھول دیا تھا۔ دین کی باتوں کو خوب سمجھتی تھیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں اور بابرکت زندگی گزارتیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام عرصہ تک مکہ مکرمہ سے دور ہونے کی وجہ سے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اور بہو رعلہ سے جدا رہے، پھر آپ ایک دن اپنے بیٹے کو ملنے کیلئے تشریف لائے تو حسب سابق بیٹے سے ملاقات نہ ہو سکی۔ گھر میں آپ کی بہو رعلہ تھیں۔ آپ نے دروازے پر آ کر کہا:

"السلام علیکم و رحمة الله یا اهل البیت"

"اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی رعلہ نے وعلیکم اسلام کہا۔ پھر آپ کو "خوش آمدید" کہا اور عرض کیا:

"آپ ہمارے غریب خانہ پر تشریف رکھ کر ہمیں سعادت بخشیں۔"

حضرت ابراہیم نے ان سے پوچھا:

"اسماعیل کہاں ہیں۔؟"

انہوں نے نہایت ادب اور حیاء سے جواب میں عرض کیا:

"وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی زمین سے رزق حاصل کرنے کو نکلے ہیں۔"

آپ نے ان سے پوچھا:

"تمہاری گزر کیسے ہو رہی ہے۔؟"

رعلہ نے عرض کیا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم آرام سے گزر بسر کر رہے ہیں، آپ تشریف رکھیں۔ کچھ کھا پی لیجئے! اللہ تعالیٰ کا دیا بہت کچھ ہے۔"

پھر حضرت ابراہیم نے رعلہ سے پوچھا:

"کھانے میں کیا ہے۔؟"

انہوں نے جواب میں عرض کیا:

"الحمد للہ! گوشت ہے۔"

پوچھا:

"پینے کیلئے کیا ہے۔؟"

عرض کیا:

"الحمد للہ! دودھ اور پانی موجود ہے۔"

پھر آپ نے پوچھا:

"کچھ غلہ گندم کا انتظام بھی ہے۔؟"

اس پر حضرت رعلہ نے جواب دیا:

"وہ بھی انشاء اللہ ہو جائے گا۔ اب تو آرام سے گزر رہی ہے۔"

حضرت ابراہیم بیٹے کی بیوی سے یہ باتیں سن کر بہت مسرور ہوئے اور اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کرنیوالی اور اپنے شوہر کی قدر کرنیوالی پایا۔

اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دعا فرمائی:

"اللهم بارك لهم في طعامهم و شرابهم"

"اے اللہ کریم! ان کے کھانے اور پینے میں برکت عطاء فرما۔"

پھر حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کی بیوی سے فرمایا:

"جب تمہارے شوہر آئیں تو انہیں میرا اسلام کہنا اور میری طرف سے انہیں حکم دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھیں کہ گھر کی بہتری اسی میں ہے۔"

یہ کہہ کر حضرت ابراہیم بیت المقدس کو لوٹ گئے اور وہ اپنے بیٹے اور بہو کے بارے میں مطمئن تھے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار سے واپس لوٹے تو اپنے پیارے والد کی خوشبو محسوس کر کے پوچھا:

"کیا کوئی آیا تھا۔؟"

بیوی نے جواب دیا:

"ہاں! آج ہمارے ہاں خوش چہرہ بزرگ تشریف لائے تھے، جن کے جسم سے خوشبو آرہی تھی اور اولاد کی اپنے والد سے اسی طرح محبت ہونی چاہیے۔ چہرہ پر جمال و جلال تھا، شیریں گفتگو، اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے، ان کی ذات گرامی میں سکون، وقار اور بزرگی جھلکتی نظر آتی تھی۔ ان محترم بزرگ نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے آپ کے بارے میں بتادیا تھا اور پھر ہماری بسر اوقات کے بارے

یں سوال کیا تھا تو میں نے ان سے عرض کر دیا تھا: "ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اچھی گزر بسر کر رہے ہیں۔" تو انہوں نے ہمارے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا:

"انہوں نے نصیحت بھی فرمائی تھی۔؟"

رعلہ نے جواب دیا:

"ہاں! وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور آپ کو حکم دیا ہے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ قائم رکھیں۔"

اس پر حضرت اسماعیل نے خوش ہو کر فرمایا:

"یہ میرے والد محترم تھے اور وہ چوکھٹ تم ہو، جس کے بارے میں میرے والد صاحب نے حکم دیا ہے کہ اسے زندگی بھر ساتھ رکھیں۔"

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کا ذکر قرآن مجید میں تو نہیں، البتہ احادیث مطہرہ کی متعدد کتاب میں موجود ہے اور خاص کر صحیح بخاری میں تو بہت تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ موجود ہے۔ امام بخاری نے ایک طویل واقعہ کے سلسلے میں حضرت ہاجرہ کی مکہ مکرمہ میں سکونت کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دونوں بیویوں کا قصہ مذکور ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب بنی جرہم چشمہ زم زم کے قریب آ کر ٹھہرے تو انہوں نے سیدہ حاجرہ سے ان کے پڑوس میں رہنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں وہیں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ:

یہ خاتون ایک عظیم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہیں، جن کے دادا حضرت خلیل الرحمن ابراہیم اور دادی حضرت سارہ کو خدائے رحمٰن کے فرشتوں نے خوشخبری دی تھی۔

ہاں! قرآن کریم میں کئی مقامات پر حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو پورے خاندان کیساتھ مصر بلاتے ہیں اور اپنے والدین کے استقبال کیلئے مصر سے باہر نکلتے ہیں، وہ ماں باپ جنہیں انہوں نے چالیس برس سے نہیں دیکھا تھا۔

اور پھر انہیں شہر میں لا کر ایک مخصوص تخت پر بٹھاتے ہیں۔

"ورفع ابویه علی العرش"

(سورۃ الیوسف، آیت نمبر:۱۰۰)

"اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا۔"

ماں باپ سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی نعمت نہیں اور ماں باپ کے حقوق سے بڑھ کر اور کوئی حق نہیں۔

ابن جریر مفسر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ابویه سے مراد ماں باپ دونوں ہیں۔"

میاں بیوی نے فراق یوسف اور گھر کی تنگی میں صبر کے دن بڑی استقامت سے گزارے، رہائش، خوراک اور گھر کے کئی مسائل تھے جو اللہ تعالیٰ نے حل کر دیئے۔

امام رازی نے ایک خوب صورت بات لکھی ہے کہ رحمت الٰہی سے بی بی راحیل اور ان کے شوہر حضرت یعقوب اور برادران یوسف کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

"ان ربی لطیف لما یشاء"

(سورۃ الیوسف، آیت نمبر:۱۰۰)

"بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے وہ دانا اور حکمت والا ہے۔"

حضرت یوسف کا اپنے اہل خاندان، اپنے والد حضرت یعقوب اور اپنی والدہ راحیل سے اس خوش حالی وعیش و آرام کی حالت میں ملاقات عقل سے بہت دور اور ناممکن امر تھا، لیکن اللہ کریم اپنی باریک بینی سے ایک ایسی لطیف تدبیر فرماتا ہے کہ ہر ناممکن ممکن ہو جاتا ہے۔ اس طرح بی بی راحیل اپنے پیارے بیٹے "یوسف علیہ السلام" کی نظروں کے سامنے عیش و آرام سے رہ کر اپنے پروردگار سے جا ملیں۔

حضرت ایوب اور ان کی زوجہ محترمہ:

جب صبر کا لفظ سننے میں آتا ہے تو حضرت ایوب علیہ السلام کو یاد کیا جاتا ہے، ان کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ خاندان کی تکمیل میں بھی انسان کو اس نعمت سے واسطہ پڑتا ہے اور "صبر" ایسی سواری ہے جس سے انسان کبھی نہیں گرتا اور یہ مشکلات کے ہر موقعہ میں بہترین سہارا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل کرنے کا باعزت وسیلہ ہے۔ اس صبر کے کیا کہنے! نیکوکاروں کیلئے موسم بہار اور بھلے لوگوں کی سیرگاہ ہے۔

ابتداءً حضرت ایوب کے گھر میں خوش گوار زندگی تھی، لیکن دن ایک جیسے نہیں رہتے اور مسلمان وہ ہے جو تمام حالات میں اللہ کا شکوہ نہ کرے، شکر ہی کرے تو مشکلوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔

حضرت ایوبؑ خوش حال زندگی بسر کرنیوالے انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں۔ حضرت لیا خاتون حضرت ایوب علیہ السلام کی رفاقت میں عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہی تھیں، ان کے باغات تھے جن میں چشموں سے فصلوں کی سیرابی ہوتی تھی اور آپ کی یہ جاگیریں ملک شام میں تھیں۔ حضرت لیا خاتون حضرت ایوب علیہ السلام کی دعوت پر ایمان رکھتی تھیں اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعوت و نبوت پر اب تک صرف تین افراد ایمان لائے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نہایت رحم دل اور پاکباز تھے۔ غرباء، مساکین کے ساتھ نیک سلوک کرتے۔ یتیموں اور بیواؤں کی کفالت فرماتے، مہمانوں کا اکرام اور مسافروں کی خدمت کرتے۔ اس طرح نعمتوں کی شکر گزاری کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے۔

آپ صاحبِ اولادِ کثیر تھے، آپ کی زوجہ محترمہ ''لیا'' ان خدائی نعمتوں میں خوشحال زندگی گزارتیں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزار ہو کر عبادت میں مصروف رہتیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق پہچان کر حمد و ثناء بجالاتیں۔ وہ اپنے اہل و عیال کی تربیت اور خدمت شوہر میں لگی رہتیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے اس شرف اور برکت کو ہر وقت یاد رکھتیں۔

جب وہ شدید بیمار ہوئے اور مال سارا تباہ ہو گیا تو بھی پورے خاندان کی عبادت میں فرق نہ آیا۔ یادِ الٰہی، نماز، صدقہ و خیرات جو میسر ہوتا کرتے تھے۔ مسلسل امتحان آخر مکمل ہوتا ہے، بہت جلد دن پھر جاتے ہیں، اگر صبر و استقامت ساتھ ہو۔

اہل خانہ کی تربیت یہ تھی کہ بیماری اور شفاء اللہ ہی دیتا ہے، اس لئے حضرت لیا جو ہر وقت آپ کی غمگسار تھیں اور شفقت و دلداری سے پیش آتی تھیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ شوہر کا دکھ حد سے بڑھ گیا ہے اور اس حالت میں بھی سوائے شکر گزاری اور کچھ بھی زبان سے نہیں نکلتا ہے تو آپ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے پیش ہو کر عرض کیا:

''یا ایوب انک رجل مجاب الدعوۃ فادع اللہ ان یشفیک فقال فی النعماء سبعین سنۃ فدعینا تکون فی البلاء سبعین

سنة"

"پیارے ایوب! اللہ تعالیٰ آپ کی دعائیں قبول فرماتا ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ آپ کو شفاء عطا فرمائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: رہنے دو! ہم نے ستر برس نعمتوں میں گزارے ہیں اب ستر برس مشکلات میں بھی گزار لیں۔"

جب حضرت ایوب کی بیوی لیا نے آپ سے عرض کیا:

"آپ اپنے پروردگار سے دعا کرتے تو وہ آپ کی مشکلات دور فرما دیتا۔"

تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"میں نے صحت و تندرستی میں ستر سال گزارے ہیں کیا یہ کوئی بڑی بات ہے کہ میں بیماری میں صبر کرتے ہوئے ستر سال گزار دوں۔؟"

(تفسیر ابن کثیر)

حضرت ایوب علیہ السلام روزانہ قضائے حاجت کیلئے باہر جاتے تھے اور واپسی پر حضرت لیا خاتون اپنے ہاتھ سے سہارا دے کر انہیں بستر پر لاتیں اور ان کی دیکھ بھال کرتیں۔ ایک روز آپ قضاء حاجت کیلئے باہر گئے ہوئے تھے اور لیا کے پاس پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ وہیں راستے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کو وحی فرمائی:

"ارکض برجلك هذا مغتسل بارد و شراب"

"زمین پر لات مارو! دیکھو چشمہ نکل آیا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو شیریں۔"

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے گھر آنے میں دیر ہو گئی تو حضرت لیا خاتون آپ کی تلاش میں نکلیں تو آپ سامنے سے آ رہے تھے کہ آپ کے جسم پر بیماری کی کوئی علامت نہیں تھی اور پہلے کی طرح ایک دم سے صحت مند اور چاک و چوبند تھے۔ حضرت لیا خاتون اس اچانک تبدیلی کی وجہ سے آپ کو پہچان نہ سکیں، جب آپ نے انہیں دیکھا تو ایک اجنبی سمجھ کر ان سے پوچھنے لگیں:

"اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے! کیا آپ نے اس بیمار پیغمبر کو کہیں دیکھا ہے۔؟"

آپ نے فرمایا

"وہ بیمار نبی میں ہی ہوں۔"

یہ سن کر آپ باغ باغ ہو گئیں اور وفورِ مسرت سے ہشاش بشاش ہو گئیں اور سجدۂ شکر بجا

لائیں اور فرمانے لگیں:

''ان ربی علی کل شی قدیر و اللہ یحیی العظام و ھی رمیم''

''میرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے اور وہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندگی بخشتا ہے۔''

سیدنا ایوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ نے گھریلو حالات یعنی بیماری اور تنگی معاش پر صبر اور شکر کا مظاہرہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال شفقت سے حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت لیا خاتون کا خصوصی اکرام فرمایا اور ان کا مال و دولت اہل و عیال، اونٹ، گھوڑے، جاگیریں، زمینیں واپس لوٹا دیں اور تمام نعمتوں سے انہیں دوبارہ نواز دیا۔

علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں کڑی آزمائش میں ڈالا اور دنیا میں انہیں کئی گنا زیادہ اجر و ثواب عطا فرما دیا اور پہلے مال و اولاد واپس کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کو چھبیس بیٹے اور دیگر کئی دنیاوی سہولتوں سے نوازا۔

حضرت لیا خاتون کے ساتھ ان کے صبر و استقامت اور خاوند کے ساتھ وفاداری کی وجہ سے اللہ کریم نے ان سے اکرام و اعزاز کا ایک خصوصی برتاؤ فرمایا کہ مرض کے دوران کسی بات پر ناراض ہو کر حضرت ایوب نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو کوڑے ماروں گا، کیونکہ وہ ایک مرتبہ گھر کے ضروری کام میں دور نکل گئیں اور حضرت ایوب کے پاس پہنچنے میں انہیں دیر ہو گئی، جس پر یہ قسم کھا لی اور اب ان کی وفاداری اور خدمت گزاری کو دیکھ کر پریشان تھے کہ میں ناحق انہیں کوڑے کیوں ماروں۔؟

دیکھئے! ایک بیوی کی رعایت اور اس کے ساتھ نرمی کی سفارش خود اللہ فرماتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کو صحت کاملہ عطا فرمائی تو ان کی قسم پوری کروانے کی غرض سے اللہ کریم نے انہیں یہ ترکیب بذریعہ وحی تعلیم فرمائی کہ وہ ریحان (نازبو) کی سو نرم شاخیں لے کر ان کو ایک ہی دفعہ لیا خاتون کے ماردیں تو آپ کی یہ سو کوڑے مارنے کی قسم پوری ہو جائے گی۔

تو یہ تھا حضرت لیا کا اعزاز و اکرام جو اللہ کریم کی طرف سے خوشی اور راحت کی صورت میں انہیں مرحمت ہوا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ہر دم ڈرتے رہتے ہیں، وہ ایسے ہی انعامات کے حقدار ہوتے ہیں اور اسی پر حضرت لیا خاتون کو رضائے ربانی سے نوازا گیا۔

حضرت ایوب کو امتحانات پر پورا اترنے پر امتیازی رعایات سے سرفراز فرمایا گیا۔ اللہ کریم

نے خود ارشاد فرمایا:

"انا وجدنه صابرا نعم العبد انه اواب"

(سورۃ ص، آیت نمبر ۴۴)

"ہم نے انہیں صابر پایا کہ وہ ایک اچھے انسان تھے اور وہ بارگاہ الٰہی میں رجوع کرنے والے تھے۔"

یہ ہے گھریلو تنگی اور جسمانی بیماری پر صبر کا انعام کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"میرا یہ بندہ ہر نعمت کے ملنے یا چھن جانے پر مجھے ہی یاد کرتا تھا۔ اس لئے وہ نعم العبد! یعنی "بہترین بندہ" ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان کو اچھائی کا انعام صبر اور شکر پر ملتا ہے اور ازدواجی زندگی میں بیوی کی اچھی عادات پر اس کا شکریہ ادا کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف نہ بھولیے، اسی طرح اس کی قابلِ مواخذہ عادات پر صبر اور استقامت کا مظاہرہ کر کے اچھائیاں حاصل کیجئے۔

حضرت موسیٰ اور ان کی زوجۂ محترمہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی بیوی کے قصے میں کئی حیران کن اور نورانی مقامات نظر آتے ہیں اور کئی شیریں، دل پذیر اور نازک واقعات پیش آتے ہیں جو روح کے اندر ایک روحانی مسرت کو ابھارتے ہیں اور انسانی جوہر کو بیدار کر کے ایمان کے آسمان پر اسے ستاروں کی طرح جگمگ کر دیتے ہیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنویں پر پہنچتے ہیں اس وقت لوگ وہاں اکٹھے ہو کر اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، لیکن آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں سے دور ہٹ کر ایک نشیبی جگہ پر دو خواتین اپنی بکریوں کے ریوڑ کو روکے کھڑی تھیں، تا کہ ان کی بکریاں دوسروں کی بکریوں میں نہ مل جائیں اور لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر چلے جائیں اور وہ ان کے بعد اپنے مویشیوں کو پانی پلائیں۔ یہ اس لئے کہ وہ ناتوان ضعیف تھیں اور دوسرے پانی پلانے والے طاقتور لوگ تھے۔ یہ بات بھی تھی کہ وہ مردوں کی صفوں میں جا کر اپنی شرم و حیاء کو قربان نہیں کر سکتی تھیں۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان میں بڑی کا نام لیّا اور چھوٹی کا نام صفورہ تھا اور یہ دونوں بہنیں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کنویں پر اہل مدین کی یہ طرز معاشرت ملاحظہ فرمائی،

تو یہ دیکھ کر آپ کو اپنی بھوک، پیاس اور تھکاوٹ بالکل بھول گئی اور آپ کے دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا اور وہ ایک نیک اقدام پر آمادہ ہو گئے جو انہیں بذریعہ الہام القاء ہوا کہ ان خواتین کو اس وقت مدد کی ضرورت ہے اور مجھے اس وقت ان کے ریوڑ کو پانی پلا کر ان بیچاریوں کی مدد کرنی چاہیے۔

لوگوں پر شفقت کرنا اور انسانوں سے نیک برتاؤ کرنا وہ انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اعلیٰ ظرفی ہے، اولوالعزم پیغمبروں کا حسن اخلاق ہے اور نیکو کاروں اور سچے لوگوں کا طرز زندگی ہے۔

یہ موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے کلیم بننے کے لیے دنیا میں پیدا ہوئے تھے اور اس وقت اپنے ملک مصر سے دور، غریب الوطن اور بے سہارا تھے، لیکن آپ کا پاکیزہ قلب اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت کی جولانیوں کا مرکز تھا اور اللہ تعالیٰ کے مضبوط نظام سے مربوط تھے۔ اس وقت غریب الوطن اور بے سہارا ہونے کے باوجود انہوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر ان کی مدد کرنے کا تہیہ کر لیا اور رافت و ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان لڑکیوں سے پوچھا:

"ما خطبکما"

(سورۃ قصص، آیت نمبر:۲۳)

"محترم خواتین! تمہارا کیا معاملہ ہے۔"

تم اس طرح کنارے کیوں پریشان کھڑی ہو اور کیوں تم نے اپنے ریوڑ کو روک رکھا ہے؟
لڑکیوں نے جواب دیا کہ ہم مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور دوسرے چرواہوں کے منہ نہیں لگ سکتیں، اس لئے ہم ان کے جانے کے بعد ہی پانی پلاتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

"تم خود بکریاں کیوں چراتی ہو۔؟"

انہوں نے بتایا کہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں اور وہ بوجہ ناتوان ہونے کے بکریاں نہیں چرا سکتے اور نہ انہیں پانی پلا سکتے ہیں، اس لئے ہمیں یہ کام کرنا پڑتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بے بسی ملاحظہ فرمائی تو ان سے فرمایا:

"اگر تم چاہو تو میں تمہاری بکریوں کو پانی پلا دوں۔؟"

اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ چرواہوں نے کنوئیں کے اوپر ایک بھاری

پتھر رکھ دیا ہے، جسے کئی آدمی مل کر بھی نہ اٹھا سکیں۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر یہ بھاری پتھر اٹھا کر ان خواتین کے ریوڑ کو پانی پلایا اور پتھر دوبارہ کنوئیں کے اوپر رکھ دیا اور بکریوں کو پانی پلا کر آپ ایک قریبی درخت کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے اور انہیں گیلے کپڑوں میں سفر کے تھکے مارے، بھوکے پیاسے، آرام کرنے لگے اور زبان و دل سے اپنے پروردگار سے لو لگانے لگے۔

عرض کرنے لگے:

''اے میرے پروردگار! میں اس شدید گرمی میں تیرا محتاج ہوں، پروردگار! میں تنہا ہوں، کمزور ہوں۔ پروردگار! میں تیرے فضل و کرم کا محتاج ہوں۔''

وہ اللہ تعالیٰ کی سابقہ نعمتوں کو یاد کر کے ہر وقت اس ذات باری کی شکرگزاری کرتے اور حمد و ثناء کرتے اور اسی سے ہر چیز طلب کرتے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ مسلسل سات دن سے آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ دونوں بہنیں آج جلد اپنے والد کے پاس پہنچ گئی ہیں، حالانکہ وہ عموماً روزانہ دیر سے گھر پہنچا کرتی تھیں، اس موقعہ پر ان کے والد محترم نے تعجب کرتے ہوئے ان سے پوچھا:

''آج خلاف معمول اتنی جلدی تم کیسے پہنچ گئیں۔؟''

اس پر انہوں نے آج کا گزرا ہوا سارا واقعہ بیان کر دیا کہ کس طرح سے ایک اجنبی نوجوان نے ان کی بھیڑ بکریوں کو پانی پلا دیا۔ اس پر ان کے بوڑھے باپ نے الحمد للہ رب العالمین کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر آپ کی بیٹی صفورہ نے کہا:

''ابا جان! وہ شریف شخص کسی دور دراز جگہ سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ علامات و قرائن سے وہ مسافر معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ بھوک سے نڈھال ہوا لگتا ہے اور یہ سب باتیں اس کے چہرے سے معلوم ہو رہی ہیں۔''

اس پر ان کے والد محترم نے کہا:

''بیٹی جاؤ اور اسے یہاں بلا لاؤ۔''

''فجاء ته احدهما تمشي على استحياء''

(سورۃ القصص، آیت نمبر:۲۵)

''تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک عورت جو شرماتی چلی آتی تھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔''

یہ ایک نبی مکرم علیہ السلام کی بننے والی بیوی ہیں، جن کے نکاح سے پہلے بھی اللہ نے اس کی صفت حیاء کا تذکرہ فرمایا ہے، واقعی حیاء سے ایمان بچتا ہے۔ حضرت صفورہ وہ ممتاز خاتون ہیں جن کی حیاداری کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مدح سرائی فرمائی اور حیاداری عورت کا وہ لباس ہے جس سے اس کی اصل خوبصورتی قائم ہوتی ہے، بلکہ نسوانیت کا اصل شعار ہی ''حیاداری کا پاکیزہ وصف'' ہے۔

آیئے! اب ہم حضرت صفورہ کی شرم و حیاء کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ کا مطالعہ کرتے ہیں:

''فجآء ته احد ھما تمشی علی استحیآء''

''ان میں ایک نہایت حیاداری سے چلتی ہوئی آپ کے پاس پہنچیں۔''

خدائے رحیم کے کلام سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حیاداری کے وصف سے پوری طرح متصف تھیں اور اس سے بڑھ کر کسی کیلئے شہادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ خود خدائے واحد نے آپ کو تقویٰ، پاک دامنی اور پاکیزگی کے خصائل سے مخصوص و ممتاز فرمایا ہے۔

حضرت صفورہ نہایت وقار سے چال چلتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں حضرت ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ان کی چال میں عام بازاری عورتوں کی ناز و نخرہ اور مٹکنے کی کیفیت بالکل نہ تھی۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضرت صفورہ اپنے چہرہ کو کپڑے سے اچھی طرح چھپا کر نہایت حیاء داری کی کیفیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضور آئیں، حالانکہ ان کی شریعت میں چہرے کا پردہ لازم نہیں تھا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکاح کے واقعہ کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ خود صفورہ خاتون نے ہی نکاح کے اس موضوع کو اپنے والد کے سامنے اٹھایا جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''قالت احدھما یابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی

الامین"

"ایک لڑکی کہنے لگی کہ ابا جان! انہیں اجرت پر رکھ لیجئے، کیونکہ بہتر خدمتگار جو آپ رکھیں وہ ہے جو توانا اور طاقتور ہو۔"

(سورۃ القصص، آیت نمبر:۲۶)

یہ جملہ حضرت صفورہ نے نہایت ادب و تمیز کے ساتھ اپنے والد کے سامنے پیش کیا، تا کہ بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال ہو سکے اور گھر کے حالات رو بہ اصلاح ہو جائیں، کیونکہ اس سے پہلے گھر کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نوجوان گھر میں نہیں تھا اور یہ مشکل کام اور دوسری ذمہ داریاں خود یہ دونوں بہنیں ہی سرانجام دیتی تھیں اور ظاہر ہے کہ ایسی ذمہ داریاں عورتوں کیلئے بہت کٹھن ہوتی ہیں، جبکہ انہیں مردوں سے بھی واسطہ پڑتا ہو تو مزید مشکل ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک اجڈ اور جاہل قوم میں جنہیں اخلاقی قدروں کا کوئی پاس لحاظ نہ ہو۔ ان تکلیف دہ حالات میں حضرت شعیب علیہ السلام چاہتے تھے کہ ان کی بچیوں کی عزت و ناموس محفوظ ہو اور وہ آبرومندانہ طریقے سے معاشرے میں زندگی گزار سکیں۔

اب انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پاکباز اور امانت دار نوجوان کی صورت میں امید کی ایک نئی کرن نمودار ہو گئی تھی، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمت و مردانگی اور اخلاق و مروت کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اور بیوی کے اخراجات خود برداشت کر لیں گے۔

رشتوں کی تلاش سب نوجوانوں کے والدین رکھتے ہیں، دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے کیسے جوڑے کو پسند کیا ہے؟ قرآن کریم ان کی صفت حیاء کا ذکر کرتا ہے اور آیات کی روشنی میں مفسرین ان کی عقل مندی کی داد دیتے ہیں۔ حضرت صفورہ کی فراست و سمجھ داری کا گواہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

"تین اشخاص بہت زیادہ دانش مند واقع ہوئے ہیں؛ حضرت یوسف کے آقا عزیز
- مصر کہ انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ "اکرمی مثواہ" اس غلام کو بہت عزت و اکرام سے رکھنا، اس سے ہمیں بہت فائدہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی
- صفورہ خاتون کہ انہوں نے اپنے والد کو مشورہ دیا کہ اس نوجوان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو گھر کا فرد بنا لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے حضرت

عمر بن خطاب جیسے مدبر اور منتظم شخص کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ ان تینوں نے بہت ہی فراست و دانش مندی کا ثبوت دیا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے بیٹی کے اس مشورہ کو فوراً قبول فرمالیا اور گھر کا فرد بنانے کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹی کو ان کی زوجیت میں دے کر گھر کا مالک و مختار بنادیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حسن سلوک کا یہ کہہ کر حق ادا کیا:

"ھل جزاء الاحسان الا الاحسان"

"احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے۔"

اس صاحب فراست پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسن سلوک کا کردار ملاحظہ فرمایا تو فوراً ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور انہیں نوازنے کیلئے بیٹی کے ذریعے بلاوا بھیجا۔

ضرورت کے مطابق اپنے سسرال میں سکونت میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ بڑا صبر آزما اور مشکل کام ہے، البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایسا موقعہ ہو تو گھر کے تمام افراد سے حسن سلوک رکھیں اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اصول اسلام کی پاسداری کریں۔

آیئے! اب پھر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی طرف لوٹتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صفورہ کے والد حضرت شعیب علیہ السلام کی تجویز سے متفق ہو گئے اور ان کے گھر کا انتظام و انصرام اپنے ذمہ لینے اور بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال کیلئے تیار ہو گئے۔ اس پر اپنی رضا مندی کا اعلان کر دیا اور نکاح کا یہ معاہدہ طے ہو گیا۔ قرآن کریم اس تاریخی معاہدے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

"قال ذلك بيني و بينك ايما الاجلين قضيت فلا عدوان على و الله على مانقول و كيل"

"موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھ میں اور آپ میں یہ عہد پختہ ہوا ہے، جونسی مدت چاہوں پوری کر دوں، پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں خدا اس کا گواہ ہے۔"

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے معاہدے پر اللہ کو گواہ بنا کر کہا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر

قائم رہوں گا اور سرِمو اس سے انحراف نہیں کروں گا۔

سیدنا موسیٰ نے سسرال سے کئے ہوئے عہد کو خوب نبھایا۔ پھر ان کی اجازت سے اپنی اہلیہ کو جلد ہی اپنے وطن لے گئے۔

قرآن کریم کا ہر لفظ اور انداز کلام ہمارے لئے راہنما ہے۔ دیکھئے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کا ذکر آتا ہے تو ان کی بیوی کا نام نہیں لیا، بلکہ کہا کہ انہوں نے اپنی گھر والی کو کہا، واقعہ یوں ہے کہ جب وہ سفر میں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو کوہ طور کی دائیں جانب سے انہیں روشنی سی دکھائی دی تو آپ کو بہت مسرت ہوئی۔ آپ نے بیوی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

”معلوم ہوتا ہے اِدھر آگ ہے۔ میں جا کر معلوم کرتا ہوں۔ آگ بھی لے آؤں گا اور کسی سے مصر کی طرف جانے والا صحیح راستہ بھی معلوم کروں گا۔“

اللہ کریم نے اس نازک اور مشکل مقام کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

”اذقال موسی لاھلہ انی انست نارا ساتیکم منھا بخبر او اتیکم بشھاب قبس لعلکم تصطلون“

(سورۃ النمل، آیت نمبر: ۷)

”جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ وہاں سے راستے کا پتہ لاتا ہوں یا سلگتا ہوا انگارہ تمہارے پاس لاتا ہوں، تاکہ تم تاپو۔“

مفسرین لکھتے ہیں کہ احتیاط اور حیاء کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی مرد عام لوگوں میں اپنی بیوی کا نام نہ لے، بلکہ بہتر ہے کہے: ”میرے گھر والے!“

اسلام تحفظ والا دین ہے، اس میں عورت کے نام کا اظہار بھی اچھا نہیں سمجھا گیا۔ اگر کسی عورت کا ذکر قرآن کریم میں ہے تو اس کی وجوہات ہیں ورنہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کا ذکر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں اور بہن کا تذکرہ، ازواج مطہرات کا ذکر خیر یہ سب بغیر نام ہیں۔ البتہ نسبتیں ہیں جیسے: ام موسیٰ، موسیٰ کی ماں، امراۃ فرعون، فرعون کی بیوی وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ:

پاک سیرت مومنہ، خاندان کے لحاظ سے شریف و پاکیزہ، بزرگی کی گود میں پلی ہوئی، پرہیز گاری کی غذاؤں سے پروان چڑھی ہوئی، طہارت اور پاک دامنی کے ماحول میں گزارے ہوئے دن رات، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول، شرافت و عظمت کی دنیا میں بلند پرواز، نیکیوں کے آسمان کا روشن ستارہ، نبیوں میں سے ایک نبی کی والدہ محترمہ اور ایک کریم نبی کی بیوی اور ایک نبی مکرم کی خالہ محترمہ یہ ہیں: ''محترمہ ایشاع بنت عمران'' حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ!

ایشاع بنت عمران پاکیزہ سیرت خاتون ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے فضیلت کے اس مضبوط کڑے کو تھام لیا تھا جو کبھی نہیں ٹوٹتا، ہر شرافت کے کام میں یہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتیں اور خیر اور بزرگی میں اپنے شوہر حضرت زکریا علیہ السلام کی اقتدا کرتیں۔ اس ''تین رکنی خاندان'' کی اللہ کریم نے مدح سرائی فرمائی ہے اور یہ تین رکنی خاندان حسب ذیل افراد پر مشتمل ہے: حضرت زکریا علیہ السلام، ان کی بیوی ایشاع علیہا السلام اور ان دونوں کے فرزند ارجمند حضرت یحییٰ علیہ السلام۔

اللہ کریم نے ان کی بزرگی کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کی شرافت کا اظہار و اعلان قرآن کریم میں فرمایا ہے، کیونکہ یہ نیکیوں کے خوگر و گرویدہ اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے والے اور عبادت میں خشوع و خضوع کرنے والے تھے۔

دعا کی شان تو یہ ہے کہ یہ ہر جگہ انسان کو میسر ہوتی ہے، ضرورت پڑی جھولی پھیلا لی اور مانگ لیا اور مانگنے والوں میں سے نبیوں نے کیا خوب مانگا! حضرت زکریا علیہ السلام نے اس یقین و اعتقاد سے دعا فرمائی کہ آپ کو اس دعا کی قبولیت کا مکمل یقین تھا کہ ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف سے صالح بیٹے کا انعام مرحمت ہوگا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے اقرباء کے حالات سے اندازہ تھا کہ ان میں کوئی اس کام کو آگے بڑھانے کا اہل نہیں ہے۔ ان کے بعد دین میں تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ اس لئے عرض کیا:

''وانی خفت الموالی من وراءی و کانت امراتی عاقرا فهب لی من لدنك ولیا یرثنی و یرث من ال یعقوب و اجعله رب رضیا''

''اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو

مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میری اور اولادِ یعقوب کی میراث کا مالک ہو اور اے میرے پروردگار! اسے خوش اطوار بنانا۔"

(سورۃ مریم، آیت نمبر: ۵ اور ۶)

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کے اصل مقصود کو اللہ کریم نے سورۃ الانبیاء میں یوں بیان فرمایا ہے:

"وزکریا اذ نادیٰ ربہ رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین"

"اور زکریا علیہ السلام کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔"

(سورۃ الانبیاء، آیت نمبر: ۸۹)

اے خدائے کریم! مجھے بغیر وارث اور بیٹے کے نہ رہنے دینا کہ میرے بعد لوگوں میں میرا نشان ہی نہ رہے اور انت خیر الوارثین کہہ کر مالک کائنات کی مدح سرائی کی اور اس امید کا اظہار کیا کہ ظاہری حالات تو اولاد کے متقاضی نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں۔ (تیری) مشیت و رضا کے ساتھ تجھ سے یہ فریاد کرتے ہیں کہ بندے کیلئے رضاء الٰہی بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

ارشادِ الٰہی ہوا:

"یٰزکریا انا نبشرك بغلام"

"اے زکریا! ہم تمہیں بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں۔"

خوشی کا پیغام سنانے والے فرشتوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو مزید بتایا کہ اس بیٹے کا نام اللہ تعالیٰ نے "یحییٰ" رکھا ہے اور اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا، یعنی یہ ایک منفرد اور نیا نام ہے جو اس مبارک بیٹے کیلئے چنا گیا ہے:

"لم نجعل لہ من قبل سمیا"

(سورۃ مریم، آیت نمبر: ۷)

"اور اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کی قبولیت میں حضرت الیشا خاتون کیلئے بھی یہ ایک اعزاز

ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام و اکرام ہے۔ فرمان باری ہے:

"فاستجبنا له و وهبنا له يحيى و اصلحناله زوجه"

(سورۃ الانبیاء: ۹۰)

"تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور انہیں یحییٰ بخش دیئے۔ ان کی بیوی کو ان کے حسن معاشرت کے قابل بنا دیا۔"

حضرت زکریا علیہ السلام، ان کی بیوی حضرت ایشا اور فرزند ارجمند تینوں ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاری اور رضا جوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے اور خصائل حمیدہ کے اس موڑ میں اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ یہی چیز ہے جو انسان کو تقویٰ و پرہیز گاری میں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس مبارک خاندان کی ان خوبیوں کا ذکر خود قرآن مجید میں فرمایا ہے:

"انهم كانوا يسرعون في الخيرت"

"یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے تھے"

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی ایشا پر اپنا یہ خاص فضل و انعام فرمایا کہ ان کے فرزند ارجمند کو نہایت ہی نیکوکار اور سعادت مند بنایا۔ نافرمانی سے گریزاں، کردار، گفتار میں احکام الٰہی پر عمل پیرا، ممنوع کاموں سے دور کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و فرمانبرداری کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔ اللہ کریم نے ان کے اس وصف کو بھی اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے:

"وبرا بوالديه ولم يكن جبارا عصيبا"

(سورۃ المریم، آیت نمبر: ۱۴)

"اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنیوالے تھے اور سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔"

سب خوبیوں سے بڑھ کر وہ مداح سرائی ہے جو ان اوصاف جمیلہ کے بدلے میں تین انعام بطور خاص انہیں مرحمت فرمائے اور یہ امن و سلامتی کی نعمت ہے جو انہیں پیدائش کے موقع پر اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت ودیعت ہوئے اور پھر یوم عاشوراء آپ کو نصیب ہوا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"وسلم عليه يوم ولد و يوم يموت و يوم يبعث حيا"

(سورۃ مریم، آیت نمبر: ۱۰)

"اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، ان پر سلام اور رحمت ہے۔"

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین مقامات ایسے ہیں جو انسان کیلئے وحشت ناک ہیں۔

پیدائش کا وقت کہ یہ موقع زچہ و بچہ دونوں کیلئے المناک ہوتا ہے۔ موت کا وقت کہ اس وقت انسان کو وہ کچھ پیش آتا ہے جو پہلے نہیں آیا ہوتا۔ قیامت کو اٹھائے جانے کا وقت کہ یہ سب سے زیادہ ہولناک وقت ہوگا، اللہ کریم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان تینوں موقعوں پر امن و سلامتی کی نعمت سے نوازا ہے۔

تو یہ ہیں حضرت ایشاء کے قابل فخر فرزند، پاکیزہ نفس، تقویٰ شعار اور یہ ہیں ان کی والدہ محترمہ ایشا خاتون حضرت زکریا علیہ السلام پیغمبر کی عفت شعار بیوی جن کا ذکر اللہ کریم نے اپنی پاک کتاب میں فرمایا اور ان پر اپنا خاص فضل و انعام فرمایا کہ کبر سنی میں انہیں بیٹے کی نعمت سے عزت بخشی، یہ ان کی بزرگی اور کرامت کا خاص اظہار ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج:

حضرت خدیجہ: حضرت خدیجہ بڑی تاجرہ تھیں۔ مختلف لوگوں کو مختلف شہروں میں سامان تجارت لے کر بھیجتی تھیں، مگر لوگ اکثر صحیح معاملہ نہ کرتے۔ آپ کو ایک امانت دار شخص کی ضرورت تھی۔ ادھر حضور ﷺ کی امانت و صداقت کا چرچا ہو چکا تھا اور خاندانی روابط کی وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کی غربت اور کثرت عیال سے واقف تھیں۔ لہٰذا خیال آیا کہ محمد ﷺ کو سامان تجارت دے کر شام بھیجیں، جس سے ان کو ایک امانت دار کا تعاون حاصل ہوگا اور ابو طالب کا بھار بھی ہلکا ہوگا۔ چنانچہ جناب ابو طالب کو ان کی خواہش کا علم ہو گیا اور ایک دن ان کے پاس گئے اور کہا:

"میرے بھتیجے محمد کو سامان تجارت دے کر بھیجو!"

یہ حضرت خدیجہ کے دل کی آواز تھی۔ وہ بڑی مسرور ہوئیں اور ابو طالب کی اس پیشکش کو فوراً قبول کر لیا۔

نسل انسانی میں بے شمار شادیاں ہونیوالی تھیں جن کیلئے ایک راہنما اصول دیا جا رہا تھا کہ

میاں بیوی کا ایک دوسرے پہ بھروسہ اور باہمی اعتماد زندگی کی اس گاڑی کا ایندھن ہے۔ اس میں کہیں جھوٹ، وعدہ خلافی، بدنظری، قطع رحمی اور ''چاہتوں کے ناجائز استعمال'' سے دراڑیں نہیں آنی چاہئیں۔

زندگی راحتوں اور دکھوں، خوشیوں اور غموں سے معرض وجود میں رہتی ہے۔ قرآن کریم شادی کو ''سکون زندگی'' اسی وجہ سے قرار دیتا ہے کہ جب ناموافق حالات آتے ہیں تو اپنوں اور غیروں کی پہچان ہوتی ہے، تو کبھی بیوی اپنی وفا شعاری سے اس غم کو ہلکا کرتی ہے اور کبھی خاوند کی تسلی کا ایک ایک لفظ بیوی کے دل کو عزم نو کا پیام دے رہا ہوتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کے عظیم نامور شوہر کا یہ واقعہ ہمیں اسی قسم کی یاد تازہ کروا رہا ہے۔

حضور ﷺ کے نکاح سے قبل حضرت خدیجہ کے دو بچے تھے۔ آپ ﷺ سے نکاح کے وقت عمر چالیس سال ہو چکی تھی۔ اب اس کی توقع کم ہی رہ گئی تھی کہ آپ کے اولاد ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے چار لڑکیاں اور دو لڑکے عطا کئے۔ دونوں لڑکوں کا انتقال شیر خواری میں ہو گیا۔

زبیر بن عوام بن خویلد راوی ہیں کہ بعثت کے بعد حضرت قاسم کا شیر خواری میں انتقال ہو گیا۔ حضور ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں۔ پوچھنے پر عرض کیا کہ دودھ اتر آیا ہے۔ قاسم زندہ ہوتے تو دودھ پلاتی حتیٰ کہ مدت رضاعت گزر جاتی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''قاسم کیلئے جنت میں ایک دایا ہے، جو مدت رضاعت پوری کرے گی۔''

آپ ﷺ کی بات سن کر حضرت خدیجہ نے عرض کیا:

''اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا تو دل کو تسلی ہو جاتی۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم چاہو تو جنت میں ان کی آواز تم کو سنا دوں!''

حضرت خدیجہ نے عرض کیا:

''اس کی ضرورت نہیں۔''

میاں بیوی کے باہمی تسلی و تشفی کے اس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے، بیماری اور ''ازدواجی زندگی'' کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ غموں اور تفکرات کے مواقع پر سچی محبت رکھنے والے خاوند کے محبت بھرے الفاظ نے مغموم بیوی کے دل کو ایک امید دی اور ان کا مخزون دل

پر سکون ہو گیا۔ اس واقعہ سے حضرت خدیجہ کے یقین کی کیفیت بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا فرما دینا ہی کافی ہے، مجھے یہ دیکھنے کی ہرگز ضرورت ہی نہیں کہ میرا بیٹا آرام اور خوشی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کے انسانوں کے مفادات کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر اس نظام کائنات کو چلایا ہے، جس سے انسان کا کوئی کام نکل آئے، اسے اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ فرمایا:

"من لم يشكر الناس لم يشكر الله"

(مشکوۃ المصابیح)

"جو بندوں کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہو سکتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات کی خدمات کا اعتراف فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خدیجہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں، جب تمام لوگوں نے انکار کیا۔ انہوں نے میری تصدیق اس وقت کی، جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ اپنے مال سے میری مدد کی، جب لوگوں نے مجھے محروم کیا۔ انہی سے اللہ نے مجھے اولاد دی، جبکہ دوسری بیویوں سے اولاد سے محروم رہا۔"

اسی وجہ سے آپ کے انتقال سے اتنا غیر معمولی صدمہ پہنچا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو عام الحزن (غم کا سال) کہا۔

یہ ہے ہمارے پیارے نبی مکرم ﷺ کی مبارک ازدواجی زندگی کا ایک نمونہ۔ واقعی بیوی کی خدمات کو سراہا جائے تو اسے خوشی ہوتی ہے، گھر کا ماحول بہتر رہتا ہے۔ یہ تو ہر ایک انسان کی خصوصیت ہے کہ وہ کم از کم جزاک اللہ کے الفاظ کا پیاسا ہے اور قدر دانی اور شکریہ کی ادائیگی کا بہترین طریقہ سنت یہی ہے کہ ان مذکورہ الفاظ سے شکریہ ادا کیا جائے اور دوسرے محارم کے سامنے اس کی خوبیاں بیان کی جائیں اور برائیوں پہ پردہ ڈالا جائے۔

سیدہ خدیجہ نے بھی وفاداری کا حق ادا کیا ہے، لیکن ان کے ساتھ آنحضور ﷺ نے جو حسن سلوک کا معاملہ فرمایا وہ کسی سے کم نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کے رشتہ داروں کے ساتھ بھی اچھا معاملہ فرماتے تھے، کیونکہ وہ زندگی میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کو محبوب رہیں، اس وجہ سے ان کی وفات کے بعد بھی ان کی یاد آتی تھی، حتیٰ کہ آپ ﷺ ان کی سہیلیوں کی اور ان کی بہنوں

کی عزت فرماتے تھے۔ عورتوں، مردوں میں ان سب کا اکرام فرماتے تھے جن کا حضرت خدیجہ سے تعلق تھا۔

حضرت عائشہ کے گھر میں ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون تشریف لائیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا اکرام فرمایا اور عزت و توقیر کی، ان کیلئے اپنی چادر بچھا دی اور اس پر انہیں بٹھایا۔ جب وہ واپس تشریف لے گئیں تو حضرت عائشہ نے دریافت فرمایا:

''اللہ کے رسول! یہ کون تھیں۔؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ خدیجہ کے پاس آیا جایا کرتی تھیں۔''

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ جب کوئی بکری ذبح کرتے تو فرماتے:

''اسے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو دے دو۔''

ایک دن میں نے عرض کیا:

''آپ خدیجہ کا بہت خیال فرماتے ہیں۔؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''خدیجہ جن سے محبت کرتی تھیں میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے سسرال کے رشتے کا تذکرہ قرآن کریم میں فرمایا:

''و جعلنکم نسبا و صھرا''

(سورۃ المومنون)

''اور ہم نے تمہارے نسب اور سسرال بنائے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سسرالی رشتہ معمولی نہیں ہے۔ شریعت میں اس کا بڑا لحاظ رکھا گیا ہے۔ والدین کے بعد ان کا درجہ ہے اور ان کی عزت و اکرام سے نہ صرف صلہ رحمی کا فریضہ ادا ہوتا ہے، بلکہ اپنے ازدواجی تعلقات میں بھی اعتماد اور خوشیاں در آتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ کے متعلقین اور دیگر ازواج کے تمام اعزہ کو ہمیشہ ہی عزت دی ہے۔ معلوم ہوا سسرال کا ادب ضروری ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اپنے حقیقی والدین کے حقوق کی مکمل پاسداری رہے۔

حضرت سیدہ سودہ: آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کے وہ واقعات جن کا تعلق آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی سے ہے، وہ بڑے ہی سبق آموز ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی تمام تر شادیوں میں دین اسلام کی سربلندی اور خدمت انسانیت جیسے محرکات واضح نظر آتے ہیں۔ ان میں ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال فرما جانے کے بعد آپ ﷺ نے سکران بن عمرو لانصاری کی بیوہ سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا۔ حضرت سودہ ان مہاجرہ عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے ایمان وعقیدہ کی خاطر اپنے گھر والوں اور اعزہ واقرباء کو چھوڑ دیا تھا اور دین اسلام کی راہ میں طرح طرح کے مصائب ومشکلات جھیلی تھیں۔

آپ نے ''پہلی ہجرت'' اپنے شوہر کی معیت میں حبشہ کی طرف فرمائی۔ اس ہجرت سے انہوں نے اپنے اہل خاندان کو جو ذی وجاہت وطاقت ور لوگ تھے، ناراض کیا اور ان کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

پھر جب ہجرت حبشہ سے واپسی ہوئی تو ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا جو رسول کریم ﷺ کے وفادار صحابہ میں سے تھے۔ اپنے دین وعقیدہ میں پختہ اور اسلام کے فدائی تھے، اپنے دین وعقیدہ کی حفاظت کی غرض سے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو اپنے پیچھے نیک بیوی حضرت سودہ بنت زمعہ کو بے سہارا چھوڑ گئے، کوئی کفالت کرنے والا نہ تھا، معین ومددگار کے بغیر مکہ مکرمہ میں ان کو تنہا چھوڑ دیا۔

شوہر کی وفات کے بعد اگر وہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاتیں تو اہل خاندان ان کو مارتے ستاتے، دین اسلام سے ہٹا دینے کی کوشش کرتے، یہ بھی ممکن تھا کہ قتل کر دیتے۔ جب رسول کریم ﷺ کو ان کا حال زار معلوم ہوا اور یہ پتہ چلا کہ وہ اپنے اسلام پر ثابت قدم ہیں تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان کے خاندان کے لوگ ان پر سختی کریں گے، ماریں گے اور ستائیں گے، اس لئے کہ وہ بڑے سخت دل اور خدا اور رسول کے دشمن ہیں، تو اس نازک گھڑی میں آپ ﷺ نے ان کی کفالت فرمائی اور کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ ہمت، حوصلہ مندی اور نصرت وتعاون کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

پھر آپ ﷺ نے ان کو اپنے نکاح میں لینے کا پیغام بھیجا کہ اس طرح ان کو اسلام کا اور شوہر سے جدائی کے غم کا صلہ دیں اور وہ جس مشکل وتنگی میں مبتلا ہیں اس سے نجات دلائیں۔ اس

نکاح کے ذریعے ان کی قوم بنو عبد شمس سے بھی رشتہ جوڑ لیں جو بنو ہاشم، اللہ اور اللہ کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں۔ ان سے شادی کر لینا ان کے اخلاص اور شوہر کی جدائی کے غم کا بہترین بدلہ تھا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا منشاء پورا ہوا، حضرت سودہ کے ساتھ اس حسن سلوک اور لطف و عنایت پر لوگوں نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور تعریف کی۔ ان کی قوم میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت و عداوت کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ کم ہو گئی۔

اگر رسول اللہ ﷺ نے مستشرقین کے بقول اپنی نفسانی خواہش کی بناء پر شادی کی ہوتی تو اس بیوہ اور بوڑھی عورت کے بجائے، جس کی عمر پچپن سال تھی، قریش کی ان مومنہ و نوجوان لڑکیوں سے شادی کرتے جو باکرہ و پاک خو تھیں، لیکن خدا کے مہربان و کریم النفس پیغمبر اس سے بہت بلند و برتر تھے، آپ کی ساری کوشش دین کی کامیابی و ترقی پر مرکوز تھی کہ دین تمام لوگوں کے دلوں میں اترے اور بیٹھ جائے۔

چنانچہ حضرت سودہ کی قوم کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور دعوت کو پسند اور اس پر یقین کر کے صاحب دعوت کے اخلاق کریمانہ، بلندی کرداری اور وفاشعاری کے شیدائی ہو کر جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔

یہ ہے وہ انسانیت کا اعلیٰ مقام جو ہمارے پیارے محبوب پاک ﷺ کی شادیوں میں نظر آ رہا ہے۔ بن بیاہی عورت سے شادی کو اگرچہ بعض لوگوں کے لئے آپ ﷺ نے بہتر قرار دیا ہے، لیکن ہر حال میں شادی کی غرض و غایت کو ہمیں سامنے رکھنا چاہیے، صرف نفسانی خواہش کیلئے تعلقات تو جانور بھی بنا لیتے ہیں، یہ کوئی انسانی کمال نہیں ہے۔ درجہ و مقام اسی میں ہے کہ شادی میں دین اسلام کی حفاظت، صلہ رحمی، عفت و پاک دامنی، نسلوں کا بقاء جیسے عزائم و ارادے کارفرما ہوں۔

سیدہ عائشہ: حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ ازواج مطہرات میں سب سے محبوب تر تھیں، لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسن صورت میں حضرت صفیہ ان سے بڑھ کر تھیں اور کم سن بھی تھیں، دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج رضی اللہ عنہن ان سے کم نہ تھیں، لیکن حضرت عائشہ کی قابلیت، ذہانت، قوت اجتہاد، وسعت نظر اور وسعت معلومات جیسے اوصاف ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔ ایک دفعہ چند ازواج مطہرات نے حضرت فاطمۃ الزہرا کو سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ سیدہ خدمت

اقدس میں حاضر ہوئیں، دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا، اجازت ملی تو سامنے آئیں اور عرض کیا:

"ازواج مطہرات نے مجھ کو وکیل بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ابو بکر کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں۔؟"

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جان پدر! کیا تم اس کو نہیں چاہتی جس کو میں چاہتا ہوں۔؟"

جناب سیدہ کے لئے اتنا کافی تھا۔ واپس جا کر ازواج مطہرات سے کہا:

"میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی۔"

اب اس خدمت سفارت کیلئے حضرت زینب انتخاب کی گئیں، کیونکہ ازواج مطہرات میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ تھا۔ اس لئے وہی اس خدمت کیلئے زیادہ مستحق تھیں۔ انہوں نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہ سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھتی جاتی تھیں۔

حضرت زینب جب تقریر کر چکیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور و شور کیساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا لا جواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"کیوں نہ ہو! ابو بکر کی بیٹی ہے۔"

حضرت عائشہ نے اپنی ترجیح کی وہ مسکت دلیلیں بیان کی ہوں گی جن کا جواب سکوت کے سوا کچھ نہ ہوسکتا ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے: مال، نسب، حسن اور دینداری۔ سو تم دین دار عورت تلاش کرو۔ (کتاب النکاح، صحیح بخاری)

آنحضرت ﷺ کو ہر کام میں سب سے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ "دین" ہوتا تھا، اسی لئے ازواج میں بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھیں جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہوسکتی تھی۔ ازواج مطہرات کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا، وہ خلوت وجلوت کی شریک محبت تھیں، اس

لئے مذہبی احکام و مسائل کے علم و اطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع مل سکتا تھا، لیکن ساتھ ہی اس کی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے اور نکات شریعت کی تہہ تک پہنچنے کی قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اسی قدر زیادہ تمتع اٹھا سکتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھیں، اس لئے قرب صحبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکیں کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہ کی مخالفت کرتی تھیں اور ''انصاف بالائے طاعت است'' اکثر مسئلوں میں ان کی فہم و نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔

معمول تھا کہ ہر روز آپ ﷺ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں (جو پاس پاس تھے) تشریف لے جاتے۔ ایک ایک کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب ان کا گھر آجاتا جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے۔

عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتداء حضرت ام سلمہ سے ہوتی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی، انہی کے گھر پر تمام ازواج رضی اللہ عنہم آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت میں رہتی تھیں۔ کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے کھانا پکا کر حضور ﷺ کے پاس بھیجا۔ آپ ﷺ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا۔ آنحضرت ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے، چن چن کر یکجا کیے اور ان کو جوڑا پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔

بخاری میں یہ روایت ''کتاب النکاح'' کے ذیل میں ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ آنحضرت ﷺ سے برہم ہو کر بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اتفاقاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگئے اور حضرت عائشہ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ ﷺ سے چلا کر بولتی ہے۔؟ آنحضرت ﷺ بیچ میں آگئے اور حضرت عائشہ کے آڑے آگئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے؟

آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا:

''کیوں؟..... کس طرح میں نے تم کو بچا لیا۔؟''

چند روز بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو وہ حالت بدل چکی تھی۔ بولے کہ مجھ کو بھی صلح میں شریک کیجئے۔ جیسا کہ اس موقع پر میں نے ''جنگ'' میں شرکت

کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں اور ہاں۔"

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی المزاح)

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا:

"تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں۔"

وہ بولیں:

"کس طرح۔"

ارشاد ہوا:

"جب تو خوش رہتی ہے اور کسی بات پر قسم کھاتی ہے تو یوں قسم کھاتی ہے: "محمد کے رب کی قسم!" اور جب ناراض ہو جاتی ہے تو کہتی ہے: "ابراہیم کے خدا کی قسم!"

حضرت عائشہ نے کہا:

"یارسول اللہ! میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔"

(صحیح مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"انها كانت مع رسول الله في سفر قالت فسابقته فسبقته على رجلي فلما حملت اللحم سابقته فسبقني قال هذه بتلك السبقة"

(سنن ابی داؤد)

"میں ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا۔ میں جیت گئی اور آگے نکل گئی۔ اس کے بعد جب (فربہی سے) میرا جسم بھاری ہو گیا، تو اس زمانہ میں بھی ایک دفعہ ہمارا دوڑ میں مقابلہ ہوا تو آپ ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری جیت کا جواب ہو گیا۔"

بلاشبہ بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کا دل خوش کرنے کی یہ بھی نہایت اعلیٰ مثال ہے اور اس میں ان لوگوں کیلئے خاص سبق ہے جن کے نزدیک دین میں ہر طرح کی تفریحات کی کوئی جگہ نہیں۔

ایک اور روایت ہمارے موقف کی دلیل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود کھیل دکھایا:

"عن عائشة قالت واللہ رایت النبی ﷺ یقوم علی باب حجرتی والحبشة یلعبون بالحراب فی المسجد و رسول اللہ ﷺ یسترنی بردائہ لانظر الی لعبھم بین اذنہ و عاتقہ ثم یقوم من اجلی حتی اکون انا التی انصرف فاقدروا قدر الجاریة الحدیثة السن الحریصة علی اللھو"

(بخاری و مسلم)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ خدا کی قسم! میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ (ایک روز) حبشی لوگ مسجد میں "نیزہ" کا کھیل کھیل رہے تھے، رسول کریم ﷺ مجھے ان کا کھیل دکھانے کیلئے میرے لئے اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے (جو مسجد ہی میں کھلتا تھا) میں آپ کے کندھے اور کان کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھتی رہی۔ آپ ﷺ میری وجہ سے مسلسل کھڑے ہوئے رہے، یہاں تک کہ (میرا جی بھر گیا اور) میں خود ہی لوٹ آئی۔"

یہ عید کا دن تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب العیدین، صفحہ نمبر ۱۲)

عید میں جائز کھیل کود کی بھی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے، کیونکہ عوامی جشن و نشاط کا یہ بھی ایک فطری تقاضا ہے۔ صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں حضرت عائشہ سے یہ واقعہ مروی ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن رسول اللہ ﷺ کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے، دو بچیاں آئیں اور دف بجا بجا کر جنگ بعاث سے متعلق کچھ اشعار پڑھنے لگیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے انہوں نے ان بچیوں کو ڈانٹ کر بھگا دینا چاہا۔ آنحضرت ﷺ نے کپڑا پیچھے ہٹا کر فرمایا:

"دعھما یا ابا بکر فانھا ایام عید"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم، کتاب العیدین)

"ابوبکر! ان بچیوں کو چھوڑ دو، یہ عید کا دن ہے۔"

مطلب یہی تھا کہ عید میں اس طرح کھیل کی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے، الغرض زیر تشریح حدیث میں حبشیوں کے جس کھیل کا اور حضرت عائشہ کے اس کھیل کو دیکھنے کا جو ذکر ہے، اس کے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رہنی چاہیے کہ وہ عید کا دن تھا اور عید میں اس طرح کی تفریحات کی ایک حد تک گنجائش ہے۔ ایک با مقصد اور تربیتی کھیل تھا، اسی لئے خود حضور ﷺ نے بھی اس میں دلچسپی لی۔ علاوہ ازیں "نیزہ ماری" کا یہ کھیل ایک با مقصد کھیل تھا، جو فن جنگ کی ضرورت تھی۔ ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پردہ میں بھی تھیں، اس لیے بے پردگی کا بھی خطرہ نہ تھا۔

یہ واقعہ بھی بیوی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی حسن معاشرت اور ان کی دلجوئی و دلداری کی انتہائی اعلیٰ مثال ہے۔ اس میں امت کیلئے بڑا سبق ہے۔

صحیحین کی اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کھلاڑیوں کو:

"دونکم یابنی ارفدة"

کہہ کر ایک طرح کی داد بھی دیتے اور ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔

(صحیح وبخاری صحیح مسلم، کتاب العیدین، صفحہ نمبر ۱۲)

اسی واقعہ سے متعلق صحیحین کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے ان کھلاڑی حبشیوں کو جو (مسجد میں اپنا کھیل دکھا رہے تھے) مسجد سے بھگا دینا چاہا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا:

"دعھم"

"انہیں کھیلنے دو۔"

اور ان کھلاڑیوں سے فرمایا:

"امنا بنی ارفدہ"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم، کتاب العیدین)

"تم بے خوف اور مطمئن ہو کر کھیلو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اللہ ﷺ سے نہ صرف محبت تھی، بلکہ شغف و عشق تھا۔

باطنی کمالات میں حضرت عائشہ کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ تھا، اس لئے

آنحضرت ﷺ کو محبوب تھیں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں آپ کے ساتھ تھیں۔ رات کو بلا ناغہ آپ حضرت عائشہ کے محمل میں تشریف لاتے اور جب تک قافلہ چلا کرتا باتیں کیا کرتے۔ ایک دن حضرت حفصہ نے کہا لاؤ ہم دونوں اپنا اپنا اونٹ بدل لیں۔ رات ہوئی تو حسب معمول آپ حضرت عائشہ کے محمل میں تشریف لائے دیکھا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ سلام کر کے بیٹھ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف آوری کی منتظر تھیں۔ جب قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عائشہ سے ضبط نہ ہو سکا، محمل سے اتر پڑیں، دونوں پاؤں گھاس پر رکھ دیئے اور بولیں۔

"خداوندا! میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی، تو کوئی بچھو یا سانپ بھیج جو مجھ کو آ کر ڈس لے۔"

(صحیح بخاری، صفحہ نمبر ۷۸۵، باب القرعہ بین النساء)

دیکھو! اس فقرہ میں کس قدر نسوانی خصوصیات کی جھلک ہے۔

آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو معلوم تھا۔ چنانچہ لوگ قصداً ہدیے اور تحفے اس دن بھیجتے تھے جس روز حضرت عائشہ کے ہاں قیام کی باری ہوتی۔

(صحیح بخاری، جلد دوم، باب حسن المعاشرہ، فضل عائشہ)

ایک دفعہ کہیں سے کوئی ہار آیا۔ آپ نے فرمایا:

"یہ میں اس کو دوں گا جو دنیا میں مجھ کو سب سے محبوب ہو گا۔"

سب نے کہا یہ عائشہ کو ملے گا۔

آنحضرت ﷺ کی پاک و خالص محبت رنگین لباسوں اور طلائی زیوروں کے پردہ میں کبھی نہیں ہوتی، اس لئے آپ نے وہ ہار حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی امامہ رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمایا۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر ۶، صفحہ نمبر ۱۰۱)

حضرت عمرو بن العاص جب غزوہ سلاسل سے واپس آئے تو دریافت کیا:

"یا رسول اللہ! آپ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں۔؟"

ارشاد ہوا:

[illegible]

''عائشہ کو۔''

عرض کیا:

''یارسول اللہ! مردوں کی نسبت سوال ہے۔؟''

فرمایا:

''عائشہ کے باپ کو۔''

(صحیح بخاری، مناقب ابی بکر)

ایک دن حضرت عمر نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ریس نہ کیا کرو! وہ تو حضور ﷺ کو محبوب ہے۔

(صحیح بخاری، صفحہ نمبر ۷۸۵، حب الرجل بعض نساہ)

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ باہر سے تشریف لائے۔ حضرت عائشہ کے سر میں درد تھا، اس لئے کراہ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''ہائے میرا سر!'' اسی وقت آنحضرت ﷺ کی بیماری شروع ہوئی اور یہی آپ کا مرض الموت تھا۔

(صحیح بخاری، ۸۴۶، کتاب المرضی) (مسند احمد، صفحہ نمبر ۲۲۸)

آپ ﷺ مرض الموت میں بار بار دریافت فرماتے تھے:

''آج کون سا دن ہے۔؟''

لوگ سمجھ گئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی باری کا انتظار ہے۔

(صحیح بخاری، صفحہ نمبر ۱۸۶، ماجائی قبر النبی)

چنانچہ آپ کو لوگ ان کے حجرے میں لے گئے اور آپ تا وفات وہیں مقیم رہے اور وہیں حضرت عائشہ کے زانو پر سر رکھے ہوئے وفات پائی۔

فرمایا کرتے تھے:

''الٰہی! جو چیز میری قدرت میں ہے اپنی بیویوں میں معاشرت اور لین دین کی برابری، اس عدل سے باز نہیں آتا، لیکن جو میری قدرت سے باہر ہے یعنی عائشہ کی قدر و قیمت اس کو معاف کرنا۔''

(سنن ابی داؤد، باب القسم بین الزوجات)

سیدہ عائشہ نے کہا:

''یارسول اللہ! ایک دن گیارہ سہیلیاں ایک جگہ مل کر بیٹھی تھیں، باہم طے پایا کہ ہر

ایک اپنے اپنے شوہر کا حال بے کم و کاست کہہ سنائے۔ پہلی بولی: میرا شوہر اونٹ کا وہ گوشت ہے جو کسی پہاڑ پر رکھا ہو، نہ میدان ہے کہ کوئی وہاں تک پہنچ جائے اور نہ گوشت ہی اچھا ہے کہ اس کو کوئی اٹھا لے جائے۔ دوسری بولی: "میں اپنے شوہر کا حال نہیں بیان کروں گی، اگر بیان کروں تو اس قدر لمبا ہے کہ ڈر ہے کہ کچھ چھوڑ نہ دوں اور اندر باہر کا سب حال نہ کہہ دوں۔" تیسری نے کہا: "میرا شوہر بڑا سخت ہے، بولوں تو طلاق پاؤں اور چپ رہوں تو سمجھو کہ بیاہی ہوں نہ بن بیاہی۔" چوتھی بولی: "میرا شوہر حجاز کی رات ہے، نہ گرم، نہ سرد، نہ ڈر ہے نہ ملال۔" پانچویں نے کہا: "میرا شوہر گھر آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے، باہر جاتا ہے تو شیر ہو جاتا ہے، جو وعدہ کرلے اس میں پھر پوچھنے کی حاجت نہیں۔" چھٹی نے کہا: "میرا شوہر ساتھ کھاتا ہے تو اکیلا سب چٹ کر جاتا ہے، پیتا ہے تو سب سڑپ جاتا ہے، لیٹتا ہے تو سب خود اوڑھ لیتا ہے، کبھی دریافت حال کے لئے ہاتھ اندر نہیں کرتا۔" ساتویں نے کہا: "میرا شوہر بیوقوف نامرد ہے، کبھی سر پھوڑ دے، کبھی کچھ توڑ دے۔" آٹھویں نے کہا: "میرا شوہر چھونے میں خرگوش (نرم و گداز) اور سونگھنے میں کوسم ہے۔" نویں نے کہا: "میرے شوہر کا بڑا مکان ہے، امیر ہے، اس کی تلوار کا پرتلا لمبا ہے (بلند و بالا ہے) اس کے چولہے میں راکھ کا ڈھیر ہوتا ہے (فیاض ہے)" دسویں نے کہا: "میرا شوہر مالک ہے اور تم مالک کو کیا سمجھی؟ وہ ان سب سے بہتر ہے۔ اس کے اونٹوں کا بڑا گلہ ہے۔ وہ گھر میں پڑے رہتے ہیں، چرنے کو نہیں جاتے، (اس خیال سے کہ خدا جانے مہمان کس وقت آجائے اور ان کے ذبح کرنے کی ضرورت پڑے) باجے کی آواز سن لیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ موت کا دن آگیا ہے (کوئی تقریب ہے، اس میں ذبح ہونا ہوگا)" گیارہویں نے اپنی بڑی لمبی کہانی شروع کی: "میرے شوہر کا نام ابوزرع ہے، تم ابوزرع کو کیا سمجھی؟ اس نے زیور سے میرے کان اور چربی سے میرے بازو بھر دیئے۔ مسرت سے میرا دل خوش کر دیا، بکری والوں کے گھرانے میں مجھے پایا، لیکن ہنہنانے والے گھوڑوں، بلبلاتے والے اونٹوں، غلہ ملنے والوں اور پھٹکنے والے زدوروں میں لا کر مجھے رکھ دیا۔ بولتی ہوں تو کوئی برا نہیں کہتا، سوتی ہوں تو صبح کر دیتی ہوں، پیتی ہوں تو سب پی جاتی

ہوں۔ ام ابی زرع! ام ابی زرع کیسی ہے؟ اور اس کے کپڑوں کی گٹھڑی بھاری ہے اور اس کے دینے کا گھر وسیع ہے۔ ابوزرع کا بیٹا! ابوزرع کا بیٹا کیسا ہے؟ سوتا ہے تو ننگی تلوار معلوم ہوتا ہے۔ کھاتا ہے تو حلوان کا دست کھاتا ہے؟ ابوزرع کی بیٹی! ابو زرع کی بیٹی کیسی ہے؟ والدین کی فرمانبردار اور سوکن کے لئے رشک۔ ابوزرع کی لونڈی! ابوزرع کو لونڈی کیسی ہے؟ کہیں گھر کی کوئی بات باہر نہیں دہراتی، اناج کو فضول نہیں برباد کرتی، گھر کو کوڑا کرکٹ سے نہیں بھرتی۔"

آنحضرت ﷺ تحمل کے ساتھ دیر تک یہ کہانی سنتے رہے؟ پھر فرمایا:

"عائشہ! میں تمہارے لئے ویسا ہی ہوں جیسا ابوزرع ام زرع کیلئے۔"

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں:

"لیکن اکثر عین اس وقت جب آپ اسی قسم کی لطف و محبت کی باتوں میں مصروف ہوتے دفعتہً اذان کی آواز آتی تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے۔ پھر معلوم ہوتا کہ آپ ہم کو پہچانتے ہی نہیں۔"

آپ ﷺ اکثر حضرت عائشہ کے ساتھ ایک دسترخوان، بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمر گزرے۔ آپ نے ان کو بھی بلا لیا اور تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔"

(معجم طبرانی، صفحہ نمبر ۴۵) (ادب المفرد، امام بخاری، باب اکل الرجل مع امراتہ)

اس وقت تک پردہ کا حکم نہیں آیا تھا۔ کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وہی ہڈی چوستے جس کو حضرت عائشہ چوستی تھیں، پیالہ میں وہیں پر منہ رکھ کر پیتے تھے جہاں حضرت عائشہ منہ لگاتی تھیں۔

(مسند امام احمد، جلد ۶، صفحہ نمبر ۶۴)

ایک دفعہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"عائشہ بھی ہوں گی؟"

اس نے کہا:

"نہیں۔"

ارشاد ہوا:

"تو میں بھی قبول نہیں کرتا۔"

میزبان دوبارہ آیا اور پھر یہی سوال و جواب ہوا اور واپس چلا گیا۔ تیسری دفعہ پھر آیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"عائشہ کی بھی دعوت ہے۔؟"

اس نے عرض کیا:

"جی ہاں!"

اس کے بعد آپ اور حضرت عائشہ اس کے گھر گئے۔

عورتوں کے نازوانداز میں اسوۂ حسنہ:

عورت اور وہ بھی بیوی اس کے ساتھ نباہ ایک فن ہے جسے سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ ایک شوہر پڑھا لکھا عالم دین ہے، تو اسے جاہل بیوی سے نباہ کا علم نہیں ہے تو اس کا علم کس کام کا ہے۔؟ بیوی پڑھی لکھی ہو یا جاہل ہو، یہ شوہر کی عزت ہے۔ اس کے حقوق ہیں، اسے حق ہے کہ وہ کسی وقت اپنے ناز دکھائے، مطالبات کرے۔

دریائے محبت کی بہت سے لہریں عورت کی خالص نسوانی خصوصیات کے اندر پنہاں ہیں۔ ناز و انداز عورت کی فطرت ہے۔ اس قسم کے واقعات (ناز و انداز) جو احادیث میں مذکور ہیں، لوگ ان کو قابل تقلید سمجھتے ہیں، وہ ان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ایک امتی کا اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ خطاب ہے اور اسکو بھول جاتے ہیں کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے باتیں کر رہی ہے۔ چنانچہ اس قسم کے جو چند واقعات صحاح ستہ میں ہیں وہ اسی حیثیت کے ہیں اور ان کو اسی نظر سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ حکم آیا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو پیغمبر کے حوالے کر دے (مہر معاف کر کے زوجیت میں داخل ہو) تو جائز ہے، تو مجھے غیرت آئی کہ کیا کوئی عورت ایسا بھی کر سکتی ہے؟ لیکن جب ارجاء کی آیت اتری جس میں آپ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ جس بیوی کو چاہیں اپنے پاس بلائیں یا اس کے پاس رات گزاریں اور جس کو چاہیں نہ بلائیں تو میں نے کہا کہ آپ کا خدا دیکھتی ہوں کہ آپ کی ہر خواہش کو جلد پوری کرتا ہے۔
(صحیح بخاری، تفسیر احزاب)

حضرت عائشہ کے اس قول کا منشاء نعوذ باللہ اعتراض نہیں، بلکہ بیوی کا محبوبانہ ناز ہے۔

خواص امت کے نزدیک حضرت عائشہ کے قول کا مطلب اور ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہشوں کو بھی پورا فرما دیتا ہے اور اس سے مقصود اس کی تسکین خاطر ہوتی ہے، تاکہ وہ دل جمعی سے اپنے کام میں لگا رہے، لیکن آنحضرت ﷺ کا معمول اس اجازت الٰہی کے بعد بھی یہی رہا کہ آپ ہر روز ازواج سے باری کی اجازت طلب فرمالیا کرتے تھے۔
(صحیح بخاری، تفسیر احزاب)

کہیں سے کوئی قیدی گرفتار ہو کر آیا اور وہ حضرت عائشہ کے حجرے میں بند تھا۔ یہ ادھر عورتوں سے باتیں کر رہی تھیں، وہ ادھر لوگوں کو غافل پا کر نکل بھاگا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو گھر میں قیدی کو نہ پایا۔ دریافت کیا تو واقعہ معلوم ہوا۔ غصہ میں فرمایا:

"تمہارے ہاتھ کٹ جائیں۔"

پھر باہر نکل کر صحابہ کو خبر کی۔ وہ گرفتار ہو کر آیا۔ آپ ﷺ جب اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہیں۔ پوچھا:

"عائشہ! کیا کرتی ہو؟"

عرض کیا:

"دیکھتی ہوں کون سا ہاتھ کٹے گا۔"

آپ متاثر ہوئے اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر ۶، صفحہ نمبر ۵۲)

حضرت عائشہ آنحضرت ﷺ کے سر میں خود کنگھا کرتی تھیں۔

(صحیح بخاری، باب اعتکاف)

سیدہ رسول اللہ کے جسم مبارک میں عطر مل دیتی تھیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الحج)

آپ ﷺ کے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتی تھیں۔

(صحیح بخاری، باب غسل) (سنن ابی داؤد، باب الاعادة من النجاسة یکون فی الثوب)

سوتے وقت مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں۔

(مسند احمد، جلد نمبر ۶، صفحہ نمبر ۵۴)

مسواک کو صفائی کی غرض سے دھویا کرتی تھیں۔

(ابوداؤد، باب الطہارۃ)

گھر میں آپ کا کوئی مہمان آتا تو مہمانی کی خدمت انجام دیتیں۔ چنانچہ حضرت قیس غفاری رضی اللہ عنہ جو صفہ والوں میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا:

"چلو عائشہ کے گھر چلو۔"

ہم جب حجرہ میں پہنچے تو فرمایا:

"عائشہ! ہم لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔"

وہ کھانا لائیں۔ آپ ﷺ نے کھانے کی کوئی اور چیز مانگی تو چھوہارے کا حریم پیش کیا۔ پھر پینے کی چیز مانگی تو ایک بڑے پیالے میں دودھ حاضر کیا۔ اس کے بعد ایک اور چھوٹے پیالے میں پانی لائیں۔

بیوی کا سب سے بڑا جوہر شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری ہے۔ حضرت عائشہ نے نو برس کی شب و روز کی طویل صحبت میں آپ کے کسی حکم کی کبھی مخالفت نہیں کی، بلکہ انداز و اشارہ سے بھی کوئی بات ناگوار سمجھی تو فوراً ترک کر دی۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ نے بڑے شوق سے دروازہ پر ایک تصویر والا پردہ لٹکایا، آپ نے اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو پردہ پر نظر پڑی، فوراً ماتھے پر بل پڑ گئے۔ حضرت عائشہ یہ دیکھ کر سہم گئیں، عرض کیا:

"یا رسول اللہ! قصور معاف! مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی۔؟"

فرمایا:

"جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔"

یہ سن کر حضرت عائشہ نے فوراً پردہ چاک کر ڈالا اور اس کو مصرف میں لے آئیں۔"

ایک صحابی کو ولیمہ کی دعوت کرنی تھی، لیکن گھر میں سامان نہ تھا۔ آپ نے فرمایا:

"جاؤ! عائشہ سے جا کر کہو کہ غلہ کی ٹوکری بھیج دیں۔"

انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو آ کر پیغام سنایا۔ اسی وقت حضرت عائشہ نے پوری ٹوکری اٹھوا دی اور گھر میں شام کے کھانے کو کچھ نہیں رہا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، جلد ۴، صفحہ نمبر ۵۷)

شوہر کی زندگی میں تو شاید بہت سی عورتیں اس صفت میں حضرت عائشہ کی حریف نکلیں، لیکن

اصل اطاعت تو بیڑیوں کے کٹ جانے کے بعد بھی اپنے آپ کو قیدی بنائے رکھنا ہے یعنی شوہر کی وفات یا غیر حاضری کے بعد بھی اس کے ایک ایک حکم کی تعمیل اسی طرح کی جس طرح اس کی زندگی میں کی جاتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ کو فیاضی کی تعلیم دی تھی، اس کا یہ اثر تھا کہ وہ مرتے دم تک اس فرض سے غافل نہ رہیں۔ انہوں نے جہاد کی اجازت چاہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"عورتوں کا جہاد حج ہے۔"

اس حکم کے سننے کے بعد وہ اس کی پابندی اس شدت سے کرتی تھیں کہ ان کا کوئی سال کم ہی حج سے خالی جاتا تھا۔

(صحیح بخاری، باب حج النساء)

ایک دفعہ عرفہ کے دن روزہ سے تھیں، گرمی اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جا رہے تھے، کسی نے مشورہ دیا کہ روزہ توڑ دیجئے! فرمایا:

"جب آنحضرت ﷺ سے سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو روزہ کیسے توڑ سکتی ہوں۔؟"

(مسند احمد، جلد نمبر ۶، صفحہ نمبر ۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھ کر وہ بھی برابر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں:

"اگر میرے ماں باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں اور منع کریں تو میں نہ مانوں۔"

(مسند احمد، جلد نمبر ۶، صفحہ نمبر ۱۳۸)

ایک دفعہ ایک عورت نے آ کر پوچھا:

"ام المومنین! مہندی لگانا کیسا ہے۔؟"

جواب دیا:

"میرے محبوب ﷺ کو اس کا رنگ پسند تھا، لیکن بو پسند نہ تھی، حرام نہیں، تم چاہو تو لگاؤ۔"

حضرت عائشہ کا گھر ایک پیغمبر کا خلوت کدہ تھا، یہاں نہ دولت اور تمول کا سامان تھا اور نہ ان کو اس کی پرواہ تھی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب گھر میں تشریف

لاتے تو کسی قدر آواز سے یہ الفاظ دہراتے:

"لو کان لا بن ادم و ادیان من مال یابتغی و ادیا ثالثا و لا یملا فمه الا التراب و ما جعلنا المال الا لا قامة الصلوٰة و ایتاء الزکوٰة و یتوب الله علی من تاب"

"آدم کے بیٹے کی ملکیت میں اگر دولت و مال سے بھرے ہوئے دو میدان ہوں، وہ تیسرے کی حرص کرے گا۔ اس کی حرص کے منہ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے دولت تو اپنی یاد دلانے اور مسکینوں کی مدد کرنے کیلئے پیدا کی ہے، جو خدا کی طرف لوٹے تو خدا بھی اس کی طرف لوٹے گا۔"

ان الفاظ کے روزانہ تکرار سے مقصود یہ تھا کہ تمام اہل بیت کو دنیا کی بے ثباتی اور دولت کا ہیچ ہونا یاد رہے۔

عشاء کی نماز پڑھ کر آپ ﷺ حجرے میں داخل ہوتے، مسواک کر کے فوراً سو جاتے، پچھلے پہر بیدار ہوتے تہجد کی نماز ادا فرماتے۔ (صحیح بخاری، صلوٰۃ الکسوف)

جب رات کا آخری حصہ ہوتا حضرت عائشہ کو اٹھاتے اور وہ اٹھ کر آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتیں اور وتر ادا کرتیں۔ (صحیح بخاری، صفحہ نمبر ۱۵۲)

جب صبح کا سپیدہ نمودار ہو جاتا تو آپ صبح کی سنت پڑھ کر کروٹ پر لیٹ جاتے اور حضرت عائشہ سے باتیں کرتے۔

(صحیح مسلم، صلوٰۃ اللیل) (صحیح بخاری، باب من تحدث بعد الرکعتین)

پھر فریضہ صبح کیلئے باہر نکلتے۔ کبھی رات بھر وہ اور رسول ﷺ دونوں عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ آنحضرت ﷺ امام ہوتے وہ مقتدی ہوتیں۔ آنحضرت ﷺ سورۂ بقرہ، آل عمران اور نساء وغیرہ لمبی لمبی سورتیں پڑھتے، جہاں خدا سے ڈرنے والی کوئی آیت آتی خدا کی پناہ چاہتے، جب کوئی رحمت و بشارت کا موقع آتا خدا سے اس کی آرزو کرتے، اسی طرح یہ پُر اثر روحانی منظر تمام رات قائم رہتا۔ (مسند امام احمد، جلد نمبر ۶، صفحہ نمبر ۹۲)

غیر معمولی اوقات مثلاً کسوف وغیرہ کی حالت میں جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوتے یہ بھی ساتھ کھڑی ہو جاتیں، آنحضرت ﷺ مسجد میں جماعت کی نماز پڑھاتے، یہ اپنے حجرے میں کھڑی ہو کر اقتدا کر لیتیں۔ (صحیح بخاری، صلوٰۃ الکسوف)

نماز پنج گانہ اور تہجد کے علاوہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں۔

(مسند احمد، جلد ۶، صفحہ نمبر ۱۵۱)

اکثر روزے رکھا کرتیں، کبھی وہ اور رسول اللہ ﷺ دونوں مل کر ایک ساتھ روزے رکھتے اور رمضان کے آخری عشرہ میں آنحضرت ﷺ مسجد میں اعتکاف کرتے تھے، کبھی حضرت عائشہ بھی اس فرض میں شریک ہو جاتی تھیں، مسجد کے صحن میں خیمہ نصب کرا لیتیں صبح کی نماز پڑھ کر آنحضرت ﷺ بھی تھوڑی دیر کو وہاں آ جاتے۔

(صحیح بخاری، باب اعتکاف النساء)

11 ہجری میں حج کیلئے بھی گئیں۔ حج و عمرہ دونوں کی نیت کی تھی، لیکن مجبوری سے وہ طواف سے معذور ہو گئیں تو ان کو اس قدر صدمہ ہوا کہ رونے لگیں۔ آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے تو سبب دریافت کیا اور تسلی دے کر مسئلہ بتایا۔ پھر سیدہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ جا کر باقی فرائض ادا کیے۔

تربیتِ اولاد اور اسوۂ حسنہ:

انسان بذات خود فاقہ کشی کر سکتا ہے، سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا سکتا ہے، زخارف دنیوی کو کلیۃً چھوڑ سکتا ہے، لیکن وہ اپنے اعزاء و اقرباء بالخصوص عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور مشفقانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے ایسی زندگی بسر کی ہے انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل و عیال کے جھگڑوں سے الگ رکھا ہے۔ دنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف آنحضرت ﷺ کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے۔ آپ کی 9 بیبیاں تھیں، جن میں بعض ناز و نعمت میں پلی تھیں، اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لئے ان کا قدرتی میلان غذا ہائے لطیف اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہو سکتا ہے، متعدد صغیر السن بچے تھے جن کو کھانے پہننے کی ہر خوشگوار اور خوشنما چیز اپنی طرف مائل کر سکتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو اعزہ، اولاد اور ازواج مطہرات کے ساتھ سخت محبت تھی۔ آپ ﷺ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کر دیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی، لیکن بایں ہمہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات کی طرح ان کو بھی زخارف دنیوی کا خوگر نہیں بنایا، بلکہ ہر موقعہ پر روک ٹوک کی۔ اس بناء پر آپ ﷺ کے تمام خاندان کی زندگی آپ کے اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بن گئی۔

☆☆☆

باب نمبر 13:

اسلامی خاتون کے لیے نمونہ ساز خواتین......امہات المومنین

سیدہ خدیجۃ الکبریٰ:

مومنوں کی پہلی عظیم المرتبت ماں ملکہ بقا ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا وہ عظیم ہستی ہیں جن کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا ہی سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولادیں ہوئیں، سوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے بعد اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سخت مشکلات ومصائب برداشت کیے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان، اپنا مال اور اپنا سب کچھ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پہ نثار کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے پچیس سال تک مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے خدمت کی جیسے ایک کنیز اپنے آقا کی کرتی ہے۔ اسی لیے حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بھی کثرت سے آپ رضی اللہ عنہا کو یاد کیا کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت زیادہ یاد کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ میں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر رشک کرنے لگ پڑی۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عام الفیل سے پندرہ سال قبل 555 عیسوی میں مکہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نام ''خدیجہ''، لقب ''طاہرہ'' اور کنیت ''ام ہند'' تھی والد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یہ ہے:

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔ قصی پر پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہا کا نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔''

(طبقات ابن سعید، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 8)

اس سلسلہ نسب کے لحاظ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

والدہ کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یہ ہے:

"خدیجہ بنت فاطمہ بنت زائدہ بن جندب بن حجر بن مقیص بن عامر بن لوی۔ آپ کی والدہ لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد سے تھیں۔"

(مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 218) (تاریخ طبری، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 121) (نسب قریش للمصعب الزبیری، صفحہ نمبر 22-21)

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد ایک کامیاب تاجر تھے اور نہ صرف اپنے قبیلے میں بڑی باعظمت شخصیت کے مالک تھے بلکہ اپنی خوش حالی اور دیانتداری کی بدولت تمام قریش میں بڑے محترم اور ہردلعزیز تھے۔ جب آپ نے مکہ میں سکونت اختیار کی تو آپ کے عم زاد عبدالدار بن قصی آپ کے حلیف بنے۔ مکہ میں قیام کے تھوڑے عرصہ بعد یہیں پر فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی اور ان کے بطن سے وہ عظیم المرتبت بیٹی (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) پیدا ہوئی جس کے مقدر میں ام المومنین بننا لکھا جاچکا تھا۔ آپ کے والد خویلد کے قابل ذکر کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے یمن کے بادشاہ تبع سے اس وقت ٹکر لی جب اس نے حجر اسود کو کعبۃ اللہ سے نکال کر اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے والد خویلد بن اسد حرب فجار کی لڑائی میں شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں کام آ گئے۔ ان کے بعد خویلد کے بھائی عمرو بن اسد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سرپرست بنے۔ یہ عام الفیل سے بیس سال بعد کا واقعہ ہے۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 9)

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عرب کے شریف ترین اور معزز ترین خاندان قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بچپن سے ہی نہایت شریف النفس اور نیک طبع تھیں، آپ جب بڑی ہوئیں تو اپنے اعلیٰ کردار اور پاکیزہ اخلاق و فہم و فراست کی وجہ سے طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ عفت و عصمت کی صفات جمیلہ سے بھی نوازا تھا۔

(اصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 60)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پیشتر آپ رضی اللہ عنہا کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا ایک سردار کی بیٹی تھیں اور بڑے ناز و نعم میں پلی بڑھی تھیں اور مال و دولت کی بھی فراوانی تھی اس لیے آپ رضی اللہ عنہا کیلئے ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ آیا مگر آپ کے والد نے اپنی بیٹی کی فہم و فراست کے پیش نظر ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کا انتخاب کیا جو کہ تورات کے بہت بڑے عالم تھے، لیکن بعد میں نامعلوم وجوہات کی بنا پر یہ رشتہ نہ ہو سکا اس طرح آپ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ابو ہالہ بن بناش تمیمی سے ہو گئی۔ اس کا تعلق بنی اسد بن عمرو سے تھا۔ بعض مورخین نے ان کا نام و نسب ابو ھالہ ھند بن زوارۃ بن بناش تمیمی لکھا ہے۔ اکثر تواریخ میں ان کا نام ہند بھی آیا ہے۔

(اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 79) (فتح الباری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 167)

ابو ہالہ سے ان کے دو لڑکے ہوئے۔ ایک کا نام ہالہ اور دوسرے کا نام ہند تھا۔ بعض روایات کے مطابق ہالہ زمانہ جاہلیت میں ہی فوت ہو گیا اور ھند کو شرف صحابیت حاصل ہوا۔

شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ابو ہالہ فوت ہو گئے۔ آپ کا دوسرا نکاح عتیق بن عابد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم المخزومی سے ہو گیا۔ ان سے آپ کے ہاں ایک بیٹی ہوئی جس کا نام ہند رکھا گیا۔ اس زمانے میں ہند نام لڑکے اور لڑکی دونوں کیلئے رکھا جاتا تھا۔

(عیون الاثر، جلد 1، صفحہ نمبر 109)

بعض مورخین نے کہا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا عتیق بن عابد مخزومی سے پہلے نکاح ہوا اور ابو ہالہ سے بعد میں۔ بہر حال اس بات پر تمام متفق ہیں کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے دو شادیاں کر چکی تھیں اور دونوں خاوند فوت ہو چکے تھے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے دوسرے خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد زیادہ وقت خلوت گزینی میں گزارتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنا کچھ وقت خانہ کعبہ میں گزارتی اور کچھ زمانہ کی مشہور کاہنہ عورتوں میں صرف کرتیں۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے آپ رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح دیا مگر آپ رضی اللہ عنہا نے سب کو رد کر دیا اور پردہ نشین اور باعزت زندگی بسر کی۔

(تاریخ الرسل والملوک، از امام طبری، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 161-160) (التاریخ از یعقوب بن سفیان، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 267 تا 269) (الدلائل النبوۃ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 283) (المسیرہ، از ابن اسحاق، صفحہ نمبر 245) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 253)

اُمّ المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے چونکہ والد اور دونوں خاوند انتقال کر چکے تھے اس لیے انہیں اپنے والد کے پیشہ تجارت کی خود نگرانی کرنی پڑی۔ آپ رضی اللہ عنہا میں فہم و فراست، معاملہ فہمی اور عقل و دانش تو عطیہ خداوندی تھی۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے اس کاروبار کو بہت احسن طریقے سے چلایا جس سے آپ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت دن بدن بڑھتا ہی رہا۔ آپ رضی اللہ عنہا چونکہ خود پردہ نشین تھیں اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا کاروبارِ تجارت چلانے کیلئے بہت سا عملہ رکھا ہوا تھا جو کہ عرب، یہود و عیسائیوں پر مشتمل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے روابط شام و یمن میں تھے۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت ان ملازموں کے رحم و کرم پر تھا جو شام و یمن کے قافلوں کے ساتھ جاتے تھے۔ ان تمام کی نگرانی کیلئے آپ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو فہم و فراست اور عقلمندی میں بے مثال ہو اور دیانت و امانت اس کی صفات ہوں۔

یہ وہ دور تھا جب مکہ کے ہر گھر میں اور ہر مجلس میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چاند، معتز اور امانت دار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا تھا۔ جن کی امانت و دیانت کا ہر کوئی گواہ تھا۔ جن کی فہم و فراست کا یہ عالم تھا کہ قریش میں جب بھی کسی معاملہ پر اختلافات پیدا ہو جاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے، باوجودیکہ آپ علیہ السلام ابھی نوعمر تھے، مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کیلئے آخری اور حتمی ہوتا۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف کی خبر سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا تک بھی پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہا کی دلی خواہش ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرا مال لے کر شام جائیں۔ انہی دنوں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارتی قافلہ شام کیلئے تیار تھا۔ اس کی خبر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو پہنچی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا:

> ''تجارتی قافلہ شام کی طرف جا رہا ہے، میری خواہش ہے کہ آپ بھی اس قافلے کے ساتھ تجارت لے کر جائیں، مگر پاس سرمایہ نہیں ہے کہ آپ کو سامان تجارت لے کر دے سکوں، اس لیے آپ خدیجہ سے مل لیں اور ان کا سامان لے کر قافلے کے

ساتھ جائیں۔''

(التاریخ از یعقوب بن سفیان، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 267 تا 269)

ابو طالب کی اس گفتگو کا پتہ جب سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو ہوا تو انہوں نے خود ہی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام دیا کہ آپ میرا مالِ تجارت لے کر جائیں، جتنا معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ کو دوں گی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو قبول فرمایا۔ حضرت سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت و امانت کو دیکھ کر اس مرتبہ پہلے سے دوگنا مال تجارت کیلئے آپ علیہ السلام کے سپرد کیا، چلتے وقت اپنا ایک خاص غلام ''میسرۃ'' بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ کر دیا اور اسے کہا:

''محمد کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے اور راستے میں تم جو حالات و واقعات دیکھو وہ مجھے بتانا۔ چنانچہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور میسرہ نے قافلے کے ساتھ کوچ کیا تو میسرہ نے باریک بینی کے ساتھ صادق و امین نبی علیہ السلام کے اقوال و افعال کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ہر دن میسرہ صادق اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، امانت، کرامت، حسنِ سلوک اور معاملہ فہمی کے انوکھے واقعات دیکھتا رہا۔ اس نے کھانے پینے کی چیزوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت کے عجائبات اور خرید و فروخت میں خیر و برکت کو دیکھا اور اس نے وہ بادل بھی دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر دیتا تھا۔ اس نے درخت کا بھی معائنہ کیا جو اپنے تنے سمیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گیا اور اپنا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دیا اور راہب کی اس حیرت کا بھی مشاہدہ کیا جس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کہا تھا:

''مانزل تحت ھذہ الشجرۃ الا نبی''

''اس درخت کے نیچے کبھی بھی نبی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں بیٹھا۔''

کیونکہ یہ راہب تورات و زبور کا عالم تھا اور اس نے پہلی ہی نظر میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تورات و زبور میں موجود نشانیوں سے پہچان لیا اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم"

"یہ اہل کتاب نبی علیہ السلام کو ایسے پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنی اولاد کو۔"

میسرہ نے یہ بھی دیکھا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مال تجارت کو بیچنے کیلئے لات و عزیٰ وغیرہ کی قسمیں نہیں کھاتے جو کہ اہل عرب کا خاصہ تھا۔ جو بھی ایک مرتبہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی گرویدہ ہو جاتا۔ مصطفیٰ کریم علیہ السلام سالارِ قافلہ تھے، اس کے باوجود آپ علیہ السلام کا تمام قافلے والوں سے حسنِ سلوک اتنا مشفقانہ اور پیار بھرا تھا کہ ہر کوئی آپ علیہ السلام کی رحمت و شفقت کے موتیوں سے اپنا دامن بھر رہا تھا۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے نہ صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سارا سامان پہلے سے کئی گنا منافع پر فروخت ہوا، بلکہ تمام قافلے والوں کو بھی پہلے سے کئی گنا زیادہ منافع حاصل ہوا۔ جب یہ قافلہ کامیابی کے ساتھ واپس ہوا تو حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پہلے آپ علیہ السلام کے استقبال کیلئے اپنی ہم جولیوں کے ساتھ اپنے بالا خانے میں موجود تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ جلدی جلدی اپنی مالکہ کے پاس پہنچ گیا اور سفر میں ہونے والے تمام واقعات اور کئی گنا منافع کا حال بیان کیا اور مصطفیٰ کریم علیہ السلام کی وہ نعت بیان کی کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو کہ پہلے ہی آپ علیہ السلام کی عظمت و شان کی قائل ہو چکی تھیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرویدہ ہو گئیں اور جب قافلے میں سید کونین علیہ السلام پر ان کی نظر پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ سخت دھوپ ہے، لیکن مصطفیٰ کریم علیہ السلام پر دو فرشتوں نے سایہ کیا ہوا ہے۔

جب حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو انہوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے باوقار انداز میں سفر کے حالات اور نفع تجارت کے بارے میں آگاہ کیا اور حساب و کتاب دینے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کارگزاری پر بہت خوش ہوئی اور جتنی رقم کا وعدہ ہوا تھا اس سے زیادہ رقم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتیں ہیں۔

(دلائل النبوۃ، بیہقی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 62) (دلائل النبوۃ، لابی نعیم اصفہانی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 54) (سیرت ابن ہشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 188) (الروض الانف، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 236)

طبقات ابن سعد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 82)(خصائص الکبریٰ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 91)(لھالۃ الادب، جلد نمبر 16، صفحہ نمبر 85)(تاریخ طبری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 280)(عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 62)(مصحف عبدالرزاق، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 320)(ازواج النبیؐ، لابن زبالہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 24)

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ شام سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہو چکی تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ خواہش جڑ پکڑ چکی تھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا جائے۔ سفرِ شام کے تمام حالات کا ذکر سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے کیا جو کہ تورات و زبور کے بہت بڑے عالم تھے تو انہوں نے کہا کہ اگر یہ واقعات سچے اور صحیح بیان کیے ہیں تو پھر محمد اس امت کے نبی ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس امت میں ایک نبی آنے والے ہیں اور جن کے آنے کا زمانہ بہت قریب ہے۔

(عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 120)

ورقہ بن نوفل کے اس بیان کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا شوق مزید بڑھ گیا۔ کتب سیرت میں ہے کہ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خواب کا ذکر موجود ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ آسمانی سورج آپ کے گھر میں اتر آیا ہے اور اس کا نور آپ کے گھر سے ہر طرف پھیل رہا ہے، یہاں تک کہ مکہ کا کوئی گھر بھی ایسا نہیں جہاں تک یہ نور نہ پہنچا ہو۔ جب آپ بیدار ہوئیں تو اپنا خواب اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کو سنایا تو انہوں نے اس کی تعبیر یہ بیان کی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب آپ سے نکاح کریں گے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ شام کے واپسی کے دو ماہ اور پچیس دن بعد اپنی چچا زاد بہن نفیسہ بنت منیہ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغامِ نکاح بھیجتیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے مشورہ سے قبول فرما لیتے ہیں۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 312)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ نکاح قبول کرنے کے بعد نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ مقررہ دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے چچا ابو طالب، سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر روساءِ قریش کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر

تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے آپ کے چچازاد ورقہ بن نوفل، آپ کے چچا عمرو بن اسد اور دیگر رشتہ دار موجود تھے۔ سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا جس کے الفاظ یوں ملتے ہیں:

"الحمد الله الذی جعلنا من ذریة ابراھیم وزرع اسماعیل و ضئضئی و عنصر مضر و جعلنا حفظة بیته واسواس حرمه و جعل لنا بیتا محجوباً و حرما آمنا و جعلنا الحکام علی الناس اما بعد! فان محمد امن لا یوارن به حتی من قریش الا رجع به شر قاونبلا و فضلا و عقلا وان کان فی المال قل فانه ظل زائل و عاریة مستر جعة وله فی خدیجه بنت خویلد رغبة ولها فیها مثل ذالك"

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہمیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذریت، سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل، معد کی اصل اور مضر کے عنصر سے پیدا فرمایا اور ہمارے لیے ایسا گھر مقرر کیا جس کا قصد کر کے لوگ دور دور سے آتے ہیں اور اس کی چار دیواری کو امن والا بنایا اور ہم کو اپنے گھر کا امین اور محافظ مقرر کیا۔ پھر ہم کو اور لوگوں پر حاکم بنایا۔ اما بعد! محمد وہ ہیں کہ قریش کا کوئی نوجوان بھی شرف، رفعت اور عقل و فضیلت میں آپ کے ساتھ تولا جائے تو آپ ہی بھاری رہیں گے۔ اگرچہ آپ مال کے لحاظ سے کم ہیں، لیکن مال ایک زائل ہو جانے والا سایہ ہے اور ایک عاریت ہے جو واپس کی جانے والی ہے۔ یہ خدیجہ بنت خویلد کے نکاح کی طرف مائل ہیں اور اسی طرح خدیجہ آپ سے نکاح کی طرف مائل ہے۔ ان کا مہر میرے مال سے ادا کر دیا گیا ہے۔ خواہ وہ معجل ہو یا غیر معجل۔

جناب ابو طالب کے خطبہ نکاح ختم ہوتے ہی سیدہ خدیجہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بطور ولی اٹھے اور خطبہ دیا:

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے ہمیں ایسا ہی بنایا جیسا کہ آپ نے بیان کیا اور ہمیں ایسی ہی فضیلتیں عطا فرمائیں جیسی کہ آپ نے شمار کیں۔ ہم عرب کے سردار

اور راہنما ہیں اور آپ سب بھی۔ کوئی قبیلہ اور کوئی شخص آپ کے فضائل اور عظمت و شرف کا انکار نہیں کر سکتا اور ہمیں آپ کی شرافت ونجابت وقومیت سے تعلق پیدا کرنے میں رغبت ہوئی ہے۔ پس اے قبائل قریش! گواہ رہو کہ ہم نے خدیجہ بن خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے کر دیا ہے۔"

جب ورقہ بن نوفل خاموش ہوئے تو جناب ابوطالب نے کہا:

"بہتر ہوگا کہ عمرو بن اسد جو کہ اس وقت خدیجہ کے سرپرست ہیں وہ بھی اس کی توثیق کر دیں۔"

اس پر عمرو بن اسد کھڑے ہوئے اور کہا:

"اے قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کے نکاح میں دے دیا۔"

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت عمر چالیس سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت عمر مبارک پچیس سال تھی۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ جو کہ پانچ سو طلائی درہم بنتا ہے مقرر ہوا۔

بعض مورخین نے چار سو مثقال حق مہر بیان کیا ہے اور کچھ نے بیس اونٹ ذکر کیا ہے۔ یہ شادی اعلان نبوت سے پندرہ سال قبل ہوئی۔

(طبقات ابن سعد، جلد اول، صفحہ نمبر 84) (دلائل النبوۃ، للبیہقی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 424) (سیرۃ النبوۃ، لابن کثیر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 267) (سیرۃ ابن ہشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 189) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 221) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 64) (مصنف عبدالرزاق، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 320) (ازواج النبی، صفحہ نمبر 25) (تہذیب فی نووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 346)

اُمّ المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے پہلے دن سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں اپنی جان و مال کے ساتھ ایسی مستغرق ہوئیں جیسے کہ ایک لونڈی اپنے آقا کے لیے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال و اسباب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا جس کی وجہ سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر معاش سے نجات مل گئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ساری زندگی مصطفیٰ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی خدمت کی کہ ساری زندگی کبھی ایسا موقعہ نہیں آیا جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا برابر بھی رنج پہنچا ہو۔ بلا شبہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مناسب ماحول اور فضا تیار کرنے میں اس ذی عظمت خاتون کا بڑا عمل دخل ہے۔ انہوں نے اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر اور اپنی مالی خوشحالی کی بنا پر دشمنوں کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچنے دیا۔ انہوں نے عام گھریلو عورتوں کی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنی ذات میں ہی نہیں لگائے رکھا بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت گزینی سے واپس تشریف لاتے تو بڑی خندہ پیشانی اور پیار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتیں اور جس قدر توشہ کی ضرورتی ہوتی تیار کرتیں اور کبھی بھی گلہ نہ کرتیں کہ آپ مجھے کم وقت دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو نکاح ہو چکے تھے اور ان سے اولادیں بھی ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پہلے نکاح سے لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام ہند رکھا گیا۔ دوسرے نکاح سے آپ کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کا نام ہالہ دوسرے کا نام ہند تھا۔ جیسا کہ پہلے کیا جا چکا ہے کہ اس زمانے میں ہند عورت اور مرد دونوں کا نام رکھا جاتا تھا۔

(الاستیاب، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 1549)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا ہند رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے فصیح و بلیغ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت شان بیان کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

> ”میں باپ، ماں، بھائی اور بہن کے لحاظ سے سب سے زیادہ عزت والا ہوں۔ کیونکہ میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میری ماں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں، میرا بھائی قاسم رضی اللہ عنہ ہے اور میری بہن سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔“

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی کنیت ”ام ہند“ انہی کی وجہ سے تھی۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 15) (تہذیب الاسماء والصفات، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 342) (سخاوی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 40)

روایات کے مطابق سیدنا ہند رضی اللہ عنہ بصرہ میں طاعون کی وجہ سے فوت ہوئے اور ان کے جنازے میں بہت زیادہ لوگوں نے شرکت کی۔ لوگ اپنے جنازوں کو چھوڑ کر ان کے جنازے میں اس لیے شریک ہوئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب (بیوی کے بیٹے) تھے۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ اولادیں ہوئیں، دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فضائل سے کتابیں بھری پڑی ہیں، برکت کے لیے چند ایک فضائل رقم کیے جاتے ہیں:

1: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کی طرح زمانہ جاہلیت میں ہی بت پرستی ترک کر دی تھی اور ان سے بےزار ہو گئیں تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"بخدا! میں کبھی بھی لات و عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔"

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"لات کو جانے دیجئے۔ عزیٰ کو جانے دیجئے یعنی ان کا نام بھی نہ لیں۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 222)

2: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ایمان لانے والی پہلی خاتون تھیں۔

3: حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خیر نسآئھا مریم بنت عمران و خیر نسآئھا خدیجۃ بن خویلد"

(صحیح المسلم، جلد نمبر 2، کتاب الفضائل، صفحہ نمبر 284)

"مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تمام عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔"

4: سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار خط رقم فرمائے۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا:

"تم جانتے ہو یہ خط کیا ہیں۔؟"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حسب معمول کہا:

" و الله و رسوله اعلم "

"اللہ اور اللہ کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔"

اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"افضل نسآء اهل جنة خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد و مريم بنت عمران و آسية بنت مزاحم امراة فرعون"

(مسند امام احمد، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر 293)(مسند ابو یعلی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 159)(مستدرک حاکم، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 160)(نسائی فی فضائل صحابہ، صفحہ نمبر 252)(المعجم الکبیر للطبرانی، جلد نمبر 11، صفحہ نمبر 336)(مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 223)

"جنت کی عورتوں میں سب سے افضل یہ چار عورتیں ہیں۔ پہلی خدیجہ بنت خویلد، دوسری فاطمہ بنت محمد، تیسری مریم بنت عمران اور چوتھی آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی۔"

5: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"اتى جبرائيل عليه السلام الى النبى صلی اللہ علیہ وسلم فقال يا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هذه خديجة قداتت و معها اناء فيه ادم او طعام او شراب فاذاهى اتتك فاقرا عليها السلام من ربها و منى بشرهابيت فى الجنة من قصب لا فنحب فيه و لا نصب فاخبر الرسول السيدة خديجة بما قال جبرائيل فقالت الله هو السلام ومنه السلام و على جبرائيل السلام"

(صحیح البخاری، مناقب الانصار، باب تزویج النبی خدیجۃ وفضلھا، حدیث نمبر 3821)(فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 133)(صحیح المسلم، فضائل صحابہ، باب فضائل خدیجہ، حدیث نمبر 1887)(السنن الترمذی، باب فضل خدیجہ، حدیث نمبر 3876)(السنن النسائی، باب فضائل صحابہ، حدیث حضرت انس)(مسند امام احمد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 205)(الطبرانی، جلد نمبر 13، صفحہ نمبر 11)(مسند امام احمد، فضائل صحابہ، حدیث نمبر 1586)(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 185)(السمط الثمین للطبری صفحہ نمبر 24)(مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 223)(کنز العمال،

جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 130)

''جبرائیل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدیجہ مکہ سے آ رہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں شوربا، کھانا یا پانی ہے، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیے اور میری طرف سے بھی اور انہیں جنت میں ایسے گھر کی خوشخبری سنائیں جو کھوکھلے موتی کا بنا ہوا ہے جس میں نہ کسی قسم کا شور ہو گا اور نہ کوئی تکان۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جبرائیل علیہ السلام کا پیغام سنایا تو وہ کہنے لگیں ''اللہ ہی سلام ہے (وہ خود بھی سلامت ہے اور دوسروں کو بھی سلامت رکھنے والا ہے) اور اسی کی طرف سے سلامتی ہے اور جبرائیل علیہ السلام پر سلام ہو۔''

یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو کسی دوسری خاتون کے حصے میں نہیں آئی۔

6: یہ بات بھی ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے خصائص میں شامل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا چوبیس سال اور کچھ ماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہیں اور اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہ کی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی اور آپ رضی اللہ عنہا کو بھی۔

(صحیح المسلم، حدیث نمبر 2436) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 450) (طبرانی فی عبد الرزاق، جلد نمبر 7، صفحہ 493) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 220)

7: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔

8: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد ان کی بہت زیادہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں اتنا رشک کسی دوسری عورت پر نہ کرتی جتنا خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کرتی، حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں۔ رشک کرنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم آپ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ اور آپ رضی اللہ عنہا کے لیے استغفار کرتے کرتے تھکتے ہی نہ تھے۔ چنانچہ ایک دن حسب معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو مجھے غیرت نے ابھارا۔ میں نے عرض کیا:

''اللہ تعالیٰ نے میری صورت میں ایک عمر رسیدہ کا بدل آپ کو دیا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضب ناک ہو گئے جس سے میری ہمت جواب دے گئی تو میں نے کہا: ''اے اللہ! اگر تو اپنے رسول کا غصہ مجھ سے دور کر دے تو جب تک میں زندہ رہوں گی کبھی بھی خدیجہ کا ذکر برائی کے ساتھ نہیں کروں گی۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھی تو فرمایا:

''تو نے یہ کس طرح کہہ دیا۔ بخدا! وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، جب لوگوں نے میرا انکار کیا، انہوں نے مجھے پناہ دی، ان سے مجھے اولاد عطا کی گئی جبکہ تم اس سے محروم کر دی گئیں۔''

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 3821) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 2437) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 117) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 13) (البدایہ والنھایہ، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 162) (الاستیعاب، لابن عبد البر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1824) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 234) (الاربعین، لابن عساکر، صفحہ نمبر 18) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 605) (تاریخ دمشق، لابن عساکر، صفحہ نمبر 161)

:9 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بہت دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ اس وقت تک گھر سے باہر نہ جاتے جب تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خوب تعریف اور ان کیلئے استغفار نہ کر لیتے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو بھی ایسا ہی کرتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانور ذبح فرماتے اور اس کا گوشت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیجتے۔

:9 جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی چیز لائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم فرماتے:

''اس کو فلاں کے گھر بھیج دو، کیونکہ وہ خدیجہ سے محبت کرتی تھیں۔''

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک مرتبہ حسانہ مزینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کیلئے آئیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی مہربانی کے ساتھ ان سے پیش آئے اور ان کا حال احوال پوچھا۔ جب وہ چلی گئیں تو میں نے پوچھا:

''یارسول اللہ! یہ بڑھیا کون تھی جس کے ساتھ آپ اتنی شفقت کے ساتھ پیش آئے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ خدیجہ کی سہیلی ہے جو خدیجہ کے ساتھ بہت محبت کرتی تھی۔''

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عائشہ! یہ خدیجہ کی زندگی میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور محبت کی تکریم بھی ایمان کا جز ہے۔''

(شعب الایمان، للبیہقی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 517، حدیث نمبر 9122) (مستدرک حاکم، جلد نمبر 1، صفحہ 15) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 64) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 14) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 580) (المقاصد الحسنہ، حدیث نمبر 1198)

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جوں جوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کے قریب پہنچ رہی تھی۔ توں توں آپ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنادی گئی تھی۔ آپ کئی کئی دن تک غار حرا میں جا کر خلوت گزیں رہتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس آتے تو میں بڑے پیار و محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتی اور جس قدر توشہ کی ضرورت ہوتی اور آپ کو تیار کر کے دیتی۔ حسب معمول ایک مرتبہ حضور رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں معتکف تھے کہ ایک فرشتہ (جبریل علیہ السلام) غار حرا میں داخل ہوا اور آپ کو سلام کیا اور پھر کہا:

''اقراء''

"پڑھیے۔!"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما انا بقارء"

"میں کیوں پڑھوں"

فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کیا اور اتنا دبایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقت کی انتہا نہ رہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہا:

"اقراء"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی جواب دیا۔ اس نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے زیادہ زور سے دبایا اور چھوڑ کر کہ تیسری بار بھی ایسا کیا اور کہا:

"اقراء بسم ربك الذی خلق o خلق الانسان من علق o اقراء و ربك الاكرم o الذی علم بالقلم o علم الانسان مالم يعلم o"

"آپ اپنے پروردگار کے نام کی مدد کے ساتھ پڑھیں، جو خالق ہے۔o جس نے انسان کو پانی کے کیڑے سے بنایا۔o پڑھیے! آپ کا پروردگار بہت کرم والا ہےo جس نے انسان کو قلم سے علم سکھایا۔o انسان کو وہ چیزیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔o"

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا حکم سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پہ بھی یہی کلمے جاری ہو گئے۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے۔ پہلی وحی کے نزول کے حیرت انگیز واقعے کا آپ کی طبیعت پر شدید اثر ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"زملونی املونی"

"مجھے پر چادر اڑھا دو۔ مجھ پر چادر اڑھا دو"

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حکم کی تعمیل کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ سنبھلی تو ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

''آپ کہاں تھے۔؟ میں بہت فکر مند تھی اور کئی آدمیوں کو آپ کی تلاش میں بھیج چکی تھی۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعہ آپ کو سنا دیا تو اس پر سیدہ خدیجہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے وہ مشہور الفاظ کہے:

''کلا البشر فواللہ لا یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم تصدق کالحدیث و تحمل الکل و تکسب المعدوم، وتقری الضیف و تعین علی نوائب الحق''

(صحیح البخاری، باب بدأ اذ الوحی، حدیث نمبر 3)(صحیح المسلم، باب بدا اذ الوحی برسول صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 160)(ترمذی شریف، باب نمبر 13، باب المناقب، حدیث نمبر 3636)

''خوش ہو جایئے! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی اکیلا نہ چھوڑے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، آپ امین ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور حق بجانب امور میں آپ ہمیشہ معین و مددگار رہتے ہیں۔''

اظہارِ نبوت کے اسی ابتدائی زمانہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ جب وہ فرشتہ (جبرائیل) آپ کو نظر آئے تو آپ مجھے بتا دیں۔؟''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کیا۔ جب جبرائیل علیہ السلام آئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے خدیجہ! جبرائیل آئے ہیں۔''

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

''کیا اس وہ آپ کو نظر آ رہے ہیں۔؟''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں! وہ مجھے نظر آ رہے ہیں۔''

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"آپ اٹھ کر میرے دائیں جانب بیٹھ جائیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

"کیا اب بھی آپ کو جبرائیل نظر آ رہے ہیں۔؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہاں! اب بھی وہ مجھے نظر آ رہے ہیں۔"

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"اب آپ میری آغوش میں بیٹھ جائیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

"کیا اب بھی جبرائیل آپ کو نظر آ رہے ہیں۔؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

"ہاں! اب بھی وہ مجھے نظر آ رہے ہیں۔"

اس پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر پر اوڑھی ہوئی چادر ہٹا کر سر کھول دیا اور پھر پوچھا:

"کیا اب بھی وہ فرشتہ آپ کو نظر آ رہا ہے۔؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اب نظر نہیں آ رہا۔"

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"حضور! آپ کو مبارک ہو۔! خدا کی قسم یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں۔! کیونکہ اگر یہ شیطان ہوتا تو میرا سر دیکھ کر نہ شرماتا، لیکن یہ حیاء دار ہے اس لیے فرشتہ ہے۔"

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 553) (خصائص الکبریٰ، از امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 95) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 172) (الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 281) (السیرۃ الحلبیہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 82)

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ کوئی

مرد ایمان لایا اور نہ کوئی عورت۔ اس بات پر سب علماء اور محدثین کا اتفاق ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

"سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔"

(المعجم الکبیر، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 452) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ 2204)

حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا وہ عالی مرتبت خاتون ہیں جنہوں نے ہر موقع پر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی کی۔ ہر طرح کے مصائب و آلام کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و جان نثاری کا حق ادا کر دیا۔ باوجود یکہ آپ رضی اللہ عنہا بہت مالدار اور خوشحال خاتون تھیں اور اپنی ساری زندگی بڑی پر آسائش گزاری تھی اور آپ کا اثر ونفوذ بھی بہت تھا، لیکن پھر بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے کے بعد آپ نے کفار کے طرح طرح کے مظالم برداشت کیے اور اپنی پر آسائش زندگی کو خیر باد کہا۔ اپنا تن من دھن سب کچھ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا۔ یہ ام المومنین کا اثر ونفوذ ہی تھا جس کی وجہ سے اعلانِ نبوت کے بعد کفار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تنگ کرنے سے ڈرتے تھے۔

جب محبوب خدا علیہ السلام نے اعلانِ نبوت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین میں بھی اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی۔ اس لیے سب سے پہلے مردوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، بچوں میں آپ کے چچازاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور غلاموں میں زید بن حارثہ نے اسلام قبول کیا۔ آہستہ آہستہ دوسرے سعید الفطرت لوگ بھی اسلام میں داخل ہو کر صحابی رسول ہونے کا اعزاز حاصل کرنے لگے۔ جوں جوں اسلام وسعت اختیار کرتا جاتا توں توں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مسرور ہوتی جاتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنے غیر مسلم اعزاء و اقرباء کی طعن و تشنیع برداشت کرتیں، لوگوں کی درشت باتوں کو سنتیں، مسلمانوں پر کفار کے مظالم دیکھتیں اور سنتیں مگر آپ رضی اللہ عنہا کے ایمان میں ذرا برابر بھی لغزش نہ آئی، بلکہ آپ رضی اللہ عنہا نے تبلیغِ دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست بازو ہونے کا حق ادا کر دیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کفار کی بیہودہ اور لایعنی باتوں سے کبیدہ خاطر

ہوتے تو حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کفار کی باتوں سے دل برداشتہ مت ہوں۔ آج تک کوئی ایسا رسول بھی آیا ہے جس کا لوگوں نے تمسخر نہ اڑایا ہو، اس کو تنگ نہ کیا ہو۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔"

اسی طرح کی باتوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی فرماتیں جس کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غم کم ہو جاتا۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرقین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ بھی صدمہ ہوتا وہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کی باتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہلکا کر کے پیش کرتیں تھیں۔"

(ابن ہشام، صفحہ نمبر 240) (عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 178)

محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عقیدت و محبت کی یہ کیفیت تھی کہ اعلانِ نبوت سے قبل اور اعلانِ نبوت کے بعد ام المومنین رضی اللہ عنہا کی اس جان نثاری، ہمدردی، دل جوئی کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ جب تک آپ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جہاں پر ایک وفا شعار بیوی تھیں وہاں پر ایک شفیق ماں بھی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا باوجود تمول و ثروت کے اپنے بچوں کی پرورش نہ صرف خود حسن و خوبی سے کر رہی تھیں، بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بھی خود کرتیں اور امور خانہ داری بھی خود انجام دیتیں۔

نبوت کے ساتویں سال محرم کے مہینے میں جب کفار مکہ نے ایک معاہدے کے تحت بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور ان کے حامیوں کا مقاطعہ (تعلق ختم) کر دیا جس میں درج تھا کہ کوئی بھی شخص ان سے کوئی چیز نہ خریدے گا اور نہ فروخت کرے گا، نہ ان سے شادی بیاہ کرے گا اور نہ کسی بھی قسم کی کوئی امداد نہیں دے گا حتیٰ کہ کھانے پینے کی کوئی چیز بھی انہیں نہ دے گا۔ یہاں تک کہ یہ سارے بھوک و پیاس سے مر جائیں یا محمد کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ اس

معاہدے پر تمام روسائے مکہ نے دستخط کر دیئے اور اس معاہدے کو بیت اللہ شریف کے ساتھ لٹکا دیا گیا تا کہ ہر کوئی اس کی پیروی کرے۔ چنانچہ سوائے ابولہب کے بنو ہاشم کے تمام افراد کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔

شعب ابی طالب خاندان بنو ہاشم کی موروثی جاگیر تھی۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متعلقین اس بات پر مجبور کر دیئے گئے کہ وہ اس گھاٹی میں محصور ہو جائیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس سخت کڑی آزمائش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا گھر بار چھوڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس گھاٹی میں وہ تمام مصائب والام برداشت کیے جو کہ دوسرے مسلمانوں کو پہنچے۔ اس کے باوجود کہ آپ رضی اللہ عنہا نے بڑی پرآسائش زندگی گزاری تھی اور ایسی سختی اور مصیبت کبھی دیکھی تک نہ تھی اور عمر مبارک بھی تقریباً ساٹھ سال کے قریب تھی پھر بھی آپ نے کئی کئی دن تک فاقہ کیا۔ بھوک و پیاس کا یہ عالم تھا کہ ان لوگوں کو درختوں کے پتے اور سوکھا ہوا چمڑا بھی کھانا پڑا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بھوک کا یہ عالم تھا اتفاق سے رات کی تاریکی میں میرا پاؤں کسی تر چیز پر پڑا۔ میں نے فوراً اسے اٹھایا اور زبان پر رکھ کر نگل گیا۔ مجھے اب تک نہیں معلوم کہ وہ کیا چیز تھی۔ یہ اتنے مشکل دن تھے کہ عام انسان ایسی سختی کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ بھوک اور پیاس سے بچے اور بوڑھے بلبلانے لگے اور ان کی آوازیں لوگوں کو سنائی دیتی۔ کفار ان آوازوں کو سن سن کر خوش ہوتے۔"

دوران محاصرہ جب بھی مکہ میں کوئی تجارتی قافلہ آتا تو ابولہب قافلے والوں کے پاس جا کر اعلان کرتا:

"اے قافلے والو تم میں سے کوئی شخص اصحاب محمد کو کوئی چیز عام نرخوں میں فروخت نہ کرے، بلکہ دو گنے اور تین گنے وصول کرے اور اگر کوئی نقصان ہوا تو اس کو میں پورا کروں گا۔"

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم چیزوں کو خریدنے کیلئے آتے مگر کئی گنا قیمت دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ تاہم اس مشکل وقت میں بھی ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اثر و رسوخ کی وجہ سے رات کی تاریکی میں کبھی کبھی کھانا وغیرہ پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام اپنی

پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے اپنے غلام کے ساتھ غلہ وغیرہ لے جا رہے تھے، راستے میں ابوجہل نے ان کو دیکھ لیا اور کہا:

"تم بنو ہاشم کیلئے غلہ لے کر جا رہے ہو، میں یہ غلہ ان تک نہ پہنچنے دوں گا اور سب کے سامنے تمہیں رسوا کروں گا"

اسی وقت ابوالبختری سامنے آ گیا اور سارا واقعہ سن کر ابوجہل سے کہنے لگا:

"اگر کوئی اپنی پھوپھی کیلئے غلہ بھیجتا ہے تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

اس پر ابوجہل ابوالبختری کو سخت سست اور برا کہنے لگا۔ اس پر ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اس زور سے ابوجہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ ابوجہل کو مار کھانے سے زیادہ تکلیف اس بات کی ہوئی کہ شعب ابی طالب سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

(عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 224)(سیرۃ ابن ھشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 353)

وہ معاہدہ جو کہ بیت اللہ شریف کی دیوار کے ساتھ لگایا گیا تھا بوسیدہ ہو کر گر جانے اور قریش کے اندرونی اختلافات کی وجہ سے یہ محاصرہ تین سال تک جاری رہنے کے بعد دس نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال قبل ختم ہوا اور بنو ہاشم اس گھاٹی سے باہر نکلے۔

(الفتح الباری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 147)

اعلانِ نبوت کے دسویں سال شعب ابی طالب کا محاصرہ تین سال جاری رہنے کے بعد ختم ہوا۔ اس محاصرے کی سختی سے ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نڈھال ہو گئیں اور اکثر بیمار رہنے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت علاج معالجہ کروایا مگر صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"یارسول اللہ! کچھ دیر میرے سامنے تشریف فرما ہوں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تو انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں نے اپنی ساری زندگی آپ کی خدمت میں بسر کی ہے اور اب قاصدِ اجل آنے والا ہے، میں آپ سے التماس کرتی ہوں کہ قیامت کے دن بھی مجھے اپنے ساتھ رکھیں، اللہ تعالیٰ سے میری سفارش فرمائیں اور اگر خدمت میں کوئی

کمی کوتاہی ہو گئی ہو تو مجھے معاف فرمائیں۔ میری چھوٹی بیٹی فاطمہ کا خاص خیال رکھیں۔ نیز میں آپ سے ایک بڑی بات کہنا چاہتی ہوں مگر آپ کے سامنے عرض کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اس لیے وہ بات میں فاطمہ کو بتا دیتی ہوں وہ آپ کو بتا دے گی۔"

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"بیٹی! اپنے والد گرامی کی خدمت میں میری یہ آخری خواہش پیش کرنا کہ آپ اپنی وہ والی چادر جو نزولِ وحی کے وقت اوڑھا کرتے ہیں میرے کفن کیلئے عطا فرمائیں۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ کی یہ آرزو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ چادر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"بیٹی! جاؤ اور یہ چادر اپنی والدہ کو دکھا آؤ تا کہ وہ خوش ہو جائیں۔"

اسی اثناء میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنی چادر سنبھال لیں۔ خدیجہ نے اپنا سب کچھ ہمارے لیے قربان کر دیا اس لیے اس کا کفن ہمارے ذمہ ہے۔ ہم اسے اپنے کرم کی پوشاک عطا کریں گے اور اس کیلئے جنت سے پاکیزہ کفن بھیجتے ہیں۔"

11 رمضان المبارک، اعلانِ نبوت کے دسویں سال، ہجرت مدینہ سے تین سال قبل اور جناب ابو طالب کی وفات کے تین یا پانچ دن بعد، پچیس سال حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہنے کے بعد چونسٹھ سال چھ ماہ کی عمر مبارک میں سیدہ رضی اللہ عنہا اس دار فانی سے دار باقی کی طرف انتقال فرما گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں ہستیوں کے وصال کا اتنا غم تھا کہ اس سال کا نام ہی "عام الحزن" پڑ گیا۔ چونکہ اس وقت نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کا عطا کردہ کفن پہنایا گیا اور جنت المعلیٰ میں قبر مبارک بنائی گئی۔ قبر میں

پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اترے اور پھر اپنی غمگسار بیوی کی تدفین فرمائی۔

(بخاری شریف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 551)(دلائل النبوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 352)(زرقانی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 291)(تفسیر ابن ہشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 416)(المعارف، لابن قتیبہ، صفحہ نمبر 133)(عیون الاثر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 327)(تفسیر قرطبی، جلد نمبر 14، صفحہ نمبر 164)(نووی فی تھذیب، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 342)(الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 605)

سیدہ سودہ بنت زمعہ:

آپ رضی اللہ عنہا کا نام سودہ تھا۔ قریش کے مشہور قبیلہ عامر بن لوی سے آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام الاسود تھی۔

والد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدو بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔ لوی پر آ کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

آپ کی والدہ کا نام شموس تھا۔ ان کا نسب نامہ یوں بیان کیا گیا ہے:

الشموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا تعلق بنونجار سے تھا۔ شموس کی والدہ جناب عبد المطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی تھیں۔

(عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 393)(الطبقات الکبریٰ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 52)(جمرۃ الانساب العرب، صفحہ نمبر 167)(اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 157)(تھذیب الاسماء والصفات، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 348)(انساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 407)(سخاوی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 40)

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اعلانِ نبوت کے تھوڑے عرصہ بعد ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر ان کی ترغیب سے ان کے شوہر سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح انہیں قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ہجرتِ حبشہ اولیٰ تک یہ دونوں میاں بیوی بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کفار کی سختیاں برداشت کرتے رہے، لیکن جب کفار کی زیادتیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت عطا فرمائی۔ جن 86 مردوں اور 17 عورتوں نے

حبشہ کی طرف ہجرت کی ان میں یہ دونوں میاں بیوی بھی شامل تھے۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ان کے والد کے چچازاد بھائی سکران بن عمرو بن عبدالشمس بن عبدود رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ سکران رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی سہیل، حاطب اور سلیط رضی اللہ عنہم سب صحابی رسول تھے۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ کئی سال کے بعد جب یہ لوگ واپس مکہ آئے تو حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا کچھ دیر بعد وصال ہو گیا۔

ایک مرتبہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ آسمان سے چاند ان کی جھولی میں آ گیا ہے۔ انہوں نے جب یہ خواب اپنے شوہر سکران رضی اللہ عنہ کو سنایا تو انہوں نے کہا:

"اس کی تعبیر یہ ہے کہ عنقریب میں فوت ہو جاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارا نکاح ہو جائے گا۔"

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے ہیں اور انہوں نے آ کر میری گردن کو چھوا ہے۔ یہ خواب جب میں نے اپنے شوہر سکران کو بتایا تو انہوں نے کہا:

"اگر تیرا خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ بہت جلد میرا انتقال ہو جائے گا اور تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جائے گا۔"

چنانچہ تھوڑے عرصہ بعد حضرت سکران رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، اسی بیماری میں ان کا وصال ہو گیا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بہت افسردہ رہتے۔ آپ علیہ السلام کو اپنی کم عمر بچیوں کی پرورش کا خیال مزید غم زدہ کر دیتا جو کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اکیلی رہ گئیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پریشان تھے۔ ایک دن حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ایک مونس و غمگسار رفیق کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سلسلہ میں بات شروع کروں۔؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"وہ کون سی خاتون ہیں جن کے ساتھ نکاح کی بات کرنا چاہتیں ہیں۔؟"

انہوں نے عرض کیا:

"سودہ بنت زمعہ۔"

حضرت خولہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئیں اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام نکاح دیا جو انہوں نے اسی وقت قبول کر لیا اور اپنے بوڑھے والد زمعہ کے پاس اجازت طلب کرنے کیلئے بھیجا۔ آپ کے والد زمعہ نے بھی یہ رشتہ قبول کر لیا۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے گھر میں تشریف لائے۔ زمعہ نے اپنی بیٹی سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو درہم حق مہر مقرر کیا۔ اس طرح سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا حرم نبی میں داخل ہو گئیں۔ یہ اعلانِ نبوت کے دس سال بعد کا واقعہ ہے۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ اس وقت گھر میں موجود نہ تھے۔ جب وہ گھر واپس آئے اور اس شادی کی خبر سنی تو افسوس کرتے ہوئے اپنے سر میں خاک ڈال لی۔ ایمان لانے کے بعد ساری زندگی انہیں اپنی اس حماقت پر افسوس رہا۔

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نکاح فرمایا اور رخصتی ہجرت کے بعد ہوئی۔ یہ اختلاف اس وجہ سے ہے، کیونکہ ان دونوں ازواج سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن فرق کے ساتھ نکاح فرمایا۔

بہر حال اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا ہی داخل ہوئیں۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 121) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 24، صفحہ نمبر 3) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 246)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''سودہ بنت زمعہ اتنے پاکیزہ اخلاق کی مالکہ تھیں کہ سوائے سودہ کے کسی عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہوئی کہ اس کے جسم میں میری روح ہوتی۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا تو یہ ہمیشہ گھر میں ہی رہیں جبکہ دوسری ازواج نے حج وغیرہ کئے لیکن یہ فرمایا کرتیں:

''میں نے حج کر لیا ہے، اس لیے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی۔''

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دستکار تھیں اور طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں، اس سے جو بھی آمدن ہوتی تمام کی تمام راہِ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا بے حد فیاض اور سخی تھیں۔ جو مال و دولت بھی ان کے پاس آتا وہ غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے درہموں سے بھری ہوئی تھیلی آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ہدیہ بھیجی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

''اس میں کیا ہے۔؟''

لوگوں نے بتایا:

''درہم ہیں۔!''

فرمانے لگیں:

''تھیلی میں تو کھجوروں کی طرح ہیں۔''

یہ کہہ کر تمام درہم ضرورت مندوں میں اس طرح تقسیم کر دیئے جیسے کھجوریں تقسیم کی جاتی ہیں۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت میں ظرافت تھی جس کی وجہ سے وہ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دیا کرتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ہی آیتِ حجاب نازل ہوئی، جس میں خواتین کے لیے پردہ کا حکم نازل ہوا۔

امت کی یہ ماں امت کیلئے بہت سے اعمالِ حج آسان بنانے کا سبب بنیں۔ جیسے مزدلفہ

سے نکلنا، فجر سے پہلے کنکریاں مارنا اور جلدی مکہ واپس لوٹنا وغیرہ۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی ایثار و قربانی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی عورت کے دل کو حسد سے خالی نہیں دیکھا۔''

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دراز قامت، فربہ جسم، عمر رسیدہ، سلیقہ شعار اور پاکباز خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں کچھ تیزی بھی تھی، مگر طبیعت میں ظرافت کا پاکیزہ مزاح بھی تھا، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر محظوظ ہوتے۔ آپ رضی اللہ عنہا کبھی کبار جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بے ڈھنگے انداز میں چلتیں جس کو دیکھ کر آپ علیہ السلام تبسم فرماتے۔

ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کل رات میں نے آپ علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے اتنا طویل رکوع فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری نکسیر ہی نہ پھوٹ پڑے۔ اس لیے میں نے دیر تک اپنی ناک پکڑے رکھی۔''

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 54)(الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 721)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا ہمیں ملنے کیلئے آئیں۔ جب وہ بیٹھ گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پاؤں میری طرف تھا اور ایک سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی طرف۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حریرہ (حلوہ) بنا رکھا تھا، جو میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔ میں نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو بھی کھانے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

میں نے کہا:

''یا تو آپ حریرہ کھائیں ورنہ میں اسے آپ کے منہ پر مل دوں گی۔''

لیکن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے پھر بھی کھانے سے انکار کیا۔ چنانچہ میں نے پلیٹ سے تھوڑا سا حریرہ لے کر ان کے منہ پر مل دیا تو انہوں نے بھی تھوڑا سا میرے منہ پر مل دیا۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہنسے۔

(السنن النسائی، فی عشرۃ النساء، حدیث نمبر 31) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 316) (مسند ابویعلیٰ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 285) (کتاب العیال، لاابی الدنیا، حدیث نمبر 567)

ام المومنین سیدہ سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ عائشہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی قسم کا بھی کوئی اختلاف نہ تھا۔ یہ دونوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما میں بہت زیادہ پیار و محبت تھا اور دونوں ایک دوسرے کا لحاظ رکھتیں تھیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیونکہ سن رسیدہ تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے بہت چھوٹی تھی، اس لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گھریلو معاملات میں مشورے دیتیں اور ان کی معاونت کرتیں تھیں۔ اعلانِ نبوت کے تیرھویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مدینہ پہنچ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا کہ وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اہل خانہ کو مدینہ لے لائیں۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں، ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اپنے گھر والوں کو لے کر مدینہ آ گئے۔ ان کی آمد سے قبل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رہنے کیلئے ایک مکان تیار کروالیا تھا۔ اس کے کچھ بعد ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اہل عیال بھی مدینہ آ گئے اور تھوڑے عرصہ بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہو گئی۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی بہت اچھے طریقے سے پرورش فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ سال ازدواجی رفاقت میں رہیں اور ہمیشہ اسی کوشش میں رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"اے میری بیویو! میرے بعد اپنے گھروں میں بیٹھنا۔"

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا اس ارشاد کی وجہ سے ہمیشہ گھر میں ہی رہیں حتیٰ کہ حج و عمرہ وغیرہ

کیلئے بھی گھر سے نہ نکلیں۔ جبکہ دیگر ازواج مطہرات حج و عمرہ کیلئے اس حکم میں رخصت کی قائل تھیں۔ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں:

"بخدا! میں نے حج و عمرا ادا کر لیا ہے اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق سب ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرما جانے کے بعد حج کیے، مگر سیدہ زینب بنت جحش اور سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہما نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حج نہ کیا بلکہ برابر گھر میں ہی بیٹھی رہیں اور یہ دونوں ازواج مطہرات فرمایا کرتیں تھیں:

"بخدا! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 324) (مسند ابو یعلی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 340)

آیتِ حجاب سے قبل اکثر مسلمان عورتیں قضائے حاجت کیلئے کھیتوں وغیرہ میں جایا کرتی تھیں۔ ان میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی شامل تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ازواج مطہرات بھی گھر سے باہر نکلیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض بھی کر چکے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا چونکہ لمبے قد اور فربہ جسم والی تھیں اس لیے فوراً پہچان لی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کیلئے باہر جا رہی تھیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا اور کہا:

"سودہ! ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

ام المومنین رضی اللہ عنہا کو یہ فقرہ بہت ناگوار گزرا۔ اس پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی۔ اس واقعہ کے بعد آیتِ حجاب نازل ہوئی اور عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا۔

(صحیح البخاری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 26)

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے سن 10 ہجری کو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا دراز قد اور بھرے ہوئے جسم والی ہونے کی وجہ سے یہ بھیڑ کے ساتھ تیزی سے چل پھر نہیں سکتیں تھیں، اس لیے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے اجازت چاہی کہ لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے سے قبل ان کو جانے کی اجازت دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت عطا فرمائی اور یہ لوگوں سے قبل ہی مزدلفہ روانہ ہو گئیں۔

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 1680)(صحیح المسلم، حدیث نمبر 1290)(السنن النسائی، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 262)

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں یکے بعد دیگرے آئیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جوان تھیں اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سن رسیدہ، اس لیے ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے طلاق ہی نہ دیدیں اور میں شرف زوجیت اور صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہو جاؤں۔ ان کی یہ دلی خواہش تھی کہ قیامت کے دن وہ ازواج رسول علیہ السلام کے ساتھ اٹھائی جائیں۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

"امسکنی واللہ مابی الی الازواج من حرص ولکنی احب ان یبعثی اللہ یوم القیامہ زوجاً لک واھب لیلتی العائشۃ وانی لا ارید ماترید النساء"

(السنن الکبری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 74)(الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1827)(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ 54)

"مجھے اپنے پاس رکھئے! بخدا! مجھے خاوندوں کا کوئی حرص نہیں۔ میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ مجھے اس حال میں اٹھائے کہ میرا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی فہرست میں ہو۔ میں اپنی باری حضرت عائشہ کو بخشتی ہوں۔ میں وہ نہیں چاہتی جو عورتیں عموماً چاہتی ہیں۔"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 2593)(صحیح المسلم، حدیث نمبر 1463)(السنن النسائی، فی عشرۃ النساء حدیث نمبر 48)(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 54)(السنن الکبریٰ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 74)

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں طلاق ہی نہ دے دیں، اس لیے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے طلاق نہ دیں بلکہ اپنے ہاں رکھیں۔ میں اپنی باری عائشہ کو دے دیتی ہوں۔"

چنانچہ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔

(السنن الترمذی، فی التفسیر، حدیث نمبر 2043) (السنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2683) (السنن الکبریٰ، للبیہقی، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 297) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 186) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 53) (تفسیر ابن کثیر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 575) (الدر المنثور، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 710)

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی اس پیشکش پر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی راضی ہو گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی خوش ہو گئیں۔ یہ ان کے خصائص میں تھا کہ انہوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی یہ ایثار ان کا اس وجہ سے تھا کہ وہ محبوبہ رسول یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بارگاہ نبوت میں تقرب حاصل کریں۔

ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور ان کی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ مگر بعد ازاں دیگر ازواج کی طرح ان کی باری ان کو واپس دے دی تاکہ انہیں یہ بتائیں کہ ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے اعتنائی نہیں کر رہے۔

(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب المرۃ جب یومھا من زوجھا لضرتھا، حدیث نمبر 5212) (الفتح الباری، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 312) (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب اپنی سوکن کو ان کا اپنی باری بخشنے کا جواز، حدیث نمبر 1463) (سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب عورتوں کے درمیان باری کے سلسلے میں، حدیث نمبر 2135، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 600) (اسنن الترمذی، جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 232، حدیث نمبر 3040)

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکا تھا جن کا نام عبدالرحمن رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ صحابی تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جنگ فارس میں شریک ہوئے اور اسی جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پانچ احادیث مروی ہیں۔ ایک حدیث صحیح بخاری شریف میں اور چار دیگر کتب حدیث میں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد رضی اللہ عنہم نے روایات بیان کی ہیں۔

ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھی تھیں کہ انہوں نے سوال کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے پہلے کس کا وصال ہوگا۔؟''

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

''اس کا جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔''

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اپنے ہاتھ ماپے تو سب سے لمبے ہاتھ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے تھے، لیکن جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو انہیں معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے مراد ظاہری لمبائی نہ تھی، بلکہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سخاوت و فیاضی اور کثرت صدقات تھے جو کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا امتیازی وصف تھا۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے سنِ وصال میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء ومفسرین کی رائے کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا کے آخری زمانے میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ:

آپ رضی اللہ عنہا کا نام عائشہ تھا۔ لقب صدیقہ اور ام المومنین تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت صدیق اور حمیرا القب سے بھی خطاب فرمایا۔

عرب میں کنیت رکھنا شرافت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے ہر مرد و عورت اپنی کنیت ضرور رکھتا تھا۔ چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہ رکھی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو میں انہیں اپنی گود میں اٹھا کر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب وہ پہلی چیز تھی جو عبداللہ بن زبیر کے پیٹ میں گئی۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ عبداللہ ہے اور تو ام عبداللہ!"

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری تمام سہیلیوں کی کنیتیں ہیں۔ آپ میری بھی کوئی کنیت مقرر فرمائیں۔"

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تو بھی اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے نام پر اپنی کنیت رکھ لے۔"

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لی۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 107) (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4970) (مسند ابو یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 294) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 63) (طبرانی، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 18) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 278) (صفۃ الصفوۃ، لابن جوزی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 15) (السنن البیہقی، حدیث نمبر 218) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 18) (البدایہ والنھایہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 95) (القول البدیع، صفحہ نمبر 118) (المدارج النبوۃ، اردو صفحہ نمبر 803)

آپ رضی اللہ عنہا کے والد کی طرف سے سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے:

عائشہ بنت عبداللہ بن ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک۔

بعض حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عتیق بھی لکھا ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ اور لقب صدیق و عتیق تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ کا نام ام رومان رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کی طرف سے آپ کا نسب نامہ یوں ہے:

عائشہ بنت ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبدالشمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

اس طرح سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے ساتویں اور آٹھویں پشت میں اور والدہ کی طرف گیارھویں اور بارھویں پشت میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا والد کی طرف سے قریشیہ اور والدہ کی طرف سے کنانیہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

"من سره ان ينظر الى امراة من الحور العين فينظر الى ام رومان"

"جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ وہ حورِ عین میں سے کسی عورت کو دیکھے تو وہ ام رومان کو دیکھ لے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے تو تمام امت مسلمہ واقف ہے کہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے میں بھی دریغ نہیں کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً اڑھائی سال بعد ہوئی اور اسی طرح وفات بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اڑھائی سال بعد ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبد اللہ ازدی سے ہوا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے ان کے ہاں دو اولادیں ہوئیں۔ ایک لڑکا جن کا نام عبدالرحمٰن اور ایک لڑکی جن کا نام ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ و سن ولادت پر تاریخ و سیر کی کتابیں خاموش ہیں۔ البتہ یہ باتیں متفقہ طور پر ثابت ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ ہجرتِ مدینہ سے تین برس قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً 16 سال کی تھی، شوال یکم ہجری میں 19 سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا یعنی ربیع الاول 11 ہجری کو آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 28 سال کی تھی۔ اس حساب سے آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت کی صحیح تاریخ اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی بمطابق جولائی 604 عیسوی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا۔ وائل کی کنیت ابوالنقیع یا ابوالقیس تھی۔ وائل کے بھائی افلح یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضائی چچا اور رضائی بھائی بھی کبھی کبھی آپ رضی اللہ عنہا سے ملنے آیا کرتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وہ برگزیدہ ہستی ہیں جن کے کانوں میں کفر و شرک کی

آواز تک نہیں پہنچی یعنی جب انہیں سمجھ بوجھ ہوئی تو اس وقت ان کے والدین اسلام سے اپنی جھولیاں بھر چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا جیسے محبوبِ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ام رومان رضی اللہ عنہا جیسی ماں کی آغوش میں پروان چڑھیں۔ ایامِ طفولیت میں ہی آپ رضی اللہ عنہا عام بچوں سے ممتاز تھیں۔ ذہانت و فطانت، فہم و شعور، میں آپ رضی اللہ عنہا بے مثال تھیں۔ یہ کیوں نہ ہوتا کیونکہ غیر معمولی افراد اپنے بچپن سے ہی اپنی حرکات و سکنات اور نشوونما میں ممتاز ہوتے ہیں اور ان کے ایک ایک خدوخال، قیل و قال میں کشش ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غضب کی ذہین تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو بچپن کے ایام کی تمام باتیں یاد تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی بھی صحابی یا صحابیہ کی یادداشت اتنی زبردست نہ تھی جتنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ذہانت و عقلمندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اپنی گڑیوں کے ساتھ کھیل تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ گڑیوں میں ایک گھوڑا تھا جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا:

"اے عائشہ! یہ کیا ہے۔؟"

آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"گھوڑا ہے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"گھوڑوں کے پر تو نہیں ہوتے۔"

آپ رضی اللہ عنہا نے برجستہ کہا:

"کیوں۔؟ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا یہ بے ساختہ جواب سن کر بہت زیادہ مسکرائے۔

(صحیح البخاری، باب الادب، حدیث نمبر 8613) (الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 562) (صحیح المسلم، باب فضائل صحابہ، حدیث نمبر 2440) (سنن ابی داؤد، باب اللعب بالبنات، حدیث نمبر 4931-4932) (السنن النسائی، باب فی عشرۃ النساء) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 62)

امام بخاری فرماتے ہیں:

جب یہ آیت: "بل الساعة موعدهم" نازل ہوئی تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھیل رہی تھیں۔

جیسا کہ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں رقم کیا گیا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کی تحریک پر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے پیغام نکاح بھیجا۔

سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گئیں اور ان کی اہلیہ محترمہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا:

"اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کیلئے کس قدر بھلائی اور بہتری کا سامان بہم پہنچایا ہے۔"

ام رومان رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا:

"وہ کیا ہے۔؟"

میں نے کہا:

"سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی صاحبزادی عائشہ کا رشتہ اپنے لیے مانگا ہے۔"

اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر میں موجود نہیں تھے۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا:

"خولہ! تھوڑی دیر انتظار کرو ابوبکر ابھی آتے ہی ہوں گے۔"

چنانچہ تھوڑی دیر بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے۔ میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی وہی کچھ کہا جو ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منہ بولا بھائی بنایا ہوا تھا اور عرب میں یہ دستور تھا کہ جس طرح حقیقی بھائی کی اولاد کے ساتھ شادی نہیں ہوسکتی ویسے ہی منہ بولے بھائی کی اولاد کے ساتھ بھی شادی نہیں ہوسکتی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کو میری بات سن کر بہت تعجب ہوا اور انہوں نے نہایت حیرانی کے ساتھ کہا:

"عائشہ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے ہوسکتا ہے۔؟ وہ تو ان کی بھتیجی ہیں۔؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جواب کے بارے میں عرض کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوبکر سے کہو کہ حقیقی بھائی کی بیٹی حرام ہے دینی بھائی کی بیٹی حرام نہیں۔ لہٰذا عائشہ سے میرا نکاح ہو سکتا ہے۔"

میں پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے مطلع کیا۔ یہ جواب سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"خولہ! ٹھہرو! میں ابھی آتا ہوں۔"

اور باہر تشریف لے گئے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدھے معظم بن عدی کے گھر گئے، معظم بن عدی مکہ کا رئیس تھا اور ذاتی طور پر شریف آدمی تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر تھا شریف النفس۔ اس کے بیٹے خیبر بن معظم سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ بعض روایات کے مطابق منگنی یا نکاح بھی ہو چکا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر صدیق جیسی ہستی سے وعدہ خلافی کی توقع کرنا عبث ہے۔ چنانچہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معظم کے گھر پہنچے تو دونوں میاں بیوی گھر پر موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معظم سے کہا:

"مجھے اس رشتے کے بارے میں اپنی آخری بات بتا دو۔"

معظم تو آپ کی بات سن کر خاموش رہا مگر اس کی بیوی نے کہا:

"ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر میں آ جائے گی تو ہمارا لڑکا بے دین ہو جائے گا اس لیے ہم اس رشتے کی تکمیل سے ڈر رہے ہیں۔"

معظم کی بیوی کا جواب سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معظم کو مخاطب کر کے پوچھا:

"تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے۔؟"

معظم نے کہا:

"جو میری بیوی کہہ رہی ہے وہ تم سن ہی رہے ہو۔"

گویا اس نے اپنی بیوی کی بات کی تصدیق کی اور رشتے کی تکمیل سے انکار کیا۔ دونوں میاں بیوی کا جواب سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے گھر سے چلے گئے۔ آ کر حضرت خولہ

رضی اللہ عنہا سے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو میں اس رشتے پر راضی ہوں۔!''

چنانچہ اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ (الفتح الباری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 266) (صحیح البخاری، جلد نمبر 2 وصفحہ نمبر 728) (السنن الکبریٰ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 129) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 211) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 23)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''اس میں کیا ہے۔؟''

فرشتے نے عرض کیا:

''آپ کی بیوی ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کر دیکھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر تھی۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 3895) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 2438) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 3875) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 128) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 9، مسند ابو یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 407) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 26) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 227)

اس خواب کے بعد حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام نکاح بھیجا جو کہ قبول کر لیا گیا۔ خطبہ نکاح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھا اور پانچ سو درہم حق مہر مقرر ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ ان کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا جو کہ پانچ سو درہم کے قریب ہے۔ اکثر ازواج مطہرات کا مہر اتنا ہی تھا۔ اس حساب سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہجرت سے تین سال قبل شوال کے مہینے میں ہوا جو بمطابق مئی 620 عیسوی بنتا ہے۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرنے کا ایک تو مقصد نبوت اور خلافت کے درمیان تعلقات کو مضبوط کرنا تھا تو دوسری طرف حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی قربانیوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو اس عظیم اعزاز سے سرفراز کرنا بھی تھا۔ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غضب کی ذہین اور ممتاز ترین ہستیوں میں سے تھیں، اس لیے نگاہ نبوت نے یہ دیکھ لیا کہ میری امت کے پچاس فیصد حصے کی تربیت اور اس تک میرے اقوال وافعال پہنچانے کیلئے یہ موزوں ترین ہستی ہیں اور ہوا بھی ایسا ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ صرف خواتین کی تربیت کی بلکہ امت کے ممتاز ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ان سے کسبِ فیض حاصل کرتے ہوئے نظر آئے۔ جتنی زیادہ تشریح اور تعریف ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی کی کسی اور نے نہ کی۔ آپ رضی اللہ عنہا ایسی ذہین تھیں کہ اپنے بچپن کے واقعات اور ہجرت مدینہ کی تمام روداد آپ کو جز بہ جز یاد تھی۔

یہاں پر یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال نہیں، بلکہ سولہ سال تھی اور رخصتی کے وقت عمر نو سال نہیں بلکہ انیس سال تھی۔ جس حدیث میں نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال عمر بیان کی گئی ہے وہاں پر راوی عشرہ کا لفظ بیان کرنا بھول گیا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً دس سال بڑی تھیں اور ہجرت کے وقت ان کی عمر 27 سال تھی اور وفات جو کہ تہتر ہجری میں ہوئی اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔ اس حساب سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کے وقت سولہ سترہ سال کی اور رخصتی کے وقت انیس بیس سال کی تھی۔

(الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 225) (البدایہ والنھایہ، تذکرہ عبداللہ بن زبیر) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 354) (المواھب اللدنیہ، لا امام قسطلانی، صفحہ نمبر 46) (اکمال فی اسماء الرجال، صفحہ نمبر 558) (سیرۃ اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 152)

ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اور ہجرت کے ایک سال بعد اسی ماہ شوال میں ہی رخصتی ہوئی۔ ماہ شوال میں نکاح اور رخصتی کی حکمت یہ تھی کہ اہل عرب شوال کے مہینے کو منحوس خیال کرتے تھے اور اس میں کسی قسم کی خوشی وغیرہ نہ کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ شوال کے مہینے میں عرب میں

طاعون کی وباء پھیلی تھی جس سے ہزاروں لوگ ہلاک ہو گئے تھے جس کی وجہ سے اہل عرب اس مہینے کو منحوس سمجھنے لگ گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مہینے میں نکاح کرنے اور اسی مہینے میں رخصتی کرنے سے مقصود اس مہینے کی نحوست کا وہم لوگوں سے ختم کرنا تھا جو کہ اس واقع کے بعد آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور اہل عرب شوال میں بھی خوشی کرنے لگے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے تین سال بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے۔ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا کفار کے مظالم بھی بڑھتے جاتے۔ بالآخر جب کفار کے مظالم حد سے تجاوز کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان ایک ایک دو دو کر کے چھپتے چھپاتے مدینہ طیبہ جانے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"آپ انتظار کریں ہم ایک رات چلیں گے۔"

اسی دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچے ابھی دستک دینا ہی چاہتے ہیں کہ اندر سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی:

"لبیك یا رسول الله ﷺ"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صدیق! ابھی میں نے دستک دی نہیں تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں آیا ہوں؟"

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو اسی دن سے انتظار میں تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم ایک رات چلیں گے اور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس رات سے سویا ہی نہیں کیونکہ مجھے پتا نہیں تھا کہ کس رات آپ تشریف لائیں گے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال کو اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل وعیال کو مکہ میں ہی چھوڑا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جس دن یثرب کو مدینہ بننے کا شرف حاصل ہوا اس دن بارہ ربیع الاول کی تاریخ اور اعلانِ نبوت کا چودھواں سال تھا۔ جب حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں کچھ دن گزار چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور اپنے غلام ابورافع کو اپنے اہل وعیال لانے کے لیے مکہ بھیجا۔ ان کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی عبداللہ بن اریقط کو اپنے اہل وعیال لانے کے لیے بھیجا اور ان حضرات کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم بھی زادِراہ کے طور پر دیئے۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ، سیدہ فاطمۃ الزہرا، سیدہ ام کلثوم اور ام یمن رضی اللہ عنہم تھے اور عبداللہ بن اریقط کے ساتھ ام رومان، عبداللہ بن ابوبکر، سیدہ عائشہ اور اسماء بنت ابوبکر رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تعمیر کروا رہے تھے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال ان حجروں میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال بنو حارث بن خزرج کے محلے میں اپنے عزیز واقارب کے پاس اترے۔ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو اکثر کو مدینہ منورہ کی آب وہوا موافق نہ آئی جس کی وجہ سے اکثر مہاجرین بیمار پڑ گئے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی تیمارداری میں لگ گئیں اور جب یہ صحت یاب ہوئے تو سیدہ رضی اللہ عنہا خود بیمار ہو گئیں۔ ان کو اتنا شدید بخار ہوا کہ ان کے سر کے بہت زیادہ بال گر گئے، آپ رضی اللہ عنہا ایک ماہ تک بیمار رہیں اور جب صحت یاب ہوئیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی اہلیہ عائشہ کو اپنے گھر لے آئیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے پاس حق مہر کی رقم نہیں ہے۔"

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو درہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیئے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیئے۔ جب حق مہر کی رقم ادا کر دی گئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند انصاری عورتوں کو دلہن لینے کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا۔ جب یہ خواتین وہاں پہنچیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو کپڑے پہنا کر اس کمرے میں بٹھا دیا جہاں انصاری خواتین دلہن کے انتظار میں بیٹھیں تھیں۔ انہوں نے

دلہن کا استقبال ان الفاظ میں کیا:

"علی الخیر و البرکتہ و علی خیر طائر"

"یہ شادی خیر و برکت اور اچھا شگون ثابت ہو۔"

پھر ان خواتین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بناؤ سنگھار کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور ایک تخت پر تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کیلئے سوائے ایک دودھ کے پیالے کے کچھ نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں اس رخصتی کی محفل میں موجود تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالے سے تھوڑا سا دودھ پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھایا، وہ شرمانے لگیں تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ واپس نہ کرو۔ اس پر انہوں نے شرماتے ہوئے تھوڑا سا دودھ پی لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنی سہیلیوں کو بھی دو۔"

ہم نے عرض کیا:

"ہمیں اس وقت اس کی طلب نہیں ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جھوٹ مت بولو۔! آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔"

سادگی کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رخصت ہوئیں کہ نہ کوئی رسم ادا کی گئی اور نہ ہی کوئی ضیافت تیار کی گئی۔

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 3894) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 1422) (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7055) (مسند احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 210) (السنن الکبریٰ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 129) (الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 266) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 61) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 225) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 3، مسند اسماء بنت یزید، صفحہ نمبر 458) (المعجم الصغیر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 23) (مسند حمیدی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 438) (اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 173)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری بیوی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا وہ واحد خاتون ہیں جو کنوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا علم، فضل و اجتہاد میں بے مثل و بے مثال تھیں۔ آپ ریاضت و مجاہدہ، تقویٰ وطہارت اور عبادت و ریاضت میں بلند ترین مقام پر فائز تھیں۔ آپ پیدائشی مسلمان تھیں، کیونکہ آپ کے والدین ابتدائی زمانہ میں ہی دولت ایمان سے اپنی جھولیوں کو بھر چکے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں:

''جب میں نے اپنے والدین کو پہچانا (سمجھ بوجھ حاصل ہوئی) تو انہیں مسلمان پایا۔''

مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے حجرے بنائے اور ان میں اپنے اہل و عیال کو رکھا۔ جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ رضی اللہ عنہا کو وہ حجرہ ملا جو مسجد نبوی کی مشرقی جانب تھا اور ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب کے رخ اس طرح واقع تھا گویا مسجد نبوی اس کا صحن بن گئی تھی۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازے سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ اس حجرے کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی اور چھت کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں کی تھی اور اس کے اوپر ایک کمبل ڈال دیا گیا تھا تاکہ بارش وغیرہ سے بچاؤ ہو سکے۔ بلندی اتنی کہ اگر آدمی کھڑا ہو تو چھت کو لگ جائے۔ دروازے میں ایک پٹ کا کواڑ تھا لیکن وہ ہمیشہ کھلا ہی رہتا تھا اور پردے کیلئے اس کے آگے ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ گھر کا کل سامان ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ جس میں چھال بھری ہوئی تھی، آٹا اور کھجور رکھنے کیلئے ایک ایک برتن، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کیلئے ایک پیالہ تھا۔ اس حجرے کے ساتھ ایک بالا خانہ بھی تھا جس کو مشربہ کہتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام اسی بالا خانے میں گزارے تھے، یہیں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔ آج جو گنبد خضریٰ ہے یہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارکہ تھا۔

اس حجرے میں صرف دو افراد رہتے تھے ایک مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ تھوڑے دنوں بعد بریرہ نامی ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ جب تک ام المومنین سیدہ سودہ اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دو بیویاں تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس اور ایک دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے۔ جیسے جیسے ازواج مطہرات عقد میں آتی گئیں ویسے ویسے ہر

کسی کیلئے دِن مخصوص ہوتے رہے۔ جب ازواج مطہرات کی تعداد نو ہو گئی تو آٹھ دن کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری آتی جوان پر بہت شاق تھی۔ چنانچہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے کبیر سنی کی وجہ سے اپنا دن بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد تمام ازواج مطہرات کیلئے سالانہ مصارف کیلئے وظائف مقرر کر دیئے تھے جو اسی وسق چھوہاروں اور بیس وسق جو پر مشتمل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانگی انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا ہوا تھا۔ وہی سال بھر کر غلہ تقسیم کیا کرتے تھے اور اگر ضرورت پڑتی تو باہر سے قرض لا کر ان مصارف کو پورا کرتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''گھر میں کئی کئی دن تک آگ نہیں جلتی تھی۔ مہینہ مہینہ چھوہاروں اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ کبھی بھی تین دن متصل ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو۔''

چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری ازواج کے اعتبار سے کم عمر تھیں اس لیے وہ دوسری ازواج کی طرح اچھا کھانا نہیں پکاتی تھیں۔ آٹا گوندھ کر رکھتی اور خود سو جاتیں کہ بکری آتی اور سارا آٹا کھا جاتی۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت فرماتی تھیں۔ اس کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں مگر سوائے واقعہ ایلاء کے کوئی اور کشیدگی کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی پتہ تھا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اس لیے وہ قصداً ہدیے اور تحفے اس دن بھیجتے جس دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام پذیر ہوتے۔ دیگر ازواج مطہرات کو اس کا ملال ہوتا۔ ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پیغام دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تمام بات بتائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے لخت جگر! جس کو میں چاہوں گا کیا تم اس کو نہ چاہو گی۔؟''

یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس تشریف لے آئیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے پھر بھیجنا چاہا مگر آپ رضی اللہ عنہا راضی نہ ہوئیں تو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو درمیان میں ڈالا۔ انہوں نے موقع دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے عائشہ کے معاملے میں تنگ نہ کرو، کیونکہ عائشہ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔''

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ جب غزوۂ سلاسل سے واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دنیا میں سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں۔؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عائشہ کو۔!''

عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مردوں کی نسبت سوال ہے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عائشہ کے والد (صدیق اکبر) کو۔''

(صحیح البخاری، مناقب ابوبکر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے تھے:

''الٰہی! جو چیز میرے امکان میں ہے (ازواج میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس میں عدل سے باز نہیں آتا، لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (عائشہ کی قدر و قیمت) اس کو معاف فرما۔''

گھر میں اگرچہ بریرہ خادمہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کام خود کیا کرتیں تھیں۔ آٹا خود پیستی تھیں، خود گوندھتی تھیں اور کھانا بھی خود ہی پکاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بستر خود اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں، وضو کا پانی خود لاکر رکھتی تھیں، قربانی کے اونٹوں کا قلاوہ خود بٹتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں تیل لگاتی اور کنگھا کرتی تھیں۔ کپڑے خود دھوتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

کپڑوں کو خوشبو لگاتی تھیں، سونے سے قبل مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں اور دیگر امور جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا خود ہی انجام دیتیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فطری طور پر نہایت بہادر، نڈر اور دلیر تھیں۔ رات کے وقت اکثر قبرستان چلی جاتی تھیں۔ غزوۂ خندق میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور قلعہ سے باہر نکل کر نقشۂ جنگ دیکھا کرتی تھیں۔ ان کی بہادری کی ایک مثال پیش خدمت ہے کہ جب غزوۂ احد پیش آیا تو مسلمانوں کی اتفاقی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور جیتی ہوئی جنگ ہاتھ سے نکل گئی۔ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ تو ام المومنین سیدہ عائشہ، سیدہ صفیہ اور سیدہ فاطمہ اور چند دیگر خواتین رضی اللہ عنہن دیوانہ وار میدان جنگ کی طرف دوڑیں۔ جب میدان جنگ میں پہنچیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح مگر زخمی دیکھا۔ دیگر مسلمان ادھر ادھر منتشر تھے۔ ان خواتین نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو دھویا اور مشکیزے اپنے کندے پر ڈالے اور زخمیوں کو پانی پلانا شروع کیا۔ جب مسلمانوں نے اپنی ان معزز خواتین کو میدان کارزار میں دیکھا تو وہ بھی حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ جب مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے تو یہ خواتین واپس تشریف لے آئیں۔ یاد رہے اس وقت ابھی پردہ کے احکامات نازل نہیں ہوئے تھے۔

ایک سفر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں ہار تھا جو ٹوٹ کر گر پڑا۔ لہٰذا فوراً سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا گیا۔ صبح قریب تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کو پڑاؤ کا حکم فرمایا اور ایک شخص ہار ڈھونڈنے کے لیے دوڑایا۔ اتفاق یہ کہ جہاں فوج نے پڑاؤ ڈالا وہاں مطلق پانی نہ تھا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے:

"ام المومنین عائشہ نے فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔؟"

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں۔ نہایت غصے سے فرمایا:

بیٹی! ہر روز تم ہی سب کیلئے مصیبت کا باعث بنتی ہو"

آپ رضی اللہ عنہ بہت غصہ میں تھے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ تیمم نازل فرمائی۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 372)

اس آیت میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کرلیا کرو۔ تیمم کی سہولت نازل ہونے سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خاص مسرت حاصل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر تین مرتبہ فرمایا:

"انك لمباركة انك لمباركة انك لمباركة"

"بیٹی! بلا شک تو بڑی مبارک ہے۔ بیشک تو مبارک ہے۔ بیشک تو برکت والی ہے۔"

(مسند احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 373)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے تیمم کر کے نماز صبح ادا کی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سہولت پر بہت خوش ہوئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو خوشبو لگائی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ سرف میں پہنچے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض شروع ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور فرمایا:

"یہ چیز تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں کے مقدر میں کر دی ہے، اس لیے اس میں پریشانی والی کوئی بات نہیں۔ تم وہی سب کام کرو جو حاجی کرتے ہیں، لیکن جب تک پاک نہ ہو جاؤ اس وقت تک طواف نہ کرنا۔"

اس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمام مناسک حج ادا کیے اور جب منیٰ پہنچی تو پاک ہو گئیں، لہٰذا انہوں نے طواف کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہی وسیلہ سے عورتوں کو ایسی حالت میں حج کے احکام معلوم ہوئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل، مناقب، عظمت اور شان کتب احادیث میں اس کثرت سے موجود ہیں جو کہ کسی دوسری خاتون کیلئے نہیں۔ چند ایک فضائل

ملاحظہ فرمائیں:

1: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کنواری خاتون سے نکاح نہ کیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب ترین زوجہ ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کون عزیز ہے۔؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عائشہ۔!"

پھر پوچھا:

"مردوں میں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عائشہ کے والد۔"

(مسند احمد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 203)(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 67)(المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 43)(صحیح البخاری، حدیث نمبر 3663)(صحیح المسلم، حدیث نمبر 2384)(السنن الترمذی، حدیث نمبر 3880)

2: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مردوں میں بہت سے افراد کامل ہوئے ہیں، لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہیں اور پھر فرمایا:

"وفضل عائشة على النسآء كفضل الثريد على سائر الطعام

"اور عائشہ کو تمام عورتوں پر ایسے فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 3773)(صحیح المسلم، حدیث نمبر 2446)(السنن الترمذی، حدیث نمبر 3881)(السنن النسائی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 262)(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 2381)(مسند احمد، جلد نمبر 2، صفحہ 159)(المعجم الکبیر، جلد نمبر 19، صفحہ نمبر 28)(مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 243)

3: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں بیوی ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو میں نے عرض

کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فاطمہ کا ذکر تو فرما رہے ہیں میرے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔؟''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تو دنیا و آخرت میں میری بیوی ہے۔؟''

(السنن الترمذی، باب فضل عائشہ، حدیث نمبر 3772) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 66) (المعجم الکبیر للطبرانی، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 39) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 10) (الاحسان، بترتیب صحیح ابن حبان، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 53) (ابن ابی شیبہ، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 128، حدیث نمبر 12325) (ابن عساکر، فی اربعین، باب مناقب امہات المومنین، حدیث نمبر 227)

4: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے ہاں ایک ایک رات قیام فرماتے جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو راتیں قیام فرماتے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ جب سیدہ سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ ہو گئی تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی باری کا دن عائشہ کو دیتی ہوں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں دو دن قیام فرماتے۔ ایک دن حضرت میری باری کا اور ایک دن حضرت سودہ کا۔

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 5212) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 1463)

5: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت فرماتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے کہ تم بھی ان سے محبت کرو۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ تمام ازواج مطہرات نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا سفیر بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری چادر میں آرام فرما رہے تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی ازواج مطہرات نے مجھے سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ بنت ابی قحافہ (عائشہ) کے بارے میں عدل سے کام

لیں ۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا:

"اے میری پیاری بیٹی! کیا تو اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں۔؟"

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"کیوں نہیں ۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پس تو بھی عائشہ سے محبت کیا کر۔"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 2581) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 2446) (السنن النسائی، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 151) (الانوار فی شمائل نبی مختار، للبغوی، حدیث نمبر 841) (مسند ابی یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 470، حدیث نمبر 4934) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 241) (کشف الاستار للبزار، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 240)

6: ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ میں سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ صفیہ اور سیدہ سودہ اور دوسرے گروہ میں سیدہ ام سلمہ اور دیگر ازواج شامل تھیں۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اس لیے وہ خاص طور پر آپ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن تحفے تحائف بھیجتے۔ جس کو دیگر ازواج مطہرات محسوس کرتیں۔ ایک مرتبہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس بارے میں بات کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بڑی سمجھ داری سے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ صحابہ کو حکم دیا جائے کہ عائشہ کی باری کا انتظار نہ کیا کریں بلکہ جہاں بھی آپ ہوں وہاں ہی تحفے تحائف بھیج دیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بات سنی مگر جواب کچھ نہ دیا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہا واپس آگئیں۔ تھوڑے دنوں بعد پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ام سلمہ! عائشہ کے بارے میں مجھے اذیت نہ دو، کیونکہ عائشہ کے سوا کسی دوسری

بیوی کے بستر میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔"

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ کے حضور میں آپ کی اذیت سے توبہ کرتی ہوں۔"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 2581) (صحیح المسلم، باب فضل عائشہ، حدیث نمبر 2441) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 2874) (النسائی، فی عشرۃ النساء، حدیث نمبر 11) (مسند احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 293) (السنن النسائی، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 68) (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7065)

7: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واقعۂ افک کے موقع پر آپ کی برأت کیلئے سورۃ نور شریف کی بارہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کی پاکدامنی کی گواہی ہر مسلمان کے منہ سے قیامت تک جاری کر دی۔ آپ اس بات پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں:

"میرا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت اس طرح فرمائے گا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بتا دیا جائے گا۔ مگر میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں میری برأت کیلئے آیات نازل کر دے گا۔"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 4750) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 2770) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 3179) (النسائی فی عشرۃ النساء، حدیث نمبر 45)

8: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی برکت سے تیمم کا حکم نازل ہوا۔

(صحیح البخاری شریف حدیث نمبر 334-3773) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 367)

9: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا سلام کو کیا۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کو دحیہ کلبی کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے، ان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تو نے اسے دیکھا۔؟''

عرض کیا:

''ہاں۔! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ وحیہ کلبی نہیں تھے بلکہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور وہ تمہیں سلام کہتے ہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا!

''وعلیہ السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اچھی جزا دے۔ میزبان بھی بہترین ہے اور مہمان بھی بہترین ہے۔''

(صحیح البخاری، باب ذکر الملائکہ، حدیث نمبر 3217) (صحیح المسلم، باب فضل عائشہ، حدیث نمبر 2447) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 84، باب فضائل صحابہ، حدیث نمبر 1635) (المعجم الکبیر، للطبرانی، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 34) (مسند حمیدی، حدیث نمبر 277) (صفۃ الصفوۃ، لابن الجوزی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 20) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 243)

10: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظاہری زندگی کے آخری ایام ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزارے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات پر فخر کیا کرتی تھیں۔

11: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اسی حجرے میں قیامت تک آرام فرما ہوئے۔

12: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب بھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرت و خوشی کی حالت میں دیکھتی تو میں عرض کرتی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا فرماتے!

''اللھم اغفر عائشہ ما تقدم من ذنبھا وما تاخر وما اسرو ما اعلنت''

''یا اللہ! عائشہ کی اگلی اور پچھلی، مخفی اور ظاہری تمام خطائیں معاف فرما دے۔!''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سنتیں تو مارے خوشی کے

بہت زیادہ ہنستیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

"عائشہ میری دعا نے تمہیں خوش کر دیا۔"

تو آپ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی دعا مجھے کیوں خوش نہیں کرے گی۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

"بخدا! میں ہر نماز کے بعد ایسی ہی دعا اپنی امت کیلئے کرتا ہوں۔"

(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 11)(صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7067)(المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 243)(کشف الاستار، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 238)

13: جب آیت تخییر نازل ہوئی تو باوجود اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

"اپنے والدین سے پوچھ کر جواب دینا۔"

آپ رضی اللہ عنہا نے فوراً عرض کیا:

"اس میں والدین سے پوچھنے کا کیا مطلب۔؟ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 4785-4788)(صحیح المسلم، حدیث نمبر 1475)(نووی شرح صحیح مسلم، جلد نمبر 10، صفحہ نمبر 78)

14: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے دیگر ازواج مطہرات پر دس باتوں سے فضیلت عطا کی ہے۔

☆ میرے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج میں سے کوئی کنواری نہ تھی۔

☆ میرے سوا کسی اور زوجہ کے والدین مہاجر نہ تھے۔

☆ جبرائیل امین علیہ السلام ریشم کے ایک کپڑے میں میری تصویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور کہا کہ ان سے شادی کریں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے میری برأت نازل فرمائی۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ہی برتن سے (درمیان میں کپڑا لٹکا کر) کر غسل کیا کرتے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور بیوی کے ساتھ اس طرح غسل نہیں

فرمایا۔

☆ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے بستر پر آرام فرما ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی۔

☆ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری گود میں تھا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے آگے لیٹی ہوئی ہوتی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات وصال فرمایا جس رات میری باری تھی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں وصال کے بعد آرام فرما ہوئے۔"

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 63)(اربعین لابن عساکر، صفحہ نمبر 32)(المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 29)(المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 241)(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 10)(مسند ابی یعلیٰ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 336)(سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 141)

15: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو عبادتِ الٰہی سے اتنا شغف تھا کہ فرض نمازوں کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی کثرت سے ادا کیا کرتی تھیں۔ تہجد اور چاشت کی نماز کا ساری عمر ناغہ نہیں کیا۔ رمضان کے علاوہ اکثر روزے رکھتیں۔ بعض روایات کے مطابق ہمیشہ روزے سے رہتیں۔ حج کی شدت سے پابند تھیں۔ کوئی سال ایسا کم ہی گزرتا جس سال آپ رضی اللہ عنہا حج نہ فرماتیں۔

16: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پردے کی بہت پابند تھیں۔ آیتِ حجاب کے بعد تو اس میں مزید شدت آ گئی۔ ایک مرتبہ اسحاق تابعی جو کہ نابینا تھے آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہا نے ان سے پردہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا:

"مجھ سے کیا پردہ میں تو نابینا ہوں۔؟"

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اگرچہ تم مجھے نہیں دیکھتے لیکن میں تمہیں دیکھتی ہوں۔"

آپ رضی اللہ عنہا اکثر رات کے وقت طواف فرماتیں جب مرد موجود نہ ہوتے اور اگر کبھی دن کو طواف کا موقع پیش آتا تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرا لیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر چند بیبیوں نے عرض کیا:

"ام المومنین! چلیں حجر اسود کو بوسہ دے لیں۔؟"

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"تم جا سکتی ہو میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جا سکتی۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردے کے اہتمام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب تک آپ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مزار تھے اس وقت تک آپ رضی اللہ عنہا بلا تردد یہاں پر آتی رہیں اور یہاں پر سوتی بھی رہیں، لیکن جیسے ہی یہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں:

"پہلے تو یہاں میرے شوہر اور والد تھے، لیکن اب عمر کے آجانے سے مجھے یہاں بلا پردہ آتے حجاب آتا ہے۔"

یہ آپ رضی اللہ عنہا کا تقویٰ تھا، حالانکہ شریعت اسلامیہ میں فوت شدگان سے پردہ نہیں۔

(صحیح البخاری، باب طواف النساء، مسند احمد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 117) (طبقات ابن سعد، جز نساء، صفحہ نمبر 47)

17: ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے ناشائستہ الفاظ میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اغزب مقبوحا منبوحا توذی حبیبة رسول اللہ ﷺ"

"بدبخت! مردود! دور ہو جا! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری زوجہ کو اذیت دیتا ہے۔؟"

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 3882) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 65) (المطالب العالیہ للطیالسی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 128)

18: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق کا ایک ممتاز جوہر ان کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ذرہ ذرہ جوڑ کر جمع کرتیں اور جب کچھ رقم جمع ہو جاتی تو

ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتیں۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے پوری ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں تقسیم کی اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ شام ہونے سے پہلے پہلے آپ رضی اللہ عنہا نے وہ تمام اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دیئے اور ایک پائی بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ اس دن آپ روزے سے تھیں۔ خادمہ نے عرض کیا:

''سیدہ! آپ کا روزہ تھا، آپ ایک درہم رکھ لیتیں میں آپ کے لیے گوشت تیار کر دیتی۔؟''

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''تم نے یاد دلا دیا ہوتا تو میں رکھ لیتی۔

آپ رضی اللہ عنہا جس مکان میں رہتی تھیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا اور جو رقم ملی وہ سب کی سب غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، آپ رضی اللہ عنہا کے سب سے زیادہ چہیتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت اکثر یہی کیا کرتے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فیاضی کو دیکھتے دیکھتے گھبرا گئے اور انہوں نے کہہ دیا:

''سیدہ کا ہاتھ روکنا چاہیے۔''

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے قسم کھالی کہ اب کبھی ابن زبیر سے بات نہ کروں گی۔ وہ میرا ہاتھ روکے گا۔؟ بہت عرصہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض رہیں۔ آخر بہت لوگوں کی سفارش سے انہیں معاف فرمایا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 99)(طبقات ابن سعد، جز نساء، صفحہ نمبر 45)(صحیح البخاری، باب سخاوۃ النفس، موطا امام مالک، باب الترغیب فی الصدقہ)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وہ عظیم خاتون ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں دس سال گزارے اور شارح قرآن اور صاحب حدیث کے ہر ہر قول و فعل کا مشاہدہ کیا اور اس کو پوری دنیا تک پہنچایا۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کی یادداشت بڑی پختہ تھی، اس

لیے آپ رضی اللہ عنہا کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا یاد تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کے فضل وکمال علم کا اندازہ کرنے کیلئے چند ایک دلائل پیش خدمت ہیں:

1: صحابی رسول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم صحابیوں کو کوئی مشکل بات ایسی پیش نہیں آئی کہ جس کے بارے میں ہم نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس سے ہمیں معلومات نہ ملیں ہوں۔"

2: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ تابعین کے پیشوا ہیں، فرماتے ہیں:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے دقیق ومشکل مسائل پوچھا کرتے تھے۔"

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 26)

3: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی بھی ایسی شخصیت نہیں دیکھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو جاننے والی ہو، صاحب رائے ہو، زیادہ فقیہ ہو، آیتوں کے شان نزول اور فرائض کے مسائل کا واقف ہو۔"

4: عطا ابن ابی الرباح تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔"

5: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"میں نے حلال وحرام، علم وشاعری اور طب میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں دیکھا۔"

(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 227)

6: محمود بن لبید کا قول ہے:

"ازواج مطہرات کو بہت سی احادیث زبانی یاد تھیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان سب سے بڑھ کر تھیں۔"

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 126)

7: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر تمام مردوں اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم پھر بھی ان سب سے وسیع ہوتا۔''

8: ایک مرتبہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تربیت یافتہ تھے) سے پوچھا گیا:

''کیا ام المومنین فرائض کا علم جانتی تھیں۔؟''

تو انہوں نے جواب دیا:

''خدا کی قسم! میں نے بڑے بڑے صحابہ کو ان سے فرائض کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے۔''

9: ''واذ کرن ما یتلی فی بیوتکن من ایٰت اللہ و الحکمۃ''

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ احزاب، آیت نمبر 4)

''اور (نبی کی بیویو!) یاد کرواسے جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت میں سے پڑھا جاتا ہے۔''

اس حکم قرآنی کے مطابق تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن علم القرآن حاصل کرنے میں بڑی کوشش کرتی تھیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو ان سب سے بڑھ کر تھیں، کیونکہ یہ ہر وہ بات جو ان کی سمجھ میں نہ آتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا جھجک پوچھ لیا کرتی تھیں۔ دوسری یہ کہ جب قرآن مجید نازل ہوتا تو سب سے پہلی آواز آیات قرآنی کی جس کان میں پڑتی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ پر سوائے عائشہ کے بستر کے کسی اور بیوی کے ہاں وحی نازل نہیں ہوتی۔''

10: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے عالم علم قرآن ہونے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے اور اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتیں، آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات سنتیں اور ساتھ ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھتی جاتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب سورۃ البقرہ اور سورۃ نساء نازل ہوئیں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔''

11: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ تک قرآن مجید کتابی صورت میں موجود نہیں تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ملال فرما جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے کتابی شکل میں مرتب کروایا۔ اسی طرح بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی اپنے طور پر روزانہ تلاوت کیلئے قرآن مجید ترتیب دے لیے تھے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے ایک غلام ابو یونس سے قرآن مجید کا ایک نسخہ لکھوالیا تھا، چونکہ اختلافِ قرات کا اثر عراق میں زیادہ تھا، اس لیے عراق سے ایک صاحب آئے اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا:

''آپ اپنا قرآنی نسخہ مجھے دکھائیں، تاکہ میں اپنے نسخہ کی ترتیب کرلوں۔''

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے نسخہ قرآن مجید سے ہر ہر سورت کی ابتدائی آیات پڑھ کر ترتیب درست کروادی۔

12: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہنے اور جس بات کی سمجھ نہ لگتی ہو بلا جھجک پوچھ لینے کی وجہ سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کے طرزِ قرأت، محل و معنی، موقع اور استدلال، شان نزول اور وجہ شان نزول وغیرہ پر مکمل آگاہی و دسترس حاصل ہوگئی تھی۔ اس لیے جب بھی آپ رضی اللہ عنہا کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا آپ قرآن مجید سے استدلال کرتیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و ارشادات کو سامنے رکھتیں۔

13: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید کی آیات کی تفسیریں بطریق صحیح بہت کم مروی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح میں تفسیر کا بہت بڑا حصہ داخل کیا ہے، لیکن زیادہ تر ان میں تابعینؒ کی روایتوں سے لغات کا حل ہے۔ ترمذی شریف میں بھی حقیقی تفسیر کا حصہ ہے لیکن امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں بڑی احتیاط فرمائی ہے اور خالص تفسیر کا حصہ مسلم شریف کے آخر میں درج کیا ہے۔ گو یہ مختصر ہے مگر اس میں زیادہ تر حضرات ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی مرویات ہیں۔ کتب احادیث میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیری مرویات کی تعداد کافی ہے۔

14: علم حدیث میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر بلکہ دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی فوقیت حاصل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے وصال بعد آپ رضی اللہ عنہا اڑتالیس سال زندہ رہیں۔ اس عرصہ میں آپ رضی اللہ عنہا تمام عالم اسلام کیلئے رشد و ہدایت اور علم و فضل کا مرکز بنی رہیں اور خواتین صحابہ کے علاوہ مرد حضرات بھی ام المومنین سے فیض حاصل کرتے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے مشہور ترین تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت بریرہ، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، سروق بن اجدع، معاذہ بنت عبداللہ العدویہ، صفیہ بنت شیبہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور عائشہ بنت طلحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

15: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے ان کا مقام اس قدر بلند ہے کہ ان کا نام حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

16: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فقہی مقام یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا خلفاء راشدین کے دور میں فتوے دیا کرتی تھیں اور جس بات پر آپ کا فتویٰ موجود ہوتا دیگر کسی رائے کی ضرورت نہ رہتی۔

17: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم و فضل کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ موجودہ کتب احادیث میں ان سے دو ہزار دو سو دس (2210) احادیث مروی ہیں اور احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ ان سے منقول ہے۔

18: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج سے کبھی ناغہ نہ فرماتی۔ حج کے ایام میں آپ رضی اللہ عنہا کا خیمہ کوہِ شبیر کے دامن میں نصب ہوتا تھا۔ چونکہ حج کے ایام میں ہر جگہ سے لوگ مکہ و مدینہ جمع ہوتے تھے، اس لیے ان دنوں میں آپ رضی اللہ عنہا کے پاس سائلوں کا جم غفیر جمع رہتا۔ طرح طرح کے سوالات پوچھے جاتے۔ ام المومنین ہر ہر سوال کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں عطا فرماتیں۔ اگر سائل کو کوئی سوال پوچھتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں:

"میں تمہاری ماں ہوں اور ماؤں سے کیا پردہ؟"

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان لڑکیوں میں سے تھیں جن کی جسمانی بالیدگی نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کرتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں مکمل بالغ ہو چکی تھیں۔ لڑکپن میں آپ رضی اللہ عنہا دُبلی پتلی اور چھریری سی تھیں، لیکن رنگ سرخ وسفید تھا۔ حمیرا آپ کو سرخ وسفید رنگت کی وجہ سے ہی کہا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحب جمال تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا اخلاق نہایت بلند تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نہایت فیاض، رحم دل، سنجیدہ، قانع اور عبادت گزار تھیں۔

زہد و قناعت کی وجہ سے صرف ایک جوڑا اپنے پاس رکھتیں تھیں اور اسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ کبھی کبھی زعفرانی رنگ کے کپڑے بھی زیب تن کیا کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کُرتا تھا جس کی قیمت اس وقت پانچ درہم تھی۔ یہ اس زمانہ کے لحاظ سے اس قدر بیش قیمت تھا کہ دلہنوں کیلئے عاریتاً مانگا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کبھی کبھار زیور بھی پہنا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا نے سونے کے کنگن پہنے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا:

"میں تمہیں اس سے اچھی بات نہ بتاؤں۔ چاندی کے کنگن بنا کر ان کو زعفرانی رنگ دے کر پہن لو۔"

آپ رضی اللہ عنہا کے گلے میں سیاہ وسفید مہموں کا یمنی ہار ہوتا تھا اور انگلیوں میں کبھی کبھار سونے کی انگوٹھیاں بھی پہنتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ آپ کے بھانجے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھی تھی۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں ہی پرورش پائی۔ ان کے علاوہ جن بچوں کی سیدہ رضی اللہ عنہا نے پرورش کی ان کے نام یہ ہیں:

"مسروق بن اجدع، عمرہ بن عائشہ بن طلحہ، اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، عبداللہ بن یزید اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان کے علاوہ محمد ابن ابی بکر کی لڑکیوں کو بھی سیدہ رضی اللہ عنہا نے پالا اور ان کی شادی بھی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں بھی آپ رضی

اللہ عنہا نے ایک انصاریہ لڑکی کی پرورش کی تھی جس کی شادی کا ذکر احادیث میں بھی موجود ہے۔''

یہ صفر المصفر 11 ہجری کے آخری ایام تھے کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیھا کے حجرے میں تشریف لائے تو وہ سر کے درد کی وجہ سے بے قرار تھیں اور کراہ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تیمارداری کی۔ واپسی کے وقت حضرت نبی کریم ﷺ کے سر میں بھی درد شروع ہو گیا جو کہ مرض وصال کی ابتداء تھی، کیونکہ اس دن سیدہ میمونہ کا دن تھا اس لیے آپ وہاں تشریف لے گئے اور صاحب فراش ہو گئے۔ پیارے مصطفیٰ ﷺ کے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک کی یہ زندہ مثال ہے کہ آپ شدید علیل ہونے کے باوجود بھی ان کی باری کا خیال رکھتے اور جس زوجہ محترمہ کی باری ہوتی آپ ﷺ وہاں قیام فرماتے۔ یہ سلسلہ پانچ دن تک جاری رہا، پھر جب کمزوری زیادہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر آپ سب اجازت دیں تو میری تیمارداری عائشہ کے ہاں کی جائے۔''

تمام ازواج مطہرات اس پر راضی ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ کے ہاں تشریف لے کر آئے اور بقیہ آٹھ دن یہیں گزارے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیھا کے ہاں قیام کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ سیدہ کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت و فطانت، فہم و شعور، قوت حافظہ اور سرعت فہم جیسی خوبیوں سے نوازا ہے اس لیے وہ میرے آخری اقوال و فعال دیکھیں اور ان کو میری امت تک پہنچائیں۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی جیسا رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے۔ آپ کے وصال کے متعلق اکثر صحیح حالات سیدہ عائشہ کے ذریعے ہی امت تک پہنچے۔

سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ روز بروز مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ کمزوری اتنی زیادہ ہو گئی کہ آپ ﷺ امامت کیلئے مسجد میں بھی تشریف نہ لے جا سکے۔ صحابہ کرام صبح کی نماز کیلئے آپ ﷺ کی آمد کے منتظر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی مرتبہ اٹھنے کی کوشش کی مگر کمزوری غالب آ گئی، چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مصلیٰ امامت پر کھڑا ہو گیا لوگ، اسے منحوس خیال کریں گے، اس لیے میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ ابوبکر بہت رقیق القلب ہیں ان سے یہ نہ ہو سکے گا اور وہ رو

دیں گے، اس لیے کسی اور کو حکم دیا جائے۔"

لیکن حبیب خدا ﷺ نے پھر یہی حکم دیا۔ حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے کہا:

تم عرض کرو۔"

انہوں نے عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم یوسف والیاں ہو یعنی تم ہی عورتیں ہو۔ جنہوں نے حضرت یوسف کو بہکانا چاہا تھا۔ کہہ دو کہ ابوبکر امامت کروائیں۔"

دراصل اس میں حکمت یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ اپنے خلیفہ کا انتخاب فرما رہے تھے تاکہ بعد میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔

وصال شریف سے کچھ دیر پہلے رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر جو کہ سیدہ عائشہ کے بھائی تھے وہاں تشریف لائے۔ ان کے پاس مسواک تھی۔ حبیب خدا ﷺ نے مسواک کی طرف دیکھا تو سیدہ نے پوچھا کیا مسواک لے کردوں تو آپ ﷺ نے سر کے اشارے سے فرمایا۔ ہاں۔ آپؓ نے مسواک لے کر حضور ﷺ کو دی مگر حضور ﷺ کمزوری کی وجہ سے اسے نرم نہ کر سکتے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ نے مسواک کو اپنے منہ میں چبا کر نرم کر دیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے خوب اچھی طرح مسواک کی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا اس بات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ اور ان کے لعاب دہن کو آپ ﷺ کے دنیا کے آخری دن اور آخرت کے پہلے دن جمع فرمایا۔

پیر کا دن تھا اور سیدہ عائشہ کی باری تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ کے سینہ پر اپنا سر مبارک رکھا اور لیٹ گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللھم الرفیق الاعلی"

پھر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کے مناقب و فضائل میں یہ زریں باب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصال کے بعد سیدہ کے حجرے کو زینت بخشی اور اسے روضة من ریاض الجنة بنا دیا۔

ام المومنین فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند ٹوٹ کر آ گرے ہیں۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے والد جناب صدیق اکبر کو سنایا۔ جب

پیارے مصطفیٰ ﷺ کا وصال ہوا اور آپ سیدہ کے حجرے میں رونق افروز ہوئے تو سیدنا صدیق اکبر نے فرمایا:

''ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہیں اور ان تینوں میں سے یہ سب سے افضل ہیں۔''

بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ باقی دو چاند حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم تھے جنہیں وصال کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے تیرہ برس بعد تک آپ روضہ رسول میں ہی سوتی رہیں کیونکہ یہاں پر ایک شوہر تھا اور ایک باپ، لیکن جب حضرت عمر فاروق وہاں پر مدفون ہوئے تو آپ فرماتیں اب مجھے وہاں بے پردہ جاتے حجاب آتا ہے۔

(بخاری شریف باب مرض النبی ، حدیث نمبر ۴۴۵۱) (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۴۴) (مسلم ۳/۱۲۵۷،۴/۱۸۹۳) (مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۴۸۔۷۷۔۱۲۱۔۲۰۰۔۲۳۱۔۲۷۴) (مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۷) (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۳۴)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تقریباً بیس سال حکومت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری سالوں میں 58 ہجری رمضان المبارک میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں بلکہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کیا جائے اور رات کو ہی دفن کیا جائے دن کا انتظار نہ کیا جائے۔ آپ رضی اللہ عنہا تھوڑے دن بیمار رہیں اور 7 رمضان المبارک بروز منگل 58 ہجری بمطابق 13 جون 678 عیسوی میں نماز وتر ادا کرنے کے بعد فوت ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چھتر سال تھی۔

(المعارف، صفحہ نمبر 134)

جیسے ہی لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کی خبر ملی ہر کوئی اپنے گھروں سے نکل آیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی جنازہ رات کے وقت ہی مدینہ کے قائم مقام گورنر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا نے پڑھائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ روایات کے مطابق اتنا ہجوم پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔

طبقات ابن سعد، نمبر 52 پر یہ روایت موجود ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ

پر اتنا رش تھا کہ روز عید کے اژدہام کا گمان ہوتا تھا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی بکر، عبد اللہ بن عتیق عروہ بن زبیر اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا جو کہ آپ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور بھانجے لگتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر پورا عالم اسلام آبدیدہ اور غم زدہ تھا۔ ایک مدنی سے کسی نے پوچھا:

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر اہلِ مدینہ نے کتنا غم کیا۔؟''

اس نے جواب دیتے ہوئے کہا:

''وہ جس جس کی ماں تھی اسی کو ان کا غم تھا۔ تمام مسلمان اس غم میں برابر کے شریک تھے۔''

مسند ام سلمہ، صفحہ نمبر 224 پر یہ روایت موجود ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر رونا دونا سن کر بولیں:

''عائشہ کیلئے جنت واجب ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ اللہ تعالیٰ عائشہ پر پر رحمت بھیجے کہ یہ اپنے باپ کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔''

سیدہ اُم سلمہ:

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات میں چوتھا نمبر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا عقل و فہم، علم و عمل، کردار و گفتار اور فقہی مسائل میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد تمام امہات سے ممتاز تھیں۔ آپ قدیم الاسلام تھیں یعنی ان ابتدائی چند لوگوں میں سے تھیں جنہوں نے اعلانِ نبوت کے ابتدائی زمانہ میں ہی اسلام کی دولت سمیٹ لی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا چونکہ ابتدائی زمانہ میں ہی مسلمان ہوگئی تھیں، اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے کفارِ مکہ کی بہت زیادہ تکالیف اور مصائب و آلام برداشت کیے۔ آپ رضی اللہ عنہا صبر و تحمل، بردباری اور صاف گوئی میں اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا شرافت و سیادت اور امارت و آسائش کی گود میں پلی بڑھی تھیں۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی عرب کے مشہور ترین رئیس تھے اس لیے مال و دولت کی فراوانی تھی اور ہر قسم کی آسائش میسر تھی۔

آپ رضی اللہ عنہا کا اصل نام ہند اور کنیت ام سلمہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ اصل نام کی بجائے اس کنیت سے ہی پکاری جانے لگیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام ابو امیہ سہیل تھا۔ بعض روایات میں ابو امیہ خذیفہ بھی آیا ہے۔ والد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یوں ہے:

''ام سلمہ بنت ابو امیہ سہیل یا خذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظ بن کعب۔''

اس طرح کعب پر جا کر آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا قریش کے مشہور خاندان بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ والدہ کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یوں آتا ہے:

''ام سلمہ بنت عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن خذیمہ (یا جذیمہ) بن علقمہ بن جذل الطعان بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔''

بعض حضرات نے عاتکہ سے عاتکہ بنت عبدالمطلب سمجھا ہے اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی سمجھا ہے، لیکن یہ غلط ہے ان کا نام ہند ہے۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 86) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 221) (جمرۃ انساب العرب، صفحہ نمبر 146) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1920) (نسب قریش للزبیری، صفحہ نمبر 300) (انساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 1429) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 289)

روایات کے مطابق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو امیہ مکہ مکرمہ کے مشہور ترین اور مخیر ترین سرداروں میں سے تھے۔ ان کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ بیسیوں افراد ان کے دستر خوان پر پلتے تھے۔ ان کی دریا دلی، دولت اور سخاوت کے چرچے ہر طرف تھے۔ ان کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ جب بھی سفر کرتے جتنے بھی قافلے والے ساتھ ہوتے ان کے زادِ راہ، قیام و طعام اور دوسری ضروریات سفر یہ پوری کرتے۔ اس لیے ان کو لوگوں نے ''زاد الراکب'' یعنی سواروں کے زادِ راہ کا لقب دے رکھا تھا۔ اس وجہ سے جو بھی ان کے ساتھ سفر کرتا وہ سفری اخراجات سے غنی ہو جاتا۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے آٹھ سال قبل مکہ مکرمہ میں قبیلہ مخزوم کے رئیس ابو امیہ کے ہاں پیدا ہوئیں۔ چونکہ آپ رضی اللہ

عنہا کے والد رئیس اور شرفاء مکہ میں سے تھے، اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ آپ رضی اللہ عنہا نے ساری زندگی کبھی بھی بدحالی اور پریشانی نہیں دیکھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بڑے ناز و نعم سے پرورش پائی۔ جب جوان ہوئیں تو اپنے ہم پلہ اپنے چچازاد بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے ساتھ شادی ہوگئی۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی اپنے اصل نام کی بجائے اپنی کنیت ابوسلمہ سے مشہور ہوئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا، گویا کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضاعی بھائی تھے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ویسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھی تھے۔ ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب تھیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ان خوش قسمت ترین افراد میں سے تھے جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا اور ''السابقون الاولون'' ہونے کا شرف حاصل کیا۔ چونکہ یہ دونوں ہستیاں رئیس زادے تھیں اس لیے ان کے قبائل نے ان کے اسلام قبول کرنے پر بہت سخت ردعمل ظاہر کیا اور ہر طرح سے ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑ دیے۔ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا کفار ویسے ویسے ہی اپنے ظلم و زیادتی میں اضافہ کرتے جاتے۔

جب کفار مکہ کا ظلم و تشدد حد سے تجاوز کر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ جو کوئی مسلمان اپنے دین اور جان کی حفاظت کرنا چاہتا ہے وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائے۔ چنانچہ امام نووی نے التہذیب، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 362 پر لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہما نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

طبقات ابن سعد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 203 پر موجود ہے کہ ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شرکت کی۔ حبشہ میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد جب یہ واپس مکہ آئے تو پھر کفار کے مظالم کا نشانہ بن گئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ اس ہجرت میں بھی ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر اور مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائیں۔

(الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 223) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1921) (سیر اعلام

النسبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 206) (نسب قریش، صفحہ نمبر 337)

اسی طرح اہل سیر اور مورخین نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مدینہ کی طرف ہجرت کا واقعہ بھی بڑا دردناک ہے۔ جب ان حضرات نے ہجرت کا قصد کیا تو ان کے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے سلمہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور خود نکیل پکڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ان کی روانگی کا پتہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان بنومغیرہ کو چلا تو وہ اکٹھے ہو کر آئے اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم تو جا سکتے ہو لیکن اس حالت میں ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ نہیں بھیج سکتے۔ چنانچہ انہوں نے زبردستی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ جب اس بات کا پتہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان بنوعبدالاسد کو چلا تو وہ جمع ہو کر آئے اور بنومغیرہ سے کہا کہ اگر تم اپنی لڑکی کو ہمارے لڑکے کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہمارے لڑکے کا لڑکا بھی تمہارے پاس نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو دونوں قبائل کے لوگ اپنی اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس کھینچا تانی کے نتیجہ میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا بازو اپنی جگہ سے ہل گیا۔ بالآخر بنواسد جناب سلمہ رضی اللہ عنہ کو چھین کر لے گئے۔ اس طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تفریق ڈال دی گئی۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تو ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے خاندان والوں نے روک لیا اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ددھیال والے لے گئے۔ اس جدائی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا برا حال تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا روزانہ صبح سویرے گھر سے نکلتیں اور وادیٔ ابطح کے ایک بلند ٹیلے پر بیٹھ جاتیں اور سارا سارا دن روتی رہتیں۔ اسی طرح پورا ایک سال گزر گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری یہ حالت دیکھ کر میرے خاندان کے ایک شخص کو مجھ پر رحم آ گیا۔ اس نے اپنے قبیلے والوں کو اکٹھا کر کے ان سے کہا:

''یہ لڑکی ہمارا ہی خون ہے ہم کب تک اس بے کس کو اس کے خاوند اور بچے سے جدا رکھیں گے۔ اے بنومغیرہ! بخدا! ہمارا قبیلہ بڑا شریف اور شجاع ہے جو ظلم کو دوست نہیں رکھتا۔''

اس نیک دل آدمی کی تقریر سن کر دوسرے لوگوں کو بھی رحم آ گیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دے دی کہ وہ مدینہ جا سکتیں ہیں۔ جب بنو عبدالاسد نے یہ واقعہ سنا تو انہوں نے بھی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بچے کو گود میں لیا اور تنِ تنہا مدینہ کی طرف چل پڑیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہا مکہ سے باہر نکلیں تو ایک شریف النفس آدمی عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ انہیں ملے۔ یہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے مگر تھے بڑے شریف النفس اور کعبۃ اللہ کے کلید بردار۔

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی چونکہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہت دوستی تھی اس لیے وہ اکثر ان کے گھر آیا جایا کرتے تھے۔ جب انہوں نے آپ کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو پہچان کر پوچھا:

"کدھر کا ارادہ ہے۔؟"

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"مدینہ اپنے خاوند کے پاس جا رہی ہوں۔؟"

انہوں نے پوچھا:

"آپ کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے۔؟"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"نہیں! صرف میرا اللہ ہے اور یہ بچہ ہے۔"

اس پر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"مردانگی سے بعید ہے کہ قریش کی ایک عورت تنہا سفر کرے اور میں اس کی مدد نہ کروں۔"

یہ کہہ کر عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور ان کے ساتھ ہو لیے۔ یہ تین افراد کا قافلہ منزل بہ منزل سفر طے کرتے ہوئے جب مدینہ پہنچا اور قبا کی وادی نظر آئی تو عثمان نے ان سے کہا کہ جاؤ تمہارے خاوند اسی بستی میں مقیم ہیں اور خود واپس چلے گئے۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوری زندگی میں عثمان بن طلحہ جیسا شریف آدمی نہیں دیکھا۔ دورانِ سفر جہاں کہیں بھی پڑاؤ ہوتا تو یہ اونٹ بٹھا کر خود دور چلا جاتا

اور جب میں اتر جاتی تو یہ اونٹ کہیں باندھ دیتا اور خود کہیں دور علیحدہ سو جاتا اور جب صبح روانگی کا وقت ہوتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر دور ہٹ کر کھڑا ہو جاتا اور جب میں اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتی تو یہ اونٹ کی مہار پکڑ کر چلنے لگ پڑتا۔

(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 272-273)

جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں تو انہوں نے اپنی بیوی بچے کو پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال دریافت کرتے اور یہ پوچھتے کہ وہ کن کی بیٹی ہیں۔ جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کا نام بتاتیں تو لوگوں کو یقین نہ ہوتا کیونکہ ایک تو آپ نے تنہا سفر کیا تھا اور لوگ یہ ماننے کیلئے تیار نہ تھے کہ اتنے بڑے رئیس کی بیٹی تنِ تنہا اتنا دشوار گزار سفر طے کرے اور دوسرا آپ کے پاس ساز و سامان نہ تھا۔ اس پر سیدہ خاموش ہو جاتیں، لیکن جب کچھ عرصہ بعد لوگ حج بیت اللہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک رقعہ اپنی خیر خیریت کا اپنے والد کو بھجوایا تب لوگوں کو یقین آیا کہ واقعی آپ ابو امیہ کی بیٹی ہیں۔ پھر لوگوں کی نظروں میں آپ رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت مزید بڑھ گئی۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 300)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب کبھی ہجرت کا ذکر فرماتیں تو کہتیں تھیں کہ میں نہیں جانتی کہ اہل بیت میں سے کسی نے وہ مصائب اٹھائے ہوں جو اسلام کی خاطر خاندان ابو سلمہ کو برداشت کرنا پڑے۔

حضرت عبد اللہ جو کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیت سے مشہور تھے، بڑے بہادر، جی دار اور ماہرِ حرب تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے 2 ہجری میں جنگِ بدر میں شرکت کی اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ پھر 3 ہجری میں جنگِ اُحد میں شرکت کی اور بڑی دلیری کے ساتھ لڑے۔ اسی جنگ میں ابو اسامہ جشمی نے ایک زہر آلود تیر ان کو مارا جو ان کے بازو میں لگا، ایک ماہ کے مسلسل علاج سے زخم بظاہر مندمل ہو گیا لیکن زہر اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا۔ جنگِ احد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ طلحہ اور اسد بن خولید وادی قطن میں لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کیلئے ابھار رہے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سازش کو ابتداء میں ہی ختم

کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس لیے آپ نے محرم الحرام کے اوائل میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ڈیڑھ سو مجاہدین ان کی سرکوبی کیلئے بھیجے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی حکمت کے ساتھ ان سازشیوں کی جمعیت کو ختم کیا اور بہت سی بھیڑ بکریاں اور اونٹ وغیرہ مال غنیمت لے کر کامیاب واپس لوٹے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو 39 دنوں میں سر کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کامیاب واپسی کے تھوڑے دن بعد ہی آپ رضی اللہ عنہ کا جنگ احد والا زخم پھر تازہ ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ تھوڑے دن بیمار رہے اور جمادی الآخر 4 ہجری میں وصال فرما گئے۔ وصال کے وقت ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

"اے اللہ! میرے اہل و عیال کی اچھی طرح نگہداشت فرمانا۔"

ایک روایت کے مطابق حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خود جا کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے وصال کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پورے گھر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ خواتین پردے کے پیچھے آہ و فغاں میں لگی ہوئی تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بار بار یہ کہتی:

"ہائے! غربت میں یہ کیسی موت آئی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دلاسہ دیا اور فرمایا:

"ان کیلئے دعائے مغفرت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔"

"اللهم اغفرلي وله واعقبني منه عقبى حسنة"

"اے اللہ! مجھے اور انہیں بخش دے اور مجھے ان کے بعد اچھا نعم البدل عطا فرما۔"

دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے آخری وقت ان کی عیادت کیلئے آئے، لیکن جیسے ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو ان کی روح پرواز کر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی دونوں آنکھوں کو بند کیا اور فرمایا:

"انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی دونوں آنکھیں اس کو دیکھنے کیلئے کھل جاتی ہیں۔"

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 172)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ خود بڑے اہتمام

کے ساتھ پڑھائی اور اس میں نو تکبیریں کہیں۔ جنازہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ زائد تکبیریں سہواً تھیں۔ اگر نہیں تو اس میں راز کیا ہے۔؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ سہواً نہیں تھیں بلکہ یہ تو ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔''

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 289) (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 275)

حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے شوہر بارگاہِ نبوی سے واپس آئے تو بہت خوش تھے۔ میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ یہ دعا مانگے:

''اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیراً منھا''

''اے اللہ! میری مصیبت میں میرا اجر قائم فرما اور اس سے بہتر میرے لیے اس کا قائم مقام بنا۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے خاوند حضرت ابوسلمہ فوت ہوئے تو مجھ پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ اس دعا کو میں نے اپنا معمول بنالیا۔ جب میں دعا پڑھتی اور اس جگہ پہنچتی کہ میرے لیے اس سے بہتر قائم مقام بنا تو میں سوچتی کہ ابوسلمہ سے بہتر مسلمان کون ہوسکتا ہے۔؟ لیکن چونکہ یہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا اس لیے میں اس دعا کو کثرت کے ساتھ پڑھتی رہی۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میں نے سنا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر اس کی زندگی میں فوت ہوجائے اور وہ عورت اس کے بعد شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرد کی بیوی فوت ہوجائے اور وہ اس کے بعد دوسری شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس مرد کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ اس لیے آؤ ہم دونوں یہ عہد کریں کہ ہم میں سے جو بھی پہلے فوت ہوجائے تو دوسرا اس کے بعد شادی نہیں کرے گا۔''

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم میرا کہا مانو گی۔؟"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"کیوں نہیں۔! اس سے بڑھ کر میرے لیے اور سعادت کی کون سی بات ہو سکتی ہے۔"

تو حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اگر میں پہلے فوت ہو جاؤں تو تم ضرور شادی کر لینا۔"

اس کے بعد حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی:

"یا اللہ! اگر میں ام سلمہ کی زندگی میں انتقال کر جاؤں تو تو اسے مجھ سے بہتر شخص عطا فرمانا۔"

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 88)(سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 203)

جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ وضعِ حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو انہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے نکاح کا پیغام دیا جو انہوں نے مسترد کر دیا۔ پھر آپ کے ماموں زاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیغامِ نکاح بھیجا تو انہوں نے یہ بھی مسترد کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح بھیجا تو انہوں نے کہا:

"مرحبا برسول اللہ ﷺ"

کیونکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ انہوں نے پیغام نکاح قبول کر لیا لیکن تین عذر پیش کیے:

1: میں بہت زیادہ غیرت والی عورت ہوں سوکنوں کو برداشت نہ کر سکوں گی۔

2: میں بچوں والی عورت ہوں، بچوں کی کفالت و نگہداشت میرے ذمہ ہے۔

3: میں ایسی عورت ہوں جس کا یہاں کوئی وارث موجود نہیں ہے جو میری شادی کا اہتمام کر سکے اور بعض روایات کے مطابق تیسرا عذر بیان کیا کہ میری عمر زیادہ ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یہ عذر سنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا:

"اپنی جس غیرت کا تم نے ذکر کیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ تم سے دور کر دے۔ جن بچوں کا تم نے ذکر کیا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے کافی ہوگا اور تیسری بات جو تم نے بیان کی ہے کہ تمہارا کوئی وارث اس وقت موجود نہیں ہے تو تمہارا نہ تو کوئی موجودہ وارث اور نہ کوئی غائب وارث ایسا ہو سکتا ہے جو مجھے ناپسند کرے۔"

چنانچہ ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شوال 4 ہجری کی آخری تاریخوں میں ہو گئی۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 296) (تفسیر الطبری، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 7) (تفسیر القرطبی، جلد نمبر 14، صفحہ نمبر 182) (السمین، صفحہ نمبر 20) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1921) (دلائل النبوۃ، للبیہقی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 463) (تہذیب للنووی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 362)

روایات کے مطابق چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی غریب الوطنی، اسلام کیلئے برداشت کی گئی تکالیف، غربت اور بے سہارگی کا بے حد احساس تھا اس لیے یکے بعد دیگرے ان کو نکاح کا پیغام دیتے رہے۔ ان میں سے کسی کی بھی خواہش دنیاوی نہ تھی۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"جب میں اپنے شوہر حضرت ام سلمہ کے وصال کے بعد دعا مانگتی تو جب میں یہاں تک پہنچی کہ مجھے اس سے اچھا نعم البدل عطا فرما تو میں سوچتی کہ ابو سلمہ سے زیادہ اچھا مسلمان اور کون ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی میں یہ دعا کرتی رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ سے بہتر نعم البدل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں مجھے عطا فرمایا۔"

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا (جن کا وصال ہو چکا تھا) کے گھر میں ٹھہرایا۔ اس گھر کا کل اثاثہ دو چکیاں، ایک گھڑا جس میں جو رکھے ہوئے تھے، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک ہانڈی اور چند برتن تھے۔ جس دن آپ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئیں اسی

دن آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھوں سے جو پیسے، روٹیاں تیار کیں، ان پر گھی لگایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ ولیمہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تین دن تک رہے اور جب جانے لگے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اپنے شوہر کی نظر میں کم نہیں ہو۔ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن قیام کروں اور پھر باقی ازواج کے ہاں بھی سات سات دن رہوں۔؟''

اس پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''حضور! تین دن ہی ٹھیک ہیں کیونکہ میں اتنی زیادہ جدائی برداشت نہ کرسکوں گی۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا اور وہ رخصت ہو کر آئیں تو ان کا طریقہ زندگی ایسا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کا مزاج دوسری ازواج کے ساتھ ملتا ہی نہیں، لیکن چند ہی دنوں میں وہ دوسری ازواج کی طرح زندگی گزارنے لگیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 93) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 295) (مسند امام شافعی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 26) (مسند ابو یعلی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 244) (الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 81) (المطالب العالیہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 133) (سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 205) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 223)

کتب احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ میں حضرت سیدہ عائشہ، حضرت سیدہ حفصہ، حضرت سیدہ صفیہ اور حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہن تھیں اس گروہ کی لیڈر حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ دوسرے گروہ میں حضرت سیدہ ام سلمہ، حضرت سیدہ زینب بنت جحش اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ اس گروہ کی لیڈر حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبت تھی اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کی باری میں تحفے تحائف بھیجتے تھے۔ دوسری ازواج اس بات کو محسوس کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہا چونکہ فہم و فراست میں درجۂ کمال پر تھیں اس لیے انہوں نے موقع دیکھ کر مصطفیٰ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند دن بعد پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بات کی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جواب نہ دیا بلکہ خاموشی اختیار کی۔ جب تیسری مرتبہ بھی یہی بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ام سلمہ! عائشہ کے بارے میں مجھے اذیت نہ پہناؤ، کیونکہ سوائے اس کے لحاف کے تم میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کے ہاں وحی نازل ہوتی ہو۔''

اس پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''میں آپ کو اذیت پہنچانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں۔''

(صحیح البخاری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 532)

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب حرمِ نبوی میں داخل ہوئیں تو ان کے ساتھ ان کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے چار بچے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا مجھے ان بچوں کی پرورش کا اجر ملے گا۔؟''

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں۔!''

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا پیار تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا ہر وقت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے میں لگی رہتیں۔ آپ کی محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے پاس ایک غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ تھے آپ نے ان کو اس شرط پر آزاد کردیا کہ ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کریں گے۔

ام المومنین نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر و حضر میں، قیام و طعام میں اور لیل و نہار میں بڑے قریب کے ساتھ دیکھا یہی وجہ ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد انہی نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہمیں بتائے ہیں۔ فقہ، حدیث، علم القرآن، مردم شناس اور علم رائے میں آپ رضی اللہ عنہا اپنی مثال آپ تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اکثر وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت و خدمت میں گزارتیں۔ ایک دن جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کو بہت زیادہ علیل دیکھا تو ان کی چیخ نکل گئی۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا اور فرمایا:

"مصیبت کے وقت چیخنا مسلمانوں کیلئے مناسب نہیں۔"

ام المومنین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ ایسا ہار پہن لیا جس میں سونے کی بھی آمیزش تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہار دیکھا تو اسے ناپسند فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت اس ہار کو توڑ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا برابر ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے انہیں اپنا وکیل بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب امہات کے ہاں تحائف بھیجیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ام سلمہ! عائشہ کے معاملے میں مجھے اذیت نہ دو۔"

تو فوراً انہوں نے عرض کیا:

"میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتی ہوں آپ کو اذیت دینے سے۔"

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے بال گندھوا رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دینا شروع کیا۔ ابھی آپ کی زبان سے:

"ایھا الناس!"

"اے لوگو!"

ہی نکلا تھا کہ مشاطہ کو حکم دیا کہ بال باندھ دے۔ اس نے کہا:

"اتنی بھی کیا جلدی ہے۔؟ ابھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایھا الناس! ہی فرمایا ہے۔"

آپ رضی اللہ عنہا غصے سے اٹھ کھڑی ہوئیں، خود ہی اپنے بالوں کو باندھ لیا اور فرمایا:

"کیا ہم الناس (لوگوں) میں شامل نہیں ہے۔؟"

پھر پورا خطبہ بڑے غور سے سنا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک چاندی کی ڈبیہ میں محفوظ کر کے رکھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد جب بھی کوئی بیمار آتا تو آپ رضی اللہ عنہا ان موئے مبارک کو پانی کے پیالے میں پھیر کر اسے پلا دیتیں تو اسے شفاء ہو جاتی۔

واقعہ ایلاء 9 ہجری میں پیش آیا۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بات کی خبر ہوئی کہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مال و دولت طلب کر رہی ہیں تو انہوں نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی تو یہ دونوں زائد مصارف کے مطالبہ سے دست بردار ہو گئیں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے چونکہ آپ رضی اللہ عنہا ان کی رشتہ دار تھیں اس ناطے سے ان کو سمجھانا چاہا تو انہوں نے سخت لہجہ میں کہا!

"عجبائك يا ابن خطاب دخلت فى كل شى حتى تبغى ان تدخل بين رسول الله وازواجه"

"اے ابن خطاب! تعجب ہے کہ تم ہر بات میں دخل دیتے ہو یہاں تک کہ اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینے لگے ہو۔"

چونکہ جواب بہت سخت تھا اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔ رات کو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ بیان کیا اور جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔

(صحیح البخاری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 720)

علم و فضل میں ویسے تو تمام ازواج مطہرات بلند ترین مرتبہ پر فائز تھیں لیکن ان میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا لاجواب تھیں۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے 387 احادیث مروی ہیں۔اس لیے وہ محدثین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔آپ رضی اللہ عنہا کو حدیث کی سماع کا بہت شوق تھا۔جب بھی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوتے اور آپ کے کانوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچتی تو آپ رضی اللہ عنہا ہر کام چھوڑ کر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے لگ جاتیں۔

آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز پر قرآن مجید کی تلاوت فرماتی تھیں۔ جب کوئی پوچھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح تلاوت فرماتے تھے تو خود ویسی تلاوت کر کے سائل کو بتا دیتیں۔

علمِ قرآن، علمِ حدیث کے ساتھ ساتھ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی فقیہہ بھی تھیں۔آپ آیاتِ قرآنی پر غور کرتی رہتیں اور ان سے مسائل نکالتیں رہتیں۔جب کسی آیت میں کچھ ابہام پاتیں فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتیں۔آپ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو ایک مکمل کتاب تیار ہوسکتی ہے۔اس اعتبار سے آپ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام ازواج مطہرات میں اعلیٰ ترین مقام رکھتیں ہیں۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس علم کے ساتھ ساتھ اسے لوگوں کو سمجھانے کا ملکہ بھی تھا۔جب تک سائل مکمل طور پر مطمئن نہ ہو جاتا آپ رضی اللہ عنہا اسے مسئلے کی جزئیات بیان کرتی رہتیں اور جب اس کی تسلی و تشفی ہو جاتی تو مطمئن ہوتیں۔

آپ رضی اللہ عنہا علم حدیث وفقہ میں تو مکمل دسترس رکھتی تھیں ان کے ساتھ ساتھ آپ علمِ اسرار سے بھی کافی آشناء تھیں۔یہ وہ علم تھا جس میں اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اتھارٹی تصور کیے جاتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہا کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ فرائض وسنت کی ادائیگی کے علاوہ آپ ہر پیر، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام سفینہ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ ساری زندگی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کریں۔آپ رضی اللہ عنہا کی محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہا نے سونے کی آمیزش والا ہار پہنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسے ناپسند کیا تو فوراً اسے توڑ دیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایامِ مرض میں طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو فرطِ غم سے آپ رضی اللہ عنہا کی چیخ نکل گئی۔

آیتِ تطہیر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہی نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استفسار پر انہیں بتایا کہ تم اور تمہاری بیٹی بھی اہلِ بیت میں شامل ہو۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے حجروں کا دورہ فرماتے تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے شروع کرتے چونکہ وہ سب سے بڑی تھیں۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا شریعتِ اسلامیہ کی سختی سے پابند تھیں۔ نہ خود اس کی خلاف ورزی کرتی تھیں اور نہ دوسروں سے اس کی خلاف ورزی برداشت کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ علیہ السلام سے باتیں کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

”جانتی ہو کہ یہ کون تھے۔؟“

تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

”یہ وحیہ کلبی تھے۔!“

لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دوسرے لوگوں کو بتائی تو پتہ چلا کہ وہ وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانے کی بہت حسین وجمیل خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بال نہایت گھنے تھے۔ عقل وشعور، فہم وفراست، چال ڈھال، علم وعمل میں اپنی مثال آپ تھیں۔

(الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 672)(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 289)

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا السابقون الاولون میں سے تھیں یعنی آپ رضی اللہ عنہا ابتدائی زمانے میں ہی اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے والوں میں سے تھیں۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسلام کیلئے بہت تکالیف برداشت کیں۔ اپنے گھر بار، والدین، شوہر اور بچے کی بھی جدائی برداشت کی۔ آپ رضی اللہ عنہا جب ہجرت کا ذکر کرتیں تو

فرماتیں:

''میں نہیں جانتی کہ اہل بیت میں سے کسی نے وہ مصائب اٹھائے ہوں جو اسلام کی خاطر خاندانِ ابو سلمہ کو برداشت کرنے پڑے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حج الوداع کے موقع پر ان کی بیماری کی وجہ سے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا لوگوں کی فطرت شناس اور صائب الرائے خاتون تھیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہا کے دیئے گئے مشورہ سے آپ کی فہم و فراست اور فطرت شناسی کا پتہ چلتا ہے۔ امام زرقانی اور علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں:

''صنف نازک کی پوری تاریخ میں اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کامل العقل اور صائب الرائے خاتون تھیں۔''

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت فیاض تھیں۔ سائل کبھی بھی آپ کے گھر سے خالی ہاتھ نہ گیا۔ اگر کچھ اور نہ ہوتا تو کھجور ہی اسے عطا فرما دیتیں تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کی وجہ سے بے حد سخی تھیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس مال و زر نہیں رکھتے تھے جو آتا اسی وقت تقسیم کر دیا، اسی وجہ سے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا بھی یہی طریقہ تھا۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا چونکہ ایک سخی باپ کی بیٹی تھیں اس لیے سخاوت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ جو بھی سائل گھر میں آتا اسے کچھ نہ کچھ ضرور عطا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند مساکین (جن میں عورتیں بھی شامل تھیں) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آئے اور بڑی لجاجت اور سوز کے ساتھ سوال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ام الحسین بیٹھیں ہوئی تھیں انہوں نے ان کو ڈانٹا اور سخت الفاظ استعمال کیے۔ حضرت سیدہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو منع کیا اور فرمایا:

''ہمیں اس کا حکم نہیں ہے۔''

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ ان کو کچھ نہ کچھ دو اور خالی ہاتھ نہ جانے دو۔ اگر گھر میں کچھ نہ ہو تو ایک ایک کھجور ہی ان کے ہاتھ میں رکھ دو۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا خود تو فیاض تھی ہی لیکن آپ دوسروں کو بھی اس طرف مائل فرماتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

''میرے پاس بہت مال جمع ہو گیا ہے کہ اب مجھے اس کی بربادی کا ڈر ہے۔''

سیدہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اسے خرچ کر دو! کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے کچھ صحابہ ایسے بھی ہیں جو میرے وصال کے بعد مجھے کبھی نہ دیکھیں گے۔''

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 1)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول تھے۔ کسی غلطی کی وجہ سے حکم ہونے کے باوجود جنگ تبوک میں شرکت نہ کر سکے۔ جنگ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سخت ناراض ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ ان کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ تمام مسلمانوں نے ان کا سوشل بائیکاٹ کیا حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے بیوی بچے بھی آپ سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی کئی مرتبہ سفارش کی۔ جس وقت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہونے کے سلسلے میں وحی نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ یہ رات کا وقت تھا۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی شفارش کرنے کی وجہ سے ان کی قبولیت توبہ کی خبر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر حکم ہو تو اس کی خبر کعب کے پاس بھیج دوں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں کا جم غفیر اکٹھا ہو جائے گا، پھر تمہیں کوئی سونے بھی نہیں دے گا۔''

غزوۂ بنو قریظہ میں یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ مشورہ کیلئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ ان کے بنو قریظہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات تھے۔ اس لیے انہیں امید

تھی کہ اس مشکل وقت میں ہماری ضرور کچھ مدد کریں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ایلچی بنا کر بھیج دیا تو تمام یہودان کے اردگرد جمع ہو گئے اور عورتوں اور بچوں نے رونا شروع کر دیا۔ ان کو روتا دیکھ کر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا۔ جب بنو قریظہ نے ان سے پوچھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو تسلیم کر لیں اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں۔؟ تو انہوں نے کہا: ''ہاں! بہتر ہے لیکن ساتھ ہی بے اختیاری میں ان کا ہاتھ گردن کی طرف اٹھ گیا اور انہوں نے اشارہ کر دیا کہ تمہیں قتل کرنے کا مسلمانوں کا ارادہ ہے۔ ابھی آپ اس مجلس سے ہٹے ہی تھے کہ دل میں خیال آیا کہ میں نے اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ خیانت کر دی ہے۔ جو راز مجھے نہ بتانا چاہیے تھا میں نے وہ ان کو بتا دیا ہے۔ چنانچہ آپ وہاں سے سیدھے مسجد نبوی شریف میں آئے اور اپنے آپ کو ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہیں فرما لیتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے مجھے کھول نہیں دیتے اس وقت تک نہ میں کچھ کھاؤں گا، نہ کچھ پیوں گا، نہ اس جگہ سے ہٹوں گا اور جس شہر میں مجھ سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت سرزد ہوئی ہے وہاں کبھی قدم نہ رکھوں گا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر وہ سیدھا میرے پاس آ جاتا تو میں اس کیلئے استغفار کرتا، لیکن اب چونکہ وہ ایسا کر گزرا ہے اس لیے میں اس کو اپنے ہاتھ سے اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔''

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ صرف قضائے حاجت اور نماز کیلئے ان کو کھول دیا جاتا تھا اور بعد از فراغت پھر باندھ دیا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نہ کچھ کھاتے اور نہ کچھ پیتے۔ آپ فرماتے:

''میں اسی طرح رہوں گا۔ جب تک میری توبہ قبول نہیں ہو جاتی یا مجھے موت نہیں آ جاتی۔''

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر ان کی سفارش کی۔ صبح جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو مسکرائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنسائے! اس وقت ہنسے کا کیا سبب ہے۔؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ابولبابہ کی توبہ قبول فرمالی ہے۔!"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ خوشخبری ابولبابہ کو سنادوں۔؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہاں! اگر چاہو تو۔"

چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے کے دروازے پر آئیں اور بلند آواز سے کہا!

"ابولبابہ! تمہیں مبارک ہو۔! اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے۔"

اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ سارا مدینہ مبارک باد دینے کیلئے مسجد نبوی میں اُمڈ آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ستون سے کھولنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے فرمایا:

"میں اس وقت تک نہ کھلوں گا جب تک مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ہاتھوں سے نہ کھولیں گے۔"

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کیلئے مسجد میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھولا۔

(الطبرانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 54) (زرقانی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 32) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 54) (البدایہ والنھایہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 119) (السیرۃ الحلبیہ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 146)

یکم ذی القعدہ 6 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کفار مکہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس قافلے کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا اور اس کے اردگرد کی آبادی اسی نام سے مشہور تھی۔ یہ مکہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ایلچی بنا کر کفار مکہ کے پاس بھیجا اور فرمایا:

"انہیں جا کر کہو کہ ہم لڑائی کیلئے نہیں آئے بلکہ ہمارا ارادہ صرف حج کا ہے۔ حج ادا

کرنے کے بعد ہم واپس چلے جائیں گے۔"

جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے تو کفار نے ان کو تو حج کرنے کی اجازت دے دی مگر باقی سب کو اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مسلمان تو حج نہ کریں اور عثمان حج کرلے۔"

چنانچہ کفار نے آپ رضی اللہ عنہ کو عزت واحترام سے روک لیا اور یہ خبر مسلمانوں تک پہنچا دی کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی جس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ جب کفار مکہ کو اس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ مسلمانوں کی بہادری اور جاں نثاری سے ڈر گئے اور ان 4 شرائط پر مسلمانوں سے صلح کر لی:

1: دس سال تک صلح رہے گی اور دونوں طرف سے آمد و رفت میں کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔

2: اس سال نہیں بلکہ اگلے سال سے مسلمانوں کو حج بیت اللہ کی اجازت ہوگی۔ طواف کے وقت مسلمانوں کے پاس کسی قسم کا ہتھیار نہیں ہوگا۔

3: تمام قبائل خود مختار ہیں کہ اگر وہ قریش کے ساتھ ملنا چاہیں تو فبہا اور اگر مسلمانوں کے ساتھ ملنا چاہیں تو پھر بھی ان پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔

4: اگر قریش کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے اور اگر کوئی مسلمان کافر ہو کر مکہ آ جائے تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کے تحت تمام شرطوں کو قبول کر لیا اور صلح پر دستخط کر دیئے۔ عام مسلمان اس حکمت کو نہ سمجھ سکے اور اس کو اپنی شکست گرداننے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے بعد مسلمانوں سے فرمایا:

"یہاں ہی قربانی کی جائے اور بال منڈوا کر احرام کھول لیا جائے۔"

شکستہ دل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی تعمیل میں کچھ تامل کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ حکم دیا مگر کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے ساتھیوں کا یہ رویہ دیکھا تو بہت ملول ہوئے اور اپنے خیمہ میں تشریف لے آئے۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو افسردہ دیکھا تو وجہ پوچھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا حال بیان کیا تو ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شکستہ دل مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو اچھی طرح نہیں سمجھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود باہر تشریف لے جا کر قربانی کریں اور احرام کھولنے کیلئے بال منڈوائیں۔ آپ کو دیکھ کر دوسرے صحابہ بھی اس پر عمل کرنے لگیں گے۔"

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورے کو قبول فرمایا اور خود باہر جا کر قربانی کا جانور ذبح کیا اور اپنے بال منڈوا لیے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حتمی ہے تو سب قربانیاں کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال مونڈھنے لگے۔

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 2731-2732) (الفتح الباری، کتاب الشروط، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 245) (مسند امام احمد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 323)

امام زرقانی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ صنفِ نازک (عورتوں) کی پوری تاریخ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جیسی اصابتِ رائے کی عظیم مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 272)

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اگرچہ جنگِ خندق میں شامل نہ تھیں لیکن مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنا قریب تھیں کہ آپ رضی اللہ عنہا کی گفتگو اچھی طرح سے سنتی تھیں اور دیکھتیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک گرد و غبار سے اَٹا ہوا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مسلمانوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے۔ میں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر پڑی جو کہ دوسرے صحابہ سے زیادہ اینٹیں اٹھا رہے تھے تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اے سمیہ کے بیٹے! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 289)

10 ہجری میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار شمع رسالت کے

پروانوں کے ساتھ 25 ذیقعد بروز ہفتہ حج کیلئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی تھیں۔ یہی وہ حج ہے جس کو حجۃ الوداع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مبارک موقع پر تمام ازواج مطہرات کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں لیکن وہ بیمار تھیں اور پیدل طواف نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے اپنا عذر بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب نماز فجر کھڑی ہو جائے تو آپ اونٹ پر سوار ہو کر ہی طواف کر لینا۔"

چنانچہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔

(صحیح البخاری، جلد نمبر 1، صفحہ 219)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے کہ آیت تطہیر نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ران پر حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اور دوسری ران پر حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ بٹھایا اور ان پر اپنی چادر اوڑھ کر فرمایا:

"رحمة الله و بركاته عليكم اهل البيت انه حميد مجيد

"اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر نازل ہوں اے میرے اہل بیت! بے شک اللہ بڑی تعریف والا اور بڑی شان والا ہے۔"

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میری والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر رو پڑیں۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے انہیں مخصوص کر دیا اور مجھے اور میری بیٹی کو چھوڑ دیا؟"

اس پر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیشک تم اور تیری بیٹی اہل بیت میں سے ہیں۔"

(المعجم الکبیر، جلد نمبر 24، صفحہ نمبر 281) (السمط الثمین، صفحہ نمبر 106) (تاریخ دمشق، لابن

عساکر، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 172) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 171)

آیتِ حجاب نازل ہونے سے پہلے خواتین پردہ کی پابند نہ تھیں لیکن پھر بھی پردہ عزت کی علامت ہے۔ جتنے بھی روسا ہوتے وہ اپنی خواتین کو پردے میں رکھتے اور کسی غیر کے سامنے لانے میں شرم محسوس کرتے۔ جو خواتین جتنی باپردہ ہوتی ان کی عزت و شرافت اتنی ہی زیادہ ہوتی۔ چونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن معزز ترین اور پاکیزہ ترین خواتین تھیں اس لیے وہ آیتِ حجاب نازل ہونے سے قبل بھی سوائے قضائے حاجت کے باہر نہ جاتی اور اپنے قریبی عزیزوں کے سوا کم ہی کسی سے ملتی تھیں، لیکن جب آیتِ حجاب نازل ہوئی تو اب صرف ذی محرم لوگوں سے ملنے کی اجازت ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی تھے اور مسجد نبوی کے موذن بھی تھے۔ چونکہ وہ نابینا تھے اس لیے ازواج مطہرات کے حجروں میں آجایا کرتے تھے۔ جب آیتِ حجاب نازل ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ازواج کو ان سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو نابینا ہیں ہمیں تو دیکھ بھی نہیں سکتے۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم تو ان کو دیکھتی ہو۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 296)

حج الوداع کے موقع پر حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا غلام بنہان بھی تھا جس نے اونٹ کی مہار پکڑی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب غلام مکاتب کرلے اور اس کے پاس اتنا مال ہو جائے کہ جس کو ادا کرکے وہ آزادی حاصل کرسکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے۔"

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حدیث کے سماع کا بہت شوق تھا اس لیے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بھی قول اور فعل دیکھتیں تو اسے محفوظ کرلیتیں اور جس بات کی سمجھ نہ آتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتیں۔ علمی لحاظ سے اگرچہ تمام ازواج مطہرات بہت بلند مرتبہ پر فائز ہیں لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی جواب نہ تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج حدیث کا خزانہ تھیں تاہم حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا ان میں کوئی حریف و مقابل نہ تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا قرآن مجید کی تلاوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کرتی تھیں۔ آپ کی طرز اور لہجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز اور لہجے سے بہت ملتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں۔؟"

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر آیت الگ الگ کر کے تلاوت فرماتے تھے اور پھر خود اس طرح تلاوت کر کے سنائی۔

علم قرآن کے علاوہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا حدیث اور فقہ میں بھی اپنی مثال آپ تھی۔ سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا سے 387 احادیث مروی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نہ صرف عالمہ تھیں بلکہ فصاحت و بلاغت اور سائل کو مطمئن کرنا بھی آپ کا ایک فن تھا۔ بعض حضرات میں علم تو بہت ہوتا ہے لیکن وہ سائل کو مطمئن نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے سائل در بدر سوال پوچھتا رہتا ہے۔ جب بھی کوئی سائل آپ رضی اللہ عنہا سے کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ اس وقت تک مطمئن نہ ہوتیں جب تک اس کی تشفیع نہ ہو جاتی۔

آپ رضی اللہ عنہا کی علمی ثقاہت و فقاہت کا اندازہ ابن قیم کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاوی کو جمع کیا جائے تو ایک مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا کے فتاوی بالعموم متفق علیہ ہیں۔ اگر آپ کے علمی مقام کا اندازہ کرنا ہو تو ان کے شاگردوں پر نظر ڈالیں جس میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نظر آتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، اسامہ بن زید، مصعب بن عبداللہ، عبداللہ بن رافع، سلیمان بن یسار، ابو عثمان النہدی، سعید بن المسیب، ابو وائل، عبدالرحمٰن بن حارث، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عثمان بن عبداللہ، عروہ بن زبیر، نافع، شعبہ، کریب مولا ابن عباس، نافع مولی ابن عمر، ہند بنت حارث، سفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابو سلمہ، خیرۃ

ام حسن بصری، صفیہ بن محصن، وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مروان بن حکم اکثر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ مروان تو یہ بھی کہتا تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں مسائل دریافت کریں۔؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے علم و فضل کے خزانے حاصل کیے۔ علم و فضل کے علاوہ حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زہد و تقویٰ میں بھی بے مثال تھیں۔ فرائض و سنت کی ادائیگی تو ایک طرف آپ نفلی عبادات کی بہت کثرت فرماتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا ہر ہفتے میں پیر، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھتیں تھیں۔ آپ شریعت مطہرہ کی سختی سے پابند تھیں اور اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرتا تو فوراً اسے ٹوک دیتیں۔ اس کی مثال کیلئے اتنا بیان کرنا ہی کافی ہے کہ بعض امراء نے نماز کے مستحب اوقات کو چھوڑ دیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے ان کو تنبیہہ فرمائی اور کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرتے تھے اور تم جلدی پڑھتے ہو۔؟"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 28)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما عصر کے بعد (مغرب سے تھوڑی دیر پہلے) دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ مروان بن حکم نے ان سے پوچھا کہ آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی خالہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسی نماز پڑھا کرتے تھے۔

مروان نے اس بات کی تصدیق کیلئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی بھیجا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"مجھے یہ حدیث ام سلمہ سے پہنچی ہے۔"

چنانچہ جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"خدا عائشہ کی مغفرت فرمائے انہوں نے بات نہیں سمجھی۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بعد میں) ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمادی تھی۔"

(صحیح البخاری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 627) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 299-303)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ رمضان المبارک میں غسلِ جنابت صبح اٹھتے ہی کرنا چاہیے ورنہ روزہ نہیں ہوتا۔ اس کا ذکر کسی نے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے کیا تو دونوں نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو جنابت کی حالت میں روزہ رکھتے تھے۔!"

جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سنا تو ان کا رنگ اُڑ گیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنے خیال سے رجوع کیا اور کہا:

"میں کیا کروں۔؟ مجھے فضل بن عباس نے اسی طرح بیان کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمہ زیادہ جانتی ہیں اس لیے میں اپنے عمل سے رجوع کرتا ہوں۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 306)

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی اولاد نہ تھی، لیکن پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت درہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ وصال کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر چوراسی سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نمازِ جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا نے پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

سیدہ حفصہ بنت عمر:

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کردار، گفتار، عباوات و ریاضت اور شب بیداری میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی مگر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ہر وقت خوشنودیٔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مصروف رہتیں۔

آپ رضی اللہ عنہا بلند ہمت، حق گو، سخاوت شعار، حاضر جواب اور بہت زیادہ سمجھ دار تھیں۔ آپ اکثر روزے سے ہوتیں۔ تلاوت قرآن مجید آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ آپ اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب قریش کعبہ شریف کی تعمیر میں مصروف تھے۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نام حفصہ اور والد کا نام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھا۔ والد محترم کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے:

''حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔''

جنابِ لوی پر آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا تھا جو کہ مشہور صحابی سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ آپ خود بھی صحابیہ تھیں اور فقیہ اسلام حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا نسب یوں ہے:

''زینب بنت مظعون بن حبیب بن وھب بن حذافہ بن جمع۔''

(عیون الاثر، لابن عبدالبر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 395) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 186) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 81)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو السابقون الاولون یعنی ابتداء میں ہی قبول اسلام کا شرف حاصل کرنے والے تھے جیسے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا آپ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی مشرف با اسلام ہو گئیں اور ساتھ ہی آپ کے دیگر گھر والے بھی مسلمان ہو گئے۔ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ہوش سنبھالا تو اس وقت ان کے تمام گھر والے مسلمان تھے۔

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ یہ بھی مسلمان تھے اور قبیلہ السہمی سے تعلق رکھتے تھے۔ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ نے اعلانِ نبوت کے چھ سال بعد حبشہ کی طرف ہجرت کی اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت مدینہ سے کچھ عرصہ قبل مکہ واپس آ گئے اور کچھ عرصہ بعد حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

حضرت خنیس رضی اللہ عنہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جانباز سپاہی تھے۔ انہوں

نے 2 ہجری میں جنگِ بدر میں شرکت کی اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ آپ رضی اللہ عنہ 3 ہجری میں غزوہ احد میں شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے۔ اس جنگ میں آپ کو کچھ کاری زخم بھی آئے۔ آپ کو مدینہ واپس لایا گیا اور علاج معالجہ کیا گیا لیکن یہ زخم صحیح نہ ہو سکے اور آپ نے انہیں زخموں کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں اور ان کی عدت پوری ہو گئی تو میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا ان دنوں اُن کی زوجہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو چکا تھا۔ جب میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ رضی اللہ عنہ کو بہت مغموم پایا۔ جب میں نے ان سے غمگین ہونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا:

"میں اس لیے پریشان ہوں کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو سسرالی رشتہ تھا وہ منقطع ہو گیا۔"

میں نے ان سے کہا:

"فعرضت عليه حفصة"

"میں آپ پر حفصہ کا رشتہ پیش کرتا ہوں۔؟"

انہوں نے کہا:

"میں اس پر غور کروں گا۔"

کچھ دنوں بعد جب دوبارہ ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا:

"ابھی میں نکاح نہیں کرنا چاہتا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

پھر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا:

"ان شئت زوجتك حفصة"

"اگر آپ چاہیں تو حفصہ سے نکاح کر لیں۔"

میری بات سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے ابوبکر کی اس بے توجہی پر کچھ رنج ہوا تو میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کیا اور عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے عثمان کو بھی حفصہ کے ساتھ نکاح کی پیشکش کی لیکن انہوں نے بے التفاتی سے کام لیتے ہوئے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یتزوج حفصة من هو خیر من عثمان و یتزوج عثمان بن خیر من حفصة"

"حضرت حفصہ سے شادی وہ کریں گے جو عثمان سے بہتر ہوں گے اور عثمان اس سے شادی کریں گے جو حفصہ سے بہتر ہوں گی۔"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور خود حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 5122) (السنن النسائی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 83-77) (مسند امام احمد حنبل، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 12) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 83) (صحیح البخاری، کتاب النکاح، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 767) (جامع الاصول، جلد نمبر 11، صفحہ نمبر 408)

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 3 ہجری میں ہوا۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 81) (صفۃ الصفوۃ، لابن جوزی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 38) (الفتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 81) (تہذیب الاسماء والصفات، للنووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 338) (الانساب الاشرف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 422) (سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 227)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جب حرم نبوی میں داخل ہوئیں اس وقت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں دو ازواج حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سن رسیدہ تھیں اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہم پلہ اور ہم عمر تھیں۔

حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اس لیے ان کے مزاج میں اپنے والد کی طرح تیزی تھی۔ اس تیزی کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو بھی کر لیتی تھیں۔ چنانچہ حضرت سیدنا

عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم لوگ زمانۂ جہالت میں عورتوں کو ذرا برابر بھی اہمیت نہ دیتے تھے لیکن اسلام کی برکت سے ان کی عظمت وشان بہت زیادہ ہوگئی اور جب خواتین کے بارے میں آیات نازل ہوئیں تو ان کی قدر وعظمت اور زیادہ ہوگئی۔ ایک مرتبہ میری بیوی نے مجھے کسی معاملے میں رائے دی تو میں نے اس سے کہا: ''تم کو رائے اور مشورے سے کیا تعلق۔؟'' اس نے جواب دیا: ''اے ابن خطاب! تم کو میری ذرا سی بات بھی برداشت نہیں ہوئی حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر کی گفتگو کرلیتی ہے۔؟''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ سن کر فوراً اٹھا اور حفصہ کے پاس گیا اور ان سے کہا:

''بیٹی! یہ میں نے کیا سنا ہے کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے۔؟''

وہ بولیں:

''ہاں! ہم ایسا کرتی ہیں۔''

میں نے کہا:

''خبردار! میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں۔ تم اس خاتون (عائشہ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔''

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی تیزی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ دیکھا تو ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا:

''مجھے حفصہ نے تانہ دیا ہے کہ تم ایک یہودی کی بیٹی ہو۔!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حفصہ خدا سے ڈرو۔''

پھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"صفیہ! تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور تم پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے۔؟"

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول مبارک تھا کہ عصر کی نماز کے بعد تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں تھوڑی دیر کیلئے حال احوال دریافت کرنے کیلئے تشریف لے جاتے۔ اتفاقاً چند روز حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں معمول سے زیادہ دیر ہو گئی جس کی وجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معلوم کی تو پتہ چلا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے کسی عزیز نے شہد انہیں تحفتاً بھیجا ہے چونکہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد بہت پسند تھا اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لاتے تو وہ شہد پیش کرتیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تناول فرماتے، اس لیے معمول سے ذرا زیادہ دیر آپ کے ہاں رکتے۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا ذکر حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور کہا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ چونکہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نظافت پسند تھے اس لیے آپ کو ذرا سی بدبو بھی ناگوار گزرتی۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ طے ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے ہاں تشریف لائیں تو ہر کوئی یہ پوچھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بو کیسی آ رہی ہے۔؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ میں نے شہد کھایا ہے تو کہنا چاہیے کہ شہد مغافیر کا شہد تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہے۔ مغافیر عرب میں ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس میں ذرا سی نبیذ جیسی بو ہوتی ہے۔ چونکہ شہد کی مکھیاں جس قسم کا پھولوں سے رس چوستی ہیں شہد میں اس قسم کا ذائقہ اور بو بھی آ جاتی ہے۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ معمول سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے حسب پروگرام یہی سوال و جواب کیا۔ پھر حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی سوال و جواب کیا اور جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا ہی کیا تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سخت ناپسند کیا کہ ان کے منہ سے مغافیر کی بو آئے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد نہ کھانے کی قسم کھالی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئی:

"یا ایھا لنبی لم تحرم ما احل اللہ لك تبتغی مرضات ازواجك"

(القرآن الکریم، سورۃ تحریم، آیت نمبر 1)

"اے نبی! اپنی بیویوں کی خوش دلی کیلئے اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو۔؟"

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کیا۔

(صحیح البخاری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 729)

واقعہ تحریم کے کچھ دن بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دی اور تاکید فرمائی کہ اسے کسی اور کو نہ بتانا لیکن وہ اس بات کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوشیدہ نہ رکھ سکیں، اس پر یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں:

"واذاسر النبی الی بعض ازواجه حدیثا فلما نبأت به واظهره الله علیه عرف بعضه واعرض عن بعض فلما نبأها به قالت من انبأك هذا قال نبأنی العلیم الخبیر ○"

"اور جب پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے اس کو افشا کر دیا اور اللہ نے اپنے نبی کو اس کی خبر کر دی اور نبی نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ نہ کہا تو انہوں نے کہا کہ کس نے آپ کو خبر کر دی تو نبی نے کہا مجھے خدائے علیم وخبیر نے خبر دی ہے۔"

ان آیات کے شان نزول کے متعلق حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کے گھر گئی ہوئی تھی کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کیلئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اصابت فرمائی۔ چونکہ یہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا اس لیے جب انہیں اس بات کا پتہ چلا تو انہیں بہت غیرت آئی اور بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ سے ایسی بات پہنچی ہے جو آپ نے اپنی ازواج میں سے کسی دوسری زوجہ کو نہیں دی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اچھا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میں اسے اپنے لیے حرام کرلوں اور پھر اس سے

قرابت نہ کرو۔"

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"حضور! میں کیوں نہ راضی ہوں گی۔؟"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"اس بات کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا۔"

لیکن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کا ذکر حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے آگاہ کر دیا اور مندرجہ بالا آیات نازل فرمائیں۔

(تفسیر طبری، جلد نمبر 28، صفحہ نمبر 157) (تفسیر ابن کثیر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 412) (الفتح الباری، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 525) (الدر المنثور، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 214)

چونکہ ام المومنین سیدہ حفصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راز کو پوشیدہ نہ رکھ سکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراض ہو کر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک طلاق دے دی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک طلاق دے دی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا:

"یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے حفصہ کو طلاق دے دی جب کہ وہ روزے رکھنے والی، راتوں کو نماز پڑھنے والی ہے اور وہ تو جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہوں گی۔"

پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رجوع کرلیا۔

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اسی لیے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی تعلیم کا خاص اہتمام فرماتے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت شفا بنت عبداللہ عدویہ رضی اللہ عنہا نے ان کو لکھنا سکھایا اور ان کو چیونٹی کے کاٹنے کا دم بھی سکھایا۔ بعض اہل سیرت و مورخین کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے تمام کتابت شدہ اجزاء اکٹھے کر کے ان کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے

پاس رکھوا دیا اور یہ اجزاء تا زندگی ان کے پاس رہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر قرآن مجید کا نسخہ تیار کروایا تو ان اجزاء کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو ترتیب دیا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب قرآن مجید کے نقول تیار کروانے کیلئے اور سرکاری اخراجات سے عوام کو قرآن مجید مہیا کرنے کیلئے نسخے تیار کروائے تو جس نسخے کو بطور نمونہ سامنے رکھا گیا وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نسخہ تھا۔ اس کی نقول کی تیار کرنے کے بعد وہ ان کو واپس کر دیا گیا۔ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو دین میں تفقہ کا بھی ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ وہ مختلف آیات پر غور و فکر کرتیں اور ان سے مختلف نکات نکالتیں رہتیں۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج شناس تھیں اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موڈ دیکھ کر بے باکی کے ساتھ سوالات پوچھ لیا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب بھی مفصل دے دیا کرتیں تھیں۔ ام مبشر انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی موجود تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب حدیبیہ جہنم میں داخل نہیں کیے جائیں گے۔"

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر عرض کیا کہ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وان منکم الا واردھا کان علی ربك حتما مقضیا

(القرآن الکریم، سورۃ تحریم، آیت نمبر 7)

"تم میں سے ہر شخص جہنم میں سے گزرنے والا ہے۔ یہ تیرے رب پر لازم ہے جو پورا ہو کے رہے گا۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہاں۔! اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تو ارشاد فرمایا ہے:

"ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا"

"پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو ڈرتے تھے اور ظالموں کو اس میں گرا ہو چھوڑ دیں گے۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 285)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام و تابعین کرام نے

تعلیم حاصل کی۔ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر، حمزہ بن عبداللہ، مطلب بن ابی وداعہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، عبداللہ بن صفوان بن امیہ عبدالرحمٰن تیتر بن شکل، صفیہ بنت ابی عبیدہ (زوجہ عبداللہ بن عمر) حارثہ بن وہب، ام بشر انصاریہ رضوان اللہ علیہم۔

تدوینِ حدیث میں بھی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا بڑا ہاتھ ہے۔حضرت عمرو بن رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ام المومنین کیلئے مصحف لکھا کرتا تھا۔

کتب احادیث میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے ساٹھ احادیث مروی ہیں، چار متفق علیہ ہیں، چھ مسلم شریف میں ہیں اور باقی دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔

سیدہ حفصہ کے بے شمار فضائل ہیں:

1: ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کروایا۔ چنانچہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بے التفاتی کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے عثمان کا نکاح تیری بیٹی سے زیادہ اچھی عورت سے کر دیا ہے اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا ہے۔"

2: سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دنیا و آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پیغام دے کر بھیجا:

"میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ اس طلاق سے رجوع کر لیں کیونکہ حفصہ رضی اللہ عنہا جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہوں گی۔"

دنیا میں اور جنت میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونا بہت بڑی فضیلت ہے۔

3: ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے سات آدمیوں نے جنگ بدر میں شرکت کی یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔وہ سات افراد یہ ہیں۔!

آپ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، آپ کے چچا حضرت زیاد رضی اللہ عنہ، آپ کے شوہر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ، آپ کے تین ماموں حضرت عثمان بن

مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون، حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہم اور ان کے ماموں کے بیٹے حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔

4: ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طویل نمازوں کی گواہی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام دیا:

"اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ حفصہ سے رجوع فرمالیں، کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی، بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور بہت زیادہ پرہیز گار خاتون ہے۔

5: وصال کے وقت بھی حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا روزے کی حالت میں تھیں۔

6: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت شدہ قرآن مجید کے اجزاء کو جمع کر کے حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیا۔ جو تا زندگی آپ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جو کسی اور زوجہ کے حصے میں نہیں آیا۔

7: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جو نقلیں تیار کروائیں وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخہ کو دیکھ کر تیار کی گئیں۔ ہمارے پاس جو قرآن پاک کے نسخے ہیں وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نسخے کے عین مطابق ہیں۔

8: ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالمہ اور فقیہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تعلیم کا خود انتظام فرمایا اور حضرت شفاء بنت عبداللہ عدویہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ ان کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

9: اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی صریح مخاطب فرمایا ہے۔ یہ اعزاز کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہے۔

10: ام المومنین سیدہ عائشہ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرماتی ہیں:

"جس طرح آپ کے والد گرامی حضرت عمر فاروق مضبوط ارادے کے مالک ہیں ویسی ہی ان کی صاحبزادی حضرت سیدہ حفصہ بھی مضبوط ارادے کی مالکہ ہیں۔"

11: ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دینی مسائل پوچھنے اور بات کرنے میں بہت جری

تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا قرآنِ مجید کی آیات سے نقاط نکالتی رہتیں اور جس بات میں کچھ مشکل محسوس کرتیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا جھجک پوچھ لیتیں۔

12: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر دے دی تھی کہ میرے بعد حضرت ابوبکر اور ان کے بعد تمہارے والد عمر فاروق لوگوں کے امیر ہوں گے۔

13: ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وصال سے قبل اپنے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو وصیت کی کہ میری تمام جائیداد فروخت کر کے اللہ کی راہ میں تقسیم کر دینا۔

(عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 396)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو امت میں اختلاف سے سخت نفرت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ مبارکہ میں جب جنگِ صفین کا واقعہ پیش آیا اور اس کا خاتمہ تحکیم پر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو فتنہ سمجھ کر گوشہ نشین ہونا چاہتے تھے، کیونکہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے کے سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی گفتگو منافقین کے ہنگامے کی نظر ہو گئی تھی۔ ایک دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بہن حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا:

"آپ دیکھ رہی ہیں کہ لوگوں کا کیا حال ہے۔؟ اس لیے میں اس معاملے سے گوشہ نشیں ہونا چاہتا ہوں۔"

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"گو کہ اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہے تاہم اس کوشش میں تمہیں شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور مجھے ڈر ہے کہ تمہارے نہ جانے سے اور گوشہ نشینی اختیار کرنے سے ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔"

چنانچہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے سمجھانے پر معاملہ کی اصلاح میں شریک رہے۔

(صحیح البخاری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 589)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ مدینہ طیبہ میں صیاد نامی ایک شخص تھا اس میں دجال کی بہت سی علامات پائی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کے متعلق کچھ شک تھا۔ ایک دن اس کی حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سر

راہ ملاقات ہو گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا، لیکن وہ آپ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے سخت سست کہا۔ اس پر وہ اس قدر پھولا کہ سارا راستہ بند ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ چونکہ بہت بہادر اور زاہد تھے اس لیے اس کو مارنا شروع کر دیا۔ اس بات کی خبر جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

"تمہیں اس سے کیا غرض۔؟ اس کو چھوڑ دو۔! تمہیں پتہ نہیں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہو گا۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 283)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بہت زیادہ پیار تھا اور یہ ہر کام باہمی مشاورت سے کرتی تھیں، لیکن مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ حصہ حاصل کرنے کیلئے ان میں کبھی کبھار شک و رقابت کا اظہار ہو جاتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں شریک تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتے اور ان سے باتیں کرتے رہتے۔ ایک روز سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

"آج رات میں تمہارے اونٹ پر اور تم میرے اونٹ پر سوار ہو گی۔"

اس پر وہ راضی ہو گئیں۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنے اپنے اونٹ بدل لیے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ اس میں عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں بلکہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے باتیں کرنے لگے۔ جب یہ قافلہ منزل پر پہنچا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک قسم کی گھاس) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں:

"اے اللہ! کسی سانپ یا بچھو کو مقرر کر کہ وہ مجھے ڈس جائے۔"

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان 45 ہجری میں مدینہ طیبہ میں تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہا کا دور خلافت تھا۔ مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دیر تک جنازے کو کندھا بھی دیا۔ پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی

اللہ عنہ جنازے کو قبر تک لے گئے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عمر کے صاحبزادوں حضرت عاصر، حضرت سالم، حضرت عبداللہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا۔

(طبقات ابن سعد ،جلد نمبر 8،صفحہ نمبر 86)(المستدرک للحاکم ،جلد نمبر 4،صفحہ نمبر 15)(العیون الاثر ،جلد نمبر 2،صفحہ نمبر 296)(اسد الغابہ،جلد نمبر 7،صفحہ نمبر 67)(الاستیعاب،جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1812)(تہذیب الاسماء والصفات،للنووی،جلد نمبر 2،صفحہ نمبر 339)

سیدہ زینب بنت جحش:

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں چھٹا نمبر ہے۔ آپ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں۔ آپ خود اپنے نکاح کے ولی ہونے کے اعتبار سے تمام ازواج مطہرات میں ممتاز ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج سے کہا کرتیں:

”لیست امرۃ منهن الا زوجها ابوها او اخوها او اهلها غیری زوجنی الله من السماء“

”میرے علاوہ ان میں سے ایسی کوئی بھی عورت نہیں مگر اس کی شادی یا تو اس کے باپ یا اس کے بھائی یا اہل خاندان نے کی مگر میری شادی کا آسمان سے خود اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ اہتمام فرمایا۔“

حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا وہ عظیم المرتبت خاتون ہیں جن کی وجہ سے اسلام سے دو ایسی رسموں کا قلع قمع ہوا جو اسلامی مزاج کے سخت خلاف تھیں۔ ان میں ایک تو غلام اور آزاد، غریب اور مالدار، صاحب نسب اور غلام کے درمیان تمیز کا خاتمہ کر کے سب کو مساوی حقوق عطا کرنا اور دوسرا اپنے متبنیٰ بیٹے کی بیوی سے بعد از طلاق نکاح کرنا شامل تھا جس کو عرب بہت برا خیال کرتے تھے۔

ام المومنین کا پہلا نام برہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تبدیل کر کے زینب رکھا۔ اس طرح آپ کا نام زینب اور کنیت ام الحکم تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا قریش کے خاندان اسد بن خذیمہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اعلان نبوت سے سترہ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام جحش بن راب تھا۔ والد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا نسب نامہ کچھ یوں ہے:

زینب بنت جحش بن راب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خذیمہ۔

آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام امیمہ تھا جو جناب عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اس طرح آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی والدہ امیمہ دونوں جناب عبد المطلب کی بیوی فاطمہ بنت عمرو مخزومی کے بطن سے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ امیمہ کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔

(صحیح المسلم، حدیث نمبر 2142)(صحیح البخاری، باب الادب المفرد، حدیث نمبر 821)

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا قریش کے معزز ترین خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دولت اسلام سے مالا مال ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا دین داری، پرہیز گاری، زہد و تقویٰ اور حق گوئی میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً سات سال تھی تو ان کی والدہ ان کو ساتھ لے کر اپنے میکے ملنے جا رہی تھیں کہ راستے میں ڈاکوؤں نے قافلے کو لوٹ لیا اور سب مال و اسباب کے ساتھ لوگوں کو بھی غلام بنالیا۔ ان میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ڈاکوؤں نے آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ میں آکر فروخت کر دیا۔ آپ کو حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید لیا اور پھر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا والد ایک شاعر تھا اور اپنی قوم بنی کلب کے

اشراف میں سے تھا۔ وہ اپنے چچا کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتا ہوا مکہ پہنچ گیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجودگی سے آگاہ ہو گیا۔ جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا:

"یا ابن عبد المطلب یا ابن سید قومه انتم جیران الله تفکون العانی، وتطعیمون الجائع، وقد جئناك فی ابننا فتحسن الینا فی فداته"

"اے عبد المطلب کے بیٹے! اپنی قوم کے سردار! تم خدا کے پڑوسی ہو! تم قیدیوں کو چھڑاتے ہو! بھوکوں کو کھلاتے ہو! ہم اپنے بیٹے لیے حاضر ہوئے ہیں۔!"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا::

"میں اسے بلاتا ہوں اور اسے اختیار دیتا ہوں۔ اگر وہ تمہیں اختیار کر لے تو تمہارا اور اگر مجھے اختیار کر لے تو میرا اور جو مجھے اختیار کر لے تو میں اس پر ہرگز کسی کو اختیار نہیں دیتا۔ انہوں نے اس بات کو قبول کر لیا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور انہیں اختیار دیا گیا تو انہوں نے اپنے والدین کی بجائے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ اس وقت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے سامنے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ اس دن سے آپ رضی اللہ عنہ زید بن حارثہ کی جگہ زید بن محمد کے نام سے مشہور ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک سیاہ فام غلام سے سفید فام اور عرب لوگوں کا سردار بنا دیا اور جب مواخات قائم فرمائیں تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ یہ ظلم و جبر کی پستی ہوئی اس مخلوق پر اتنا بڑا احسان ہے جس کی مثال دینے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا تا کہ غلام اور آقا، امیر اور غریب، اعلیٰ نسب اور ادنیٰ نسب وغیرہ کی تمام تمیزات ختم ہو جائیں۔

جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بالغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی باندی برکہ (ام ایمن) سے کر دیا۔ ام ایمن حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت تھیں۔ ان کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آ گئیں۔ یہ ابتدائی دور میں ہی اسلام کی

دولت سے مالا مال ہوئیں۔ مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت بھی کی۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی قدر ومنزلت اور بڑی عزت واحترام فرمایا کرتی تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو کہ بہت جلیل القدر صحابی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے دوسرے نکاح کا پیغام اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کیلئے بھیجا، لیکن انہوں نے اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا کہ ایک اعلیٰ نسب کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام سے کیونکر ہوسکتا ہے۔؟

عرب کا یہ دستور تھا کہ غلام سے مناکحت کو اپنے لیے ننگ و عار سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ اسلام بڑے اور چھوٹے اعلیٰ بنسب اور غلام کے درمیان تفریق کو ختم کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نکاح کو مثال بنانا مقصود تھا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمادی:

”وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا مبینا○“

(القرآن المجید، سورۃ احزاب، آیت نمبر 36)

”کسی بھی مومن مرد یا عورت کیلئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں پھر ان کو اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے روگردانی کرے وہ کھلم کھلا گمراہی میں جا پڑا۔○“

جب اس آیت مبارکہ کی خبر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو وہ فوراً اس نکاح کے لیے تیار ہو گئے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا اور ان کا مہر دس دینار، ساٹھ درہم، چار کپڑے، پچاس مد غلہ اور تیس صاع کھجوریں مقرر کیا۔ نکاح کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے لگیں۔ چونکہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اس نکاح کو پسند نہیں کرتی تھیں اور اپنے اعلیٰ نسب ہونے کا اظہار کرتی تھیں اس لیے ابتدائی دنوں سے ہی دونوں میاں بیوی کے درمیان رنجش شروع ہو گئی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا

کرتے اور اکثر کہتے کہ میں نے زینب کو چھوڑ دینا ہے، لیکن مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دینے سے منع کرتے اور فرماتے:

"تم نے میری خاطر اس تعلق کو قبول کیا ہے اس لیے اسے چھوڑنے سے مجھے ندامت ہوگی۔"

المختصر! بار بار کی لڑائی سے تنگ آکر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ یہ شادی بمشکل ایک سال قائم رہ سکی۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی اس وقت آپ کی عمر 34 سال اور طلاق کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر 35 سال تھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بار بار طلاق دینے سے منع فرماتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید فرقان حمید فرماتا ہے:

"واذ تقول للذی انعم اللہ علیه وانعمت علیه امسك علیك زوجك واتق اللہ"

(القرآن المجید، پارہ نمبر 22، سورۃ احزاب، آیت نمبر 37)

"اور جب تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور خدا سے ڈرتے رہو۔"

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو کچھ عرصہ بعد مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ ان سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک لڑکی رقیہ رضی اللہ عنہا اور ایک لڑکا زید بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور ان کی عدت پوری ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ زینب سے نکاح فرمالیں۔ چونکہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اس لیے آپ علیہ السلام منافقین کی باتوں سے پس و پیچ فرما رہے تھے۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جس طرح حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح نہیں ہو سکتا ویسے ہی منہ بولے بیٹے کی بیوی

سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا اور سگے بیٹے کی طرح وہ بھی جائیداد اور دیگر معاملات میں وارث ہوتا ہے۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار اور خاص کر منافقین کی باتوں کی وجہ سے اس نکاح میں دیر فرما رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا دوسرا حصہ نازل فرمایا:

”و تخفي في نفسك ما الله مبديه و تخش الناس و الله احق ان تخشئه“

”اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے دل میں وہ بات جس کو اللہ تعالیٰ فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن وتشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔“

امام زین العابدین بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی وجہ سے جس بات کو چھپا رہے تھے وہ یہ تھی:

”ما اوحی اللہ تعالیٰ بہ الیہ ان زینب سیطلقھا زید و یتذوجھا علیہ الصلوٰۃ والسلام“

(تفسیر روح المعانی، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 24)

”اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی کہ حضرت زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح فرمائیں گے۔“

دوسری بات جو مفسرین نے بیان کی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین اور کفار کی طعن تشنیع کی وجہ سے یہ نکاح نہیں فرما رہے تھے کہ وہ کیا کہیں گے کہ محمد نے اپنے متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کر لیا، لیکن جب آیت کا یہ حصہ نازل ہوا تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح کیلئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ہی انتخاب کیا۔ اس انتخاب میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مرضی سے ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں پیغام نکاح دیا تو انہوں نے اسی وقت کہا:

”میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک میں اپنے پروردگار سے مشورہ (استخارہ) نہ کر لوں۔“

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا استخارہ کیلئے مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں۔ علماء فرماتے ہیں چونکہ حضرت

زینب رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں اپنے عزیز یا رشتہ دار سے مشورہ طلب نہیں کیا تھا بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے رجوع کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص ولایت سے فرشتوں کی موجودگی میں آپ کا نکاح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا اور تمام آسمانوں پر اس کا اعلان بھی فرما دیا۔ اب باری زمین پر اس نکاح کے اعلان کی تھی چنانچہ اللہ رب العزت نے یہ آیت مبارکہ نازل فرما دی:

"فلما قضیٰ زید منها و طرا زوجنکها لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاء هم اذا قضوا منهن وطرا و کان امر الله مفعولا ٥"

(القرآن المجید، سورۃ احزاب، پارہ نمبر 22، آیت نمبر 37)

"پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تا کہ ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں اور اللہ کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے۔ ٥"

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متبسم ہوئے اور فرمایا:

"کون ہے جو حضرت زینب کے پاس جائے اور انہیں بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ان کا نکاح مجھ سے کر دیا ہے۔؟"

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا بھاگی ہوئی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچی اور انہیں یہ خوشخبری سنائی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اتنا خوش ہوئیں کہ اپنا سارا زیور جو اس وقت آپ نے پہن رکھا تھا سلمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، سجدہ شکر ادا کیا اور یہ منت مانی کہ اس نعمت کے ملنے پر دو ماہ کے روزے رکھوں گی۔

(الاصابہ، رواہ ابن سعد عن ابن عباس، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 313)

نکاح کے بعد اللہ رب العزت نے نے فرمایا:

"ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبیین و کان الله بکل شئ علیما ٥"

"اور محمد تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین

ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

اور ساتھ ہی ساتھ یہ حکم بھی دے دیا:

"ادعوهم لآبائهم"

"لوگوں کو ان کے حقیقی باپ کی نسبت سے پکارا کرو۔"

اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد نہیں بلکہ زید بن حارثہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح ہو جانے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور بغیر اجازت کے گھر میں داخل ہو گئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بغیر خطبہ اور بغیر گواہ کے میرے ساتھ نکاح فرما لیا ہے۔؟"

تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تیرے ساتھ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر کر دیا ہے اور جبرائیل اور دوسرے فرشتے اس نکاح کے گواہ ہیں۔"

(صحیح المسلم، حدیث نمبر 1428)(السنن النسائی، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 79)(مسند امام احمد، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 195)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو مجھے خیال ہوا کہ زینب بنت جحش میں حسن و جمال تو پہلے سے موجود ہے اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح آسمانوں پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے۔

(الاصابہ، ترجمہ زینب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 313)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے کے بعد مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا!

"تمہارا نام کیا ہے۔؟"

سیدہ نے جواب دیا:

"میرا نام برہ ہے۔"

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کا نام تبدیل کر کے زینب رکھ دیا۔

(صحیح المسلم، حدیث نمبر 2142)(البیہقی، فی الاداب، حدیث نمبر 611)

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آسمانوں پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ رب العزت نے فرمایا اور زمین پر آپ رضی اللہ عنہا کا خطبہ نکاح آپ کے بھائی ابواحمد بن جحش نے پڑھا۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح تین، چار یا پانچ ہجری میں ہوا۔

(ابن عبدالبر فی الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1849)(البیہقی فی دلائل النبوہ، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 467)

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا حق مہر چار سو درہم مقرر فرمایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو میری والدہ ام سلیم (جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ میں خالہ لگتی تھیں) نے مالیدہ بنایا اور اس کو ایک طشت میں رکھ کر مجھے کہا:

"انس! اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرنا کہ میری والدہ نے بھیجا ہے، وہ آپ کو سلام کہتیں ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ یہ ہماری طرف سے ایک قلیل ساھدیہ ہے، قبول فرمائیں۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ مالیدہ لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی والدہ کی طرف سے سلام پیش کیا اور اس قلیل سے ھدیہ کو قبول کرنے کی درخواست کی۔" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمایا اور کہا:

"اسے یہاں رکھ دو۔ فلاں فلاں کو لے آؤ اور راستے میں جو بھی ملے اسے بھی بلا لانا۔"

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا جن جن کے نام لیے تھے انہیں بھی اور جو کوئی راستہ میں ملا اسے بھی بلا لایا۔ جب وہ سب آ گئے تو صفہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ بھر گیا۔ راوی نے پوچھا کہ ان کی تعداد کتنی تھی تو حضرت انس رضی اللہ عنہا نے بتایا:

"تیس سو یعنی تین ہزار۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انس! وہ طشت لاؤ۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دس دس کا حلقہ بنالو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے۔"

چنانچہ تمام لوگوں نے کھانا شروع کیا اور سب سیر ہو گئے۔ ایک گروہ داخل ہوتا اور سیر ہو کر باہر نکلتا، پھر دوسرا، پھر تیسرا، یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

"انس! اب طشت کو اٹھالو۔"

جب میں نے اس کو اٹھایا تو میں نہیں سمجھتا کہ جب میں نے اسے رکھا تھا اس وقت وہ مالید زیادہ تھا یا جب میں نے اسے واپس اٹھایا اس وقت۔

(بخاری شریف حدیث نمبر ۵۱۶۳، مسلم شریف حدیث نمبر ۱۴۲۸، نسائی شریف جلد ۶ صفحہ ۱۳۶)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ولیمہ مصطفی ﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ فرمایا کہ ایسا ولیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی کسی زوجہ کا نہیں ہوا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ آپ نے ایک بکری کو ذبح کیا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھلائی۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے لیکن تین اشخاص وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید حیا کی وجہ انہیں تو کچھ نہیں کہا لیکن خود مجلس سے اٹھ کر حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نکاح کی مبارک باد دی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر واپس تشریف لائے تو یہ تینوں ابھی بھی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اسی حجرے میں امیر المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر باہر تشریف لے گئے اور باری باری تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے۔ تمام ازواج مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارکباد دی۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو تب یہ تینوں واپس چلے گئے تو اللہ رب العزت نے آیت حجاب نازل فرمائی:

"یا ایھا الذین امنو لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم الی

طعام غیر ناظرین اِنٰہ ولکن اذا دعیتم فاد خلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یوذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق واذا سالتموھن متاعا فا سئلوھن من ورآء حجاب“

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ احزاب، آیت نمبر 53)

”اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو اور نہ کھانے کا وقت تاکتے ہو، اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ کیونکہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے۔ سو وہ تمہارے لحاظ میں کچھ نہیں کہتے مگر اللہ تعالیٰ کو حق بات کہنے میں کوئی شرم نہیں اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی آڑ سے مانگو۔“

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 4791) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 1428) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 3215)

آیت حجاب ذی قعدہ 5 ہجری میں نازل ہوئی اس حساب سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذیقعدہ 5 ہجری میں ہوا۔ نکاح کے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر 35 سال تھی۔ آیت حجاب کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں پردے ڈلوا دیئے۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جب حرم نبوی میں داخل ہوئیں تو دیگر ازواج کی طرح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگ گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت فرماتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ رضی اللہ عنہا کی بڑی خاطرداری فرماتے تھے۔

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں:

”مجھے تین باتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اور بیوی اس بارے میں ناز نہیں کر سکتی۔

1: میرے جد امجد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ایک ہیں۔

2: میرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر پڑھایا۔

3: میرے معاملے میں سفیر جبرائیل امین علیہ السلام تھے۔
(خصائص النبوۃ للسیوطی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 246) (تفسیر طبری، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 14)

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ ان کا نکاح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود اللہ رب العزت نے اپنی خاص ولایت سے آسمانوں پر فرمایا اور اس نکاح کے گواہ حضرت جبرائیل اور دیگر فرشتے علیہم السلام تھے۔

آپ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت کی ایک قدیم اور بری متبنیٰ کی رسم مٹ گئی اور اللہ رب العزت نے حکم فرمادیا کہ لوگوں کو ان کے اصل باپ کی نسبت پکارا جائے۔

آپ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ظلم وستم اور ذلت میں گری ہوئی قوم غلام کو ایک آزاد اور صاحب نسب وحشمت انسان کے برابر درجہ عطا کردیا گیا اور غلام وآقا کے درمیان تمام تمیزات کا خاتمہ کردیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد شاندار ولیمہ کا اہتمام کیا اور کم وبیش تین سو افراد کو گوشت روٹی اور مالیدہ سے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جو کہ کسی اور زوجہ محترمہ کیلئے نہ تھا۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ رضی اللہ عنہا کے جد امجد ایک تھے یعنی جناب عبد المطلب رضی اللہ عنہ۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر پردہ کا حکم نازل ہوا۔

صدقہ وخیرات میں آپ رضی اللہ عنہا بے مثال تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کا گھر ماوی المساکین کے نام سے مشہور تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"مرتبہ ومقام میں زینب بنت جحش میرا مقابلہ کرتی تھیں اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک میری ہم پلہ تھیں۔"

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا زہد وتقویٰ کا ایک پہاڑ تھیں اس کا اعلان مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں "اواہ" کہہ کر فرمایا۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو عبادت وریاضت کا خاص ذوق تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ مصطفیٰ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے گھر میں تشریف لائے تو سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نماز اور دعا میں مشغول پایا۔ اس پر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ بڑی نرم دل ہے۔''

اسی طرح جب حضرت زید رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح لے کر آئے تو آپ رضی اللہ عنہا استخارہ کرنے میں مشغول ہو گئیں۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرماتی ہیں:

''بے شک وہ بڑی نیک، بڑی روزے رکھنے والی، بڑی تہجد گزار اور بڑی کمانے والی تھیں۔ جو کماتی تھیں سارے کا سارا مساکین پر صدقہ کر دیتی تھیں۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتی ہیں:

''میں نے کوئی عورت زینب سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیز گار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، زیادہ سخی، زیادہ مخیر اور خدا تعالیٰ کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ صرف مزاج میں ذرا سی تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔''

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے زہد اور تقویٰ کی گواہی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوں دی کہ جب واقعہ افک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا سے میرے (سیدہ عائشہ) کے بارے میں پوچھا تو سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو بچاتی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں سوائے بھلائی کہ عائشہ کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے زہد اور تقویٰ نے انہیں میرے عیب (میری تہمت) کرنے سے بچالیا۔''

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے زہد اور تقویٰ کا اندازہ اس بات سے لگایا

جا سکتا ہے کہ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہا کیلئے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے انکار کر دیا کیونکہ وہ انہیں پسند نہیں کرتی تھیں اور اپنے اعلیٰ نسب اور ان کے غلام ہونے کا بھی خیال کرتی تھیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک سیاہ فام تھے اور آپ رضی اللہ عنہ بہت حسین و جمیل تھیں لیکن جیسے ہی آیت مبارکہ نازل ہوئی فوراً آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی ناپسندیدگی کے باوجود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں:

"زینب بنت جحش مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں۔ میں ان سے بڑھ کر کسی عورت کو دیندار، خدا سے ڈرنے والی، سب زیادہ سچ بولنے والی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور سب سے زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔"

(صحیح المسلم، حدیث نمبر 2442) (السنن النسائی، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 46) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 101)

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں مال تقسیم فرما رہے تھے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس معاملے میں بول پڑیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا نے انہیں جھڑک دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عمر! انہیں کچھ مت کہو کیونکہ یہ بڑی اواہ ہیں۔"

ایک شخص نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اواہ کے کیا معنی ہیں۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اواہ کے معنی خاشع اور متضرع ہیں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"وان ابراهيم لاواه حليم"

(القرآن المجید، سورۃ ھود، آیت نمبر 75)

"بے شک ابراہیم بڑے بردبار، نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے

تھے۔"

(عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 398) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 127)

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں:

"زینب بنت جحش بڑی نیک، بڑی روزے رکھنے والی، بڑی تہجد گزار تھیں اور بڑی کمانے والی تھیں اور جو کماتی تھیں سب کا سب مساکین میں صدقہ کر دیتی تھیں۔"

(الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 313)

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا چمڑے اور کپڑے پر دستکاری کرتیں اور چمڑا پکا کر مال حاصل کرتی اور راہ خدا میں صرف کر دیتیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"میں نے زینب بنت جحش سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی، سب سے زیادہ صدقہ خیرات کرنے والی، سب سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے والی عورت نہیں دیکھی۔"

(اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 126) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1850)

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اتنی فیاض تھیں کہ ہر وقت غرباء اور مساکین کی سرپرستی فرماتی رہتی تھیں۔ آپ جو کچھ بھی پاتیں سب کس سب غرباء اور مساکین میں تقسیم فرما دیتیں۔ اسی وجہ سے آپ کا گھر.......

"ماوی المساکین"

"مسکینوں کا ٹھکانہ" کہلانے لگا۔

آپ رضی اللہ عنہا کی سخاوت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسرعکن لحاقابی اطولکن یدا"

"تم میں سے جو سب سے لمبے ہاتھ والی ہے وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گی۔"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 1420) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 2452)

برزہ بنت رافع کہتی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا نے جب پہلی مرتبہ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو وظیفہ بھیجا تو یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج کا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اللہ عمر کی مغفرت کرے۔ میری نسبت وہ اسے تقسیم کرنے پر زیادہ قادر ہیں۔"

لوگوں نے بتایا:

"یہ سب آپ کا ہے۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"سبحان اللہ!"

پھر اپنے اور اس مال کے درمیان پردہ ڈال دیا۔ پھر مال لانے والے سے فرمایا:

"اسے یہاں ڈھیر کردو اور اس پر کپڑا ڈال دو۔"

پھر مجھے (برزہ بنت رافع راوی حدیث) کو فرمایا:

"اپنا ہاتھ اس کپڑے کے نیچے لے جا اور جتنا ہاتھ میں آئے اسے فلاں بن فلاں کو دے آؤ۔"

آپ رضی اللہ عنہا اسی طرح فرماتی رہیں کہ یہ مال فلاں یتیم کو فلاں مسکین کو دے آ۔ جب برائے نام مال رہ گیا تو میں (برزہ) نے عرض کیا:

"اے ام المومنین! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ اس مال میں آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔"

اس پر ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اچھا جو کچھ بھی اس کپڑے کے نیچے ہے وہ تم لے لو۔"

جب آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا تمام وظیفہ اسی وقت تقسیم کر دیا تو اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ہو گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار درہم اور روانہ کیے اور پیغام دیا:

"ام المومنین! یہ ایک ہزار درہم میری طرف سے قبول کریں۔ بارہ ہزار تو آپ نے تقسیم کر دیئے یہ ایک ہزار تو کم از کم اپنی ضروریات کیلئے قبول فرمائیں۔"

اس پیغام کے باوجود حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیئے۔

جب سارا مال تقسیم ہو چکا تو آپ رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر عرض کیا:

"اللھم لا یدرکنی عطاء عمر بعد عامی ھذا"

”اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھے نہ پائے۔“

چنانچہ سال گزرنے سے پہلے پہلے آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا۔

(صفۃ الصفوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 48) (حلیۃ الاولیاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 54) (اصابہ، ترجمہ برزہ بنت رافع، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 254)

جب ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں آپ کو خراج تحسین پیش کیا:

”لقد ذهبت حميدة متعبدة مفزع اليتامى والا رامل“

”آپ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئیں کہ آپ عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کی ملجا ماویٰ تھیں۔“

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بہت کم روایت کرتی تھیں۔ اس لیے احادیث کی کتابوں میں آپ رضی اللہ عنہا سے صرف گیارہ احادیث مروی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے جن راویوں نے روایت کی ہیں ان کے نام یہ ہیں:

”سیدہ ام حبیبہ، سیدہ زینب بنت ابی سلمہ، حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش اور کلثوم بن طلق رضی اللہ عنہم۔“

نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”میرے بعد تم ازواج میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔“

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لمبے ہاتھ فرمانے سے مراد صدقہ و خیرات میں زیادتی تھی۔ چنانچہ سب سے زیادہ خیرات و صدقات کرنے والی ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال سب سے پہلے ہوا۔ قاسم بن محمد کی روایت کے مطابق جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت آیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ مجھے اس کفن میں دفنایا جائے جو کہ آپ نے خود اپنے لیے تیار کیا تھا اور پھر فرمایا:

”ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے لیے کفن بھیجیں تو اسے صدقہ کر دینا۔“

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر

کفن کیلئے بھیجے جو آپ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کو بطور صدقہ دیدیئے گئے۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 115)

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ مجھے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابوت پر اٹھایا جائے۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس تابوت پر اٹھایا جا چکا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون تھیں جن کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابوت پر اٹھایا گیا۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال 20 ہجری میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 53 سال تھی۔ خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھایا۔

روایات کے مطابقت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تدفین کے لئے ایک خاص قسم کی کھاٹ بنائی گئی جس پر انہیں رکھا گیا اور کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔ خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اس کھاٹ کو دیکھا تو فرمایا:

"یہ کتنی اچھی اور کتنی ستر پوش ہے۔"

آپ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون تھیں جن کیلئے اس طرح کی کھاٹ بنائی گئی۔ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی لحد تیار کی جا رہی تھی تو گرمی بہت زیادہ تھی اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس جگہ پر خیمہ لگوا دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع میں کسی قبر پر لگوایا گیا۔ جب جنازہ قبرستان میں لایا گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو قبر میں خود اتارنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، لیکن جب دیگر ازواج مطہرات سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا:

"ان کو لحد میں وہی اتار سکتا ہے جو ان کا شرعی محرم ہے۔"

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسامہ بن زید، حضرت عبداللہ بن جحش، محمد بن عبداللہ بن جحش اور عبداللہ بن ابی احمد بن جحش رضی اللہ عنہم نے لحد میں اتارا۔

جب سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''افسوس! آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی، عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کی ملجا و ماوا تھی۔''

(صحیح البخاری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 191)(صحیح المسلم، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 341)

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے سب کچھ اپنی زندگی میں ہی خیرات کر دیا تھا۔ صرف ایک مکان ہی آپ رضی اللہ عنہا کا ترکہ تھا جسے خلیفہ یزید بن عبدالملک نے پچاس ہزار درہم میں خرید کر مسجد نبوی شریف میں داخل کر دیا تھا۔

سیدہ زینب بنت خزیمہ:

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم علیہ السلام کی ازواج میں پانچویں نمبر پر ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بہت دریا دل، غریب پرور، سخی اور مساکین کی خبر گیری والی خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بھوکوں کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا زمانہ جاہلیت میں ہی ام المساکین (مسکینوں کی ماں) کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نام زینب، لقب ام المساکین اور آپ کو ہلالیہ اور عامریہ کے ساتھ بھی پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ آپ ہلال بن عامر بن صعصعہ کے خاندان سے تھیں جو کہ قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھی۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

والد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے:

زینب بنت خزیمہ بنت الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوزان بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نسب معد بن عدنان پر جا کر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ کا نام ہند تھا۔ ہند کا سلسلہ نسب یوں ملتا ہے:

ہند بنت عوف بن الحارث بن حماطہ الحمیر یہ۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہا ماں کی طرف سے ام المومنین سیدہ میمونہ کی بہن ہیں۔

(الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 315)(سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 218)

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت سے چودہ سال قبل مکہ مکرمہ میں

پیدا ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا خاندان بنو ہلال مکہ کا ایک بہت معزز خاندان تھا جو کہ قبیلہ بنو عامر کی ایک شاخ تھے اور یہ شاخ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ عنہا جن کے نکاح میں تھیں اس بارے میں بہت اختلاف ہے۔ حضرت قتادہ بن دعامہ کا قول ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ عنہا اپنے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 115)

ابن قلبی کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو ان کے بھائی عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ یہ وہ بہادر شخص تھے جنہیں جنگ بدر میں سب سے پہلے زخم لگے۔ یہ اتنی بہادری اور بے خوفی سے لڑے کہ کفار ان کے مقابلہ آنے سے گھبرانے لگے۔ جب یہ زخمی ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین انہیں اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر اپنی ران مبارک پہ رکھا۔ میدان بدر سے واپسی کے بعد عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ان زخموں کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔

(الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 673) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 396) (مرشد المختار، لا بن طولون، صفحہ نمبر 261)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح میں تھیں جو کہ ام المومنین حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بہت جلیل القدر صحابہ کرام میں شامل تھے۔

(مستدرک حاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 33) (دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 159) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 396) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1853) (جوامع السیرۃ، لابن حزم، صفحہ نمبر 33)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ 3 ہجری کو جنگ احد میں شریک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں جانے سے قبل دعا مانگی:

"اے خالق کون و مکاں! مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غضب ناک ہو، میں تیری راہ میں لڑتا ہوا اس کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں اور وہ میرے ہونٹ ناک اور کان کاٹ ڈالے تاکہ جب میں تجھ سے ملوں تو تو مجھ سے پوچھے کہ اے عبداللہ! تیرے ہونٹ، ناک اور کان کیوں کاٹے گئے ہیں۔؟ تو میں عرض کروں! الٰہی! تیرے اور تیرے رسول کیلئے۔"

بارگاہ رب العزت میں آپ کی دعا قبول ہوئی اور ہاتف غیبی سے انہیں شہادت کی خوشخبری عطا کی گئی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! میں دشمن سے لڑوں گا حتیٰ کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کا مثلہ کرے گا۔"

چنانچہ جب میدان جنگ گرم ہوا تو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اس جوش اور بہادری سے لڑے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک چھڑی دی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اس چھڑی کو لے کر جھٹکا دیا تو وہ تلوار بن گئی۔ اسی حالت میں بے جگری کے ساتھ لڑتے لڑتے آپ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ مشرکین نے ان کے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ کر انہیں دھاگہ میں پرو دیا۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دس ماہ تک بیوہ رہیں۔ ایام بیوگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیغام نکاح بھیجا تو انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میرے معاملے میں خود مختار ہیں۔"

چنانچہ ابتدائے رمضان 3 ہجری کو مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے ان کو اپنے حبالہ عقد لے لیا۔ ان کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ (پانچ سو درہم) مقرر ہوا۔

اس وقت حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اور حضرت سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھیں۔ جبکہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا چھ سال قبل وصال ہو چکا تھا۔ ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ تک

زندہ رہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ سخی اور فیاض تھیں اور ہر وقت ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے میں لگی رہتی تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کو ام المساکین اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ مساکین کو کھانا کھلانے میں بہت فیاض تھیں اور زمانہ جاہلیت میں ہی ام المساکین کے لقب سے مشہور ہو گئیں تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا یہ لقب آپ کے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی قائم رہا۔ یقیناً آپ رضی اللہ عنہا ساری عمر غرباء اور مساکین کی دادرسی میں مصروف رہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں وصال فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اپنا آخری سفر طے کیا۔

آپ رضی اللہ عنہا مہاجرین میں سے تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بھی مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے ایک خاوند عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ایک خاوند حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جنگِ اُحد میں۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت خذیمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے کے بعد صرف آٹھ ماہ حیات رہیں۔ ایک روایت کے مطابق تیس سال اور دوسری روایت کے مطابق بتیس سال کی عمر میں عین وقت شباب آپ رضی اللہ عنہا نے ماہ ربیع الثانی 4 ہجری میں اس دار فانی سے انتقال فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کا نماز جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔

ام المومنین سیدہ زینب حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ واحد زوجہ ہیں جنہوں نے مصطفیٰ کریم علیہ السلام کی ظاہری زندگی میں وصال فرمایا اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دفن ہوئیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 116) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 396) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 212) (جوامع السیرۃ، صفحہ نمبر 33) (کتاب المعرفۃ والتدریج البسوی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 322) (مرشد المختار، صفحہ نمبر 262)

سیدہ جویریہ:

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام برہ تھا۔ مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے اسے تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔ اس کے بعد آپ اسی نام سے مشہور ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب یوں ہے:

"جویریہ بنت الحارث بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو۔"

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات میں آٹھواں نمبر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ وزاہدہ اور حسنِ صورت وحسن سیرت کی مالکہ تھیں۔ ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت سے دو سال قبل رابغ اور جدہ کے درمیان علاقہ قدید میں قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کے ہاں پیدا ہوئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری سے تقریباً پونے دو سو برس قبل ملکہ سبا کی قوم کا ایک شخص عمر بن عامر اپنے اہل وعیال کے ساتھ یمن سے ہجرت کر کے عرب کے شمالی علاقوں میں آباد ہوا۔ یہی حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا جداعلیٰ تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ جفنہ، ثعلبہ، حارثہ۔

جفنہ کی اولاد شام کے علاقوں میں آباد ہوگئی اور غسان کے نام سے مشہور ہوئی۔ جب مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے اعلانِ نبوت کیا تو یہ لوگ اسلام دشمنی پر قائم رہے اور اسلام کی مخالفت میں اپنا پورا کردار ادا کیا۔

ثعلبہ جو کہ عمرو بن عامر کا تیسرا بیٹا تھا یہ بھی جزیرہ نما عرب کے شمالی علاقوں میں آباد ہوا۔ اس کے دو بیٹے تھے اوس اور خزرج۔ ان دونوں کی اولادیں مدینہ طیبہ میں آباد ہوئیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو ان دونوں قبیلوں اوس اور خزرج نے اسلام قبول کر لیا۔ جب نبی آخر الزماں علیہ السلام اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئے تو انہوں نے دل کھول کر اپنے ان مسلمان بھائیوں کی مدد کی۔ یہاں تک کہ اپنی جائیدادوں کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا کہ ایک حصہ خود رکھا اور دوسرا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا۔ انہوں نے ایثار وقربانی کا وہ عظیم الشان مظاہرہ کیا کہ جس کی مثال پوری دنیا کی تاریخ دینے سے قاصر ہے۔ مال ودولت تو ایک طرف اگر کسی انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں اور مہاجر کے

پاس ایک بھی نہیں تھی تو اس انصاری نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے عقد میں دے دی۔

حارثہ کی اولاد سرزمین حجاز کی اس جگہ پر آباد ہوئی جسے تہامہ کہا جاتا ہے۔ اس کی اولاد بنو خزاعہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی قبیلہ میں ایک شخص خزیمہ بن سعد گزرا ہے جو کہ مصطلق کے نام سے مشہور تھا اور اس کی اولاد بنو مصطلق کہلاتی تھی۔ یہ جدہ اور رابعہ کے درمیانی علاقے قدید میں آباد تھے۔ حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔

چونکہ آپ رضی اللہ عنہا سردار قبیلہ کی بیٹی تھیں اس لیے بڑے ناز و نعم میں پلیں۔ جب آپ جوان ہوئیں تو آپ کا نکاح آپ کے چچازاد مسافع بن صفوان سے کر دیا گیا۔ مسافع سخت دشمن اسلام تھا۔ یہ حالت کفر میں ہی غزوہ بنی مصطلق میں مارا گیا۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار کے قریش مکہ کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات تھے، اس لیے جب مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے اعلانِ نبوت فرمایا تو قریش کے ساتھ ساتھ بنو مصطلق بھی اسلام کے دشمن ہو گئے۔ روایات کے مطابق سردارانِ قریش کے اُکسانے پر حارث نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کیلئے اور مدینہ طیبہ پر حملہ کیلئے قریبی قبائل کی مدد حاصل کرنا شروع کی۔ جب اس جنگی تیاریوں کی خبر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ علیہ السلام نے تحقیق کیلئے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ تحقیقِ احوال کے بعد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہا نے اس خبر کی تصدیق کی۔ چنانچہ مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے اس فتنہ کو ابتداء میں ہی ختم کرنے کا ارادہ فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا۔ یہ 2 شعبان سن 5 ہجری کا واقعہ ہے۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بنو مصطلق کے خلاف خروج کا حکم دیا تو منافقین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مالِ غنیمت کی لالچ میں آپ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئی۔ یہ وہ منافقین تھے جنہوں نے اس سے قبل کسی بھی غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ چونکہ اب انہیں فتح صاف نظر آ رہی تھی اس لیے مالِ غنیمت کے لالچ میں یہ بھی ساتھ ہو لیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

تیز رفتاری کے ساتھ اسلامی لشکر منازل طے کرتا ہوا مریسیع (مریسیع ایک چشمے کا نام ہے جس کی وجہ سے یہ مقام ہی مریسیع کے نام سے مشہور ہو گیا) کے مقام پر پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ جب اسلامی لشکر کی آمد کی خبر بنو مصطلق کے سردار حارث کو ہوئی تو وہ اور اس کا لشکر سب ڈر کر بھاگ گئے مگر مریسیع کے باشندوں نے صف آرائی کی اور مسلمانوں کے مقابلے کیلئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا جس کے جواب میں مسلمانوں نے یکبارگی ان پر حملہ کر دیا جس سے ان کے قدم اکھڑ گئے جس کے نتیجہ میں ان کے دس آدمی مارے گئے اور چھ سو گرفتار کر لیے گئے۔ مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بھیڑ بکریاں ہاتھ آئیں۔ ان گرفتار شدگان میں بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی برہ (حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا) بھی تھیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 45) (تفسیر زرقانی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 96)

مال غنیمت کے تقسیم میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئیں تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ مجھ سے مکاتبت کر لیں۔ مکاتبت یہ ہوتی ہے کہ غلام اپنے آقا سے معاہدہ کر لے کہ میں اتنی رقم دے کر آزاد ہو جاؤں گا۔ جب غلام اور آقا اس پر راضی ہو جائیں اور غلام مقررہ رقم ادا کر دے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت جویرہ رضی اللہ عنہا سے نو اوقیہ یعنی تئیں تولے سونے کے عوض مکاتبت کر لی۔ چونکہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سونا نہ تھا اس لیے انہوں نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مدد کی درخواست کی۔

جب سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں اور مصطفیٰ کریم علیہ السلام سے عرض کیا:

"آپ جانتے ہیں کہ میں سردار بنو مصطلق کی بیٹی ہوں۔ قیدی یا غلام بنا لیا جانا میرے لیے بہت مصیبت کی بات ہے۔ چونکہ میں تقسیم میں ثابت ابن قیس کے حصہ میں آئی ہوں اس لیے میں نے ان سے نو اوقیہ سونے پر مکاتبت کر لی ہے۔ اب میں آپ کی خدمت میں بدل کتابت کی اعانت کیلئے حاضر ہوئی ہوں۔"

مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے ان کی تالیفِ قلب کیلئے ان سے فرمایا:

"اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے مکاتب کی واجب الادا رقم دے کر تم کو آزاد کر دوں اور پھر تمہیں اپنی زوجیت

میں لے لوں۔"

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"میں اس پر راضی ہوں۔"

(سنن ابی داود، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 192)

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ بہت سے اونٹ اپنے ساتھ لے کر اپنی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑنے کیلئے دربار رسالت کیلئے چلے۔ ان اونٹوں میں سے دو اونٹ انہیں بہت پسند آئے اس لیے جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو ان دونوں اونٹوں کو ایک گھاٹی عقیق میں چھپا دیا تا کہ یہ فدیہ دینے سے بچ جائیں اور واپسی پر انہیں اپنے ساتھ لیا جائے۔ جب یہ مدینہ پہنچ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور بہت سے اونٹ اپنی بیٹی کے فدیہ کیلئے پیش کیے تو غیب دان نبی علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

"وہ دو اونٹ اس میں کم ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔"

حارث رضی اللہ عنہ نے اسی وقت کہا:

"اشهدانك رسول الله"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"

عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے علاوہ اس بات کا کسی اور کو علم نہیں ہے۔ اگر آپ اللہ کے سچے رسول نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات سے مطلع نہ فرماتا۔"

(خصائص الکبریٰ للسیوطی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 236) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 399) (الاصابہ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 281)

حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیٹی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا فدیہ پیش کرنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اس معاملے کو خود جویریہ کے اختیار اور مرضی پر چھوڑ دوں۔"

حارث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا چونکہ وہ جانتے تھے کہ برہ (جویریہ رضی اللہ عنہا) کبھی بھی غلامی کی زندگی برداشت نہ کرے گی اور ہمارے ساتھ

جانے کو ترجیح دے گی۔ چنانچہ حارث رضی اللہ عنہ جب اپنی بیٹی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور انہیں تمام معاملہ بتایا اور کہا کہ تم ہمیں رسوا نہ کرنا۔ اس پر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر فدیہ لیے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال تھی۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ 118) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 24، صفحہ نمبر 59) (مصنف عبد الرزاق، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 271) (شرح معانی الاثار، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 20) (مجمع الزوائد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 282)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تین رات قبل خواب دیکھا کہ چاند یثرب (مدینہ) سے آ رہا ہے اور میری آغوش میں آ کر گر جاتا ہے۔ میں نے اپنا خواب لوگوں کو بتانا پسند نہ کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر حملہ کر دیا۔ جب ہم قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے تو میں نے اپنے اس خواب کی تعبیر کی امید لگائی۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے میرے خواب کی تعبیر یوں پوری فرمائی مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے مجھے آزاد کر کے اپنی ازواج میں شامل فرما لیا۔

(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 27) (دلائل النبوۃ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 50) (مغازی للواقدی، جلد نمبر 411)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرما لیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس نکاح کی خبر ہوئی تو انہوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدی یہ کہتے ہوئے آزاد کر دیئے کہ اب یہ لوگ مصطفیٰ کریم علیہ السلام کے سسرالی رشتہ دار بن گئے ہیں۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بنو مصطلق کے ایک سو سے بھی زیادہ گھرانوں کو ایک ہی دن میں آزاد کر دیا گیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت اور باعث رحمت نہیں دیکھا۔ جن کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے۔''

(مسند امام احمد، جلد ۶، صفحہ ۲۷۷، ابوداؤد شریف، جلد ۲، صفحہ ۱۹۲ حدیث نمبر ۳۹۳۱، طبقات ابن

سعد، جلد ۸، صفحہ ۱۱۲، دلائل النبوہ للبیہقی جلد ۴، صفحہ ۴۹، مستدرک حاکم جلد ۴، صفحہ ۲۶، السیرۃ النبویہ، جلد ۳، صفحہ ۲۹۴، مغازی الواقدی، جلد ۱، صفحہ ۴۱۱)

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کی برکت و رحمت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا، آپ کے والد اور سو گھرانے جو قیدی بنا کر لائے گئے تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ جب یہ لوگ واپس اپنے قبیلے میں گئے تو مسلمانوں کا ایثار اور محبت دیکھ کر اکثر دولت ایمان سے بہرہ افروز ہوئے۔ یہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح ہی کی برکت تھی کہ قبیلہ بنی مصطلق جو پہلے مسلمانوں کا دشمن تھا اب خود دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر مسلمانوں کا معین و مددگار بن گیا۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح ہونے کے بارے سنا تو وہ مال و اسباب جو آپ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے فدیہ کیلئے لائے تھے سب کا سب مدینہ کے غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیا اور بہت خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی نہ پہلے خاوند مسافع سے اولاد تھی اور نہ ہی مصطفیٰ کریم علیہ السلام سے۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> ”جویریہ رضی اللہ عنہا خوب صورت اور خوب سیرت تھیں۔ ان میں حلاوت و ملاحت تھی جس کی وجہ سے جو بھی انہیں دیکھتا اپنے دل میں جگہ دینے پر مجبور ہو جاتا۔“

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بہت خود دار تھیں۔ اپنی عزتِ نفس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اپنی آزادی کیلئے آپ رضی اللہ عنہا کا جدوجہد کرنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کو غلامی کی حالت میں رہنا بہت شاق تھا۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ اور ذاکرہ تھیں۔ عبادت سے انہیں خاص شغف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اکثر نفلی عبادات کرتے ہوئے پاتے۔ ایک مرتبہ مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے انہیں صبح کے وقت اپنے مصلیٰ پر عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ دوپہر کے وقت جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے دوبارہ گزر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا ابھی بھی

مصلّٰی پر بیٹھی عبادت کر رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"کیا تم ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہو۔؟"

حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!"

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ کلمات پڑھا کرو۔ ان کو تمہاری نفلی عبادات پر ترجیح حاصل ہے۔"

وہ کلمات یہ ہیں:

"سبحان الله سبحان الله عدد خلقه سبحان الله عدد خلقه سبحان الله رضی نفسه سبحان الله رضی نفسه سبحان الله زنة عرشه سبحان الله مداد كلماته سبحان الله مداد كلماته"

(السنن الترمذی، صفحہ نمبر 590)

ایک مرتبہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اس دن سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا روزہ سے تھیں۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا۔؟"

انہوں نے جواب دیا:

"نہیں۔!"

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

"کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے۔؟"

آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"نہیں۔!"

اس پر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پھر تم روزہ افطار کرلو۔"

(صحیح البخاری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 266)

علماء کرام نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں کم از کم تین روزے لازمی رکھا کرتے تھے اور یہ مسلسل ہوتے اور ان میں سے ایک دن جمعہ کا لازمی ہوتا تھا۔ اس لیے صرف اکیلے جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ اکیلے جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ اس کے ساتھ ایک اور روزے کا اضافہ کر لیا جائے۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ دیگر ازواجِ مطہرات کی طرح یہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مدارت میں لگتی رہتیں تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو فرمایا:

"کیا کچھ کھانے کو ہے۔؟"

تو انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! سوائے صدقہ کے گوشت کے کچھ بھی نہیں ہے۔"

اس پر مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے فرمایا!

"وہ ہی لے آؤ! کیونکہ جس کو صدقہ دیا گیا تھا اس کو وہ پہنچ گیا ہے۔ (تمہارے لیے وہ صدقہ تھا میرے لیے تمہاری طرف سے تحفہ ہے۔)"

(صحیح المسلم، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 400)

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بڑے فضل والی تھیں۔ آپ نے مصطفیٰ کریم علیہ السلام سے چند احادیث بھی روایت کی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے جن حضرات نے احادیث روایت کیں ان کے نام یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، ابو ایوب المراغی، کلثوم بن المصطلق، عبداللہ بن شداد بن الہاد، حضرت عبید بن السباق طفیل، حضرت مجاہد، حضرت کریب، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے سنِ وصال کے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا ربیع الاول 50 ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ وصال کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 65 سال تھی۔ گورنر مدینہ مروان بن حکم نے آپ رضی اللہ عنہا کا نماز جنازہ پڑھایا۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 120) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 399) (تھذیب النووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 336) (السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 289) (تاریخ خلیفہ بن خیاط، صفحہ نمبر 224) (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 1253) (الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 265)

سیدہ صفیہ:

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ سلام اللہ علیہا کا ازواج مطہرات رسول اللہ علیہم اجمعین میں نواں نمبر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا یہود کے قبیلہ نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ آپ بہت زیادہ عقل مند، اعلیٰ خلق، بردبار، علم و فضل میں ممتاز، نہایت حلیم الطبع، کشادہ دل، سیر چشم اور صابر و شاکرہ خاتون تھیں۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کا اصل نام زینت یا زینب تھا۔ عرب میں مالِ غنیمت کے ایسے حصہ کو جو بادشاہ یا سالار جنگ کیلئے مخصوص ہوتا تھا "صفیہ" کہتے تھے۔ چونکہ حضرت زینب غزوۂ خیبر میں خاص مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئیں اس لیے صفیہ کے نام سے پکاری جانے لگیں۔ ابن ابی زبالہ نے المنتخب میں آپ رضی اللہ عنہا کا نام حبیبہ بیان کیا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت کے دو سال بعد یہود کے مشہور قبیلہ بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب کے ہاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی کنیت ام یحییٰ تھی۔

آپ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام حیی بن اخطب تھا۔ والد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے:

صفیہ (زینب یا حبیبہ) بنت حیی بن اخطب بن سعید بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب ابن النضیر بن النحام بن ینحوم۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کا والد حیی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور یہود کے مشہور قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام ضرۃ تھا۔ حافظ ابن سید الناس نے آپ کی والدہ کا نام برہ لکھا ہے۔ یہ شمویل کی بیٹی تھی ان کا بھائی رفاعہ بن شمویل القریظی یہود کے مشہور قبیلہ قریضہ کا رئیس تھا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا ماں اور باپ دونوں کی طرف سے عالی نسب

تھیں۔

(الفتح الباری شرح صحیح البخاری، حدیث نمبر 2035) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 401)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا چونکہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رئیس زادی تھیں اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے ابتداء سے ہی خوشحالی دیکھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کی عمر بارہ سال ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا کی شادی بنو قریظہ کے مشہور شہسوار سلام بن مشکم سے کر دی گئی لیکن دونوں میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا جس کے نتیجہ میں مشکم نے آپ کو طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد آپ کے والد نے آپ کا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے کر دیا جو خیبر کے رئیس اعظم ابو رافع کا بھتیجا اور خیبر کے سب سے مضبوط قلعہ القموص کا حاکم تھا۔

یہودیوں نے چونکہ مدینہ سے نکلنے کے بعد خیبر کو اپنا مرکز بنا لیا تھا اور روز بروز اپنی طاقت میں اضافہ کر رہے تھے اور ان کا مقصد مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ کئی سال کی مسلسل تیاری کے بعد اور سامان حرب جمع کر لینے کے بعد انہوں نے بنو غطفان اور بنو اسد کو اس شرط پر اپنے ساتھ ملا لیا کہ مدینہ کی فتح کے بعد نصف نخلستان ان کو دے دیا جائے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر اس فتنہ کو ختم کرنے کیلئے خیبر روانہ ہوئے اور حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے یہودیوں کو مسلمانوں کی روانگی کی خبر دے دی۔ چنانچہ وہ مکمل تیاری کے ساتھ میدان میں نکل آئے، لیکن ان کے اندازے سے قبل ہی مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں خیبر پہنچ گئے جس کی وجہ سے یہود کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے میدان میں مقابلہ کے بجائے قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی۔

محرم سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور خیبر اور غطفان کے درمیان رجیع نامی وادی میں خیمہ زن ہوئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر اس لیے پڑاؤ کیا تا کہ یہ دونوں بستی والے اہل خیبر کی مدد نہ کر سکیں کیونکہ یہ دونوں اہل خیبر کے حلیف تھے۔ جب اہل غطفان کو مسلمانوں کی خیبر پر چڑھائی کی خبر ہوئی تو وہ حضور نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کے خلاف جمع ہو کر یہودیوں کی مدد کیلئے روانہ ہوئے۔ ابھی یہ ایک منزل ہی گئے تھے کہ پیچھے انہیں اپنے اہل وعیال میں بے چینی محسوس ہوئی۔ انہوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں نے ہمارے اہل وعیال پر حملہ کر دیا ہے اس لئے وہ واپس ہو گئے اور اپنے اہل وعیال اور املاک میں ٹھہر گئے۔ اس طرح خیبر کا راستہ مسلمانوں کیلئے صاف ہو گیا۔

یہودیوں نے مدینہ طیبہ سے نکلنے کے بعد خیبر کو اپنا گڑھ بنالیا تھا اور اس کے اردگرد بہت جلد چھ قلعے تعمیر کر لیے تھے۔ ان میں سب سے مضبوط اور مرکزی قلعہ القموص نامی تھا جس کا کنٹرول یہودیوں کے بہت مشہور پہلوان مرحب کے پاس تھا۔ مرحب کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ ایک ہزار آدمیوں کی طاقت کے برابر ہے۔ جب مسلمانوں نے خیبر پر حملہ کیا تو پانچ قلعے تو جلد ہی فتح ہو گئے مگر قموص قلعہ بار بار کی کوشش کے فتح نہ ہو رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم لے کر نکلے اور پہلے سے زیادہ شدت سے حملہ کیا مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ جب اس کی اطلاع مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کل میں علم (جھنڈا) اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اسے دوست رکھتے ہیں۔ اس کے ہاتھ پر قلعہ فتح ہو جائے گا۔"

چنانچہ اگلے دن ہر کسی کی خواہش تھی کہ جھنڈا اسے دیا جائے۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"این علی ابن ابی طالب"

علی ابن ابی طالب کہاں ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی آنکھیں دکھتی ہیں اس لئے وہ اپنے خیمہ میں ہیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ بھی یہی فرمایا۔ صحابہؓ نے پھر یہی جواب دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ جب یہ فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ جلدی سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنے مرض کے بارے میں عرض کی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا تو وہ فوراً ٹھیک ہو

گئیں۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور قموص فتح کرنے کیلئے بھیجا۔

جب مرحب کو مسلمانوں کے حملے کیلئے آنے کی خبر ہوئی تو وہ یہ رجزیہ اشعار پڑھتا اور تکبرو غرور اور لوہے میں اٹا ہوا قلعے سے باہر نکلا:

قد علمت خیبر انی مرحب
شاکی السلاح بطل مجرب
اطعن احیانا وحینا اضرب
اذاللیوث اقبلت تحرب
کان حمای للحمیٰ لا یقرب

"تمام خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں مسلح۔ دلاور اور جنگ آزمودہ۔ کبھی نیزہ چلاتا ہوں اور کبھی تلوار، جب کوئی دلاور جنگ میں میرے سامنے آتے ہیں۔ میری چراگاہ سے متصل کسی اور کی چراگاہ نہیں ہوتی۔"

اس کے مقابلے پر شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور یہ اشعار پڑھے:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ
اکیلکم بالسیف کیل السندرہ
لیث بغابات شدید قسورہ

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں تلوار سے تجھے ایسے کاٹوں گا جس طرح آگ کا درخت کاٹا جاتا ہے۔ میں نہایت ہی تندخو اور بہادر شیر ہوں۔"

جب دونوں آمنے سامنے ہوئے تو ایک دوسرے پر وار شروع کئے۔ مرحب نے وار کیا جو شیر خدا نے اپنے ڈھال پر روکا اور جب شیر خدا نے وار کیا تو یہ وار اتنا کاری تھا کہ مرحب کے سر پر پہنی ہوئی لوہے کی ٹوپی کٹی، اس کی کھوپڑی کٹی اور تلوار اس کے جبڑوں تک آ گئی۔ جب مرحب مرا تو اہل خیبر کے حوصلے پست ہوگئے اور چھٹا قلعہ ابن ابی الحقیق کا قموص بھی فتح ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہو

گئے۔ جب آپ قلعہ قموص کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لئے باہر آئے۔ ہم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے لڑنے لگے۔ دورانِ جنگ ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا جو آپ نے اپنی ڈھال پر روکا مگر یہ وار اتنا زوردار تھا کہ آپ کی ڈھال گر گئی۔ شیر خدا نے پاس ہی قلع کے دروازے کو اکھاڑا اور اس سے ڈھال کا کام لینے لگے۔ وہ اس دروازے کو اٹھائے مسلسل لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطاء فرمائی۔ جب لڑائی سے فارغ ہوئے تو ہم آٹھ آدمیوں نے جن میں میں بھی شامل تھا اپنا پورا زور لگا دیا کہ اس دروازے کو پلٹ دیں مگر ہم ایسا نہ کر سکے۔

(تاریخ طبری، جلد اول، صفحہ نمبر 361)

جب یہود نے اپنے ساتھیوں کو مولی گاجر کی طرح کٹتے دیکھا تو بڑی عاجزی کے ساتھ صلح کی درخواست کی جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر قبول فرمالی کہ زمین کی نصف پیداوار بطورِ جزیہ ہر سال ادا کرو گے۔ اس جنگ میں یہود کے 93 آدمی واصل جہنم ہوئے اور مسلمانوں کے 15 مجاہد شہید ہوئے۔ اس جنگ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے تمام آدمی یا تو مارے گئے یا جنگی قیدی بنا لئے گئے۔ مقتولین میں آپ کے باپ، بھائی اور شوہر بھی تھے۔ اس طرح آپ نہایت قابلِ رحم حالت میں تھیں۔

جب خیبر فتح ہو گیا اور مال غنیمت اکٹھا کیا گیا تو ان میں چند عورتیں بھی تھیں جن میں حضرت صفیہ اور ان کی بہن بھی شامل تھیں۔ ان دونوں بہنوں کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ لے کر آ رہے تھے۔ راستے میں جب ان کے مقتولین کے پاس سے گزرے تو حضرت صفیہ کی بہن اپنے عزیز و اقارب کی لاشیں دیکھ کر چیخنے اور سینہ کوبی کرنے لگ پڑی مگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کوئی عمل نہ کیا۔ جب ان دونوں کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اس عورت نے گریہ وزاری اور ماتم شروع کر دیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس شیطانہ کو میرے سامنے سے دور کر دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔

(تاریخ طبری، جلد اول، صفحہ نمبر 361)

جب مال غنیمت تقسیم ہونے لگے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایک لونڈی عطا فرما دیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جاؤ اور پسند کرلو۔"

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے پسند کیا۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اعتراض کیا کہ حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ماں اور باپ دونوں جانب سے عالی نسب ہیں اور سردار کی لڑکی اور سردار کی بیوی ہیں اور حسن و جمال میں بھی یکتا ہیں اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے لئے مخصوص فرمالیں۔ اس طرح سے صفیہ رضی اللہ عنہا کی بھی دل جوئی ہوگی اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی انصاف ہوگا کیونکہ دحیہ جیسے صحابہ تو بہت ہیں مگر صفیہ جیسی غنیمت میں کوئی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی نفسیات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا:

"اچھا دحیہ اور لڑکی کو بلاؤ۔"

جب یہ حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کلبی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تم اور لونڈی لے لو۔"

پھر ان کی دل جوئی کیلئے سات لونڈیوں کے بدلے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خرید لیا اور اپنے لئے مخصوص فرمالیا۔

(روض الانف، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 6)

حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لئے منتخب فرمالیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود خیمہ میں تشریف لے گئے۔ جب حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھا تو استقبال کیلئے کھڑی ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وہ بستر بچھا دیا جو خیمہ میں تہ کر کے رکھا تھا اور خود زمین پر بیٹھ گئیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے صفیہ! تمہارے باپ نے ہمیشہ ہمارے ساتھ دشمنی اور عداوت رکھی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ تمہارے خاندان والوں نے ہمارے ساتھ یہ یہ کیا۔"

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق تعالیٰ کسی بندے کو دوسرے کے گناہ کے بدلے نہیں پکڑتا۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہیں اختیار ہے کہ اگر تم آزاد ہو کر اپنی قوم میں جانا چاہو تو جا سکتی ہو اور اگر اسلام قبول کرلو تو میں تمہیں آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیتا ہوں۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرلیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی آزادی ہی آپ کا مہر قرار پائی۔

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 1097)(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1915)(المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 251)(تلخیص الخیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 220)(تحفۃ الاشرف، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 188)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب میں قیدی بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ناپسندیدہ انسان میری نگاہ میں کوئی دوسرا نہیں تھا، کیونکہ میرے گمان میں میرا باپ، شوہر، بھائی اور دوسرے رشتہ دار قتل ہو چکے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہاری قوم والوں نے ہمارے ساتھ یہ یہ کیا تو یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و کردار اور آپ کے اخلاق نے مجھ پر یہ اثر کیا۔ جب میں اپنی جگہ سے اٹھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب پسندیدہ اور پیارا کوئی دوسرا میرے لئے نہیں تھا۔''

(مسند ابو یعلی، حدیث نمبر 7078، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 324)(المطالب العالیہ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 24)

جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آگئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ میں سبز نشان دیکھا۔ آپ نے فرمایا!

''اے صفیہ! یہ کیسی سبزی ہے۔؟''

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز میں اپنے خاوند کی گود میں سر رکھ کر سو رہی تھی

کہ میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آگرا ہے۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے خاوند کو سنایا تو اس نے اس زور سے مجھے تھپڑ مارا جس کی وجہ سے میری آنکھ میں یہ نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''کیا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔؟''

(سیرت ابن حبان، حدیث غزوہ خیبر، صفحہ نمبر 1297) (سیرت ابن ھشام، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 257) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 251) (البدایہ والنھایہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 198)

فتح خیبر کے بعد حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم مقام صہبا میں اترے جو کہ خیبر سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے رسم عروسی ادا فرمائی اور یہاں پر تین دن ولیمہ کیا۔ اس وقت سیدہ کی عمر سترہ برس تھی۔ اس جگہ پر سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنایا۔ سیدہ کا ولیمہ بھی بڑی شان کا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہا بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب عروسی کے اگلے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے۔''

چمڑے کا دستر خوان بچھایا گیا تو کوئی کھجور لایا، کوئی ستو، کوئی پنیر اور کوئی گھی۔ ان تمام چیزوں کو ملایا گیا تو سب نے مل کر اسے کھایا۔ اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی وغیرہ کچھ نہ تھا۔ یہ سلسلۂ دعوت تین یوم تک چلتا رہا۔

(المجمع الزوائد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 49) (مسند ابو یعلی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 62)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال میں بے مثال تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا قد چھوٹا تھا مگر حسن ایسا تھا کہ جب آپ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلہن بن کر آئیں تو مدینہ کی خواتین آپ کے حسن کا شہرہ سن کر آپ کو دیکھنے کیلئے آئیں۔ ان میں ازواج مطہرات میں سے سیدہ زینب بن جحش، سیدہ حفصہ، سیدہ جویریہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہن بھی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نقاب اوڑھ کر آئیں اور جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر جانے لگیں تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہچان لیا اور ان سے پوچھا:

''اے عائشہ! کیا دیکھا۔؟''

تو انہوں نے جواب دیا:

"ایک یہودیہ کو دیکھ کر آئی ہوں۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایسا مت کہو! وہ اسلام لے آئیں ہیں اور ان کا اسلام نہایت اچھا اور بہتر ہے۔"

(الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 347)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن کا شہرا سن کر سیدۃ النساء سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنی چند سہلیوں کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے کیلئے آئیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے کانوں کے جھمکے اتار کر دیے اور ان کے ساتھ آنے والی عورتوں کو بھی کچھ نہ کچھ زیور دیا۔

دیگر ازواج مطہرات کی طرح سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی حرم نبوی میں داخلے کے ساتھ ہی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور دلجوئی میں لگ گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کھانا بہت لذید پکاتی تھیں اور اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا کرتی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے صفیہ سے اچھا کھانا پکانے والی کوئی نہیں دیکھی۔"

ایک مرتبہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے کھانا پکا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھیجا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ دیکھ کر غصہ آ گیا کہ میری باری کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری زوجہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائیں۔ اس لئے آپ نے پیالے پر ہاتھ مارا جس سے پیالہ ٹوٹ گیا۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ پیالے کے ٹکڑے اکٹھے کرنے لگے اور خادمہ سے فرمایا:

"تمہاری ماں کو غصہ آ گیا تھا۔"

اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس جرم کا کفارہ کیا ہے۔؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایسا ہی پیالہ اور ایسا ہی کھانا۔"

چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ویسا ہی نیا پیالہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو واپس کیا۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی

تھیں۔ اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا قیدی بنا کر لائی گئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنے قبیلے والوں کے پاس جانے کا اختیار دیا مگر انہوں نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اندازہ اس طرح سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض میں مبتلا ہوئے تو تمام ازواج مطہرات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کیلئے آئیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے چین دیکھا تو عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ کی بیماری مجھے لگ جائے۔"

دوسری ازواج ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگ پڑیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"واللہ! یہ سچی ہیں۔ صرف دکھاوے کیلئے نہیں کہہ رہیں، بلکہ ان کو مجھ سے اتنی محبت ہے کہ یہ سچے دل کے ساتھ ایسا کہہ رہی ہیں۔"

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 128)(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 296)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسنِ اخلاق کا مجسمہ کوئی اور نہیں دیکھا۔ جب میں خیبر سے قیدی بنا کر لائی گئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ اونٹنی پر سوار تھے۔ مجھے اونگھ آرہی تھی جس کی وجہ سے میں بار بار کجاوے کے ساتھ ٹکرا رہی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار مجھے سنبھالتے تاکہ میں گر نہ جاؤں اور فرماتے:

"اے بنت حیی! تھوڑی دیر انتظار کرو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے گئے، یہاں تک کہ صہبا آ گیا۔

(مسند ابو یعلی، حدیث نمبر 7084)(المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 252)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ سیدہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کو کسی صورت بھی برداشت نہ کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا سے

ناراض ہو گئے تو سیدہ رضی اللہ عنہا کیلئے یہ وقت گزارنا بہت دشوار ہو گیا۔ آپ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے جا کر کہا:

''آپ جانتی ہیں کہ میں اپنی باری کسی بھی قیمت پر کسی دوسری زوجہ کو دینے کیلئے تیار نہیں لیکن اگر آپ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ پر راضی کروا دیں تو میں اپنی باری آپ کو دینے کیلئے تیار ہوں۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کام کیلئے تیار ہو گئیں۔ آپ نے زعفران میں رنگی ہوئی ایک اوڑھنی لے کر اس پر پانی چھڑکا تاکہ اس کی خوشبو بڑھ جائے۔ پھر آپ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عائشہ! آج تمہاری باری کا دن تو نہیں ہے۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ پھر تمام واقعہ سنایا جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے راضی ہو گئے۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر ان کی دل جوئی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کیلئے مسجد میں تھے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کیلئے آئیں۔ تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد جب آپ رضی اللہ عنہا جانے لگیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑنے کیلئے مسجد کے دروازے تک آئے۔ اسی دوران دو انصاری مسجد میں داخل ہوئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ٹھہرو اور دیکھ لو کہ یہ میری بیوی صفیہ بنت حیی ہے۔ کہیں تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میرے ساتھ رات کی تاریکی میں نہ جانے کون ہے۔''

انصاری صحابیوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ایسا کیونکر سوچیں گے؟''

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ

تمہارے دل کے اندر کوئی ایسی بات نہ ڈال دے۔"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 2035) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 2175) (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2470) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 237)

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ آپ اور دیگر ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھیں۔ اتفاق سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا اور چلنے کے قابل نہ رہا۔ آپ رضی اللہ عنہا رونے لگیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کی دل جوئی فرمائی۔ حضرت سیدہ زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے اس لیے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"زینب! ایک اونٹ صفیہ کو دے دو۔"

اس پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس یہودن کو اپنا اونٹ دے دوں۔؟"

یہ جملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ناگوار گزرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی عرصہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے بات نہ کی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی نے مجھے قریب قریب ناامید کر دیا تھا۔ میں نے عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی بھی ایسی بات نہ کہوں گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سفارش پر بڑی مشکل سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا قصور معاف فرمایا۔"

(سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4602) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 261- 337-338-131) (طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 126) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 321) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 126) (تہذیب التہذیب، جلد نمبر 12، صفحہ نمبر 455) (الکاشف الذہبی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 473)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے تو آپ رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔ اتنے میں آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور آپ کو روتا دیکھ کر فرمایا:

"مايبكيك"

"آپ کیوں رو رہی ہیں۔؟"

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔"

اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وانك لابنة نبى وان عمك لنبى وانك لتحت نبى ففيهم تفخر عليك"

"تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا بھی نبی تھا اور تو ایک نبی کی بیوی ہو۔ وہ کس بات میں تم پر فخر کر سکتی ہے۔؟"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

" اتقى الله يا حفصة"

"اے حفصہ! اللہ سے ڈرو۔"

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 3891) (النسائی فی عشرۃ النساء، حدیث نمبر 33) (مسند امام احمد، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 135) (صحیح ابن حبان، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 170)

ایک مرتبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو آپ رو رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عائشہ اور حفصہ مجھے چھیڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں زیادہ مکرم اور محترم ہیں کیونکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا کی بیٹیاں بھی ہیں۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تو نے یہ کیوں نہ کہہ دیا:

"كيف تكن خير امتى ابى هارون وعمى موسىٰ وزوجى محمد صلواة الله عليهم

"تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو کہ میرے باپ ہارون علیہ السلام ہے، میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہے اور میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 1890) (مستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 29) (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 259) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 401) (الاصابہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 347)

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے قد و قامت کے بارے میں کوئی جملہ کہا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور پر پسند نہ فرمایا، اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"عائشہ! تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے (یہ بات بہت ناپسندیدہ ہے۔)"

(سنن ابی داؤد، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 193)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"حج کا سفر تھا میرے علاوہ دیگر ازواج مطہرات بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ راستے میں میرا اونٹ بیٹھ گیا اور میں سب سے پیچھے رہ گئی اس لئے میں نے رونا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو مجھے روتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں اور اپنی رداء مبارکہ سے میرے آنسو پونچھنے لگے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے آنسو پونچھتے جاتے اور میں بے اختیار روتی جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار مجھے رونے سے روکتے لیکن آنسو بے اختیار میری آنکھوں سے چھلکتے جاتے۔ جب بار بار کے روکنے سے بھی میرے آنسو نہ تھمے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا سختی کے ساتھ منع فرمایا۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 337) (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 296) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 170)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ایام حج میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ مسئلہ پیش کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا وہ ہمیں روکے رکھے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم! وہ طواف زیارت کر چکی ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اب رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 1757) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 1211) (السنن الترمذی، حدیث نمبر 943) (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2003) (السنن النسائی، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 194) (موطا امام مالک، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 412) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 38)

دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرح ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی علم و عرفان کا مرکز تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اکثر خواتین آپ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کرنے کیلئے آیا کرتی تھیں۔

روایات کے مطابق عراق کی رہنے والی صہیرہ بنت جیفر حج کرنے کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئیں تو انہوں نے آپ کے پاس بہت سی خواتین کو مسائل پوچھتے دیکھا۔ صہیرہ نے بھی اپنے مسائل دریافت کرنے کیلئے دیگر خواتین سے مختلف سوالات کروائے اور خود اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے تمام سوالات کے مفصل جوابات دیئے۔ ان میں سے ایک مسئلہ نبیذ کے بارے میں بھی تھا۔ جب اس مسئلے کی باری آئی تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے پس پردہ رہنے والی صہیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اہل عراق یہ مسئلے اکثر پوچھتے ہیں۔''

(مسند امام احمد، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 337)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے دس احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک بخاری شریف میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے جن اصحاب نے روایت کی ہے ان کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت سیدنا امام زین العابدین، اسحاق بن عبد اللہ، یزید بن مصعب، مسلم بن صفوان اور کنانہ رضوان اللہ علیہم۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں صبر و تحمل، کشادہ دلی اور سیر چشمی نمایاں اوصاف تھے۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے کے بعد اکثر آپ کو یہودی ہونے کا طعنہ سننا پڑتا مگر آپ صبر و تحمل سے سب برداشت کرتیں اور کسی کو بھی سخت جواب نہ دیتیں۔ غزوۂ خیبر سے واپسی پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی ایک بہن کو یہودیوں کے

لاشوں کے پاس سے لے کر گزرے تو ان کی بہن اپنے عزیز و اقارب کی لاشوں کو دیکھ کر چیخیں مار کر رونے اور سینہ کوبی کرنے لگی مگر ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب اپنے محبوب شوہر، باپ اور بھائی کی لاشوں کے پاس سے گزریں تو آپ کی جبینِ تحمل پر کسی قسم کا شکن بھی نہیں آیا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا امیر المومنین بنے تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک کنیز نے جا کر آپ کو شکایت کی کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں ابھی تک یہودیت کی بو پائی جاتی ہے کیونکہ اب بھی وہ یوم السبت (ہفتہ کے دن) کو اچھا تصور کرتی ہیں اور یہودیوں سے دلی لگاؤ رکھتی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تحقیق کیلئے خود آپ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں پوچھا تو ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہفتہ کے بدلے جمعہ کا دن عطا فرمایا تو ہفتے کے دن کو محبوب رکھنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ البتہ یہودیوں سے میں ضرور لگاؤ رکھتی ہوں کیونکہ ان میں میرے عزیز و اقارب ہیں اور مجھے صلہ رحمی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی حق گوئی سے بہت متاثر ہوئے اور واپس چلے گئے۔ اس کے بعد سیدہ صفیہ سلام اللہ علیہا نے اس لونڈی کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تجھے امیر المومنین کے سامنے میری شکایت کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا تو اس نے جواب دیا:

"شیطان نے۔"

اس پر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"جا! میں نے تجھے آزاد کیا۔"

(عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 402) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1871) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 74) (سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 222)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بہت نرم دل، کشادہ دل، سیر چشم، حلیم الطبع، عاقلہ اور فاضلہ تھیں۔ چنانچہ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"کانت صفیۃ عاقلۃ حلیمۃ و فاضلۃ"

"سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا عاقلہ اور حلیم الطبع تھیں۔"

(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 296)

عیون الاثر اور اسد الغابہ میں ہے:

"كانت عاقلة من عقلاء النساء

"وہ خواتین میں نہایت عقل مند تھیں۔"

(عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 402) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1871)

جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا دلہن بن کر مدینہ طیبہ آئیں تو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ انہیں دیکھنے کے لیے آئیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے کانوں کے طلائی جھمکے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیئے اور آپ کی ساتھی لڑکیوں کو بھی کچھ نہ کچھ زیور دیا۔

آپ رضی اللہ عنہا کی سخاوت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک مکان تھا جو آپ نے فروخت کر کے اس کی رقم صدقہ و خیرات کر دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایام محاصرہ میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بڑی مدد کی۔ جب 35 ہجری میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا اور ضرورت زندگی کی چیزیں بھی ان تک پہنچنے نہ دیں تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا خچر پر سوار ہو کر اپنے ایک غلام کے ساتھ آپ کی مدد کیلئے روانہ ہوئیں۔ مالک اشتر نے جب آپ کو آتے دیکھا تو آپ کے خچر کے منہ پر مارنے لگا جس سے خچر بدک گیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا وہاں سے واپس گھر آئیں اور حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا دینے کیلئے بھیجا۔ آپ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے کھانا وغیرہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچاتے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے مکان اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کے درمیان ایک لکڑی رکھ دی جس پر سے گزر کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کھانا پانی وغیرہ پہنچایا جاتا تھا۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نہایت حلیم الطبع، صابرہ و شاکرہ، کشادہ دل، سیر چشم عاقلہ و فاضلہ اور سخی تھیں۔ دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جس کی ایک مثال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے محاصرے کے دوران آپ کی خدمات ہیں جو آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کیلئے کیں۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو بے انتہا محبت تھی۔ جس کی ایک

مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام مرض میں سیدہ صفیہ کا یہ فرمانا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی بیماری مجھے لگ جائے ہے۔اس کی تصدیق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمائی کہ یہ اوپر اوپر سے ہی ایسا نہیں کہہ رہی بلکہ یہ سچے دل سے کہہ رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہمیشہ دل جوئی فرمایا کرتے تھے۔جب بھی کوئی انہیں یہودن ہونے کا طعنہ دیتا تو یہ رو پڑتیں اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ لیتیں تو ان کے آنسو پونچھتے اور ان کی دل جوئی فرماتے۔

دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ولیمہ ایک دن ہوا لیکن سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کی دعوت تین دن تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھلائی گئی۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی علم و فضل والی تھیں۔خواتین اکثر آپ رضی اللہ عنہا سے مسائل پوچھا کرتی تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا سے دس احادیث بھی مروی ہیں۔

حسن و جمال سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا امتیازی وصف تھا۔جب آپ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلہن بن کر آئیں تو مدینہ کی خواتین آپ کے حسن کا چرچہ سن کر آپ کو دیکھنے کیلئے آئیں۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا ایک وصف یہ بھی ہے جو آپ کو دیگر ازواج سے ممتاز کرتا ہے کہ آپ کھانا بہت لذیذ پکاتی تھیں اور اکثر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتی تھیں۔چاہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی زوجہ کے ہاں تشریف فرما ہوتے۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے خواتین کیلئے ایک مشکل آسان ہوگئی کہ جب خواتین حج میں طوافِ زیارت کر لیں اور ان کو حیض ونفاس شروع ہو جائے تو انہیں رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی بڑی تکریم فرماتے تھے۔ایک مرتبہ دورانِ اعتکاف آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں جب رخصت ہونے لگیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود انہیں دروازے تک چھوڑنے آئے۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 128) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 742)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا وصال 50 ہجری میں ساٹھ سال کی عمر میں مدینہ طیبہ

میں ہوا۔ یہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا دورِ خلافت تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا جنت البقیع شریف میں اسودۂ خاک ہوئیں۔

(فتح الباری شرح حدیث نمبر ۵۰۳۵، طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۲۸، نووی فی التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۴۹، صفۃ الصفوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۲، انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۴۴۴)

آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک مکان تھا جس کو آپ نے اپنی زندگی میں ہی خیرات کر دیا تھا۔ البتہ آپ نے ایک لاکھ درہم جو کہ ایک قطعہ زمین کی قیمت کے تھے ترکہ چھوڑا آپ نے وصیت کی کہ ان میں سے ایک تہائی میرے بھانجے کو دیا جائے۔ چونکہ آپ کا بھانجہ یہودی تھا اس لئے لوگوں نے آپ کی وصیت پوری کرنے میں تامل کیا۔ جب اس بات کا پتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو لگا تو آپ نے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ اللہ سے ڈرو اور صفیہ کی وصیت پوری کرو۔ چنانچہ مال کا ایک تہائی آپ بھانجے کو دے دیا گیا اور باقی صدقہ و خیرات کر دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 128) (زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 296) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 401)

سیدہ اُمِ حبیبہ:

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات میں نواں نمبر ہے۔ آپ بڑی نیک سیرت، نیک صورت اور بڑی راسخ العقیدہ خاتون تھیں۔ آپ عالی نسب، عالی ہمت، سخی طبیعت اور پاکیزہ صفات کی مالکہ تھیں۔ آپ کو قدیم الاسلام ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ حالانکہ آپ کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ تک مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی قیادت کرتے رہے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نام "رملہ یا" ہند اور کنیت ام حبیبہ ہے۔ والد کی طرف سے سلسلہ نسب یوں ہے:

"رملہ بنت ابو سفیان (ان کے اصل نام صخر تھا) بن حرب بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف"

آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام صفیہ بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ہے۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے 17 سال قبل مکہ میں مکہ کے رئیس حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر پیدا ہوئیں۔

(الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 84)(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 20)(الانساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 438)(التہذیب فی نووی، جلد نمبر 2، صفحہ 359)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا چونکہ ایک رئیس قریش ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اس لیے انہوں نے بڑے ناز و نعم کے ساتھ پرورش پائی۔ جب جوان ہوئیں تو اپنی قوم کے حلیف عبید اللہ بن جحش سے ان کا نکاح ہوا۔ عبید اللہ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ابتدائی زمانہ اسلام میں ہی اسلام قبول کر لیا۔ جب کفار مکہ اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اذیتیں حد سے تجاوز کر گئیں تو ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ میں ہی ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا گیا۔ ام المومنین سیدہ رضی اللہ عنہا اسی وجہ سے ام حبیبہ کے نام سے مشہور ہوئی اور ان کا اصل نام کنیت کے نیچے دب گیا۔

ہجرت حبشہ کے تھوڑے عرصہ بعد ہی سیدہ رضی اللہ عنہا کا خاوند عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گیا اور اس نے عیسائیت کو قبول کر لیا۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"جس دن عبید اللہ مرتد ہوا اس سے پہلی رات میں نے اسے نہایت بری شکل اور بھیانک صورت میں دیکھا۔ میں اس خواب سے میں بہت گھبرائی۔ جب صبح بیدار ہوئی تو وہ اسلام سے منحرف ہو کر عیسائیت اختیار کر چکا تھا۔ میں نے اس امید پر اسے اسلام کی دعوت دی کہ شاید وہ متنبہ ہو جائے اور اسلام کے دامن رحمت میں دوبارہ آجائے مگر وہ شراب و کباب میں ڈوبا رہا اور میرے کسی کہے میں نہ آیا۔"

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 97)(المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 20)(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 242)(سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 221)

عبید اللہ نے ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پر بھی عیسائیت اختیار کرنے کیلئے دباؤ ڈالا مگر آپ رضی اللہ عنہا اسلام پر سختی سے قائم رہیں۔ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے دونوں میاں بیوی میں علیحدگی ہو گئی۔

اللہ رب العزت کی شان دیکھیے کہ عبید اللہ نے جس بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ سے متاثر ہو کر

عیسائیت اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ کو ہی اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''عبید اللہ شراب و شباب میں ڈوبا رہا۔ یہاں تک کہ کثرتِ شراب کی وجہ سے حالت کفر میں ہی مر گیا۔''

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس جماعت میں شامل ہیں جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور کفار مشرکین کی اذیتیں برداشت کی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا اسلام بچانے کی خاطر اپنے والدین، بہن، بھائی، عزیز و اقارب اور وطن تک کو چھوڑ دیا تھا اور حبشہ میں آپ کا خاوند عبید اللہ آپ کا سہارا تھا لیکن وہ بھی مرتد ہو کر مر گیا۔

مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بڑا شاق گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیفِ قلب کیلئے ان سے نکاح فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ فہری رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنا کر حضرت نجاشی رضی اللہ عنہا کے دربار میں بھیجا اور فرمایا:

''اگر ام حبیبہ اس پر راضی ہوں تو میرا نکاح خود میرے وکیل بن کر ان سے کر دینا۔''

جب حضور شفیع عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اپنی خاص ابرہہ نامی کنیز کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح دینے کیلئے بھیجا اور کہا:

''اگر ام حبیبہ کو منظور ہوا تو اپنی طرف سے نکاح کیلئے کوئی وکیل مقرر کر دیں۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو جب حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام نکاح ملا تو آپ رضی اللہ عنہا اتنی خوش ہوئیں کہ پیغام نکاح لانے والی لونڈی ابرہہ کو اپنے ہاتھوں کے دونوں کنگن، پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب سونے کے تھے دے دیئے اور اپنے ماموں زاد حضرت خالد بن سعید بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر کیا۔

جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے رضامندی ہو گئی اور ان کی طرف سے نکاح کا وکیل مقرر کر دیا گیا تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے تمام مہاجرین مسلمانوں کو جن کے سردار حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے کو اپنے دربار میں بلایا اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح

کے وکیل ہونے کے سبب سے خطبہ نکاح پڑھا۔ اس خطبہ کو تفاسیر میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"الحمد لله الملك القدوس السلام المومن المهيمن العزيز الجبار المتكبر اشهد ان لااله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله ﷺ وانه الذى بشربه عيسى ابن مريم اما بعد فان رسول الله ﷺ كتب الى ان ازوجه ام حبيبة بنت ابى سفيان فاجبت الى مادعا اليه رسول الله ﷺ وقد اصدقتها اربع مائة دينار"

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو مالک ہے، پاک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن عطا کرنیوالا ہے، نگہبان ہے، سب سے غالب ہے، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والا اور متکبر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ وہ ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ اما بعد! بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف لکھا ہے کہ میں آپ کی طرف سے آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کر دوں، پس میں نے اسے پسند کیا جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور چار سو دینار میں نے اپنی طرف سے ام حبیبہ کے حق مہر کے ادا کیے۔"

اس کے ساتھ ہی حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار اپنی قوم کے سامنے رکھ دیئے۔ اس کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے خطبہ نکاح پڑھا:

"الحمد لله نحمده ونستعينه واشهد ان لا اله الا لله وان محمد اعبده ورسوله ارسله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون اما بعد فقد اجبت مادعا اليهرسول الله ﷺ وزوجته ام حبيبة بنت ابى سفيان فبارك الله رسوله عليه السلام"

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، میں اس کی تعریف کرتا ہوں، اس کی جناب میں استعانت کی درخواست کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب بندے اور رسول ہیں۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے اور اگرچہ یہ مشرکوں کو ناپسند ہے۔ اما بعد! بیشک میں پسند کرتا ہوں اس چیز کو جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا ہے۔ لہٰذا میں نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ پس اللہ رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر برکتیں نازل فرمائے۔"

جب نکاح کی تقریب مکمل ہوئی تو لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے ان سب کو بٹھا لیا اور فرمایا:

"حضرت انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہوتا ہے، چنانچہ سب احباب ولیمہ کی دعوت کھا کر جائیں۔"

چنانچہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے نہایت شاندار ضیافت کا اہتمام کیا۔ سب احباب دعوت ولیمہ سے فارغ ہو کر رخصت ہو گئے۔

جب سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر 36 یا 37 سال تھی۔ یہ نکاح 6 ہجری کے آخری ایام میں ہوا۔

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 742) (تہذیب فی النووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 309) (دلائل النبوۃ، للبیہقی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 962)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہو جانے کے بعد حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے مہر کی رقم آپ رضی اللہ عنہا کے وکیل خالد بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔ جب مہر کی رقم سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہا نے پیغامِ نکاح لانے والی کنیز ابرہہ کو بلایا اور اسے اس رقم میں سے پچاس دینار دینے چاہے مگر اس نے یہ دینار اور پہلے لیا ہوا تمام زیور آپ کو واپس کر دیا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جب وجہ پوچھی تو اس نے کہا:

"ایک تو بادشاہ نے مجھے تاکید کی ہے دوسرا یہ کہ میں مسلمان ہو گئی ہوں اور یہ کہ

بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا ہے خوشبوئیں اور عطر آپ کے پاس تحفہ بھیجیں۔''
چنانچہ دوسرے دن ابرہہ بہت ساعود اور عنبر وغیرہ ان بیگمات کی طرف سے تحفہ لے کر آئی جو آپ نے رکھ لیا۔ تحائف دینے کے بعد ابرہہ نامی کنیز نے آپ رضی اللہ عنہا سے کہا:

''سیدہ! میری ایک درخواست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میرا سلام عرض کرنا اور یہ بھی بتانا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو چکی ہوں۔''

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ابرہہ کا یہ حال تھا کہ جب بھی وہ میرے پاس آتی تو مجھے کہتی دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا اور میرا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ضرور پہنچانا۔ چنانچہ جب میں مدینہ پہنچی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات و واقعات بتائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سن کر مسکراتے رہے اور جب میں نے ابراہہ کا سلام پہنچایا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں علیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فرمایا۔''

(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 243) (صفحۃ الصفوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 22)

حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا۔ رخصتی کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کو بہت سا جہیز بھی اپنی طرف سے دیا۔

(السنن ابی داؤد، کتاب النکاح) (تاریخ طبری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 353)

جب نکاح کی تمام رسومات ادا ہو چکیں تو حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کو بحری جہاز میں مدینہ طیبہ کی طرف روانہ کیا اور ساتھ بہت سی خوشبوئیں اور دیگر تحائف بھی دیئے۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جب مدینہ پہنچیں تو اسی دن حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے فتح یاب ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنے والوں میں حضور نبی کریم کے چچا زاد اور آپ کے ہم شکل حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وفد کی آمد کی اطلاع ملی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے، انہیں گلے سے لگایا اور فرمایا:

''تو صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہو، میں نہیں جانتا کہ میرے لیے زیادہ خوشی کی بات کون سی ہے فتحِ خیبر یا آمدِ جعفر۔''

یہ اوائل 7 ہجری کا واقعہ ہے۔ مدینہ واپسی کے بعد ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں داخل ہو گئیں اور دیگر ازواج کی طرح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگ گئیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص مجھے ام المومنین کہہ رہا ہے۔ میں اس پر بڑی متعجب ہوئی اس خواب کی تعبیر میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

''عسى الله ان يجعل بينكم و بين الذين عاديتم منهم مودة''

''عنقریب اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے دشمنوں میں دوستی کر دے گا۔''

پھر ہوا بھی اس آیت کے مطابق جب حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو ان کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ (جو کہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے بلکہ کفار مکہ کے سردار تھے اور اسلام دشمنی میں سب سے آگے آگے تھے) ٹھنڈے پڑ گئے۔ جب اس شادی کی خبر حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے اپنی شکست کو تسلیم کرتے ہوئے کہا:

''فذاك الفصل لا يقدع انفه''

''آپ جوان مرد ہیں۔ آپ کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی۔''

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 99) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1844)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو السابقون الاولون ہونے کا اعزاز حاصل ہے، یعنی آپ رضی اللہ عنہا ابتدائی زمانے میں ہی اسلام کے دائرۂ رحمت میں شامل ہو گئیں تھیں۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اسلام کے ساتھ شدید محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس طرح سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا گھر بار، والدین اور وطن فقط اسلام کی خاطر

چھوڑا۔ حبشہ میں اپنے خاوند کو عیسائی ہونے پر چھوڑ دیا مگر اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے والد کو بھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر نہ بٹھایا کہ اس وقت مشرک تھے۔

قرآن مجید کی یہ آیت: "عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودة" سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حق میں ہی نازل ہوئی۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی شدت سے عمل کرتی تھیں۔ اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے وصال کے تین دن بعد خوشبو لگانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق دن اور رات میں بارہ نفل پڑھنا اس کی روشن مثال ہے۔

حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت نیک فطرت تھیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن کے ساتھ نکاح کرنے کی درخواست کی تھی۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک دن آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری بہن عزہ سے شادی کر لیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم اسے پسند کرتی ہو۔؟"

آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"میں اکیلی تو آپ کی بیوی نہیں ہوں۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری بہن بھی اس خیر و فضیلت میں شریک ہو جائے۔"

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"(شریعت اسلامیہ میں ایک وقت میں دو بہنوں کے ساتھ نکاح نہیں کیا جا سکتا اس لیے) وہ میرے لیے حلال نہیں۔!"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 5107) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 1449) (شرح صحیح مسلم، جلد نمبر 16، صفحہ نمبر 63) (جلاء الافہام، صفحہ نمبر 187) (الفصول، صفحہ نمبر 248)

آپ رضی اللہ عنہا کی شرافت کا اندازہ وفات کے وقت ام المومنین سیدہ عائشہ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے معافی کی درخواست سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"سیدہ ام حبیبہ نے وفات کے وقت مجھے بلایا اور کہا کہ مجھ میں اور تم میں وہ تعلقات تھے جو باہم سوکنوں میں ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔ اس پر میں نے جواب دیا کہ تم نے مجھے خوش کیا ہے، خدا تعالیٰ تمہیں خوش رکھے۔ اسی طرح سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی بلا کر کہا۔

(طبقات ابن سعد، جلد 8، صفحہ نمبر 100) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 22) (صفۃ الصفوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 42)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالم حدیث بھی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے 65 احادیث مروی ہیں جنہیں جلیل القدر صحابہ و تابعین نے آپ سے روایت کیا ہے۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا صورت اور سیرت میں خوبصورت تھیں اور آپ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ آپ کے حسن پر فخر کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک دن حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا:

"عندی احسن العرب واجمله ام حبیبة"

"میرے نزدیک عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت ام حبیبہ ہے۔"

حسین ظاہری رنگ وصورت، نین نقش اور خدوخال کے متوازن ہونے کا نام ہے اور جمال سیرت و کردار، گفتار و افعال، عقل و فہم کی زیادتی کا نام ہے۔ یہ دونوں وصف حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا میں موجود تھے۔ اس لیے آپ حسین بھی تھیں اور جمیل بھی۔

یہ بھی حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان کے والدین کے گھر کو دارالامن قرار دے دیا۔ جبکہ ابھی تک ان کے والدین ایمان نہیں لائے تھے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور آپ کی زوجہ رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ لہٰذا اب ان شخصیات کے خلاف زبان درازی بہت بڑا گناہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے

والدین صحابیت کے رتبے سے مشرف تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خلفائے راشدین کے دور میں کئی اٹھنے والے فتنوں کے خلاف محاذ آرائی کی اور مسلمانوں کو کئی خطرناک حملوں سے بچایا۔ آپ رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین کے دور میں بطور جرنیل رہے، یہ آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت جاننے کے لیے کافی ہے۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ کے پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکے کا نام عبداللہ تھا اور لڑکی کا نام حبیبہ تھا۔ حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں پرورش و تربیت پائی اور قبیلہ ثقیف کے رئیس کے بیٹے عروہ بن مسعود ثقفی کے ساتھ منسوب ہوئیں۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرح ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی علم و فضل کا خزینہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا چونکہ شارح اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے بہت قریب سے مصطفیٰ کریم علیہ السلام کے قول و فعل کا مشاہدہ کیا، اسے یاد رکھا اور پھر امت مسلمہ تک پہنچایا۔

موجودہ کتب احادیث میں آپ سے 165 احادیث مروی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے جن جلیل القدر احباب نے روایت کی ہیں ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

آپ کے بھائی حضرت عتبہ، حضرت معاویہ بن سفیان، آپ کی بیٹی حضرت حبیبہ، عبداللہ بن عتبہ، ابوسفیان بن سعید ثقفی، سالم بن سوار، ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابوسلمہ، عروہ بن زبیر، شہر بن حوشب اور ابوصالح السمان، رضوان اللہ علیہم۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ اس کا روشن ثبوت یہ روایت ہے کہ جب فتح مکہ سے قبل آپ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) تجدید صلح کیلئے مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے۔ مدینہ پہنچے ہی آپ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگے تو ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فوراً بستر اٹھا دیا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر کہا:

"بیٹی! تو نے بستر کیوں لپیٹ دیا۔ کیا تو نے بستر کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے بستر

سکے۔؟"

اس پر ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اس لیے اس پر مشرک نہیں بیٹھ سکتا۔"

اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے غصہ سے کہا:

"میرے بعد تو برائی میں مبتلا ہوگئی ہے۔"

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"میں برائی میں نہیں، بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور میں داخل ہوگئی ہوں۔"

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 99)(زرقانی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 293)(صفتہ الصفوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 46)(تاریخ طبری، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 388)

مصطفیٰ کریم علیہ السلام بھی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی تھی کہ فتح مکہ کے دن آپ علیہ السلام نے ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو دارالآمان فرمایا اور اعلان فرمادیا کہ جوکوئی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا اسے امان ہے۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی سختی سے پابندی کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جوکوئی دن اور رات میں بارہ رکعات نفل ادا کرلے اس کیلئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنادیتا ہے۔"

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"اس دن کے بعد سے میں نے کبھی بھی یہ نفل ترک نہیں کیے۔"

(صحیح المسلم، حدیث نمبر 728)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی اتنی پابند تھیں کہ جب ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو تین دن بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑوں اور جسم پر خوشبو ملی۔ پھر فرمایا:

"مجھے اس خوشبو کی کوئی حاجت نہ تھی لیکن میں نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی فوتگی پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ البتہ! بیوی کو اپنے شوہر کے فوت ہونے پر چار ماہ اور دس دن سوگ کرنا چاہیے۔"

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 1280) (صحیح المسلم، حدیث نمبر 1486) (جامع الاصول، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 149)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بڑے پختہ ایمان والی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اس وقت اسلام قبول کیا جب گنتی کے چند افراد ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اسلام کی خاطر سب رشتے چھوڑ دیئے حتیٰ کہ بھائی بہن، ماں باپ اور شوہر کو بھی چھوڑ دیا مگر اسلام کو نہیں۔ یہ آپ رضی اللہ عنہا جیسی بہادر اور مضبوط دل والی خاتون کا ہی طرۂ امتیاز تھا۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے 73 سال کی عمر میں اپنے بھائی کاتب وحی حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں 44 ہجری کو مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔

(استیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1845) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 116) (الانساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 440) (عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 401) (صفۃ الصفوۃ، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 46) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 654) (التہذیب فی النووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 359) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 20) (اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 316)

حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو وہاں سے ایک کتبہ برآمد ہوا جس پر لکھا تھا:

"هذا قبر رملة بنت صخر"

"یہ رملہ (ام حبیبہ) بنت صخر (ابوسفیان) کی قبر ہے۔"

چنانچہ میں نے وہ کتبہ وہیں پر رکھ دیا۔

(الاستیعاب، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 750)

اس روایت سے یہ ظاہر ہوا کہ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی قبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی۔

سیدہ میمونہ:

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں آخری نمبر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شادی نہیں فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا نہایت متقی، پرہیز گار، سگھڑ اور صلہ رحمی کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت سے سترہ سال قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کا اصل نام برہ تھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ رکھا۔ میمونہ یمن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں برکت۔ اس طرح میمون اور میمونہ کے معنی ہوئے مبارک۔

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد کی طرف سے جناب مضر پر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتی ہیں۔ آپ کو الہلالیہ بھی کہتے ہیں۔ آپ کا تعلق قبیلہ جہیر سے تھا۔ ام المومنین کی آٹھ بہنیں تھیں چار سگی اور چار ماں کی طرف سے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

ام الفضل لبابۃ الکبریٰ، لبابۃ صغریٰ، عصماء بنت الحارث اور عزہ بنت الحارث۔ یہ خواتین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہنیں تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی چار بہنیں صرف ماں کی طرف سے بھی تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا، سلمیٰ بن عمیس، زینت بنت خذیمہ رضی اللہ عنہا اور سلامہ بنت عمیس۔ اب ان آٹھوں خواتین کا مختصر تعارف تحریر کیا جاتا ہے۔

1: ام الفضل لبابۃ الکبریٰ سیدنا عبد اللہ بن عباس، فضل بن عباس وغیرہم رضوان اللہ علیہم کی والدہ تھیں اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کی اہلیہ محترمہ تھیں۔

2: لبابۃ صغریٰ ولید بن مغیرہ کی بیوی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔

3: عصماء بنت الحارث کا نکاح ابن بن خلف سے ہوا تھا۔

4: عزہ بنت الحارث سیدہ میمونہ کی چوتھی سگی بہن تھیں۔ ان کا نکاح عبد اللہ بن مالک الہلالی سے ہوا تھا۔

5: اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ ان سے ان کے ہاں تین بچے، محمد، عون اور عبد اللہ رضوان اللہ علیہم پیدا ہوئے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تو ان کا نکاح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد یہ حضرت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عقد میں آئیں اور آپ رضی اللہ عنہا سے ان کے ہاں یحییٰ اور عون پیدا ہوئے۔

6: سلمٰی بن عمیس آپ کا پہلا نکاح حضرت سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے ہوا جن سے ان کے ہاں ایک بیٹی امامہ بنت حمزہ پیدا ہوئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچی سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ مورخین نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے کئی نام بتائے ہیں۔ آپ کو عمارہ، امۃ اللہ اور فاطمہ کے ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا۔ جب جنگ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو شداد بن اسامہ بن الہاد کے عقد میں آئیں اور ان سے آپ کے ہاں دو لڑکے عبد الرحمٰن اور عبد اللہ پیدا ہوئے۔

7: زینب بنت خذیمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سیدہ میمونہ کی ماں شریک بہن تھیں۔ ان کو بھی ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہما سے ہوا، ان کی شہادت کے بعد طفیل بن حارث کے نکاح میں آئیں۔ طفیل نے آپ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بنیں۔

8: سلامہ بنت عمیس عبد اللہ بن کعب بن منبہ کے نکاح میں تھیں۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 279) (انساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 448) (ابن اثیر، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 15) (الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1861) (الاصابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 500) (مغازی للواقدی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 738)

ابن قتیبہ نے بیان کیا ہے کہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت عوف سے زیادہ اس روئے زمین پر کوئی عورت اپنے دامادوں کی وجہ سے خوش قسمت نہیں، کیونکہ ان کے دامادوں میں درج ذیل شخصیات شامل ہیں:

1: مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے داماد تھے۔ بلکہ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کی دو بیٹیاں حضرت سیدہ زینب بنت خذیمہ اور حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

2: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے داماد تھے۔

3: حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بھی ان کے داماد تھے۔
4: حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی ان کے داماد تھے۔
5: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم بھی ان کے داماد تھے۔
6: حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما بھی ان کے داماد تھے۔
7: شداد بن الہاد بھی ان کے داماد تھے۔

(المعارف، صفحہ نمبر 138)

درج ذیل تعارف سے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی خاندانی وقار وعظمت ظاہر ہوتی ہے۔

اُمّ المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام حارث تھا جو کہ قبیلہ قیس بن عیلان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نسب نامہ یوں ہے:

1: میمونہ بنت حارث بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان۔

ہلال بن عامر پر جا کر ان کا نسب حضرت سیدہ زینب بنت خذیمہ سے جا کر مل جاتا ہے اس لیے آپ رضی اللہ عنہا کو بھی الہلالیہ کہا جاتا ہے۔

2: آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت عوف اپنے دامادوں کی وجہ سے پوری روئے زمین میں ممتاز تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب تواریخ میں کچھ اس طرح سے ہے:

ہند بنت عوف بن زہیر بن الحارث بن حماطہ بن حمیر۔

(عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 402) (التہذیب فی النووی، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 356)

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پہلے عقدوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپ کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا لیکن باہمی نااتفاقی کی وجہ سے جلد ہی طلاق ہو گئی۔ پھر ان کا نکاح ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہو گیا۔ بعض نے پہلا نکاح عمیر بن عمرو ثقفی سے لکھا ہے اور دوسرا ابوزہیر بن عبدالعزیٰ سے۔ بعض نے پہلا نکاح خویطب بن عبدالعزیٰ سے اور دوسرا ابورہم بن عبدالعزیٰ سے لکھا ہے، لیکن اس بات میں اکثریت متفق ہے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ عنہا ابورہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک کے نکاح میں تھیں۔ ابورہم کا سات ہجری میں انتقال ہو گیا اور حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال تھی۔

(زرقانی، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 388)(عیون الاثر، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 402)(الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1916)(انساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 444)(المعارف، صفحہ نمبر 137)(اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 272)(الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 126)

ذیعقدہ 7 ہجری میں مصطفیٰ کریم علیہ السلام عمرۃ القضاء کی نیت سے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو مکہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام سرف میں قیام کیا۔ حضرت سیدہ میمونہ سلام اللہ علیہا یہیں پر مقیم تھیں۔ سیدہ کے چچازاد اور بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما جو کہ سیدہ کے بیوہ ہو جانے پر بڑے متفکر تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میمونہ بیوہ اور بے سہارا ہو چکی ہے اس لئے اس کے سہارا کیلئے اس سے عقد فرمالیں۔"

مصطفیٰ کریم علیہ السلام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کیلئے اسے قبول فرمایا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو پیغام نکاح دے کر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا جسے انہوں نے اسی وقت قبول کر لیا۔

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو وہ اونٹ پر سواری تھیں۔ انہوں نے جواب دیا:

"البعیر و ما علیہ للہ ولرسولہ"

"اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے وہ سب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔"

(تفسیر روح المعانی، جلد نمبر 22، صفحہ نمبر 59)

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہبہ کر دیا تھا۔

جب ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

"وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا"

(القرآن الکریم، پارہ نمبر 22، سورۃ احزاب، آیت نمبر 50)

"اور وہ مومن عورت جو اپنی جان نبی کو نذر کر دے، اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو انہیں اجازت ہے۔"

حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل نامزد کیا، جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح مصطفیٰ کریم علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر پانچ سو درہم مقرر فرمایا۔ خطبہ نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھا۔ نکاح کے بعد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ رخصتی عمرہ کی ادائیگی کے بعد ہو۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے مکہ مکرمہ چلے گئے۔

اس میں اختلاف ہے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حالتِ احرام میں کیا یا غیر احرام میں۔ اس بارے میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔

1: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے تب نکاح فرمایا جب آپ عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے احرام باندھا ہوا تھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کر دیا، پھر سیدہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ چلی گئیں۔

(السیرۃ النبویہ، لابن ھشام، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 646)(اسد الغابہ، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 274)(الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 127)(الاستیعاب، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 1917)

2: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں نکاح کیا۔

(صحیح البخاری، حدیث نمبر 1837-4259)(صحیح المسلم، حدیث نمبر 1410)(السنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1844)(السنن الترمذی، حدیث نمبر 842)(السنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1965)(السنن النسائی، جلد نمبر 5، صفحہ نمبر 191)(مسند امام احمد بن حنبل، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 245-252)

اب وہ روایات بیان کی جاتی ہیں جن کی رو سے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہ سے غیر احرام میں نکاح فرمایا۔

1: حضرت ابو خثیمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ

رضی اللہ عنہا سے نکاح عمرۃ القضاء میں کیا۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ میں تین یوم قریش کے معاہدے کے مطابق ٹھہرے، جب تیسرا روز ہوا تو خویطب بن عبدالعزیٰ قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا:

"آپ کی مدت قیام ختم ہو چکی ہے اس لئے آپ مکہ سے چلے جائیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگر تم مجھے تھوڑا سا وقت اور مکہ میں قیام کا دے دو تو میں تمہارے سامنے شادی کر لوں اور تمہیں ولیمے کا کھانا بھی کھلاؤں اور تم بھی اس شادی میں شریک ہو جاؤ"

خویطب اور اس نے ساتھیوں نے جواب دیتے ہوئے کہا:

"ہمیں آپ کے کھانے کی ضرورت نہیں، لہٰذا آپ مکہ چھوڑ جائیں"

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ مکہ سے نکل آئے اور مقام سرف پر آپ علیہ السلام نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

(دلائل النبوہ، للبیہقی، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 133) (سیرۃ النبویہ، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 372)

2: ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مقام سرف میں نکاح فرمایا۔ اس وقت ہم دونوں حلال تھے یعنی احرام کھول چکے تھے۔"

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 845) (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1843) (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1964) (صحیح المسلم، صفحہ نمبر 1411)

3: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام اتار چکے تھے۔ میں اس وقت ان دونوں کے درمیان سفیر کا فریضہ ادا کر رہا تھا۔

(السنن الترمذی، حدیث نمبر 841) (التمہید، لابن عبدالبر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 152) (تحفۃ الاشرف، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 200)

ان دونوں طرح کی روایات میں تطبیق علماء کرام نے یوں فرمائی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عرض پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء پر جاتے ہوئے مقام سرف میں حالت احرام میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیلئے رضامندی ظاہر فرمائی اور عمرہ سے واپسی

پر اسی مقام سرف میں احرام کھول کر آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا۔

شادی کے وقت ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی عمر 35 یا 37 سال تھی۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زوجہ محترمہ تھیں یعنی آپ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اور نکاح نہیں فرمایا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زوجہ محترمہ ہیں جنہوں نے تمام ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں وصال فرمایا۔

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 132) (تفسیر القرطبی، جلد نمبر 14، صفحہ نمبر 167) (دارالمعاد، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 113) (الواقدی کمافی طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ 140) (الانساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 446)

دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرح سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ اگر آپ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان دیکھتیں تو خود پریشان اور غم زدہ ہو جاتیں۔ ایک دن مصطفی کریم علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو خاموش خاموش اور پریشان تھے۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وجہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح سے پریشان پریشان لگ رہے ہیں۔؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آج رات جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہیں آئے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ خدا کی قسم! انہوں نے کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کی۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتے کے بچے کا خیال آیا جو رات کو پلنگ کے نیچے آکر بیٹھ گیا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فوراً باہر نکلوا دیا تو اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہو گئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس گھر میں کتا یا تصویر ہو۔"

مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا،

سیدہ سلمٰی رضی اللہ عنہ اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو مومن بہنیں فرمایا ہے۔

علم حدیث وفقہ میں آپکا مقام بہت بلند ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا سے چھہتر احادیث مروی ہیں جس سے آپ رضی اللہ عنہا کے علمی مقام اور فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی کو آزاد کیا۔ جب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور بڑے اجر وثواب کی نوید سنائی۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا بے حد سخی اور فیاض تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی فیاضی کی وجہ سے اکثر قرض لینے کی نوبت بھی آجاتی مگر سائل کو در سے خالی نہ جانے دیتیں۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو مسواک سے خاص شغف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا مسواک کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔

امر ونواہی اور دین کے معاملے میں آپ رضی اللہ عنہا بہت سخت تھیں۔ جب بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی دیکھتیں تو بلالحاظ اسے جھاڑ دیتیں اور سخت سرزنش فرماتیں۔

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

”وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسا للنبی“

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

”میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلح رحمی کرنے والی ہیں۔“

خاندانی شرافت کے لحاظ سے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا ایک ممتاز مقام ہے۔

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہبہ کر دیا مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی ان کا حق مہر مقرر فرمایا۔ حق مہر پانچ سو درہم تھا جو کہ اکثر ازواج کے مہر کے برابر تھا۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی بھی مقام سرف (جو کہ مکہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے) میں ہوئی، آپ رضی اللہ عنہا کا وصال بھی اسی جگہ پر ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا وہیں مدفون ہیں۔

دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرح ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بھی بہت فیاض تھیں۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہا اکثر قرض لیا کرتی تھیں جو کہ جلد ہی واپس کر دیتیں۔ ایک مرتبہ کچھ زیادہ ہی رقم قرض لے لی تو کسی نے پوچھا:

"آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی۔؟"

تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 332)

ام المومنین سیدہ میمونہ سلام اللہ علیہا کو مسائل کو بہت ادراک تھا۔ آپ ہر مسئلے کی تہہ تک پہنچ کر اسے بیان فرماتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی فہم و فراست کا اندازہ اس طرح سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سفر حج میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو نو ویں ذوالحجہ میں شک ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے ہیں یا نہیں۔ جب اس کا پتہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو چلا تو آپ رضی اللہ عنہا نے ایک پیالہ دودھ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دودھ کو پی لیا اس طرح لوگوں کو اس سوال کا جواب مل گیا۔

ایک مرتبہ حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور شاگرد حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حالت میں ان کے پاس آئے کہ آپ کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا:

"بیٹا! کیا بات ہے۔ تمہارے بال کیوں پراگندہ ہیں۔؟"

اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا:

"میری بیوی ایام کی حالت میں ہے۔ وہ ہی میرے سر میں کنگھا کیا کرتی ہے۔ میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ اس حالت میں اس سے یہ کام لوں۔"

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"بیٹا! کبھی ہاتھ بھی ناپاک ہوتے ہیں۔؟ ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتے تھے اور قرآن مجید کی

تلاوت فرماتے تھے اور ہم اسی (حیض کی) حالت میں (اپنے ہاتھوں سے) مصلیٰ اٹھا کر نماز پڑھنے کی جگہ رکھ آتیں تھیں (اگر ہاتھ پلید ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ضرور منع فرماتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا۔)"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 331)

ایک مرتبہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی کنیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر گئی تو دیکھا کہ دونوں میاں بیوی کے بستر دور دور بچھے ہوئے ہیں۔ بدیہ نامی کنیز نے سوچا کہ شاید کوئی رنجش ہوگئی ہے جس کی وجہ سے یہ معاملہ ہے۔ جب اس نے وجہ دریافت کی تو پتہ چلا کہ رنجش تو کوئی نہیں البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما امراضِ نسوانی (حیض و نفاس) میں اپنا بستر الگ کر لیتے ہیں۔ بدیہ نے واپس آکر سارا معاملہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تو آپ نے فرمایا:

"اسے جا کر کہو کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے اس قدر اعراض کیوں ہے۔؟ جب ہم اس حالت میں ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ ہمارے بستروں میں آرام فرما ہوتے۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 332)

ایک مرتبہ ایک عورت بیمار ہوئی تو اس نے منت مانی کہ اگر وہ صحت یاب ہو جائے تو بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی۔ کچھ دنوں کے بعد وہ صحت یاب ہوگئی تو اپنی منت کے مطابق بیت المقدس جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ جب رخصت ہونے کیلئے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے اس سے فرمایا:

"مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو کیونکہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری جگہ سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ تم یہیں نماز پڑھو کیونکہ یہ مقدس مسجد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے۔ اس طرح تمہاری منت بھی پوری ہو جائے گی اور ثواب بھی زیادہ ملے گا۔"

(مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ 333)

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں داخلے کے ساتھ ہی علم دین کے حصول میں مشغول ہوگئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا تین سال کے قریب مصطفیٰ کریم علیہ السلام کی رفاقت میں رہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال، سفر و قیام، کھانا پینا اور دیگر امور کا

بغور مشاہدہ کرتی رہیں اور دیگر ازواج مطہرات کی طرح امت کی معلمہ بن کر ان تمام واقعات ومسائل کو امت تک پہنچایا۔ آپ رضی اللہ عنہا سے بیالیس اور دوسرے قول کے مطابق چھہتر احادیث مروی ہیں۔ ان احادیث سے آپ رضی اللہ عنہا کے فقہہ دانی اور علم وفضل کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا سے احادیث روایت کرنیوالوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن السائب، حضرت یزید بن اصم (یہ چاروں سیدہ کے بھانجے ہیں) عطا بن یسار، سلیمان بن یسار (یہ دونوں غلام تھے) ندبہ (یہ آپ کی کنیز تھیں)، عبیداللہ ابن خولانی (یہ آپ کے ربیب تھے) ابراہیم بن عبداللہ، کریب (ابن عباس کے غلام) عبیدہ بن سباق، عبیداللہ بن عتبہ اور عالیہ بنت سبیع وغیرہم رضوان اللہ علیہم شامل ہیں

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا دین اور امر ونواہی کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا کا ایک قریبی رشتہ دار آپ سے ملنے کیلئے آیا تو اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اسے بہت ڈانٹا اور آئندہ اپنے گھر میں اس کا داخلہ بند کر دیا۔

آپ رضی اللہ عنہا کے تقویٰ کے متعلق ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔"

(طبقات ابن سعد، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 138) (المستدرک للحاکم، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 32) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 128)

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو نماز سے خاص رغبت تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر نماز میں مشغول ہو جاتیں۔

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں مقیم تھیں کہ بیمار ہو گئیں۔ جب بیماری کچھ زیادہ ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"مجھے مکہ سے لے چلو کیونکہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ تجھے مکہ میں موت نہیں آئے گی۔"

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کو مکہ سے باہر مقام سرف پر لایا گیا جہاں پر آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے 51 ہجری کو اس جگہ وصال فرمایا جس جگہ رخصتی کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ لگایا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھایا۔ جب تدفین کے لئے جنازہ کو اٹھایا گیا تو لوگ ذرا تیزی سے چلنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''جنازے کو جھٹکے کے ساتھ مت اٹھاؤ، آہستہ آہستہ چلو اور ادب واحترام کا خیال رکھو کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔''

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو مقام سرف کی اسی جگہ پر دفن کیا گیا جس جگہ آپ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔

آپ رضی اللہ عنہا کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عبداللہ خولانی رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر 81 سال تھی۔

جس طرح ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اسی طرح آپ کا تمام ازواج میں سب سے آخر میں وصال ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد 8، صفحہ نمبر 140) (صحیح البخاری، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 211) (مسند امام احمد، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 333) (المجمع الزوائد، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 249) (المعجم الکبیر، جلد نمبر 23، صفحہ نمبر 442) (الاصابہ، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 128) (تاریخ خلیفہ بن خیاط، صفحہ نمبر 218) (التمھید، لابن عبدالبر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 151) (التھذی، للنووی، جلد نمبر 2، صفحہ 356) (الانساب الاشراف، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 446) (بسوی، جلد نمبر 8، صفحہ نمبر 415)

☆☆☆

باب نمبر 14:

شوہر اور بیوی سے متعلق چند احادیث

بیوی کا حق:

حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہماری بیوی کا ہم پر کیا حق ہے۔؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"حق یہ ہے کہ جب تم کھانا کھاؤ اس کو بھی کھلاؤ، جب کپڑا پہنو اس کو بھی پہناؤ، اس کو منہ پر مت مارو (قصور ہونے پر بھی مت مارو اور بے قصور کو مارنا سب جگہ برا ہے)، نہ اس کو سوا اور نہ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دو، مگر گھر کے اندر (روٹھ کر گھر سے باہر مت جاؤ)۔

غلام کی طرح:

عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح نہ مارے۔ شاید دن کے ختم ہوتے پر اس سے ہم بستری کرنے لگے۔"

(صحیح بخاری) (صحیح مسلم) (سنن ترمذی)

عورتوں کے حق میں نرمی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں تم کو عورتوں کے حق میں اچھے برتاؤ کی نصیحت کرتا ہوں، تم اس کو قبول کرو، کیونکہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ سو اگر تم اس کو (بالکل) سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے اور اگر اس کو اس کے حال پر رہنے دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، اس لئے ان کے حق میں اچھے برتاؤ کی نصیحت قبول کرو۔"

(صحیح بخاری)

حکم پردہ:

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اور میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں کہ اتنے میں ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم دونوں ان سے پردہ میں ہو جاؤ۔"

ہم نے عرض کیا:

"کیا وہ نابینا نہیں ہیں۔؟ نہ ہم کو دیکھتے ہیں، نہ ہم کو پہچانتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں۔؟"

(سنن ترمذی)

حق شوہر:

1: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔"

(سنن ترمذی)

2: ابن ابی اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد رسول اللہ کی جان ہے! عورت اپنے پروردگار کا حق ادا نہ کرے گی جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے گی۔"

(سنن ابن ماجہ)

3: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا:

"کون سی عورت سب سے اچھی ہے۔؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو ایسی ہو کہ جب شوہر اس کو دیکھے تو اس کا دل خوش ہو جائے اور جب اس کو کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی ذات اور مال کے بارے میں کوئی ناگوار بات کر کے اس کے خلاف نہ کرے۔"

(سنن نسائی)

باب نمبر 15:

شوہر اور بیوی کے باہمی تعلقات

میاں بیوی میں باہمی مودّت ورحمت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وجعل بينكم مودة ورحمة“

”اور اس نے تمہارے درمیان محبت ورحمت ڈال دی۔“

ایک دوسرے کا لباس:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”هن لباس لكم و انتم لباس لهن“

”عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم عورتوں کے لئے لباس ہو۔“

اس تشبیہ میں شدت تعلق کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے یعنی اس تشبیہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ زوجین میں بہت شدید اور گہرا تعلق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میاں بیوی کے درمیان ایسا قوی اور مضبوط تعلق پیدا کر دیتا ہے کہ اس سے زیادہ گہرا دنیا میں کوئی تعلق نہیں ہوتا، کیونکہ بغیر شدید تعلق کے حقوق زوجیت کا آسانی سے ادا ہونا دشوار ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق کی ادائیگی کی آسانی کے لئے زوجین میں ایسا قوی تعلق پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے گویا دونوں متحد (ایک) ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دو قالب (جسم) ایک جان ہیں۔

اس آیت میں زوجین کو لباس کے ساتھ تشبیہ دے کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہم نے زوجین کے متعلق جو حقوق رکھے ہیں ان کی آسانی اس طرح کر دی گئی ہے کہ طرفین میں (دونوں طرف) قوی تعلق رکھ دیا جس سے حقوق کی ادائیگی آسان ہو گئی۔

ایک دوسرے کی زینت:

جیسے لباس میں ستر کی شان ہے اسی طرح عورت مرد کے لیے ساتر (چھپانے والی) اور مرد عورت کے لئے ساتر ہے۔ ہر ایک دوسرے کے عیوب کا ساتر ہے۔ جس طرح لباس زینت ہے

اسی طرح زوجین میں عورت مرد کے لئے اور مرد عورت کے لئے زینت ہے۔

عورت سے تو مرد کی زینت یہ ہے کہ بیوی بچوں والا آدمی لوگوں کی نگاہ میں معزز ہوتا ہے اور مرد سے عورت کی عزت یہ ہے کہ لوگ اس کے اوپر کسی قسم کا شبہ نہیں کرتے اور نکاح سے پہلے عورت کی عزت و آبرو ہر وقت خطرہ میں رہتی ہے۔

ایک دوسرے کے محتاج:

جیسے بغیر کپڑے کے انسان سے صبر نہیں ہو سکتا اس طرح بغیر نکاح کے مرد و عورت کو صبر نہیں آ سکتا۔ محض تقاضائے نفس ہی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اعانت وغیرہ میں عورت اپنے خاوند کی محتاج ہے اور خدمت و راحت رسانی میں مرد عورت کا محتاج ہے۔

میاں بیوی کے تعلق کی حیثیت:

عورت بے شک محکوم ہے، لیکن وہ ایسی محکوم نہیں ہے جیسے لونڈی محکوم ہوتی ہے، بلکہ اس کو مرد کے ساتھ دوستی کا بھی تعلق ہے اور اس تعلق کا خاصہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا ناز بھی ہوتا ہے۔ اس تعلق کے ساتھ مرد کا عورت پر وہ رُعب نہیں ہو سکتا جو نوکروں پر ہوا کرتا ہے۔ مرد یہ چاہتے ہیں کہ بیوی پر بھی اس طرح کا رُعب جمائیں جس طرح نوکر پر جمایا کرتے ہیں یہ نہایت سنگدلی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس تعلق کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی بعض دفعہ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین ناز میں آ کر برابر کے دوستوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر کون ہوگا۔؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر کمال میں بے نظیر تھے۔ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر کا نہ تھا۔ نیز اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب سلطنت تھے۔ مگر ان سب کے باوجود بیویوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی رُعب سے اثر نہیں ڈالا، بلکہ ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا برتاؤ تھا جس میں حکومت اور دوستی کے دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے۔

تعلقِ حکومت کا تو یہ اثر تھا کہ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی مخالفت کبھی نہ کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و ادب اس درجہ کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی کی عظمت بھی ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر نہ تھی۔

تعلقِ دوستی کا یہ اثر تھا کہ بعض دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ناز کرتیں، مگر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار نہ ہوتا تھا۔

باب نمبر 16:

عورت کی گھریلو ذمہ داریاں اور بیوی کے حقوق ضروریہ

عورت کی ذمہ داریاں:

حدیث میں ہے:

"المراة راعية على بيت زوجها وولده وهي مسئو لة عنهم"

"عورت شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور ان کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا۔"

اس میں اس کو اختیار دیا گیا ہے اور ان کے متعلق اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے شوہر کے گھر اور اولاد کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

بعض عورتیں گھر کا کام نہیں کرتیں، گھر کی نگرانی نہیں کرتیں، حدیث میں ہے کہ عورتیں گھر میں حاکم ہیں۔ گھر کے انتظام کے متعلق ان سے پوچھا جائے گا۔ نگرانی نہ کرنے سے گھر میں چوری ہوتی ہے اس کا بہت خیال کرنا چاہیے دوسروں پر نہ چھوڑنا چاہیے۔

عورتیں اپنے ذمہ مردوں کے یہ حق سمجھتی ہیں کہ کھانا پکا کے دے دیا، رات کے بستر لگا دیا اور دھوبن کو مردوں کے کپڑے شمار کر کے دے دیئے اور جب لائی تو شمار کر لئے اور حفاظت سے بکس میں بند کر کے رکھ دیئے۔

اس کے علاوہ اور کاموں کو عورتیں اپنے ذمہ سمجھتی ہی نہیں، بلکہ وہ اپنے ذمہ صرف اتنا سمجھتی ہیں کہ مردوں کو کھلا دیا، پلا دیا اور اگر کوئی بچہ ہو تو اس کے کھانے، پینے اور سونے کا خیال رکھ لیا۔ وہ بھی اس وقت جب کہ گھر میں بچہ لینے کو کوئی نوکر نہ ہو اور یہ کام انہی کو خود کرنا پڑے، ورنہ ان کو اس کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ بچے کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔

اگر گھر میں کھانا پکانے والی نوکرانی بھی ہوئی تو ان کو چولہے کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ اب نوکرانی سیاہ وسفید کی مالک ہے، جو چاہے کرے۔ غرض شوہر کے مال کی حفاظت کا عورتوں کو بالکل خیال

نہیں ہوتا۔

اکثر عورتیں کہتی ہیں کہ ہماری دھوبن بڑی ایماندار ہے۔ یہ خود گن کر کپڑے لے جاتی ہے۔ پھر نہ دیتے ہوئے کپڑوں کی شمار ہوتی ہے نہ لیتے ہوئے۔

دیگر حقوقِ ضروریہ:

بیوی کا حق ہے کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دی جائے جس کو وہ اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر سکے جس کو جیب خرچ کہتے ہیں۔ اس کی تعداد اپنی اور اپنی بیوی کی حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے۔ یہ رقم خرچ سے علیحدہ دو اور صاف کہہ دو کہ یہ رقم تمہارا جیب خرچ ہے۔ یہ تمہاری ملک ہے۔ اس کو جہاں چاہو خرچ کرو۔

چونکہ دینی اور دنیوی مصارف (اخراجات) کی حاجت اکثر واقع ہوتی رہتی ہے اور عورتوں کے پاس اکثر جداگانہ مال نہیں ہوتا، اس لئے مردوں کو مناسب ہے کہ نفقہ واجبہ اور مہر کے علاوہ حسب حیثیت کچھ خرچ ایسے مواقع کے لئے علیحدہ بھی دے دیا کریں، پھر اس کا حساب نہ لیا کریں، تاکہ وہ اپنی مرضی کے موافق آزادی کے ساتھ بے تکلف ایسے مصارف میں صرف کر سکیں۔

صرف نان و نفقہ ہی عورت کا حق نہیں ہے، بلکہ یہ بھی حق ہے کہ ان کی دلجوئی کی جائے۔ حدیث میں ہے:

"استوصوا بالنساءِ خیرا فاِنما ھن عوان عندکم"

"عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو، کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں۔"

جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو اور ہر طرح اس کے بس میں ہو اس پر سختی کرنا جواں مردی کے خلاف ہے۔

دلجوئی کے معنی یہ ہیں کہ ایسی کوئی بات نہ کرو جس سے اس کا دل دکھے، اس کو تکلیف ہو اور نان و نفقہ وغیرہ ضابطہ کے حقوق کو تو سب جانتے ہیں اور وہ محدود حقوق ہیں، لیکن دلجوئی ایسا مفہوم ہے جس کی تحدید (حد بندی) نہیں ہو سکتی کہ جس بات سے عورتوں کو اذیت ہو وہ مت کرو۔ بھلا اس کی تحدید کیسے ہو سکتی ہے؟ اب کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے حقوق غیر محدود ہیں۔

بیوی کا صرف یہی حق نہیں کہ اس کو کھانا کپڑا دے دے، بلکہ اس کی دلجوئی بھی ضروری ہے۔ دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کی دلجوئی کو یہاں تک ضروری سمجھا ہے کہ اس کی

دلجوئی کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز فرمایا ہے۔

اس سے اس امر کی کتنی بڑی تاکید ثابت ہوتی ہے اور یہاں سے بیوی کے حق کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی دلجوئی کے لئے خدا نے بھی اپنا حق معاف کر دیا۔

اپنی عورتوں کی دلجوئی کرنا اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ ان کو یہ خیال نہ ہو کہ اگر ہم بھی پردہ نہ کرتیں تو دوسری بے پردہ عورتوں کی طرح ہمارے کام بھی آسانی سے پورے ہوتے، اس لئے ان کی خدمت کرے، تاکہ وہ یقین کر لیں کہ اگر ہم پردہ نہ کرتے تو مرد ہماری اتنی خدمت نہ کرتے۔

حاصل یہ کہ مرد کے طرزِ عمل سے عورتوں کو پردہ کا موجب راحت ہونا معلوم ہو جائے اور بے پردگی کی ترجیح کا وسوسہ بھی نہ آئے۔

عورتوں کا پردہ ضرور ہوگا مگر پردہ میں اس کی دلجوئی کے سامان بھی مہیا ہوں کہ ان کو باہر نکلنے کی ہوس ہی نہ ہو۔

سمجھنے کی بات ہے کہ اگر مردوں کو کسی قسم کی وحشت ہوتی ہے تو باہر جا کر ہم جنسوں (دوستوں) میں دل بہلا سکتے ہیں۔ بے چاری عورتیں پردہ میں اکیلی کس طرح دل بہلائیں۔؟

اگر بیوی کا جی خوش کرنے کے لئے بلاضرورت بھی کوئی چیز خرید لو تو وہ بھی اسراف نہیں، کیونکہ تطیب قلب زوجہ (بیوی کا جی خوش کرنا) بھی مطلوب ہے، بشرطیکہ اس میں طاقت سے زیادہ قرض نہ ہو۔

بیوی کو کچھ کھلا دینا بھی خیرات ہی ہے یعنی اس میں بھی اللہ تعالیٰ ثواب دیتا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"ان النساء ریاحین خلقن لکم
و کلکم یشمی شم الریاحین

"بلاشبہ عورتیں پھول ہیں جو تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں اور تم میں سے ہر شخص پھولوں کی جانب مائل ہوتا ہے۔"

بیوی کی خاطر داری کرنے اور اس کو آرام پہنچانے میں دنیا کی بھی تو بڑی مصلحت ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ اس سے زندگی لطف کے ساتھ گزرتی ہے۔ ایک دوسرے کی راحت و رنج کے شریک ہوتے ہیں۔ اگر میاں بیوی میں موافقت اور بے تکلفی ہو تو پھر زندگی کا کیا عجیب لطف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو بستر سے اٹھے اور آہستہ سے جوتیاں پہنیں اور آہستہ ہی سے دروازہ کھولا اور آہستہ ہی سے بند کیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”وفتح الباب زويدا واغلق الباب زويدا و خرج رويدًا“

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور آہستہ سے دروازہ بند کیا اور آہستہ سے باہر نکلے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں ناگواری کا احتمال بھی نہ ہوتا وہاں بھی ایسے امور کی رعایت فرماتے تھے۔

بیوی کا نفقہ:

شریعت نے جہاں مردوں پر بیویوں کی بہت کچھ ذمہ داری عائد کی ہے، ان میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ بیوی کو نفقہ (کپڑا، کھانا اور گھر) دیا کرے اور بیوی کو ان ضروریات سے بے نیاز کر دے جو اس کے لئے ضروری ہیں تاکہ بال بچوں کی تربیت آزادی کے ساتھ کر سکے۔ رب العزت کا ارشاد ہے:

”لينفق ذو سعة من سعة و من قدر عليه رزقه فلينفق بما اٰتاه الله لا يكلف الله نفساً الا ما اٰتاها“

(سورۃ الطلاق)

”جس کو گنجائش ہو اسکو چاہیئے کہ اپنی گنجائش سے خرچ کرے اور جس کی آمدنی نپی تلی ہو وہ جتنا اس کو خدا نے دیا ہے اسکے موافق خرچ کرے۔ خدا نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ تکلیف کسی کو نہیں دیتا۔“

کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ جبر نہیں ڈالا گیا، بلکہ ہر شخص پر اس کی صلاحیت کے انداز ہی سے ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”و على المولود له رزقهن و كسوتهن بالمعروف لا تكلف نفس الا وسعها“

(سورۃ البقرہ)

”اور جس کا بچہ ہے اسکے ذمہ بیوی کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے مطابق ہے، کسی شخص کو

اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔"

بیوی کے نفقہ کا بار شوہر پر اس لئے ڈالا گیا ہے، تا کہ وہ بچہ پیدا کرے، اس کی تربیت اور نشوونما میں بیوی بے فکر ہو کر کوشاں رہے جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ خود بچہ کی نفسیات پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا اور وہ افکار کے ہجوم سے طبعی طور پر محفوظ رہے گا۔

ارشاد نبوی ہے:

"ان تحسنوا الیھن فی کسو تھن و طعا مھن

(سنن ترمذی، باب ماجاء فی حق امرأۃ علےٰ زوجہا)

"تم ان بیویوں کیساتھ کپڑا اور کھانا دینے میں خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو۔"

مقدار نفقہ:

حضرت ابوسفیان کی بیوی ھند بنت عتبہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ دربار نبوی میں حاضر ہوئیں اور شکوہ سنج ہوئیں کہ میرے شوہر کنجوس آدمی ہیں، بخوشی اتنا بھی دینے کو تیار نہیں جو میرے بچوں کو کافی ہو، یہ روداد سنا کر دریافت کیا:

"فھلل علی حرج ان اطعم من الذی له عیا لنا"

(صحیح بخاری، جلد ۳، صفحہ ۱۹۲)

"اگر ان کے مال سے بال بچوں کو کھلاؤں تو اس میں کیا کوئی حرج ہے۔؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"خذی ما یکفیك وو لدك بالمعروف"

(صحیح بخاری)

"اتنا لے لیا کہ جو تیرے اور تیرے بال بچوں کے لئے کافی ہو۔"

خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا کہ ازواج مطہرات کے نفقہ کا نظم فرما دیا کرتے، بلکہ ایک باغ ہی اس کام کے لئے خاص کر رکھا تھا جسے فروخت کر کے سال بھر کا نفقہ ایک ہی دفعہ جمع کرا دیتے۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبیع نخل بنی النضیر و یحبس لاھلہ قوت سنتھم"

(صحیح بخاری، باب حبس نفقۃ الرجل قوت سنۃ علیٰ اھلہ)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نخل بنی نفیر کو فروخت فرما دیا کرتے اور اسکی قیمت اپنے اہل وعیال کے سال بھر کے نفقہ کے لئے جمع فرما دیتے۔"

فقہاء نے نفقہ کی ادائیگی کو واجب کہا ہے اور بیوی مالدار ہو غریب ہو جیسی بھی ہو اگر وہ شوہر کے زیر فرمان ہے تو نفقہ دلوایا جائے گا۔ نفقہ کا ماحصل کھانا، کپڑا اور مکان ہے:

"هي لغة ما ينفقه الانسان على عياله و شرعاً هي الطعام و الكسوة والسكنى"

(درمختار، باب النفقہ)

"لغت میں نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں جو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور شریعت میں نفقہ کھانا، کپڑا اور مکان کا نام ہے۔"

والدین اور قریبیوں سے ملاقات:

بیوی کے حقوق میں شوہر پر ایک حق یہ بھی ہے کہ بیوی کو اسکے ماں باپ سے ملاقات کی اجازت دے اور قریبی رشتہ دار سے بھی یعنی ان لوگوں سے جو محرم ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ کے گھر جا کر ملاقات کرتے۔ حضرت ابوبکر و عمر اپنی صاجزادیوں سے ملنے کی غرض سے کاشانہ نبوی میں حاضری دیا کرتے۔ حدیث کی کتابوں میں اس طرح کے واقعات بکثرت مذکور ہیں۔

☆☆☆

باب نمبر 17:

حسنِ محبت اور تعلقات کو بگاڑنے کی مذمت

مقاصد نکاح:

اسلام نے اپنے قوانین میں میاں بیوی کے درمیان محبت، یگانگت اور جذبہ ایثار کی بے انتہا رعایت ملحوظ رکھی ہے، تاکہ نکاح کے جو مقاصد ہیں وہ روئے زمین پر ظاہر ہوں اور انسانیت اطمینان وسکون کا سانس لیتی رہے۔ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے زن وشوہر کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوسکے اور اس طرح عصمت وعفت اور اخلاق پر کوئی حرف آئے۔

یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے حقوق دوسرے پر اس طرح جتائے گئے ہیں کہ اگر دونوں اپنے فرائض ادا کرتے رہیں تو پھر باہمی رنجش اور کشیدگی کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

جادو:

اسلام نے بڑی سختی سے ان باتوں سے روکا ہے جو مرد اور عورت کے تعلقات کو خراب کرتی ہوں۔ قرآن مجید میں جادو کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی سب سے بڑی برائی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے میاں بیوی میں تفریق پیدا کی جاتی ہے:

"فیتعلمون منهما مایفرقون به بین المرء وزوجه"

(سورۃ البقرہ)

"سو وہ لوگ ان دونوں سے ایسا سحر (جادو) سیکھ لیتے تھے کہ اس کے ذریعہ مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے۔"

پھر اس جادو کا انجام ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"ولقد علموا لمن اشتراه ماله فی الاخرة من خلاق"

(سورۃ البقرہ)

"ضرور یہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے گا ایسے شخص کا آخرت میں

کوئی حصہ نہیں۔"

شیطان کی خوشی:

ماحصل یہ ہے کہ میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنا بڑا گناہ ہے اور ایسا شخص آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا۔ سید الکونین محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ ابلیس اور اس کی ذریات کی شیطانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ابلیس اپنا تخت شاہی بچھاتا ہے اور اپنی شیطانی فوج کو انسانوں میں بھیجتا ہے، تاکہ ان میں فتنے برپا کرے۔ چنانچہ شیطانی فوج اپنی خدمات کی انجام دہی پر روانہ ہو جاتی ہے اور ابلیس اس فوج میں اس کو زیادہ نوازتا ہے جس نے سب سے بڑھ کر فتنہ برپا کیا ہو۔ شیطانی فوج جب اپنی فتنہ گری سے واپس آتی ہے تو ان میں سے ہر ایک اپنے سردار کے روبرو رپورٹ پیش کرتا ہے کہ میں نے یوں کیا' میں نے یوں کر ڈالا اور میں نے یہ عظیم الشان کام انجام دیا۔ اسی سلسلہ میں ایک شیطان آگے بڑھتا ہے اور اپنے سردار کے روبرو آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے: "میں نے اپنی ڈیوٹی بڑی تندہی سے ادا کی اور اس وقت تک اطمینان کی سانس نہ لی جب تک میں نے میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنے میں کامیابی حاصل نہ کر لی۔" ابلیس یہ رپورٹ سن کر خوشی سے اُچھل پڑتا ہے اور اس شیطان کو اٹھ کر اپنے سینہ سے چمٹا لیتا ہے اور تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: تو نے خوب کیا اور سب سے بازی لے گیا۔"

میاں بیوی کے تعلقات کو بگاڑنے کی مذمت:

میاں بیوی کی تفریق اور پھوٹ سے شیطان کی مسرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ زنا کی کثرت کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ حرامی بچے پھیلیں اور زمین پر فتنہ وفساد کی گرم بازاری ہو۔

کسی ذی عقل پر یہ بات راز نہیں ہے کہ میاں بیوی کی باہمی کشیدگی اور علیحدگی سے کیا برائیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے اس شخص کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے جو بالقصد میاں بیوی کے تعلقات خراب کرنے کی فکر میں منہمک رہتا ہے اور بیوی کو شوہر سے اور شوہر کو بیوی سے بدظن کرنے کی سعی کرتا ہے۔ یہ انسان نہیں انسانیت کا دشمن ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لیس منامن خبب المرأة علی زوجھا"

(مشکوٰۃ المصابیح، باب عشرۃ النساء)

"وہ ہم میں سے نہیں جو عورت اور اس کے خاوند میں لڑائی جھگڑا کروائے۔"

جو دین ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے اور منتشر افراد کی شیرازہ بندی کے لئے آیا ہو اس دین کا پیرو اگر ایسا کرتا ہے جس سے پھوٹ پڑتی ہے اور کشیدگی بڑھتی ہے تو واقعہ ہے کہ اس میں اپنے دین کی کوئی خوبی نہیں۔

بالخصوص میاں بیوی کے تعلقات کو بگاڑنا جس سے بنا بنایا گھر برباد ہو، عصمت وعفت کو خطرہ لاحق ہو اور اخلاق واعمال کے گندہ ہونے کا اندیشہ ہو کسی پیرو اسلام کے شایان شان نہیں۔

رشتہ نکاح کے قیام کا منشا تو بلاشبہ یہی ہے کہ عورت اور مرد اس رشتہ میں منسلک ہو کر عفت کی زندگی گزاریں اور تاحیات اس بندھن کو کھلنے نہ دیں، مگر کبھی زندگی میں ایسا موڑ بھی پیش آجاتا ہے کہ وہاں اس رشتہ کا ختم کرنا ہی سودمند ہوتا ہے۔

☆☆☆

باب نمبر 18:

عورتوں سے حسن سلوک کا برتاؤ نگاہ نبوی میں

تم میں سے بہترین:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ مومن کی شان یہ ہے کہ حسن سلوک کا پیکر اور مروت وحسن کردار کا مجسمہ ہو اور اس شعبہ میں بہترین مسلمان وہ ہے جو اپنے بال بچوں اور بیوی کے لئے اخلاق ومروت میں سب سے اچھا ثابت ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

"اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا و خیارکم لنسائکم"

(سنن ترمذی، باب ماجاء فی حق امراۃ علےٰ زوجہا)

"ایمان میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہترین ثابت ہو۔"

بہترین مومن کی شناخت:

اس حدیث میں صراحت ہے کہ کامل اور بہترین مومن کی شناخت یہ ہے کہ حسن سلوک میں سب سے اچھا اپنی بیوی کے ساتھ ہو۔ یہ طرز بیان بتاتا ہے کہ مردوں کو اپنی بیویوں کے حق میں سراپا محبت وشفقت ہونا چاہیے اور بیوی کی ہر جائز دلدہی کرنی چاہیے۔ الغرض بیوی کے ساتھ جو اپنے آپ اچھا ثابت کرنے میں کامیاب ہوتا پایا گیا ہے کہ یہی مرد کی فطرت کی نیکی کی دلیل ہے۔ ورنہ کچھ دیر کے لئے مصنوعی طور پر تو بد سے بدتر آدمی بھی جما دیتا ہے کہ وہ بڑا نیک ہے، لیکن بیوی کی دائمی رفاقت اصل فطرت اور افتاد طبع کو تباہ کر دیتی ہے اور یہی مرد کی فطرت کی حقیقی کسوٹی ہے۔

اللہ کی باندیاں..... مارنے کی ممانعت:

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی پیاری باندیوں (عورتوں) کو مارنے پیٹنے سے اجتناب کرو۔"

عرب جہاں عورتوں کو جانوروں سے زیادہ اہمیت نہ تھی، مردوں کے جو جی میں آتا تھا ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے، مار بیٹھنا، پیٹ دینا یہ تو معمولی بات تھی، لیکن حکم کے نفاذ کے ساتھ ہی سارے ظالمانہ قصے ختم ہو گئے، عورتوں کی جان میں جان آئی۔

اچھے نہیں:

صدیوں کی مظلومیت سے خلاصی کا ردعمل جیسا کہ ہونا چاہئے تھا وہ بھی سامنے آیا، جسکا پتہ اس روایت سے چلتا ہے۔ ایک دن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''عورتیں اپنے شوہروں کے مقابلہ میں جری ہو گئیں۔''

یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مذکورہ بالا فرمان کی سختی نرمی سے بدل گئی۔ مگر مردوں نے اس نرمی سے معلوم ہوتا ہے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ جس کی شکایتیں دربار نبوت تک پہنچنے لگیں، انہی شکایتوں کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یہ اعلان فرمایا:

''لقد اطاف بآل محمد نساء كثير يشكون ازواجهن ليس اولئك بخياركم''

(ریاض الصالحین، باب الوصیۃ النساء)

''بہت سی عورتوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کو گھیر لیا، جو اپنے شوہروں کی شاکی ہیں، ان کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں۔''

نہ اچھے ہونے کی خبر اور وہ بھی پیغمبر کی زبان سے اپنے متعلق کون برداشت کر سکتا تھا؟ جیسا کہ چاہئے تھا معاملہ حد اعتدال پر آ گیا اور یہی مقصود بھی تھا۔

زندگی کے آخری حصہ میں وفات سے کچھ دن پہلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امہات المومنین کا اجتماع دوسرے مصالح کے ساتھ ساتھ زن و شوہر کے باہمی تعلقات کا عملی درس بھی اسکی ایک بڑی غرض تھی۔

بیوی کے لیے دعا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے

''خيركم خيركم لاهله وانا خيركم لاهلي واذا مات صاحبكم فدعوه''

(مشکوٰۃ المصابیح، باب عشرۃ النساء)

”تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی بچہ کے لئے بہتر ہے اور خود میں اپنے بال بچوں کے لئے بہتر آدمی ہوں اور جب تمہاری رفیقہ حیات مر جائے تو اس کے لئے دعا کرو۔“

اس میں بھی اسی راز کا انکشاف کیا گیا ہے کہ وقتی طور پر اپنے آپ کو نیک بنا کر پیش کرنا یہ کوئی بات نہیں ہے۔ نیکی اور بھلائی تو وہی ہے جو بال بچوں کے تعلقات میں نمایاں ہو، بہر حال عمل کر کے یہی دکھایا جاتا تھا اور زبان مبارک سے بھی فرمایا جاتا تھا:

”ان اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا و الکفھم با ھلہ“

(مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ نمبر ۲۸۲)

”سب سے زیادہ کامل مومن وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور اپنے بال بچوں کے لئے نرم خو ہو۔“

عملی نمونہ:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی وہی تھی جو فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو حضور کی پہلی بیوی ہیں ان کے متعلق روایتوں میں متعدد واقعات ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو وفات کے بعد برابر یاد کرتے اور اسی حد تک نہیں، بلکہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد انکی جو سہیلیاں زندہ تھیں آپ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر:

اس عملی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی رنگ میں رنگ گئے تھے اور ان بزرگوں کو بھی اپنی بیویوں سے بڑی مخلصانہ محبت تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ایک دفعہ جہاد کے سلسلہ میں سفر میں تھے، جہاد سے واپسی ہوئی تو راستہ میں کسی نے بتایا کے آپ کی بیوی بیمار ہیں۔ یہ سننا تھا کہ آپ بے چین ہو گئے اور بڑی تیزی سے وہاں سے روانہ ہوئے اور جلد پہنچنے کی خاطر آپ نے اس موقعہ پر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔

انہی حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے آپ کے والد محترم نے حکم دیا کہ بیوی کو علیحدہ کر دو (طلاق دیدو) یہ سن کر آپ سوچ میں پڑ گئے۔ ایک طرف بیوی کی محبت اور دوسری طرف والد محترم کا حکم۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کوئی فیصلہ نہ کر پائے، بلکہ عملی طور پر طلاق دینے سے تقریباً انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروق جو آپ کے والد محترم تھے انہوں نے یہ مقدمہ دربار نبوی

میں پیش کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب والد کی اطاعت کا فیصلہ کیا تب کہیں جا کر حضرت عبداللہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔

حضرت امام حسن:

جگر گوشہ بتول حضرت امام حسن نے کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور بیوی کا جو کچھ مہر تھا بیوی کے یہاں بھجوا دیا۔ انکی بیوی کو جب طلاق کی خبر پہنچی تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ رونے لگیں۔ قاصد نے آکر بیوی کا یہ سب حال حضرت حسن سے کہا تو آپ بھی بے اختیار رو پڑے اور فرمانے لگے:

''اگر بائن طلاق نہ دے چکا ہوتا تو رجوع کر لیتا۔''

ابن صدیق اکبر:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند ارجمند کے متعلق بھی اسی طرح کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ان کو اپنی بیوی سے بے حد محبت تھی اور اسی محبت کے غلو کا یہ عالم تھا کہ ان کو بیوی سے جدا ہو کر جہاد میں جانا بھی شاق گزرتا تھا۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی جہاد کی شرکت سے محروم بھی رہے۔ اس کی اطلاع جب ان کے پدر بزرگوار صدیق اکبر کو ہوئی تو بیٹے کو بلا کر کہا:

''بیوی کو طلاق دے دو۔''

صاحبزادے نے ٹالنے کی کوشش کی، مگر والد محترم کا جب اصرار ہوا تو اطاعت پر مجبور ہو گئے اور بیوی کو علیحدہ کر دیا۔ علیحدہ کرنے کو تو کر دیا، مگر دل سے محبت نہ گئی۔ جدائی پر دردناک اشعار کہنے لگے۔ حضرت صدیق اکبر کو بیٹے کی اس حالت کا علم ہوا تو بلا کر ان سے کہنا پڑا رجوع کر لو۔

حضرت مغیث:

حضرت بریرہ اور مغیث کی محبت و عشق کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں بہت مشہور ہے اور دلچسپ بھی، حضرت بریرہ پہلے لونڈی تھیں اور انکی شادی حضرت مغیث سے ہوئی تھی۔ یہ جب آزاد کر دی گئیں تو شرعی طور پر ان کو پہلے شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔ حضرت بریرہ نے آزادی کے بعد طے کر لیا کہ مغیث کیساتھ نہ رہیں گی۔ حضرت مغیث کو اس کی خبر ہوئی تو بیوی کی جدائی پر مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے۔

اسلام کی بدولت:

اسلام کے قوانین عفت و عصمت کا یہ فیض تھا کہ جو عورتیں کل تک دنیا کی نگاہ میں حقیر و ذلیل تھیں وہ آسمان عزت و عظمت کی آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں اور کیسے یہ عزت و رفعت حاصل نہ کرتیں، جبکہ پیغمبر اسلام نے ان کو ان کے حقوق دلوائے۔

☆☆☆

باب نمبر 19:

جائز لطف اندوزی کی اجازت

عموماً وقت کی قید نہیں:

شادی ہو جانے کے بعد اسلام نے پورا موقع دیا ہے کہ شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے دستور کے مطابق پوری طرح متمتع (لطف اندوز) ہوں، اس سلسلہ میں کوئی ادنٰی رکاوٹ بھی باقی رکھی نہیں گئی ہے اور نہ دوسروں کی رکاوٹ برداشت کی گئی ہے۔ باہمی لطف اندوزی میں دن رات کی قید نہیں۔ جاڑا، گرمی کا کوئی سوال نہیں۔ بہار و خزاں کی کوئی شرط نہیں۔ برسات اور غیر برسات کی کوئی بات نہیں اور نہ کسی غیر شرعی مداخلت کی گنجائش ہے۔

رمضان کے روزوں میں دن کے وقت بس......:

پورے سال میں ایک مہینہ رمضان کا آتا ہے جس میں روزہ دونوں پر فرض ہے اور حالت روزہ میں مقاربت کی اجازت نہیں ہے، پھر بھی باہم گفتگو اور دلچسپی کی باتوں کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ بہر حال ممانعت کا تعلق صرف روزے کی حد تک ہے، افطار کے بعد اور ان وقتوں کے علاوہ جیسا کہ معلوم ہے، رمضان میں بھی آزادی عطا کی گئی۔ خود قرآن مجید میں ہی صراحتہً فرما دیا گیا ہے:

"احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نسآ ءکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن"

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۳)

"روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔"

اس آیت میں رمضان کی رات کا نام لیا گیا ہے۔ ایک دوسری آیت میں تذکرہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد سے میاں بیوی سے اور بیوی میاں سے ہر طرح لطف اندوز ہو سکتی ہے۔

اسی طرح جس طرح کھانے پینے کی عام اجازت ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"فالئٰن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم و کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر"

(سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۳)

"سوتم ان سے ملو ملاؤ اور تمہارے لئے جو تجویز کر دیا ہے اس کا سامان کرو اور کھاؤ پیو، اس وقت تک سفید خط واضح نہ ہو جائے سیاہ خط سے۔"

رمضان کے علاوہ دوسرے کسی بھی روزہ میں عورت کو حکم ہے کہ بغیر شوہر کی اجازت حاصل کئے روزہ ہی نہ رکھے کہ کس وقت اس کو ضرورت آپڑتی ہے۔

حیض ونفاس:

دو موقعے اور ہیں جن میں عورت قدرتی گندگی میں مبتلا ہوتی ہے۔ایک حیض کا وقت ہے جو خون غیر حاملہ کو ہر مہینہ آیا کرتا ہے، جس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے اور کم از کم تین دن ہے۔دوسرا نفاس کا زمانہ ہے کہ عورت کو جب ولادت ہوتی ہے اس کے بعد مسلسل کئی ہفتے اس کو خون آتا رہتا ہے۔اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس یوم ہے اور کم کے لئے کوئی خاص مدت متعین نہیں ہے۔ان دنوں میں بھی مقاربت سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ عرض کیا جا چکا کہ یہ گندگی کا زمانہ ہوتا ہے۔طبعاً ایسے وقت میں عورت کے پاس جانے سے نفرت ہوتی ہے۔ دوسرے مہلک امراض کے پیدا ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔قرآن مجید نے اس تذکرہ کیا ہے:

"یسئلونک عن المحیض قل ھو اذیً فاعتزلوا النسآء فی المحیض ولا تقربوا ھن حتیٰ یطھرن فاذا تطھرن فاتو ھن من حیث امرکم اللہ"

(سورۃ البقرہ)

"لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں۔آپ فرما دیجئے وہ گندگی ہے۔پس تم حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان سے قربت نہ کیا کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔"

مزید کوئی رکاوٹ نہیں:

اس حیض و نفاس کے بعد پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ان چند دنوں میں عورتیں آرام کر کے تازہ دم ہو جاتی ہیں اور حیض کے بعد ان میں حمل کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ ان مواقع کے علاوہ اگر کوئی شرعی قباحت پیش نہیں آ گئی ہے تو ہر وقت زن و شوہر باہم مل سکتے ہیں اور تسکین نفس حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ آزادی اس باب میں اور کیا مل سکتی ہے۔؟

قرآن مجید نے زن و شوہر کے باہمی تعلقات کے لئے جو عنوان اختیار کیا ہے وہ بڑا ہی بلیغ ہے اور دونوں کے باہمی داعیات فطرت کی تکمیل کے لئے جو طرز تعبیر مقرر کیا ہے وہ بہت ہی مہذب اور پاکیزہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ھن لباس لکم و انتم لباس لھن"

"وہ (عورتیں) تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔"

اس آیت میں ہر ایک کو دوسرے کے لئے پوشاک قرار دیا گیا ہے۔ عورت مرد کی عفت و عصمت کی حفاظت کرتی ہے اور مرد عورت کے ناموس کو بربادی سے بچاتا ہے۔ اسی طرح عورت مرد کے لئے زینت ہے اور مرد عورت کیلئے۔ لباس کو جب جی چاہتا ہے آدمی زیب تن کر لیتا ہے، یہی حال زن و شوہر کا ہے کہ ہر ایک دوسرے سے جس وقت چاہیں مل سکتے ہیں، اس میں محبت اور یگانگت کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے جو ازدواجی تعلق کی جان ہے۔ لباس کے لفظ میں یہ ساری باتیں مندرج ہیں۔ ایک دوسری آیت میں عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

"نسآء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انیٰ شئتم"

(سورۃ البقرہ)

"تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیت ہیں سو اپنے کھیت میں جب چاہو آؤ۔"

محبت اور پیار:

میاں بیوی کے تعلقات کو قرآن مجید نے محبت اور پیار کی زندگی سے تعبیر کیا ہے اور سکون و طمانیت کی زندگی بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اہم نشانیوں میں زن و شوہر کے تعلق کو ایک اہم نشانی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"و من اٰیٰته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا و

جعل بینکم مودۃ ورحمۃ"

(سورۃ الروم)

"اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری قسم سے جوڑا پیدا کیا، تا کہ تم ان کے پاس چین حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان پیار اور مہربانی رکھی۔"

ایک دوسری آیت میں اس ملی جلی پرسکون زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے:

"ھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ و جعل منھا زوجھا لیسکن الیھا"

(سورۃ الاعراف)

"وہی ذات ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، تا کہ وہ اس سے چین حاصل کرے۔"

یہ اور اس طرح کی دوسری آیتیں ہیں جو بیوی اور خاوند کے تعلقات کو عمدہ پیرایہ میں بتاتی ہیں اور انسان کی رہنمائی کرتی ہیں کہ انسان اپنے ان پاک طریقوں سے اپنی جنسی خواہشوں کی تسکین کرے اور روحانی بے چینی کا مداوا تلاش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو جوڑا پیدا کیا، تا کہ تنہائی کی بے چینی میں دوسرا غمگسار بنے اور اس طرح دونوں مطمئن زندگی گزار سکیں۔

☆☆☆

باب نمبر 20:

شوہر کے فرائض واختیارات

مرد کے لیے ہدایات:

یہ ایک مسلم بات ہے کہ دو اجنبی جو نکاح کے رشتہ سے مل رہے ہیں الگ الگ دل ودماغ اور فکروعمل رکھتے ہیں، بسا اوقات دونوں کی طرز معاشرت میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں فرق ہوتا ہے، اس لئے دونوں میں کلی موافقت پہلی ملاقات ہی میں ہوجانا ایک بعید از قیاس بات ہے۔ پھر عورت ومرد کے دماغی توازن میں یکسانیت بھی غیر ممکن ہے۔ دونوں کی فطرت میں بھی قدرت نے کچھ خاص عادات وتعلقات مرکوز رکھے ہیں، ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھ کر اسلام نے مرد کو عورت کے تعلقات کے سلسلہ میں کچھ ضروری ہدایتیں دی ہیں اور کچھ اختیارات سپرد کئے ہیں اور اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ فرائض واختیارات ہیں، یہاں پہلے شوہر کے فرائض واختیارات کا اجمالی بیان ہوگا۔

صبر وتحمل:

زندگی میں یہ کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں کہ میاں بیوی میں کشیدگی پیدا ہوجاتی ہے اور یہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ اس سلسلہ میں شیطان کو بہکانے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے اور اس سے عفت وعصمت کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے، پھر اس وقت اور بھی جبکہ عورتیں نازک طبع، تندخو اور تلون مزاج ہوتی ہیں۔ اس لئے اسلام میں ان حقائق وواقعات سے چشم پوشی نہیں کی گئی ہے، بلکہ عورتوں کی فطری کمزوریوں کو پیش نظر رکھ کر مردوں کو اس سلسلہ میں مفید ہدایتیں دی گئی ہیں، تاکہ زن وشوہر کی باہمی زندگی میں ناخوشگواری نہ آنے پائے اور اگر عورتوں کے کسی قول وفعل سے ان کو اذیت پہنچے تو ایسے موقع پر صبر وتحمل سے کام لیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

"وعاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسىٰ ان تكرهوا شيئاً و يجعل الله فيه خيراً كثيراً"

(سورۃ النساء)

''اور ان عورتوں کے ساتھ حسن وخوبی سے گزر بسر کرو اور اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔''

اس آیت میں ایک جامع ہدایت ربانی ہے کہ مردوں کو اگر ان کی بیویاں ناپسند ہوں اور طبیعت کے تقاضے کے خلاف معلوم ہوں تو ایسے وقت جذبات کی جگہ عقل سے کام لینا چاہئے اور ناگواری کو برداشت کرنا چاہئے، کیونکہ یہ کوئی عجوبہ بات نہیں ہے کہ انسان کو اپنی اُفتادِ طبع کی وجہ سے ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں کوئی منفعت مضمر ہو جو اس کے لئے دین و دنیا دونوں میں موجب خیر و برکت ہو اور سب سے اہم حکیمانہ نکتہ وہ ہے جس کی طرف اس ارشاد نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے:

''لا یفرك مومن مومنة ان کرہ منها خلقا رضی منها اخر''

(صحیح مسلم، باب الوصیۃ بالنساء)

''کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو اس لئے مبغوض نہ رکھے کہ اس کی کوئی عادت ناگوار خاطر ہے۔ اس لئے کہ اگر ایک عادت ناپسند ہے تو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ ضرور ہوگی۔''

برے پہلوؤں کے ساتھ بھلائی کے پہلو بھی عموماً عورت میں پائے جاتے ہیں، پس چاہئے کہ برائیوں کی تلافی بھلائی کے پہلوؤں سے کرتا رہے۔

ہدایاتِ نبوی:

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی طبعی وفطری کمزوری کی نشاندہی فرماتے ہوئے مردوں کو ہدایت فرمائی:

''استوصوا بالنساء خیرا فانهن خلقن من ضلع وان اعوج شیء فی الضلع اعلاہ فان ذهبت تقیمه کسرته وان ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء''

(صحیح بخاری، باب الوصیۃ بالنساء)

''تم وصیت قبول کرو کہ عورتوں سے بھلائی کرو، کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور

پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر والا ہے، لہذا تم اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور چھوڑ دو گے تو ہمیشہ کے لئے کجی رہ جائے گی، اس لئے عورتوں کے متعلق نصیحت قبول کرو۔"

اس حدیث میں بتایا گیا کہ ٹیڑھا پن عورتوں کی سرشت میں داخل ہے، اس لئے جدا نہیں ہو سکتا، ہاں ان کی ضروری حد تک اصلاح ہو سکتی ہے اور وہ بھی رفق و ملاطفت سے، اس لئے اس کی تو کوشش ہی نہ کی جائے کہ وہ بالکل سیدھی ہو جائے اور ہر چیز اور ہر کام میں مرد کی موافقت کرے، کیونکہ دونوں کی طبیعت دو طرح پیدا کی گئی ہے اگر کسی نے غلط فہمی سے ایسی سعی کی تو اطمینان کے بجائے بلا ہی سامنے آئے گی۔ ہاں اس سے غافل بھی نہ ہونا چاہیئے کہ عورت اپنی من مانی کاروائی پر اتر آئے، کیونکہ میاں بیوی کے درمیان جو تعلقات ہیں وہ بہت گہرے ہیں۔ گھر کا سارا نظام دونوں کی مصالحت اور اتحاد عمل میں مضمر ہے۔ عورت زندگی کی ساتھی ہے۔ اس سے ایک منٹ کے لئے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اگر باہر کا سارا نظام مرد درست رکھتا ہے تو گھر کا سارا اندرونی نظام عورت کے ہاتھ میں ہے۔ گھر میں کھانے پینے کا نظم، بچوں کی پرورش اور انکی تربیت اور اس طرح کی دوسری تمام چیزیں عورت سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میاں بیوی میں یگانگت اور موافقت نہ ہو اور زندگی کی گاڑی تیز رفتاری سے رواں دواں ہو، جس نے کہا سچ کہا کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ بغیر ان کی دوستی اور اتحاد عمل کے یہ گاڑی نہیں چل سکتی۔

نرمی و لطافت:

حافظ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے: "باب قولہ قوا انفسکم واھلیکم نارا" جس کا منشاء یہ ہے کہ عورتوں کو ان کی حالت پر نہ چھوڑنا چاہیئے، بلکہ نرمی سے بتدریج اصلاح کی سعی پیہم کرنی چاہیئے کہ مرد پر اس قدر اصلاح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نیز اس طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ عورتوں کے ساتھ مدارت اور ملاطفت کا برتاؤ ناگزیر ہے جو دلوں میں محبت و الفت ڈالنے کا باعث ہو۔ پھر ساتھ ہی یہ تدبیر بھی ہے کہ عورتوں کی بہت سی باتوں سے عفو و درگزر کیا جائے اور ان کی بد خلقی پر صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ محبت اور نرمی سے سمجھانے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو اپنا پورا اعتماد دے کر بتایا جائے کہ تم اپنے مقام کو پہچانو، تمہاری ذرا سی لغزش سے اتنے فتنے اٹھ سکتے ہیں۔ اس بات سے تمہارے خاندانی

وقار کو بھی ٹھیس لگے گی اور تمہارے پیارے شوہر کے لئے بھی یہ ضرر رساں ثابت ہوگی۔ اگر بیوی دیندار اور غیرت مند ہے تو یہی پہلو اختیار کیا جائے، الغرض عورت کے مزاج کا لحاظ بہر حال ضروری ہے۔

ایک دفعہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحمل کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

"المرأة کا لضلع ان اقمتها کسرتها وان استمتعت بها و فیها عوج"

(صحیح بخاری، باب المداراہ بالنساء)

"اس کو سیدھا کرو گے تو توڑ ڈالو گے اور فائدہ اٹھانا چاہو گے تو اس کی کجی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکو گے۔"

اس سے واضح روایت مسلم شریف کی ہے:

"ان المرأة خلقت من ضلع لن تستقیم علیٰ طریقه فان استمتعت بها و بها عوج و ذهبت تقیمها کسرتها و کسرها طلاقها"

(صحیح مسلم، باب الوصیة)

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے بالکل سیدھی ہرگز نہ ہوگی۔ اس سے فائدہ کے حصول کی خواہش ہو تو اسکی کجی کے ساتھ فائدہ حاصل کر سکتے ہو اور اگر بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اس کو توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔"

عورت جلد مزاج:

تجربات کی دنیا میں ان حدیثوں کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری پیش نہ آئے گی۔ ہم اپنی زندگی میں رات دن دیکھتے ہیں کہ عموماً عورتیں ضدی، اپنی بات پر اڑ جانے والی اور درشت خو ہوتی ہیں، پھر ان کو کسی حالت پر بھی قرار نہیں۔ خوش رہیں تو سراپا امتنان و تشکر اور اگر خفا ہو جائیں تو ناشکری کی انتہائی سرحد سے بھی پار ہو جائیں۔ سورج گرہن والی حدیث میں عورتوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول موجود ہے:

"یکفرن العشیر و یکفرن الاحسان لو احسنت الیٰ احدٰهن

الدھر ثم رأت منك شيئاً قالت ما رأيت منك خير اقط“

(صحیح بخاری، باب کفران العشیر)

”عورتیں شوہروں کی ناشکر گزار ہوتی ہیں اور ان کے احسان کی منکر۔ تم اگر ان کے ساتھ زندگی بھر احسان کرو، پھر اگر کوئی بات تمہاری طرف سے ان کے خلاف طبیعت ہوگئی تو بول اٹھیں گی کہ میں نے کبھی بھی تم میں کوئی بہتری نہیں دیکھی۔“

مرد ایک ایک بات پر اگر دارو گیر شروع کر دے تو نباہ مشکل ہو جائے۔ مرد میں نسبتاً ضبط و تحمل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ اگر کوئی باہمی زندگی میں نازک موقعہ آجائے تو صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دے، عورت اس معاملہ میں کمزور ہے۔

درحقیقت عورت کی جسمانی ترکیب قریب قریب بچے کی جسمانی ترکیب کے واقع ہوئی ہے، اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ بچے کی طرح عورت کا بھی حاسہ ہر قسم کے اثر سے بہت جلد اور بہت متاثر ہو جاتا ہے۔ بچے کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی رنج اور افسوس کا واقعہ پیش آئے تو فوراً رونے لگتا ہے اور کوئی خوشی کی بات ہو تو بے اختیار ہو کر اچھلنے کودنے لگتا ہے۔ قریب قریب یہی حال عورتوں کا ہے کہ بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ اس قسم کے جذبات سے متاثر ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں استقلال نہیں ہوتا اور اسی لئے سخت اور خوفناک موقعوں پر عورت ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔

عورت اپنی قوت میں بھی مرد کے مقابل نہیں ہے۔ صبر و تحمل کا مادہ اس میں فطرتاً کم ہے، کیونکہ ضبط اور برداشت کی قوت کا دارومدار عضلات کی طاقت پر ہے اور عورت کے عضلات نسبتاً کمزور ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر دوفاریی انسائیکلو پیڈیا میں لکھتا ہے:

”مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف ہیں اور حجم اور قوت کے لحاظ سے اولالذکر (عورت) کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کیے جائیں تو وہ دو حصے قوت مرد کے حصہ میں آئے گی اور صرف ایک حصہ عورت میں ثابت ہوگی۔ عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے۔ مرد کے عضلات جسمی عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں۔“

عورت میں خوبیاں:

عورت میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں جو مرد کو بہت بھاتی ہیں اور اُن سے مرد کو قلبی سکون و اطمینان میسر ہوتا ہے۔ اس لئے عورت کی ایک پہلو کی کمزوری کو سامنے رکھ کر اس کو مطعون نہیں کرنا چاہئے۔

تجربات کی دنیا میں ماننا پڑے گا کہ عورتیں عموماً جفاکش، قناعت پسند، شوہر پر جان چھڑکنے والی، بچوں کی پرورش پر نثار، گھریلو معاملات کی بہتر منتظم، وفا اور اخلاص کی پیکر ہوتی ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ کمزوری سے زیادہ خیر اور بھلائی کے پہلو عورت میں پائے جاتے ہیں۔

عورت کی محنت و جفاکشی کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب گردش زمانہ کی وجہ سے مصائب کا ہجوم ہو اور اس کا شوہر کسی وجہ سے مصیبت اور تکلیف میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جدید تحقیق نے بھی اس کو ثابت کر دیا ہے۔ علامہ لومبروز لکھتے ہیں:

> ”حمل اور وضع حمل کی شدید تکلیف پر نظر کرو اور دیکھو عورت دنیا میں کیسے کیسے آلام اور مصائب کی متحمل ہو سکتی ہے۔ اگر مرد کیطرح اس کا احساس قوی ہوتا تو ان تمام سختیوں کی کیونکر متحمل ہو سکتی، درحقیقت نوع انسانی کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے اس کو قوی احساس سے محروم کر رکھا ہے، ورنہ بنی نوع انسان کے نازک اور تکلیف دہ فرائض کی انجام دہی ایک غیر ممکن بات ہو جاتی۔ بلاشبہ صنف نازک کے دل چھوٹے اور نازک ہوتے ہیں، عشوہ و ادا ان کی فطرت ہے۔ بات بات پر ہنسنے اور خوش ہونے والی بھی ہے اور ذرا سی خلاف طبیعت بات پر چراغ پا ہونا بھی جانتی ہے۔ اس لئے مرد کو عورت کی مجموعی حیثیت کا پاس کرتے ہوئے کوئی برتاؤ کرنا چاہئے۔“

ظلم وتعدی کی ممانعت:

قرآن مجید میں طلاق دینے کا جہاں تذکرہ کیا گیا ہے وہاں مردوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ عورتوں پر ظلم وتعدی نہ ہونے پائے۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

”ولا تمسکوھن ضرارًا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ ولا تتخذوا آیات اللہ ھزوًا“

(سورۃ البقرہ)

''اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا کرو گے۔ جو شخص ایسا کریگا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو لہو ولعب مت سمجھو۔''

یوں تو یہ آیت طلاق کے سلسلہ ہی میں ظلم و تعدی کی روک تھام کے لئے اتری مگر غور کیا جائے تو اس معجزانہ بیان میں بڑی جامعیت ہے اور عورت کے حالات پر رب العزت نے ترس کھایا ہے اور مردوں کو زیادتی سے روکا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی تلون مزاجی کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمایا:

''لا یجلدا حد کم امرأته جلد العبد ثم یجا معها فی الیوم الاخر''

(صحیح بخاری، باب ما یکرہ من ضرب النساء)

''تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اسطرح نہ پیٹنے لگے جسطرح غلام کو پیٹا جاتا ہے اور پھر دوسرے دن جنسی میلان کی تکمیل کے لئے اس کے پاس پہنچے۔''

عورت اس لیے نہیں پیدا کی گئی کہ اس پیٹا جائے، ہاں اسکی خام عقلی اور ضدی طبیعت کے پیش نظر اسلام نے ضرورتاً خاص حالات میں معمولی تنبیہ کی اجازت دی ہے اور اسکا موقعہ بھی بہت بعد کو رکھا ہے۔ یہ بھی غالباً اس لئے کہ نظام حیات میں برہمی نہ آنے پائے اور عورت کی عفت و عصمت محفوظ رہ سکے۔ تجربہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے مزاج میں ہیجان کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ عورت طبعاً زود رنج واقع ہوئی ہے اور اور مرد میں عقل و فہم زیادہ ہے، اس لئے یہ ضبط و تحمل پر قابو رکھتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا میں دو فاریئی فرماتے ہیں:

''یہ اختلاف ان دونوں کے ظاہری ممیزات سے بالکل مطابق ہے۔ مرد میں ذکاء و فہم اور ادراک کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور عورت میں انفعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہوا ہے۔''

ایک ماہر انگریز تروسیہ کا قول ہے:

''عورت کے عصبی ضعف کا یہ نتیجہ ہے کہ تم اسکے مزاج میں مرد کی نسبت ہیجان زیادہ پاتے ہو۔''

عورت کی مار پیٹ سے رحمت عالم ﷺ نے روکا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"لاتضرب طعینتك ضربك"

"اپنی شریک حیات کو لونڈی کی طرح ہرگز نہ پیٹو۔"

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ بیویوں کے حقوق ہم پر کیا ہیں؟ اسکے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان تطعمها اذاطعمت و تکسوها اذاا کتسبت و لاتضرب الوجهو لاتقجح و لا تهجرالافی البیت"

(مشکوۃ المصابیح، باب عشرۃ النساء)

"تم جو کھاؤ اسکو کھلاؤ اور تم جب پہنو اسکو پہناؤ، نہ اسکے چہرہ پر مارو اور نہ برا بھلا کہو، اور نہ جدائی اختیار کرو، اس کا موقع بھی آئے تو یہ گھر میں ہی ہو۔"

یہ ساری تاکید نبی کریم ﷺ اس لئے فرما رہے ہیں کہ بعض موقعوں پر مردوں کو اجازت دی گئی ہے کہ بعض خاص حالات میں تنبیہ کی جا سکتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مرد اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کریں اور عورتوں کو ستانے یا اذیت دینے لگیں یا اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں اور غریب عورت کی زندگی بے کیف بنا ڈالیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ جو برتاؤ اور حسن سلوک کر کے دکھایا وہ عبرت کے اسباق سے معمور ہے۔ نازک ترین مواقع میں بھی جسمانی اذیت پہنچانے کا خیال بھی شاید نہیں کیا گیا۔

سرزنش کی اجازت اور اسکا مطلب:

قرآن مجید میں جسمانی اذیت تک کی اجازت خاص حالات میں دی گئی ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

"والّاتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع او ضربوهن فان اطعنکم فلاتبغوا علیهن سبیلا"

(سورۃ النساء)

"ایسی عورتیں جن کی بد دماغی کا تم کو احتمال ہو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع

کر دیں تو ان پر بہانہ مت تلاش کرو۔"

لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوۂ حسنہ بتا رہا ہے کہ عملی طور پر اس اجازت سے مجبوریوں کے خاص حالات ہی میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، بہر حال قرآن مجید میں جو کچھ فرمایا گیا اسکا مطلب ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی صورت میں پہلا درجہ یہ ہے کہ مرد عورت کو زبان سے سمجھانے اور منا لینے کی کوشش کرے۔ دوسرا درجہ یعنی زبانی فہمائش بے اثر ہو کر رہ جائے تب حکم دیا گیا ہے کہ اپنی خوابگاہ میں عورت کے ساتھ سونا چھوڑ دے اور جب علیحدگی کی یہ شکل بھی ناکام ہو جائے تب "فاضربوھن" کی اجازت سے چاہے تو مرد فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن اس ضرب یا مار کی نوعیت کیا ہو۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حد بندی کرتے ہوئے فرمایا:

"واضربوھن ضربا غیر مبرج"

"ان (عورتوں) کو مارو اس طرح کہ جلد نہ کھلے۔"

جس کا مطلب یہی ہوا کو معمولی سرزنش (چاہیے گوشمالی کہہ لیجئے) اس سے آگے نہ بڑھنا چاہیے۔

خطبہ حجۃ الوداع:

حجۃ الوداع کا مشہور تاریخی خطبہ جہاں دوسرے اہم حقائق کا حامل ہے ان ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا:

"الا استوصوا بالنساء خیراً فانما ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئاً غیر ذلك الا ان یاتین بفاحشة مبینة فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع واضربوھن ضربا غیر مبرج فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا الا ان لکم علیٰ نسائکم حقا و لنسائکم علیکم حقا فحقکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم من تکرھون ولا یاذن فی بیوتکم لمن تکرھون الا و حقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن و طعامھن"

(سنن ترمذی، باب ماجاء فی حق امراۃ علیٰ زوجھا)

"سنو! عورتوں کے متعلق بھلائی کا تاکیدی حکم قبول کرو، کیونکہ وہ تمہارے یہاں قیدی ہیں۔ اسکے سوا تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، اگر وہ کھلی نافرمانی پر اتر آئیں تو ان کو بستر پر تنہا چھوڑ دو اور معمولی تنبیہ کرو۔ اطاعت کرلیں تو پھر زیادتی کی ضرورت نہیں۔ سنو! تمہاری عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں کے تم پر۔ تمہارے حقوق میں سے یہ ہے کہ وہ ان کو تمہارے بستر نہ بیٹھنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ان کو نہ بلائیں جن کا آنا تمہیں پسند نہیں اور تم پر حق ہے کہ تم ان کے کپڑے دینے اور کھانا دینے میں احسان کرو۔"

سچ تو یہ ہے کہ ضرب جس کی اجازت قرآن میں دی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء معلوم ہوتا ہے کہ فاحشہ مبینہ ہی کی حد تک اجازت کو محدود رکھا جائے۔ خطبہ نبویہ کے مذکورہ بالا قطعہ کا ایک ایک فقرہ زن وشوہر کے باہمی تعلقات کے متعلق بصیرتوں کی دنیا اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

حقوق زوجیت:

عبادت وریاضت کتنی قابل وستائش چیز ہے مگر اسلام نے یہاں بھی یہ برداشت نہیں کیا کہ عورتوں کے حقوق پر دست درازی کر کے انکو محروم رکھا جائے اور ان سے علیحدہ رہ کر کوئی دن رات عبادت میں مشغول رہے۔ شروع شروع میں ایک سے زائد صحابیوں کے اس طرز عمل پر کہ راتوں کو عبادت گزاری میں بسر کرتے تھے اور زن وشوہر کے باہمی تعلقات کی انکی نگاہوں میں وقعت نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر ان کو سمجھایا:

"ان لزوجك عليك حقا"

(صحیح بخاری، باب لزوجک علیک حق)

"تم پر تمہاری بیوی کا بھی ضروری حق ہے۔"

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو الدردا کا واقعہ بڑی تفصیل سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بیوی کے لئے نظافت کا اہتمام:

اپنی بیوی کے لئے اپنے آپ کو بہتر اور اچھا ثابت کرنے کی عملی صورتیں کہ بیوی کی خاطر مدارت، دلجوئی وغیرہ میں کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے، اسی کے ساتھ ان باتوں کا

بھی مردوں کو خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے جنکی طرف ارشادات نبوی میں اشارے کئے گئے ہیں۔

مثلاً: شوہر کو چاہیئے کہ بیوی کے سامنے آئے تو صاف ستھرے کپڑوں میں آئے، تا کہ اسکو دیکھ کر بیوی کو مسرت ہو اور یہ محسوس کر کے وہ خوشی سے پھول جائے کہ ہمارا شوہر لباس میں، وضع قطع میں صاف ستھرا، پاکیزہ مزاج ہے، گندا، گھناؤنا، بدسلیقہ اور پھوہڑ نہیں ہے۔ آخر جب مرد چاہتا ہے کہ اسکی بیوی صاف ستھری رہے میلی کچیلی نہ رہے تو اس طرح عورتوں کی بھی طبعی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہمارے شوہر خوش وضع ہوں، یوں بھی مسلمانوں کو کب اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اپنے آپ کو ممسوخ و منحوس شکل میں رکھیں۔؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی صفائی، پاکیزگی اور خوش وضعی کی اپنی مثال آپ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ سفر و حضر ہر حال میں آئینہ، کنگھی سرمہ دانی اور اسی قسم کی چیزیں جن سے اپنی اصلاح اور درستگی میں مدد ملتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التزاماً اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الترجل)

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ آدمی یوں بھی بری ہیئت میں رہے۔
حضرت عطاء بن یسار کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا:

''بالوں کو درست کر لے۔''

چنانچہ اس نے اشارہ نبوی پا کر سر اور داڑھی کے بال درست کر لئے اور اس شخص کے پلٹتے وقت جب آپ نے اس کو اچھی ہیئت میں دیکھا تو فرمایا:

''کیا یہ ہیئت پہلی ہیئت سے بہتر نہیں ہے جو شیطان سی معلوم ہوتی تھی۔''

(مشکوٰۃ لمصابیح، باب الترجل)

یہ حدیث بھی مشہور ہے:

''ان الله طيب يحب الطيب نظيف يحب النظافة''

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الترجل)

''اللہ پاک ہے، پاکی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو محبوب رکھتا

ہے۔"

بیوی کے لئے سامان:

ان حدیثوں کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ شوہر کو بیوی کے لئے خصوصاً صاف ستھرا رہنا چاہیئے اور بیوی کو شوہر کے لئے یہ تو ایسی بات ہوگی جس پر عمل کرنا چاہیے۔ فقہائے کرام نے تفصیل کی ہے کہ مردوں کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ بیوی کو ایسے سامان فراہم کر کے دے جس سے وہ اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھ سکے۔

"و یجب علیہ مائنظف بہ و تزیل الوسخ لا لمشط و الدھن والسدرد الخطمیی والا شنان والصابون علی اھل البلد واما الطیب فیجب علیہ ما یقطع السھو کۃ لاغیر و علیہ ما تقطع الصنان"

(ردالمختار، جلد نمبر۲، صفحہ نمبر ۷۰۴)

"شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کیلئے ایسے چیزوں کا سامان کر دے جس سے وہ اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے اور میل کچیل سے پاک رہے، جیسے کنگھی، تیل، بیری کی پتی، خطمی اشنان اور صابون، جیسا کہ وہاں رواج ہو اور جس سے بدبو کو دور کر سکے اتنی خوشبو کا فراہم کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح بغل کی بو کو دفع کرنے کا سامان۔"

"وعلیہ الماء ما تغسل بہ ثیا بھا و بد نھا من الوسخ"

(عالمگیری مصری، جلد نمبر ا، صفحہ نمبر ۵۶۹)

"اتنا پانی بھی فراہم کر دینا شوہر پر ضروری ہے جس سے اپنے کپڑے اور اپنا بدن دھو سکے۔"

حدیث میں جہاں ذکر کیا گیا ہے کہ شوہر اگر سفر میں گیا ہوا ہے تو اسکو واپسی کے وقت چاہیئے کہ کسی ذریعہ سے اپنی آمد کی اطلاع کر دے، دفعتۃً پہنچنے کی کوشش نہ کرے۔ وہاں اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ عورت چونکہ شوہر کے نہ ہونے کیصورت میں صفائی کا وہ اہتمام نہیں رکھتی جو اس کو شوہر کے لئے رکھنا چاہیئے، اس لئے پہلے اگر عورت کو اطلاع مل جائے گی تو وہ اپنے آپ کو سنوار لے گی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لکی تمشط الشعثۃ و تستحد المغیبۃ"

(صحیح بخاری، باب طلب الولد)

"تا کہ عورت پراگندگی درست کر لے اور استرہ استعمال کر کے صاف ستھری بن جائے۔"

عورت کی مصیبت میں اظہار وفاداری:

شوہر کا یہ بھی اخلاقی فرض ہے کہ بیوی کے ساتھ وفاداری اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے۔ اگر حوادث زمانہ کی وجہ سے عورت پر کوئی ناگہانی مصیبت آجائے تو محبت اور لطف وکرم میں کمی نہ کرے، بلکہ پہلے سے بڑھ کر اخلاق ومروّت سے پیش آئے۔ بیمار پڑ جائے تو علاج کرائے۔ کوئی دوسری مصیبت آئے تو اس کے دفعیہ کی سعی کرے۔ اگر کسی بیماری کیوجہ سے اسکی شکل و صورت میں فرق آجائے تو عورت کو بدصورت دیکھ کر بے مروّتی اور بداخلاقی کا برتاؤ نہ کرے، بلکہ اسکی دل دہی اور دل جوئی کرے۔ مرد اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا، اسکی مسرت حزن وملال میں تبدیل ہو جائے گی اور عورت مرد کی بے وفائی پر گھٹ گھٹ کر جان دے دیگی۔

ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے، کل ایک حسین و دلفریب عورت کو شادی کر کے لائے، اس پر اپنی جان نثار کی اور بلائیں لیں اور اسکی خوشنودی کے لئے بازار چھان ڈالا اور قیمتی سے قیمتی زیور اور کپڑے لا کر دیئے، سب کی ناراضگی برداشت کی۔ اتفاق کی بات وہی بیمار ہوئی اور آج اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چیچک نے اسکی صورت بگاڑ دی یا آنکھوں کی بینائی چھین لی، آئینہ دیکھتی ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں کہ یہ کیا سے کیا بن گئی اور اگر اندھی ہو گئی ہے تب تو ساری دنیا ہی اندھیری ہے۔ بیچاری عورت ان مصیبتوں کی تاب نہ لا کر دن رات روتی ہے، اس پر ظلم یہ ہوا کہ شوہر کی آنکھیں پھر گئیں، بات بات پر غریب جھڑکی جا رہی ہے، اس کو گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی جا رہی ہے اور بے قصور ٹھوکر لگائی جا رہی ہے۔ یہ بساط محبت کیوں الٹ گئی اور بہار خزاں میں کیوں تبدیل ہو گئی؟ تا کہ حسن وجمال جاتا رہا اور وہ بھی قدرتی مرض سے۔

للہ! سوچا جائے انسانیت کا یہی تقاضا ہے؟ محبت کا یہی انجام ہے۔؟ اخلاق کی عدالت کا یہی فیصلہ ہے۔؟ پھر یہ بھی پیش نظر رکھنے کی سعی کی جائے کہ غریب وبیکس عورت کی دلسوزیوں کا وبال کس کے سر ہوگا۔؟ ان کے گرم گرم آنسو جو آنکھوں سے جا رہی ہیں کیا رنگ لائینگے۔؟ یقین کیا جائے اسلام ایسی بے مروّتی اور کج خلقی کی اجازت نہیں دیتا، وہ ایسی سنگ دلی کو برداشت

نہیں کرتا، بلکہ اعلان کرتا ہے:

"من لا یرحم لا یرحم"

"اس پر رحم نہیں کیا جاتا جو رحم نہیں کرتا۔"

بیوی کے جذبات کا پاس:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک رات بحیثیت خلیفہ گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے دردناک اشعار پڑھے جانے کی آواز آئی۔ آپ کھڑے ہو گئے اور غور سے سننے لگے۔ ایک عورت یہ شعر اپنے خاص انداز میں پڑھ رہی تھی:

"فو اللہ مو لا اللہ تخشی عواقبہ

لزحزح من ھذا لسریر جوانبہ"

"خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ کے عتاب کا خوف نہ ہوتا۔ بلاشبہ اس چار پائی کے کنارے جنبش میں ہوتے۔"

حضرت عمر فاروق نے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس عورت کا شوہر جہاد کے سلسلہ میں باہر ہے۔ حضرت عمر پر اس سچے جذبہ محبت کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ وہ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں) پوچھا:

"عورت بغیر مرد کے کتنے دن صبر کر سکتی ہے۔؟"

حضرت حفصہ نے فرمایا:

"چار مہینے۔"

یہ معلوم کر کے حضرت عمر فاروق نے بحیثیت خلیفہ سپہ سالاروں کے نام یہ حکم بھیج دیا:

"لا یتخلف امتزوج عن اھلہ اکثر منھا"

(ردالمختار، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۴۳۳)

"جو شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ غائب نہ رہے۔"

اس تاریخی واقعہ سے ثابت ہوا کہ آدمی پر ان باتوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے داعیات و جذبات کو بھول نہ جائے اور اگر زیادہ مدت کے لئے پردیس میں رہے تو بال بچوں کو ساتھ رکھے۔

اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی جس میں ایلا کا ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص بلا قید مدت چار ماہ یا زیادہ مدت کے لئے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے اور اس پر عمل کرے تو اس صورت میں عورت کی طلاق ہو جائے گی اور اس کو دوسری شادی کی اجازت حاصل ہو گی:

''للذین یؤلون من نسآئھم تربص اربعة اشھر فان فآءو ا فان اللہ غفور رحیم•وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم"

(سورۃ البقرہ)

''جو لوگ اپنی بیویوں سے قسم کھا بیٹھے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ سو اگر یہ رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور اگر چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتا ہے جانتا ہے۔''

بیوی پر اعتماد:

مرد کا بھی یہ فریضہ ہے کہ بیوی پر اعتماد کرے اور گھر کے اندرونی معاملات اس کے حوالے کر دے، تا کہ وہ اپنی حیثیت کو جان سکے اور اس کی عزت و عظمت اور اس کا وقار اس میں خود اعتمادی پیدا کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو گھر کا نگران مقرر کیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''والمرأة راعیة علیٰ بیت زوجھا''

''عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے۔''

دوسری بہت سی حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کے مال کی محافظ ہیں۔ عورتوں پر اعتماد سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ اس کا وقار بلند ہوگا اور یہ اپنے کو گھر کے ایک شعبہ کی ذمہ دار سمجھے گی؛ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرد کو بڑی حد تک سکون میں رہے گا اور اس کو اطمینان کی زندگی میسر ہو گی۔

رازدارانہ باتیں:

بیوی کا مرد پر ایک حق یہ بھی ہے کہ مرد عورت کے پردہ کی بات کو دوسرے سے نہ کہے، بلکہ اس راز کو راز ہی کے درجے میں رہنے دے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے پردہ کی باتوں کو افشا کرے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

''ان من اشر الناس عنداللہ منزلة الرجل یفضی الی امرأته

وتفضی الیه ثم ینشر سرھا"

(صحیح مسلم، باب تحریم افشاء سر المرأۃ)

"لوگوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور اس کی بیوی اس سے ملے، پھر مرد اس راز کی بات کو پھیلائے۔"

معلوم ہوا کہ مرد و عورت کی پرائیویٹ باتیں طشت از بام نہ ہونی چاہئیں۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت و مرد کے باہمی استمتاع کا تفصیلی تذکرہ کرنا حرام ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ جماع کے باب میں یہ بات باہم پیش آئی اور پھر زن و شوہر کے راز کی کہانی بیان کرے۔ حد یہ ہے کہ بلا فائدہ جماع کا اجمالی تذکرہ بھی کراہیت سے خالی نہیں۔

امام نووی لکھتے ہیں:

"فی ھذا لحدیث تحریم افشاء الرجل بینه و بین امرأته من امور الا ستمتاع و وصف تفاصیل ذلك وما یجری من امرأۃ فیه من قول او فعل او نحوه"

(شرح صحیح مسلم، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۴۶۴)

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے راز کی باتوں کو ظاہر کرنا جیسے لطف اندوزی اور اس کی تفصیل کہ باہم ایسے ایسے ہوا، حرام ہے۔ اسی طرح عورت سے متعلق کوئی راز کی بات یا کوئی فعل یا اور کسی ایسی ہی چیز کا اظہار حرام ہے۔"

☆☆☆

باب نمبر 21:

بیوی کے فرائض واختیارات

بیوی کے فرائض:

بیوی کے حقوق کے سلسلہ میں اسلام نے مردوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اس کا اجمالی نقشہ پیش کیا جا چکا ہے۔اب مردوں کے حقوق کے سلسلہ میں عورتوں کو جو زریں ہدایات دی گئی ہیں اسے بھی اجمال کے ساتھ بیان کیا جا تا۔

کوئی ایسا قانون کہ جو صرف ایک فریق پر ذمہ داری عائد کرے اور دوسرے کو ہر ایک ذمہ داری سے بری قرار دے وہ کتنا ہی خوشنما اور جاذب نظر کیوں نہ ہو مگر اسے ادھورا اور ناقص ہی کہا جائے گا۔آئین اور ضابطے وہی مکمل ہو سکتے ہیں جو ہر ایک پر دوسرے کی ذمہ داری کو ضروری قرار دیں، گوشکل مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

الرجال قوامون علی النساء:

کوئی شبہ نہیں کہ عورت اپنی خلقت میں کمزور، اپنے فطری جذبات میں اعتدال سے دور اور اپنی جسمانی ساخت میں بڑی حد تک ضعیف ہے اور اسی وجہ سے یہ قابلِ لطف وکرم، لائقِ انس و محبت اور باعثِ درگزر ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے اسکے لائق ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش رکھا جاتا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عورت و مرد کی اجتماعی زندگی نہایت ناخوش گوار حد تک پہنچ جاتی۔

اسلام نے عورت کی ان تمام کمزوریوں کی رعایت ملحوظ رکھی، جو اسے مرد کے مقابلے میں لاحق ہیں اور اسی وجہ سے باہمی زندگی کی صدارت وامارت مرد کے سر ڈالی گئی، یعنی زن وشوہر کی اجتماعی زندگی کا امیر اور صدر مرد کو منتخب کیا، تاکہ نظامِ منزلی میں کوئی سخت وقت آئے تو مرد اپنی خداداد قوت وشوکت سے اسے حل کرے۔اللہ تعالیٰ نے مرد کی صدارت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ"

(سورۃ النساء)

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔"

اس کا ماحصل یہ ہے کہ مردوں کو علم و عمل میں چونکہ فضیلت اور بڑائی عطا کی گئی ہے، ساتھ ہی مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور عورت کو مہر، خوراک اور پوشاک وغیرہ کے راستے سے سہارا دیتے ہیں، اسی لئے مرد کو زن و شوہر کی باہمی زندگی کا امیر اور صدر بنایا گیا ہے۔

کوئی ذی عقل انسان اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ مرد اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت سے امور میں عورت سے فائق ہے۔ غریب عورت پر زندگی میں کچھ زمانہ ایسا گزرتا ہے جس میں وہ بڑی حد تک بیکار ہو جاتی ہے اور دوسرے کی امداد و اعانت کی محتاج رہتی ہے۔ میری مراد حمل، رضاعت، بچوں کی تربیت اور حیض و نفاس کا زمانہ ہے۔

جدید تحقیق نے بھی اس کی تائید کر دی ہے کہ مرد کا دماغ عورت سے بڑا، اس میں فہم و ذکاء کا مادہ نسبتاً زیادہ اور اس کی عقل میں پختگی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی مرد جسم اور عضلات کا مضبوط ہوتا ہے، اس سلسلہ میں کچھ اقوال نقل کیے جا چکے ہیں۔ یہاں بھی کچھ لوگوں کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

مشہور نیشنلسٹ فلاسفر علامہ پرودن اپنی کتاب ابتکار النظام میں لکھتا ہے:

"عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے اسی قدر ضعیف ہے جس قدر اسکی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے۔ اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے اور ایک دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن و قبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے، وہ مردوں کی رائے کے مطابق نہیں ہوتی۔ پس مرد اور عورت میں یہ فرق کوئی عارضی امر نہیں ہے، بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے۔"

ایک اور مصنف لکھتے ہیں:

"حواس خمسہ جس پر انسان کی عقلی اور دماغی نشوونما کا دارومدار ہے، اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، علامہ نیکولس اور علامہ نیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت

کے حواس خمسہ مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں۔ علم سائیکلوجی نے ثابت کردیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادۃً اور شکلاً سخت اختلاف ہے، مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سوڈرام زیادہ ہے۔"

جدید تحقیقات نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے چھوٹا ہے جس کا اثر عقل وشعور پر پڑتا ہے۔ تجربہ کار سائنس دان لکھتے ہیں:

"یہی وہ قوائے عقیلہ کا سرچشمہ ہے جس میں مرد کا پلہ عورت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر (۴۹ ۱/۲) ساڑھے انچاس اوقیہ ہے اور عورت کے دماغ کا وزن صرف چوالیس۔ دوسواٹھتر مردوں کے دماغ وزن کیے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن پینسٹھ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن چونتیس اوقیہ ثابت ہوا، لیکن جب دوسوا کانوے دماغ عورتوں کے وزن کیے گئے تو سب سے وزنی دماغ چون اوقیہ کا اور سب سے کم وزنی دماغ اکیس اوقیہ کا نکلا۔ کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قویٰ مرد کے قویٰ سے بدرجہا ضعیف ہیں۔"

انسائیکلو پیڈیا کا مصنف پروفیسر دوفارینی لکھتا ہے:

"جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قویٰ کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے، اسی طرح امریکہ کے وحشی ترین اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔"

ماحصل یہ ہے کہ جدید تحقیقات نے بھی یہ ثابت کردیا ہے کہ مردوں میں عورتوں کی بہ نسبت زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے اور مرد صلاحیت میں ہر اعتبار سے عورت سے بڑھے ہوئے ہیں۔

صدارت مرد اور مساوی حقوق:

زن وشوہر کی باہمی زندگی میں مرد کی صدارت سے جو لوگ یہ مطلب پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو مرد کا غلام بنادیا ہے، سراسر بے جا اور ہٹ دھرمی ہے۔ عقل سے بیگانہ ہوکر ہی ایسی بات کہی جاسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ زن وشوہر کی رائے میں اختلاف ناممکن ہے تو اگر کوئی ایسی بات آپڑی، جس میں دونوں کی رائے میں اختلاف ہوگیا تو پھر اس وقت کیا جائے گا؟ اسلام کہتا ہے کہ اس وقت مرد کی رائے کو ترجیح ہوگی اور عورت کا فریضہ ہے کہ ایسے

موقع پر مرد کی رائے کو ترجیح دے کہ یہ اپنی مخصوص صلاحیتوں کی وجہ سے باہمی اور منزلی زندگی کا صدر اعظم ہے۔

ورنہ اسلام خود چاہتا ہے کہ جو کام انجام پائے وہ باہم مشورے اور اتفاق رائے ہی سے انجام پذیر ہو۔ علاوہ ازیں مرد و عورت میں مکمل مساوات اور ہر ایک کے دوسرے پر حقوق و فرائض ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”و لهن مثل الذی علیهن بالمعروف و للرجال علیهن درجة“

(سورۃ البقرہ)

”جس طرح کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی کے مثل خود عورتوں کے بھی حقوق قاعدہ کے مطابق ہیں اور مردوں کو ان پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں باوجود اختصار کے ایک بڑا ضابطہ مندرج ہے اور ایک قاعدہ کلیہ کا اعلان ہے۔ وہ یہ کہ عورت ہر چیز میں مرد کے مساوی ہے اور تمام حقوق میں مرد کے برابر ہے، صرف ایک امر میں البتہ! عورت مرد کے برابر نہیں جس کو للرجال علیہن سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور جس کی تشریح الرجال قوامون کے تحت کی گئی۔ اس ایک بات کے علاوہ عورت سارے معاملات، اخلاق اور عبادات میں مرد کے مساوی ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں جس سے مرد کو بڑا اور عورت کو حقیر سمجھا جائے۔ اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے عورتوں کو یہ عزت عطا کی۔

ایک فلاسفر نے کتنی درست بات کہی ہے کہ اگر رب العزت کا مقصد یہ ہوتا کہ زن وشوہر کی اجتماعی زندگی کی صدارت عورت کے حصے میں آئے تو عورت کو مرد کے سر والے حصہ سے پیدا کرتا اور اگر عورت کو خادمہ کے درجہ میں رکھنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ عورت کو مرد کے پاؤں والے حصہ سے وجود عطا کرتا، مگر چونکہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی مقصد نہ تھا، بلکہ ان دونوں سے بلند ایک جدا گانہ مقصد تھا اور وہ یہ کہ عورت و مرد مساوات کی زندگی گزاریں، دوستانہ برتاؤ قائم رکھیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی عزت اور محبت کو اپنے دل میں جگہ دے اس لئے رب العزت نے عورت کو مرد کے پہلو سے پیدا کیا۔

باہم مشورہ کا حکم:

صدارت کے لئے مرد کا نام لینے کے باوجود قدرت کا منشاء یہ ہے کہ سارے امور باہمی

مشورے سے طے کیے جائیں اور اس طرح کے جو کام انجام پائیں وہ باہمی رضامندی اور خوشنودی سے۔ قرآن مجید نے جہاں یہ بیان کیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اور بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی کا کھانا اور کپڑا ہے، اس مقام پر یہ بھی بیان فرمایا کہ اگر تم دودھ چھڑانا چاہو تو باہمی مشورے اور رضامندی سے ایسا کرو۔ قرآن مجید نے بیان کیا ہے:

"فان ارادہ فصالا عن تراض منھما و تشاور فلا جناح علیھما"

(سورۃ البقرہ)

"پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں۔"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ جو کام انجام پائے حتی الوسع باہمی مشورے سے انجام پائے۔ پھر مومنوں کی شان ہی یہ بیان فرمائی ہے:

"و امر ھم شوری بینھم"

(سورۃ الشوریٰ)

"اور وہ آپس میں مشورے سے کام کرتے ہیں۔"

اس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام نے مرد و عورت میں جائز رشتہ کے قیام کے بعد ایک نظام قائم کر دیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے دونوں میں محبت رہے گی اور پھر اس طرح عفت و عصمت پر کوئی داغ نہ پڑ سکے گا۔

اختلاف رائے:

الرجال قوامون کے بعد ہی ارشاد الٰہی ہے:

"فالصلحت قنتت حفظت بما حفظ اللہ"

(سورۃ النساء)

"پس نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں اور مرد کی غیر موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے نگہبانی کرتی ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں نیک عورت کی شناخت کا بیان ہے اور اس طرح عورت کو مرد کی اطاعت پر ابھارا گیا ہے، تاکہ دونوں میں اختلاف رائے کبھی ہو تو علیحدگی کی نوبت نہ آئے۔

بات بات پر طلاق مانگنا:

پھر مزید اس رشتہ کی مضبوطی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایما امرأۃ سالت زوجھا طلاقاً فی غیر ما باس فحرام علیھا رائحتہ الجنۃ"

"جو عورت خواہ مخواہ معمولی باتوں میں اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔"

اس میں عورت کو ہدایت دی گئی ہے کہ باہمی زندگی میں اگر ایسی بات ہو جائے جو تم کو ناپسند ہو تو ایسی ذرا ذرا سی بات پر شوہر سے طلاق کا مطالبہ شروع نہ کر دیا کرو، کیونکہ اجتماعی زندگی میں عموماً ایسی بات ہوتی رہتی ہے، کیونکہ دونوں کے مزاجوں میں قدرتی اختلاف پایا جاتا ہے۔

صالحہ خاتون کا فریضہ:

عورت صالحہ کا فریضہ ہے کہ باہمی اجتماعی زندگی کے نظام میں جونہی برہمی اور انتشار محسوس کرے شوہر کی صدارت کو یاد کرے اور جوش کو ترک کر کے ہوش کو رہبر بنائے۔ یہ یقین پیدا کرے کہ شوہر باہمی زندگی یا نظام منزلی کا صدر اور امیر ہے اسکی اطاعت اپنا فریضہ سمجھے۔ اگر اپنے صدر کی زیادتی کا شبہ ہو تو قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کی زیادتی اس پر آشکار کرے اور حزم و احتیاط اور انصاف کا جو تقاضا ہو اسے مہذب طور پر پیش کرے۔

خدانخواستہ اگر عورت نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، تو پھر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی زندگی کا سکون و اطمینان جاتا رہے گا۔ ہر کام میں انتشار اور برہمی لازمی ہے اور میاں بیوی جس چھوٹی سی سلطنت کے ذمہ دار رکن ہیں وہ تباہ و برباد ہو جائیگی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نگاہ میں دونوں کی حیثیت اور دونوں کا وقار خاک میں مل کر رہ جائے گا اور پوری قوم پر یہ راز کھل جائے گا کہ ان دونوں میں سے کسی میں بھی گھریلو سلطنت چلانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اب کوئی بھی جلد ان کی اس حکومت کی رکنیت دینے پر راضی نہ ہوگا۔

تعظیم خاوند:

مرد کی محبت اور صدارت کی وجہ سے عورت پر اپنے شوہر کی دلجوئی اور اسکی تعظیم و تکریم از بس ضروری ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد:

"لو كنت آمرا احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها"

(مشکوٰۃ المصابیح)

"اگر میں کسی کو کسی آدمی کے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔"

کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی تعظیم و تکریم اور اسکی دلجوئی ضروری ہے۔ عقل بھی کہتی ہے کہ جس شوہر نے اپنے آپ کو بیوی کی محبت میں سرشار کر لیا، اپنی کمائی اور جائیداد بیوی کے آرام و عافیت کے لئے اس کے قدموں میں ڈال دی اور اپنے انس و محبت کا مرکز بنا لیا۔ اس کی دلجوئی اور عزت و مکرمت عورت کا فریضہ ہے۔

رسمی تعظیم و تکریم تک ہی تعلق کافی نہیں ہے، بلکہ اخلاص بھی ضروری ہے، تاکہ شوہر کے قلب پر اثر پڑے اور یہ اپنی بیوی سے خوش رہے۔ شوہر کی رضا کی ضرورت بیوی کو دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ ارشاد نبوی ہے:

"ايما امرأة ماتت و زوجها عنها راض دخلت الجنة"

(مشکوٰۃ، باب عشرۃ النساء)

"جو عورت مر جائے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔"

محبت شوہر:

شوہر کی محبت اور اس کی رضا عورت اپنے ایثار اور فرماں برداری ہی سے خرید سکتی ہے، عورت جب اپنے شوہر کی ہر جائز بات پر گردن جھکاتی رہے گی شوہر اس پر اپنی جان چھڑکتا رہے گا اور بیوی کے لئے وہ سارے جتن کرے گا جو ایک شریف مرد کر سکتا ہے۔ چنانچہ عورت کی خوبیوں میں شوہر کی جائز اطاعت کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"المرأة اذا صلت خمسها وصامت شهرها واحصنت فرجها واطاعت بعلها فلتدخل من اى ابواب الجنة شائت"

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح، صفحہ نمبر ۲۸۱)

"عورت جب پانچ وقت نماز پڑھے، رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، اپنی

عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرماں بردار ہو تو وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔"

اطاعت شوہر:

نماز، روزہ اور عفت و عصمت کے تحفظ کے ساتھ شوہر کی فرمانبرداری بھی ضروری قرار دی گئی۔ اس حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ عورت پر جہاں حقوق اللہ کی بجا آوری ضروری ہے، وہاں شوہر کے حقوق کا لحاظ و پاس بھی اس کا فریضہ ہے۔ شوہر کے حقوق سے چشم پوشی کر کے عورت کامیاب نہیں ہوسکتی۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ پوچھا گیا:

"بہترین عورت کونسی ہے۔؟"

آپ نے جواب میں فرمایا:

"التي تسره اذا نظر وو تطيعه اذا امرو لا تخالفه في نفسها ولا مالها بما يكره"

(مشکوٰۃ المصابیح، باب عشرۃ النساء)

"شوہر جب اس کو دیکھے تو وہ اسکو خوش کر دے، جب کسی جائز حکم کا حکم دے تو بجا لائے اور شوہر اپنی جان و مال میں ایسی مخالفت نہ کرے جو اسے ناپسند ہو۔"

شوہر کے حقوق کی بجا آوری کی تاکید کا اس سے دلچسپ انداز اور کیا ہوسکتا ہے، گویا جو عورت محسوس کرے کہ اس میں یہ خوبیاں نہیں ہیں وہ یقین کرے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ بہتر نہیں ہے، سب کچھ ہے مگر جو اپنے خاتم المرسلین پیغمبر کی نگاہ میں بہتر نہیں، نکمی اور محروم القسمت ہے۔

مگر یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ شوہر کی جائز اطاعت سے آگے نہ بڑھنا چاہیے، یعنی عورت اپنے شوہر کی ان باتوں پر عمل نہ کرے گی جو رب العزت کے احکام کے خلاف ہوں۔

حدیث میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک انصاری خاتون ایک مرتبہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور بتایا کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی کر دی ہے۔ اتفاق سے میری لڑکی کے بال گر گئے ہیں۔ اب میرے داماد کا تقاضا ہے کہ دوسرے بال علیحدہ سے لیکر اس کے بالوں میں شامل کر دیے جائیں کہ بدصورتی جاتی رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایسی عورت پر لعنت کی گئی ہے جو الگ سے بال لے کر اپنے بالوں میں جوڑے۔"

شوہر کی خوشنودی اور حق:

ان امور میں بلاشبہ شوہر کا حکم بجالائے گی جن میں شریعت کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے۔ فرماں بردار بیوی کو حدیث میں بڑی گراں قدر نعمت قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کو پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ فرماں بردار بیوی کا اسلام میں کیا درجہ ہے:

"ما استفاد المومن بعد تقوی الله خیر اله من زوجة الصالحة ان امرها اطاعته وان نظر الیها سرته وان اقسم علیها ابرته وان غاب عنها نصحته فی نفسها و ماله"

(سنن ابن ماجہ، باب افضل النساء)

"تقویٰ کے بعد مسلمانوں کے لئے بہترین چیز جو اسکے لئے قابلِ استفادہ ہے وہ نیک عورت کہ اگر اس کو شوہر حکم کرے وہ بجالائے، اس کو دیکھے تو خوش کردے، اس کو قسم دے تو پورا کر دکھائے اور اگر شوہر موجود نہ ہو تو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں خیر خواہ بن کر رہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اسکے خوف کے بعد بہترین دولت نیک اور فرماں بردار بیوی ہے جو اپنے پیارے شوہر کی لاڈلی، اس پر جان دینے والی، اپنے ہنس مکھ چہرے سے شوہر کا دل لبھانے والی، اس کے ایک ایک حکم پر اپنا آپ نثار کرنے والی اور عصمت مآب ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو حکم دے کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پر دوسرے سے تیسرے پر منتقل ہو جاؤ تو بیوی وہی ہے جو اس حکم کو بجالائے۔

(سنن ابن ماجہ، صفحہ نمبر ۱۳۴)

اسلام نے زن و شوہر کے رشتہ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنا چاہا ہے اور اس سلسلہ میں دونوں کے نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کو اسکے لائق حقوق عطا کیے ہیں۔ بیوی پر شوہر کے جو حقوق ہیں وہ سب اسی لائق ہیں کہ عورت بدل و جان بجالائے۔

ایک دفعہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عورت پر اپنے شوہر کی جائز فرماں برداری ضروری ہے۔ کوئی بیوی اس وقت تک

ایمان کی مٹھاس سے لذت اندوز نہیں ہو سکتی ہے جب تک وہ اپنے شوہر کے جائز حقوق ادا نہ کرے۔"

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ شوہر اپنے پورے گھر کا نگران ہے جس میں بیوی بھی داخل ہے، پھر نگران کے جائز حکم سے سرتابی کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔؟

یہ احکام عورت بخوشی بجالائے کہ عورت اپنے شوہر کی رفیق حیات اور شریک زندگی ہے اور ایک دوست کا فریضہ ہے کہ دوسرے دوست کے لئے ایثار و قربانی سے کام لے۔ عورت جو کچھ کرے رفیقہ حیات کی بحیثیت سے اسے کرنا چاہیئے اپنے غلام اور محکوم تصور نہ کرنا چاہیے۔

شوہر کی حکم بجا آوری اور خوشنودی:

جنسی میلان کی تکمیل جو بظاہر دنیاوی امور میں سے ہے، مگر اس سلسلہ میں بھی شوہر اپنی بیوی کو بلائے تو بیوی کی طبعی محبت کا تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اذا الرجل وعا زوجته لحاجته خلت له وان كانت علي التنور"

(مشکوٰۃ المصابیح، باب عشرت النساء)

"شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لئے بلائے تو وہ فوراً اس کے لئے حاضر ہو جائے، گو وہ تنور پر بیٹھی (روٹی پکا رہی) ہو۔"

بلکہ حدیث میں صراحت ہے کہ اگر اس سلسلہ میں حکم بجا نہ لائے گی تو گنہگار ہوگی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اذا دعا الرجل امرأته الیٰ فراشه فابت ان تجی لعنتها الملائكة حتی تصبح"

(صحیح بخاری، باب اذا باتت المراۃ مہاجرہ)

"شوہر جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔"

ایک دفعہ آپ ﷺ نے قسم کے ساتھ فرمایا:

"عورت کو اس کا شوہر اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو رب العزت اور

فرشتے اسوقت تک اس عورت سے ناخوش رہتے ہیں جب تک اس کا شوہر اس سے خوش نہ ہو جائے۔"

انہی بنیادوں پر امام نووی فرماتے ہیں کہ بغیر عذر شرعی عورت کا شوہر کے مطالبہ ہم بستری کو ٹھکرا دینا حرام ہے۔

(شرح صحیح مسلم، جلد نمبر ا، صفحہ نمبر ۴۶۴)

یہ الگ بات ہے کہ خود شوہر کو بھی بیوی کے حالات کا لحاظ کرنا ازبس ضروری ہے۔ صرف جنسی میلان کی خاطر عورت کی صحت کو نظر انداز کر دینا انسانیت اور اخلاق دونوں کے منافی ہے۔

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عورت کی صحت اجازت نہ دے تو پرہیز ہی چاہیے:

"لو تضررت من کثرة جماعه لم تضز الزیادة علی قدر طاقتها"

(درمختار، باب القسم)

"اگر کثرت مباشرت عورت کے لئے مضر ہو تو ایسی حالت میں اسکی طاقت سے زیادہ ہم بستری مرد کے لئے جائز نہیں ہے۔"

بہر حال عورت اس باب میں بھی شوہر کے حکم کی پابند ہے۔ اسے نافرمانی کی اجازت نہیں ہے۔ اس حدیث سے بھی اس کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تصوم المرأة و بعلها شاهد الا باذنه"

(صحیح بخاری، باب صوم امرأة)

"شوہر موجود ہو تو بغیر اسکی اجازت کے عورت نفلی روزے نہ رکھے۔"

ان سارے قوانین کا منشا یہ ہے کہ عفت و عصمت کا تحفظ ہو اور اخلاق و اعمال پاکیزہ رہیں۔ ساتھ ہی زن و شوہر کے تعلقات مستحکم اور باہمی انس و محبت قائم و دائم رہے۔

یہی وجہ تھی کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ کرام میں عورتیں اپنے شوہروں کو خوش رکھنے کی بے انتہا سعی کرتی تھیں۔ شوہر کی ذرا سی ناراضگی ان کے لئے سوہانِ روح بن جاتی تھی۔ شوہر کی بے رخی پر بھی وہ اپنا طرزِ عمل نہیں چھوڑتی تھیں۔

خود حضرت عائشہ صدیقہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے ہوئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھلوں کو انکے ہاتھوں میں دیکھ کر فرمایا:

"عائشہ! یہ کیا۔؟"

وہ بولیں:

"یہ آپ کی خوشنودی ہی حاصل کرنے کی غرض سے پہنے گئے ہیں۔"

حضرت خولاء ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بیان کیا کہ میں ہر رات پہن اوڑھ کر اور آراستہ ہو کر لوجہ اللہ اپنے شوہر کے لئے دلہن بن جاتی ہوں اور ان کے پاس سوتی ہوں، مگر پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ نے یہ واقعہ خدمت نبوی میں عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنکر فرمایا:

"ان سے کہہ دو کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہیں۔"

صحابیات اور ازواج مطہرات کا طرزِ عمل:

صحابیات بھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور اپنے شوہر کی خوشنودی پر جان دیتی تھیں۔ حضرت زینب جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں، انکی شادی ابوالعاص سے ہوئی۔ ابوالعاص ابھی مسلمان بھی نہ ہوئے تھے کہ غزوہ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس حق و باطل کی جنگ میں ابوالعاص کافروں کی طرف سے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جب فتح عطا کی اور قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئی تو ان میں ابوالعاص بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب فدیہ پر رہائی کا اعلان ہوا تو ابوالعاص کی بیوی حضرت زینب بنت رسول نے ان کی رہائی کے لئے اپنے گلے کا قیمتی ہار بھیج دیا۔ یہ ہار حضرت زینب کے پاس ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کی یادگار کی حیثیت سے تھا۔

حضرت حمنہ بنت جحش کے شوہر جہاد میں گئے اور اللہ کے دین کی بلندی کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت حمنہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے شوہر غزوہ میں شہید ہو گئے ہیں تو ضبط نہ کر سکیں اور فرط محبت سے چیخ اٹھیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی روزے کے دنوں میں فرط محبت سے اپنے لاڈلے شوہر کے سر کا بوسہ لیا کرتیں۔

حضرت حسن کی بیوی کو طلاق کے بعد جب حضرت حسن کی طرف سے مہر ملا تو وہ رو پڑیں اور فرمانے لگیں:

"جدا ہونے والے محبوب کے مقابلہ میں یہ رقم بالکل حقیر ہے۔"

خود ازواج مطہرات کی زندگی ملاحظہ فرمائیے کہ ان کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ محبت تھی، آپ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہ ایک مالدار عورت تھیں، مگر جب ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوگئی تو انھوں نے اپنی کل دولت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دی، آپ کو درد و غم پیش آیا تو حضرت خدیجہ تڑپ اٹھیں اور آپ کو تسلی دی۔

سیدہ عائشہ کی محبت بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشہور ہے۔ آپ پر وہ اپنی جان چھڑکتی تھیں۔ حضرت عائشہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتیں، آپ کو خوشبو ملا کرتیں، آپ کی مسواک چبا دیا کرتیں، اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھتیں۔ حد یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے لئے خود اپنے ہاتھ سے حضرت عائشہ قلاوہ کے لئے رسی بٹتی تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمبل پر دھبہ ہے، آپ نے اسے اتار کر اندر بھیج دیا، حضرت عائشہ خود برتن میں پانی لے کر بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے دھویا۔ پھر خشک کر کے خدمت اقدس میں بھیجا۔

خندہ پیشانی:

عورت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ شوہر جب گھر میں داخل ہو تو بیوی شوہر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرے، کیونکہ قدرت نے عورت کی مسکراہٹ میں ایسی عظیم الشان قوت عنایت کی ہے کہ شوہر بیوی کی مسکراہٹ دیکھ کر سارے غم بھول جاتا ہے اور اگر مرد تھکان سے نڈھال ہو رہا تھا تو پھر بیوی کی تبسم آمیز گفتگو اور دلجوئی سے تازہ دم ہو جاتا ہے اور اس کی قوت عود کر آتی ہے۔

جو عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے منہ بسورتی ہیں وہ گھر کو قصداً جہنم بنانا چاہتی ہیں اور شوہر کی زندگی کو گھن لگاتی ہیں۔ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عورت کی تعریف میں فرمایا:

"التی تسرہ اذا نظر"

(مشکوۃ المصابیح)

"شوہر کی نگاہ جب بیوی پر پڑے تو بیوی اس کو خوش کر دے۔"

اس طرح کے موقعے پر بیوی شوہر کے سامنے آئے تو بن سنور کر اور صاف ستھرے لباس میں آئے۔ گھر، بستر اور دوسرے سامان کو شوہر کے سامنے صفائی کے ساتھ پیش کرے۔

عورت اور گھر کا کام کاج اور خدمت شوہر:

ضرورت کے وقت شوہر کی خدمت سے بھی نہ چوکے کہ ازواج مطہرات کی یہی زندگی تھی۔ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی دستور تھا کہ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرلیا کرتیں۔

امام بخاری نے اپنی جامع میں ایک ہی باب باندھا ہے: "عمل المرأة في بيت زوجها" "عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں کام وکاج کرنا" اور اس ضمن میں حضرت فاطمہ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چکی چلاتے چلاتے گھٹے پڑ گئے تھے۔

محدثین نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ گھر کے معمولی کام کاج خود کرلیا کریں۔ حضرت فاطمہ جب چکی چلا سکتی ہیں تو کیا یہ بعید ہے کہ آپ آٹا بھی گوندھتی ہوں، روٹی بھی پکاتی ہوں۔؟ امام مالک تو اس حد تک فرماتے ہیں کہ بیوی پر اس وقت گھر کی خدمت لازم ہے جبکہ اس کا شوہر مالدار نہیں ہے۔ خواہ بیوی بڑے سے بڑے گھر کی ہی چشم و چراغ کیوں نہ ہو۔

(عمدۃ القاری، جلد ۹، صفحہ نمبر ۶۴۵)

غزوہ تبوک میں جو تین بزرگ شریک نہ ہو سکے تھے اور جن کا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بائیکاٹ کیا گیا تھا۔ ان میں حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کچھ دنوں بعد حضور ﷺ کا یہ فرمان ہوا کہ ان کی بیویاں بھی اس وقت تک ان سے ترک تعلق کرلیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ آجائے۔ اس فرمان کے فوراً بعد ہی بلال بن امیہ کی بیوی خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی:

> "میرے شوہر بوڑھے آدمی ہیں، کوئی خادم نہیں ہے جو ان کی خدمت انجام دے سکے، لہٰذا حضور! اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کی خدمت کیا کروں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجہ بلال کو اس کی اجازت دے دی۔

(صحیح بخاری، کتاب مغازی، غزوہ تبوک)

حافظ ابن القیم نے اس سلسلہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء کی خدمت کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی کس قدر خدمت انجام دیا کرتی تھیں۔

(زاد المعاد، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۳۲)

ضد:

عورتوں کا ایک بڑا عیب ضد اور ہٹ دھری ہے۔ اس سے عورتوں کو بالکل اجتناب کرنا چاہیئے، کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں کوئی ایک بات بھی انکی طبیعت کے خلاف پڑی آگ بگولہ بن گئیں اور اُلٹ پلٹ شروع کر دی۔ اس سے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور شوہر بیوی سے بددل ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی معقول بات ہو تو شوہر کو سمجھانے کی سعی کرے۔ منہ پھلانا اور لڑنا بری بات ہے۔ شوہر کو گرم دیکھے تو خود نرم ہو اور اپنی گری کا اظہار ضروری ہی سمجھے اور جی نہ مانے تو گرمی نکال لے، مگر تعلقات پر ان باتوں کا اثر نہ آنے دے۔

مرد کی زیادتی اور بددماغی سے معاملہ خراب پڑے تو ہوش و خرد سے کام لے اور عجلت نہ کرے۔ کچھ دب کر ہی سہی صلح کر لے تو عورت کے لئے مفید ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

”وان امرأة خافت من بعلها نشوزاً او اعراضاً فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر“

(سورۃ النساء)

”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بددماغی یا بے پروائی کا ہو تو دونوں کو کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے۔“

☆☆☆

باب نمبر22:

اسلام بطور محافظ عفت وعصمت

بنیادی مقصد:

عفت و عصمت ہی وہ بنیادی مقصد ہے جو نکاح کا اسلام نے قرار دیا ہے اور اس کو کہیں بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے معجزانہ پیرا میں متعدد مقامات میں عفت و عصمت اور اخلاق کی تاکید کی ہے اور دلنشین انداز میں ترغیب دی ہے۔ ایک جگہ عفت و عصمت اور اخلاق و محبت کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"والحفظین فروجھم والحفظت والذکرین اللہ کثیراً و الذکرت اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجراً عظیماً"

(سورۃ الاحزاب)

"اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے معافی اور بڑا ثواب رکھا ہے۔"

اس آیت میں کتنی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ گوہر عصمت و عفت کا تحفظ رکھتے ہیں، اخلاق و اعمال میں تعفن پیدا نہیں ہونے دیتے، حدود اللہ میں رہ کر لذت و مسرت حاصل کرتے ہیں اور حدود اللہ کو توڑنے سے بچتے ہیں ان افراد امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی دولت اور اجر عظیم کی لازوال نعمت تیار کر رکھی ہے۔

بیوی اور لونڈی:

ایک دوسری آیت میں اخلاق و عفت اور پاکدامنی پر فلاحِ کامل کی مسرت انگیز خبر سنائی ہے:

"والذین ھم لفروجھم حفظون الا علی ازواجھم او ما

ملکت ایمانھم فانھم غیر ملو مین فمن ابتغی ور آذلك فاولئك هم العادون"

"اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، لیکن اپنی بیویوں یا اپنی شرعی لونڈیوں سے متمتع ہوتے ہیں۔ ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اسکے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار رہا ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔"

جنسی میلان کی تسکین کے لئے رب العزت نے جائز صورتیں دو بیان کی ہیں: ایک بیوی جس سے جائز طور پر رشتہ ازدواج قائم کیا گیا ہو اور دوسری لونڈی جس سے ہم بستری جائز ہے۔ ان دو کے علاوہ جو صورتیں بھی آدمی جنسی میلان کے لئے اختیار کرے وہ اسلام کے قانون میں حدود اللہ سے تجاوز قرار دیا گیا ہے۔

انبیاء کرام کی معصومیت:

پاکبازی اتنی اہم چیز ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ نبوت و رسالت کے لئے جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ رب العزت نے رسولوں اور نبیوں کے حق میں سے بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے، اگر کسی برگزیدہ بندہ پر عفت کے خلاف تہمت لگائی گئی تو خود پروردگار عالم نے اس کی تردید کی اور ان کی پاکدامنی کا ثبوت فراہم کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ گزر چکا کہ ان پر عزیز مصر کی بیوی فریفتہ ہوئی اور اس نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کا دامن عفت ملوث ہو، مگر رب العزت نے ان کی دستگیری فرمائی اور اس نازک ترین وقت پر آپ کو بچالیا۔ گو شروع معاملہ میں شرمندگی دور کرنے کے لئے زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام ہی کی طرف بری نیت کی نسبت کی، مگر پھر بالآخر اسی عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی گواہی دی۔ قرآن مجید نے تذکرہ کرتے ہوئے اعلان کیا:

"ولقد راودته عن نفسه فاستعصم" (سورۃ الیوسف)

"اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنیکی خواہش کی تھی۔ مگر یہ پاک صاف رہا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور عصمت کا اعلان کرنے کے بعد

وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين"

(سورۃ الیوسف)

"تا کہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں۔ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔"

حضرت یحیٰی علیہ السلام کی تعریف میں ارشاد ربانی ہے:

"وسیدا وحصورًا ونبیا من الصلحین"

(سورۃ آل عمران)

"اور مقتداء ہوں گے اور اپنے نفس کو عورتوں سے بہت روکنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے۔"

"حصور" اس کو کہتے ہیں جو اپنی قوت شہوت پر قابو رکھتا ہو اور نفس کے فریب میں مبتلا نہ ہو۔

حضرت مریم اور اہل بیت کی پاک دامنی:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم صدیقہ علیہا السلام پر یہود نے تہمت لگائی تو خود رب العزت نے تردید کی اور قرآن مجید میں اعلان کیا:

"ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجها"

(سورۃ التحریم)

"عمران کی بیٹی مریم جنھوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

"والتی احصنت فرجها فنفخنا فیها من روحنا"

(سورۃ الانبیاء)

"وہ بی بی جنھوں نے اپنے ناموس کو بچایا، پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی۔"

خود اہل بیت نبوی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اولٓئك مبرء ون مما یقولون لهم مغفرة ورزق کریم"

(سورۃ النور)

"یہ اس بات سے پاک ہیں جو وہ بکتے پھرتے ہیں۔ انکے واسطے مغفرت اور عمدہ رزق ہے۔"

انبیاء ورسل اوران کے گھرانوں کی عفت وعصمت کا اعلان قرآن پاک میں بڑی شدومد سے رب العزت نے کیا ہے۔ ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں عفت وعصمت کتنی اہم اور ضروری صفت ہے جس سے ایک لمحہ کے لئے صرف نظر جائز نہیں۔

پاکیزہ اور خبیث میں فرق:

ایک جگہ پاکبازوں کی بلندی کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

"الخبیثات للخبیثین و الخبیثون للخبیثات و الطیبت للطلیبین و الطیبون للطیبت"

(سورۃ النور)

"گندی عورتیں گندے مردوں کے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔"

جو خبیث ہے اسکا واسطہ طیب سے فروتر بتایا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ خبیث اور خبیثات ایک درجہ میں ہیں اور پاکدامن مرد اور عورت کا گروہ علیحدہ ہے۔

اہل تقویٰ کی نشانیاں:

اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی جہاں صفتیں بیان کی ہیں وہاں یہ بھی بتاتا ہے کہ نیک بندوں کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بدکار نہیں ہوتے۔ ارشاد ربانی ہے:

"والذین لا یدعون مع اللہ الٰھاً اخرو لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق و لا یزنون"

(سورۃ الفرقان)

"اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جن کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے وہ انہیں قتل نہیں کرتے، مگر کسی حق شرعی کی بنیاد پر اور وہ جو زنا نہیں کرتے۔"

اس آیت سے جو معلوم ہوا کہ عفت و عصمت اور پاکبازی انسان کی ایسی خوبی ہے جو عزت و آبرو اور اخلاق و اعمال کی جان ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود ماننے سے توحید کی رگ جان کٹ جاتی ہے اور انسان کافر ہو جاتا ہے اور قتل نفس سے آدمی کی ظاہری زندگی ختم ہو جاتی ہے جو موجودہ زندگی کے تعلق کو کاٹ دیتی ہے اور بدکاری انسان کی عفت و عصمت اور اخلاق کی تباہی کا باعث ہے اور اس کی عزت و آبرو کو ابدی نیند سلا دیتی ہے۔

عورتوں سے بیعت:

مسلمان عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لینے کا حکم تھا ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ بدکاری نہ کریں گی اور اپنی عفت و عصمت کے دھلے ہوئے دامن پر دھبہ نہ آنے دیں گی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینه بین ایدیھن وارجلھن"

(سورۃ الممتحنہ)

"اور نہ وہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ خود ساختہ افتراء باندھیں گی۔"

عموماً بدکاری کے سلسلے میں جو حمل ہوتا ہے وہی گرایا جاتا ہے۔ یوں تو عرب میں قتل اولاد کا بھی بعض قبیلوں میں رواج تھا اور اس سے بھی روکنا مقصود ہے۔ افتراء باندھنا یہ کہ چند مردوں سے لطف زندگی اٹھایا اور جس پر چاہا الزام ڈال دیا کہ فلاں کا بچہ ہے۔ عرب میں ایک طریقہ نکاح کا یہ بھی تھا کہ عورت کئی کئی مردوں سے آشنائی کرتی اور بچہ ہوتا تو عورت جس کا بچہ کہہ دیتی اس کو ماننا پڑتا تھا۔ اسی زمانہ میں بعض عورتیں دوسرے کے بچہ کو اپنا بنا کر پیش کرتیں اور اس کو شوہروں کے سر تھوپ دیتی تھیں۔

نوجوانوں کو نصیحت:

احادیث میں بکثرت واقعات مذکور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں لوگوں کو عفت و عصمت اور اخلاق کی تعلیم فرمائی اور ایسا ماحول پیدا کیا کہ لوگ اس عفت و عصمت کی قدر کریں جو اخلاق اور عزت و عظمت کی جان ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"یا شباب قریش احفظوا فروجکم لا تزنوا الا من حفظ

فرجه فله الجنة"

(مستدرک حاکم)

"اے نوجوانانِ قریش! اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرو۔ زنا نہ کرو۔ سنو! جو اپنی شہوت کی جگہ محفوظ رکھے گا اس کے لئے جنت ہے۔"

اس حدیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانان قریش کو ترغیب دی ہے کہ وہ عفت و عصمت کے فانوس کو توڑنے سے اجتناب کریں اور اخلاق و پاکبازی کی زندگی بسر کریں۔

ابتدائی تعلیم:

ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا:

"وہ تم لوگوں کو کیا بتاتے ہیں اور کن چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں۔؟"

ابوسفیان نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابوسفیان نے کہا:

"یا مرنا الصلوة والصدقة والعفاف والصلة"

(صحیح البخاری، کتاب الادب، باب صلة المراة، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر 34)

"وہ ہمیں نماز، صدقہ، عفت اور صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں۔"

عفت اور پاک دامنی اتنی اہم چیز ہے کہ اس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے اول دن سے دی اسے آپ نے کبھی فراموش نہیں فرمایا۔

عرش کے سائے میں:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے دن جب اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ سات شخصوں کو اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس کو ایک حسین و جمیل عالی نسب عورت نے دنیا میں اپنی طرف بلایا اور روسیاہی کی دعوت دی مگر وہ عفیف بنا اور اس نے اس حسین مہ جبین کے جواب میں یہ کہہ کر انکار کر دیا:

"انی اخاف الله"

(صحیح البخاری، کتاب المحاربین، باب فضل من ترک الفوحش)

"میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔"

ضمانت جنت:

وہ لوگ جو عفت و عصمت کی دمکتی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ نہیں لگنے دیتے ان کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص جنتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"من توکل لی مابین رجلیه و مابین لحییه توکلت له بالجنة"

(صحیح البخاری، کتاب المحاربین، باب فضل من ترک فواحش)

"جو شرمگاہ اور زبان کی حفاظت کی ذمہ داری دے میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لوں گا۔"

مشکل حل:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ بیان فرمایا:

"تین آدمی سفر کر رہے تھے۔ راستے میں آندھی اور بارش سے گھبرا کر ایک غار میں روپوش ہو گئے اور غار کی پناہ لیکر سر پر جو آفت منڈلا رہی تھی اس سے بچنا چاہا، مگر کرشمہ الٰہی یہ ہوا کہ اوپر سے ایک وزنی پتھر گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا اور تینوں اسی میں رہ گئے۔ اس ناگہانی مصیبت میں تینوں نے مشورہ کیا کہ اپنی نیکی کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے نجات کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی روداد بیان کی اور اللہ تعالیٰ نے ان نیکیوں کے بدلہ میں ان کو مصیبت سے نجات دی اور چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی۔ ان میں سے ایک کی روداد یہ تھی: اے اللہ! میری ایک چچازاد تھی جس سے مجھے بڑی محبت تھی۔ عام لوگ عورتوں سے جتنی محبت کرتے ہیں اس سے زیادہ میں اس سے محبت کرتا تھا۔ میں نے اپنی اس محبوب سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنی ذات سے لطف اندوز ہونے کا موقع دے۔ اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ سو اشرفی جب تک حاضر نہیں کرتے مجھ سے کھیل نہیں سکتے۔ یہ سنکر میں اس گراں قدر رقم کی فراہمی میں منہمک ہو گیا اور بالآخر میں نے سو اشرفی جمع کر لیں اور لے جا کر اس کے قدموں پر ڈال دیں۔ حسب وعدہ وہ مجبور ہو گئی اور میں تیار ہو کر اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ جونہی میں نے رو سیاہی کا ارادہ کیا وہ بول اٹھی: اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس مہر کو بغیر جائز

حق کے مت توڑو۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ میں اٹھ گیا اور روسیاہی کی لعنت سے بچ گیا۔

اے رب العزت! اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ میں نے یہ صرف تیری خوشنودی کے لئے کیا تو آج تو اس غار کے منہ کو ہمارے لئے کھول دے۔ چنانچہ پتھر ہٹ گیا اور دنیا نظر آنے لگی۔"

(صحیح البخاری، کتاب الادب، باب اجابۃ دعا من بر والدیہ)

دیکھا آپ نے عفت و عصمت کا لحاظ اس کے حق میں کتنا مفید ثابت ہوا اور اس معاملہ میں اللہ کا خوف اس کو کتنے آڑے وقت میں کام آیا۔

بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کا ایک سبب:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پاک وصاف ملے اسکو چاہیے کہ شریف عورت سے شادی کرے۔"

(سنن ابن ماجہ، تزویج الحرائر والولود)

منشاء یہی تھا بدکاری کا ارادہ نہ کرے اور اپنے اور دوسرے کے دامن عفت و عصمت کو داغدار نہ بنائے، جو فطری داعیات ہیں ان کو حلال مقام میں پورا کرے۔

بیوی سے ہم بستری کرنا اور صدقہ کا ثواب:

ایک دفعہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

"اپنی بیوی سے جنسی تسکین حاصل کرنا بھی صدقہ ہے۔"

صحابہ کرام نے تعجب پوچھا:

"یہ کام بھی باعث اجر ہے؟ یارسول اللہ!"

فرمایا:

"کیوں نہیں! اگر تم میں سے کوئی اُسے حرام مقام میں پورا کرے تو کیا اسے گناہ نہ ہوگا۔؟ پس جو چیز گناہ سے بچنے کا ذریعہ ہو وہ باعث اجر و ثواب ہے۔"

(ریاض الصالحین، باب بیان کثرۃ طرق الخیر)

تباہی کا سامان:

رسول الثقلین ﷺ فرماتے ہیں:

''تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن رب العالمین کلام نہ فرمائے گا، نہ ان کا تزکیہ فرمائیگا اور نہ اُن کی طرف نگاہ کرم فرمائے گا اور یہی نہیں، بلکہ ان کو دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ ایک شیخ زانی جو بوڑھا ہو چکا ہے اور زنا کاری کرتا ہے۔ دوسرا جھوٹا بادشاہ جو شاہِ وقت ہو کر جھوٹ بولتا ہے اور تیسرا فقیر متکبر جو محتاج ہو کر بھی کبر و غرور کرتا ہے۔''

(صحیح مسلم)

رجم کی سزا منظور کرلی:

یہ صرف تعلیم ہی تعلیم نہ تھی، بلکہ اس پر برابر عملدرآمد رہا اور صحابہ کرام نے زندگی بھر اس تعلیم کو سینہ سے لگائے رکھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کے سامنے بڑے بڑے سخت سے سخت نازک مواقع آئے، مگر انھوں نے اپنا دامن ملوث نہ ہونے دیا۔

ایک صحابی ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سلسلہ میں لغزش ہوئی، لیکن صحبت نبویہ نے اخلاقی احساس میں اتنی نزاکت پیدا کر دی تھی کہ اپنے جرم کا چھپانا ان کے لئے ناممکن ہو گیا۔ بالآخر بخوشی رجم کی سزا برداشت کر کے حضرت ماعز اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضرت مرثد:

ہجرت کے موقع پر جو ناتواں مسلمان مکہ میں روکے گئے تھے، ان کے لانے کی ذمہ داری مرثد بن ابی المرثد الغنوی پر تھی۔ حضرت مرثد اسی سلسلہ میں ایک دفعہ مکہ تشریف لائے۔ اسلام سے پہلے ان کی ایک عورت (عناق) سے راہ و رسم محبت تھی۔ یہ عورت فاحشہ تھی۔ اس سفر میں حضرت مرثد اس عورت کے مکان کے پاس سے گزرے، اس نے سایہ دیکھ کر حضرت مرثد کو پہچان لیا اور آگے بڑھ کر پرتپاک خیر مقدم کیا۔ پھر ان سے درخواست کی کہ آج کی شب میرے ساتھ گزاریں۔ حضرت مرثد نے بہت صفائی سے انکار کر دیا کہ اب پہلا زمانہ باقی نہیں رہا، اسلام نے زنا کو حرام قرار دے دیا، لہٰذا معاف کرو۔ اس نے کہا:

''شور و غل کرونگی اور تم کو گرفتار کرا دوں گی۔''

بایں ہمہ حضرت مرثد راضی نہ ہوئے اور بھاگے اور چھپ چھپا کر کسی طرح کافروں کے چنگل سے اپنی جان بچائی۔

(سنن نسائی، کتاب النکاح)

ایک صحابیہ:

ایک صحابیہ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے اخلاقی گندگی میں مبتلا تھیں اسلام لانے کے بعد ایک شخص نے ان کو جب چھیڑنا چاہا اور اپنی طرف مائل کرنے کی سعی کی تو وہ بولیں:

''چلو! ہٹو! وہ زمانہ گیا۔ اب اسلام کی روشنی کا دور دورہ ہے۔''

(مسند امام احمد ابن حنبل، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۸۷)

لونڈیاں تک عفیف:

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی لونڈیوں کا واقعہ مشہور ہے کہ اسلام کے بعد جب اس منافق نے ان کو عصمت فروشی کے ذریعہ روپیہ کما کر دینے کا حکم دیا تو وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور اپنی حسرت انگیز کہانی سنائی۔ اس پر یہ آیت اتری:

''تم اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کیا کرو۔''

حضرت ابو موسیٰ اشعری:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مجھے یہ پسند ہے کہ میری ناک مردار کی بدبو سے بھر جائے، مگر یہ پسند نہیں کہ اس میں کسی غیر عورت کی بو آئے۔''

بعض صحابہ کا دستور:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''ایک حسین عورت عہد نبوی میں مسجد میں آیا کرتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتی تھی۔ بعض صحابہ کا یہ دستور ہو گیا کہ وہ پہلے سے آ کر اگلی صف میں بیٹھ جاتے تاکہ اس عورت پر نگاہ نہ پڑ پائے اور فتنہ سے محفوظ رہیں۔''

(سنن ابن ماجہ، ۷۴)

نبی کریم کی دعائیں:

یہ صحابہ کرام کا حال تھا، مگر آپ یہ سن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خود ذات برکت سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم تھے اور خاتم الرسل بایں ہمہ آپ کا یہ حال تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی عفت اور پاک دامنی کو فراموش نہیں فرماتے تھے اور برابر اور چیزوں کے ساتھ پاکبازی کی دعا کرتے رہتے۔ کبھی دعا کرتے:

"اللھم انی اسئلك الھدیٰ و التقی و العصاف و الغنی"
(مشکوۃ، باب الاستعاذہ)

"اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور غنا کی درخواست کرتا ہوں۔"

کبھی عرض کرتے:

"اللھم انی اسلکن الصحۃ و العفتہ و الحسن و الرضابالقدر"
(مشکوۃ، باب الاستعاذۃ)

"اے اللہ! میں تجھ سے صحت، عفت، خوبی اور تقدیر پر رضا کی درخواست کرتا ہوں۔"

کبھی دل کی گہرائی سے یہ آواز نکلتی اور عرش اعظم پر پہنچتی:

"اللھم الھمنی رشدی و اعذنی من شر نفسی"
(سنن الترمذی)

"اے اللہ! مجھے راہِ راست پر ہونے کی توفیق عطا فرما اور نفس کی برائی سے اپنی پناہ میں رکھ۔"

کبھی رسول الثقلین ﷺ کی زبان وحی ترجمان پر یہ دعا جاری ہوتی:

"اللھم انی اعوذبك من منکرات الاخلاق و لا عمال و الا ھو آء"
(سنن الترمذی)

"اے اللہ! میں برے اخلاق و اعمال اور بری خواہشوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں میں دیکھ رہے ہیں کہ خشیت الٰہی کا آپ پر کتنا اثر اور عفت و اخلاق کی طلب کا کس قدر خیال ہے کہ دوسری چیزوں کے ساتھ عفت کو برابر یاد رکھتے ہیں، کبھی فراموش نہیں فرماتے۔

ان دعاؤں میں افرادِ امت کے لئے کوئی سبق اور درس نہیں ہے۔؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر ان دعاؤں سے سبق لینا چاہیے اور عفت کی اہمیت سمجھنے کی سعی کرنی چاہیے۔

جو کچھ عفت وعصمت اور اخلاق واعمال کی پاکی کا اہتمام نظر آرہا ہے یہ بے وجہ نہیں ہے۔ اسلام آیا ہی تھا دنیا سے شر وفتن دور کرنے اور اہل دنیا کو اخلاق وعفت کی تعلیم دینے۔ جو لوگ عفت وعصمت اور اخلاق واعمال کے چہرہ کو داغدار کرتے ہیں رب العزت نے ان کے لئے دنیا وآخرت میں بڑی دردناک سزائیں مقرر کی ہیں۔ دنیاوی عذاب کا تذکرہ اپنے موقع پر تفصیل سے آئے گا۔ یہاں آخرت کے عذاب کی جھلک ملاحظہ فرمائیں:

معراج کے موقعہ پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہگاروں کے عذاب اور سزا کی مثال دکھائی گئی تھی، اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ آگ کا دہکتا ہوا تندور ہے، اس میں چیخ وپکار اور گریہ وبکا کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے جھانک کر دیکھا کہ آخر واقعہ کیا ہے۔ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ آگ کے اس مشتعل تندور میں ننگے مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت ہے اور ان کے نیچے کے حصوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور شعلوں کی لپٹ کے ساتھ ان میں ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے اور سب چیختے چلانے لگتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ زنا کار مردوں اور عورتوں کی جماعت ہے جو دنیا میں بد کاری میں مبتلا رہے۔“

(ریاض الصالحین، باب تحریم الکذب: ۵۸۸)

☆☆☆

باب نمبر 23:

تحفظ عصمت کے لوازمات

۱۔احکام شرم و حیاء

نافذ کردہ احکام:

عصمت و عفت کے تحفظ کے سلسلہ میں اسلام نے کچھ ایسے آئین و قوانین پیش کئے ہیں جن کا تعلق رات دن کی زندگی سے ہے اور ان کا لحاظ و پاس ہر محتاط انسان کے لئے بہت ضروری ہے، کیونکہ ان میں ذرا سی غفلت اور کوتاہی انسان کی عفت کو مجروح کر ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ جنسی میلان جو انسان کے خمیر میں پیوست ہے اس میں کچھ ایسی بربریت اور درندگی ہے جو معمولی سی بے حجابی کو برداشت نہیں کرتی اور موقع پا کر انسان کو ہلاکت میں ڈالنے کے درپے ہو جاتی ہے۔ پھر شیطان جس نے بنی آدم کی عداوت پر قسم کھا رکھی ہے وہ الگ تاک جھانک میں رہتا ہے اور ناپاک راستہ پر غلط طور پر جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے اسلام نے نکاح کے پہلے بھی اور بعد بھی "شرم وحیا" سے متعلق کچھ ضروری احکام نافذ کئے ہیں۔

ستر پوشی کا خیال:

شرم وحیا انسان کی ایسی مخصوص صفت ہے جو اسے "لغزش" کے موقع پر سہارا دیتی ہے اور اس نیک جذبہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم کے ان تمام حصوں کو پردہ میں رکھنے کی سعی کرتا ہے جو جنسی میلان میں ہیجانی کیفیت کی وجہ بن سکتے ہیں۔ ستر پوشی کا خیال اسی شرم وحیا کا نتیجہ ہے۔

عریاں و فحاش قبیلے:

اس روئے زمین پر بہت سی قوموں میں عریانی کا عام رواج تھا اور اب تک بہت سے قبیلے اور آبادیاں اس مرض میں گرفتار ہیں۔ افریقہ اس سلسلہ میں مشہور ہے۔

یورپ کی عریانی اور اس پر ماتم:

یورپ میں جو ستر پوشی ہے وہ برائے نام ہے۔ ان کے لباس اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ عریانی کو بھی شرمانے والے ہیں۔ مغربی رسالوں میں ننگی تصویریں عام طور سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

صحت اور آرٹ کے نام پر عریانی کی اشاعت ہو رہی ہے اور اس راستہ سے عصمت و عفت پر زبردست زد پڑ رہی ہے۔ آدمی کی ''قوت برداشت'' جواب دے رہی ہے۔ ایک دن یہی چیزیں اخلاق و اعمال کے ساتھ انسانی صحت کو بھی لے ڈوبتی ہیں۔ ایک امریکی رسالہ میں یہ ماتم پڑھیے:

''تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے اور یہ تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں۔ فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں، بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں۔ عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جو ان کے لباس اور بسا اوقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے نا آشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب و معاشرت کا زوال اور آخر کار تباہی ہے۔ اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان دوسری قوموں کی مماثل ہوگی جن کو یہی نفس پرستی، شہوانیت، شراب، عورتیں اور ناچ رنگ فنا کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔''

شرم و حیاء کا نفاذ اور اس کے فوائد:

اسلام نے اپنے قانون ''شرم و حیاء'' کا اپنے ماننے والوں میں نفاذ ضروری سمجھا ہے اور پیغمبر اسلام نے حیاء کی مختلف پیرایہ میں تاکید فرمائی ہے اور ساتھ ہی ترغیب بھی دی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک انصاری اپنے بھائی سے کہہ رہا ہے:

''زیادہ شرم نہ کرو''

آپ ﷺ نے سنا تو انصاری سے فرمایا:

''دعہ فان الحیاء من الایمان''

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الرفق والحیاء)

"اس کو چھوڑ دو، کیونکہ حیاء جزوِ ایمان ہے۔"

شریعت میں "حیاء" اس صفت کا نام ہے جو انسان کو ان تمام چیزوں کے چھوڑنے پر اُبھارے جو شریعت میں قبیح ہیں اور اسی بنا پر ارشاد نبوی ہے:

"الحیاء لایاتی الا بخیر"

(مشکوٰۃ، باب الرفق والحیاء)

"حیاء خیر ہی کی موجب ہوتی ہے۔"

جب حیاء اٹھ جائے تو:

شرم و حیا گویا انسانی زندگی کے لیے ایک ضروری حیثیت رکھتی ہے۔ افعال میں ہو اخلاق میں ہو یا اقوال میں جس میں حیاء کا جذبہ نہ ہو اس کے لیے ہر آن گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اذلم تستح فاصنع ماشئت"

(مشکوٰۃ:431)

"اگر تمہیں حیاء نہیں تو جو جی میں آئے کرو۔"

یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

"الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ والبذاء من الجفاو الجفاء فی النار"

(مشکوٰۃ:431)

"شرم و حیاء جزو ایمان ہے اور ایمان باعث دخول جنت ہے اور بے حیائی جفا ہے اور جفا باعث دخول دوزخ ہے۔"

شرم و حیاء کی اہمیت جتا کر اسلام نے ان تمام چیزوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو بے حیائی کی پیداوار ہیں اور جن کی وجہ سے عفت و عصمت اور اخلاق کا دامن داغدار ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ سے متعلق جو احکام و ہدایات ہیں ان کا یہاں اجمالی طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ ان تعلیمات سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے یہ چیزیں کتنی ضروری ہیں۔

۲۔حفاظت نگاہ کا حکم اور بد نظری کی مذمت

ام الخبائث:

بدنظری کو ام الخبائث کی حیثیت حاصل ہے کہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے۔ اسلام نے اس سوراخ کو پہلے بند کیا ہے اور نظر کو آنکھوں کا زنا قرار دیا۔ پھر نگاہ کا تیر مشہور ہے اور تجربہ کی دنیا میں مسلم بھی۔ عشق ومحبت کی تعریف کرنے والوں کا کہنا ہے کہ محبت ایک نادیدہ شے ہے جو آنکھوں کے راستہ دل میں اترتی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نگاہیں شہوت کی قاصد اور اس کی پیامبر ہیں۔ شعراء نے اس مسئلہ پر سب سے زیادہ روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ کتنی نگاہیں ہیں جو تیر کی طرح دل میں پیوست ہو جاتی ہیں۔

اسلام سے پہلے کے شعراء نے بھی اقرار کیا ہے کہ دل کے زخمی کرنے میں آنکھ کا بڑا قصور ہے اور اسلام کے بعد کے شعراء نے بھی بتایا ہے کہ نگاہوں سے دل چھلنی ہوتا ہے۔ پھر اس مسئلہ میں ہر مذہب وملت کے شعراء متفق ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔

نیچی نگاہ کرنے کا حکم......مردوں کے لیے:

نگاہ کی تاثیر کے باعث اسلام جب آیا تو اس نے اعلان کیا:

”قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلك اذکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون“

(سورۃ النور)

”ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کو بچائے رکھیں۔ اس میں ان کے لئے زیادہ پاکیزگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کی خبر ہے۔“

فتنہ کا چشمہ جہاں سے ابلتا تھا اور اخلاق اور سوسائٹی پر جہاں سے ضرب پڑتی تھی اسلام نے ان سوتوں اور سوراخوں ہی کو بند کر ڈالا۔ جائز حد تک اجازت دی اور اس کے بعد پہرہ بٹھا دیا کہ کوئی شخص قصداً یا بغیر قصد ایسا کوئی کام نہ کرے جو برائی کا زینہ بن جائے۔ نگاہ جس کو سلف صالحین نے بزید العشق (عشق کا پیامبر) سے تعبیر کیا ہے، اسلام نے اس پر قانون کی مہر لگا دی اور اس کے نتیجہ اور فائدہ کو بتایا کہ اس سے شہوت کی جگہوں کی صیانت وحفاظت ہوگی۔ نیز یہ چیز تزکیہ قلوب میں بھی معاون ہوگی۔

ہر ایک مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ نگاہ نیچی رکھے اور یہ فطرت اور حکمت الٰہی کے تقاضے کے مطابق بھی ہے۔ اس لیے کہ عورتوں کی محبت اور دل میں ان کی طرف خواہش فطرت کا تقاضا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"زین للناس حب الشهوات من النساء"

(آل عمران)

"مرغوب چیزوں کی محبت پر لوگ فریفتہ کیے گئے ہیں جیسے عورتوں پر۔"

غور و فکر سے معلوم ہوگا کہ آنکھوں کا فتنہ مہلک اور دنیا کے بہت سارے فتنوں اور آفتوں کا بنیادی سبب ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ماتركت بعد فتنة اضر على الرجال من النساء"

(مشکوٰۃ، کتاب النکاح)

"میں نے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ مردوں کے لیے ضرر رساں نہیں چھوڑا۔"

ایک موقع سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"فاتقوا الدنيا واتقوا النساء فان اول فتنة بني اسرائيل كانت في النساء"

"دنیا اور عورتوں سے ڈرو، کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ جو پیدا ہوا تھا وہ عورتوں میں تھا۔"

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کا لحاظ فرمایا اور شہوت کی رعایت سے نکاح کی اجازت ہی نہیں دی، بلکہ حکم فرمایا اور پھر اس کے بعد انسانی طبیعت پر کنٹرول کیا۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کے طریقے بیان کیے، حد سے بڑھتی ہوئی حرص جو حریص انسان کی طبعی خواہش ہے اس پر پہرہ بٹھایا اور کائنات انسانی کو فتنہ و فساد سے محفوظ کر دیا۔

نیچی نگاہ رکھنے کا حکم.....عورتوں کے لیے:

اگر اسلام نے صراحتاً مردوں کو عفت کی تعلیم دی تو عورتوں کو بھی فراموش نہیں کیا، کیونکہ مرد اور عورت دونوں کا خمیر ایک ہی ہے۔ کم و بیش کا فرق ہے۔ عورت کی فطرت بھی شہوت اور اس کے دواعی سے خالی نہیں، اس لیے رب العالمین نے فرمایا:

”قل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولایبدین زینتھن الا ماظھر“

(سورۃ النور)

”ایمان والیوں سے کہہ دے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شہوت کی جگہوں کو تھامے رکھیں اور اپنی زیبائش نہ دکھلائیں مگر جو ان میں سے کھلی چیز ہے۔“

ان آیتوں کا لب ولہجہ بتا رہا ہے کہ آنکھوں کی بیباکی اور ان کی آزادی شہوت میں انتشار اور شرمگاہ میں ابھار پیدا کرتی ہے۔ عقلی طور پر سنجیدگی سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آنکھوں میں ایک ایسا زہر پوشیدہ ہے جو موقع پا کر انسانی دل ودماغ میں تیزی سے سرایت کرنے کی سعی پیہم کرتا ہے اور جب سرایت کر جاتا ہے تو دل ودماغ کو ماؤف کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا سنا ہوگا کہ اجنبی مرد نے جب کسی اجنبی عورت کو زینت میں دیکھا اور بار بار دیکھا تو اس کی دبی دبائی چنگاری انگارہ میں تبدیل ہوگئی۔

شہوت کے معاملہ میں جو حال مردوں کا ہے کم وبیش یہی حال عورتوں کا بھی ہے، بلکہ ان کی نگاہ تو اور بھی فتنے جگاتی ہے۔ جذبات میں عموماً عورتیں آگے ہوتی ہیں اور جلد متاثر ہونا تو ان کے لیے مستقل مرض ہے۔ واقعات شاہد ہیں کہ بات کی بات میں عورت بدلتی رہتی ہے اس لیے ان کو اپنی آنکھوں کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی خوب رو تنومند جوان کو ادا بھا جائے اور ظاہر نہ سہی باطن ہی گندہ کر ڈالے اور یہ بھی نہیں تو یہ ہو کہ دوسری طرف مرغ بسمل بن کر تڑپنے لگے اور اس کو خبر بھی نہ ہو۔

چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود عورت کے دل میں تو کوئی خطرہ نہیں گزرتا، مگر ان کی بے احتیاطی سے کسی مرد کا سکونِ دل جاتا رہتا ہے اور وہ مرد اپنی غرض کے سلسلہ میں اندھا بن جاتا ہے اور پھر سینکڑوں تدبیریں عمل میں لاتا ہے، بیسیوں جال بچھاتا ہے اور کبھی کبھی زبردستی کسی معصومہ کی عصمت دری کے درپے ہو جاتا ہے۔

اس آیت اور قرآن مجید کی دوسری آیتوں کو سامنے رکھ کر علماء کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ یہ کسی اجنبی مرد کو دیکھے۔ اس کا یہ دیکھنا شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے دونوں ہی صورتیں ناجائز ہیں۔ حدیث سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تھی۔ ابن ام مکتوم نابینا کسی

ضرورت سے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ابن ام مکتوم کو دیکھ کر آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا:

''تم دونوں پردہ میں چلی جاؤ۔''

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے کہا:

''یارسول اللہ! کیوں یہ ابن ام مکتوم نابینا نہیں ہیں۔؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''افعمیا و ان انتما' الستما بتصر انه ''

(مشکوۃ المصابیح:269)

''کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ ان کو نہیں دیکھتیں۔؟''

یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں خود بھی کسی مرد کو نہ دیکھیں۔

یحفظن فروجھن کے متعلق سعید بن جبیر کہتے ہیں:

''اس میں فواحش کے بچنے کا حکم ہے۔''

قتادہ اور سفیان کہتے ہیں:

''ان تمام چیزوں سے عورتوں کی حفاظت کا حکم ہے جو ان کے لیے حلال نہیں ہے۔''

بدنگاہی کے نقصانات:

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'''' نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی جگہ کی حفاظت ہے۔ جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا اور نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے، کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے پھر کھٹک فکر کو وجود بخشتی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے۔ شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے، ارادہ قوی ہو کر عزیمت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہو کر فعل واقع ہوتا ہے جس سے اس منزل پر پہنچ کر اس وقت کوئی چارہ کار نہیں رہتا جب کوئی مانع حائل نہ ہو۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

''الصبر علیٰ غض البصر الیسر علیٰ الصبر علی الم بعدہ''

"آنکھ بند کرنا آسان ہے، مگر بعد کی تکلیف پر صبر مشکل ہے۔"

ابلیس کا تیر:

نظر کا تیر اگر پیوست ہو گیا تو پھر اس سے حسرت، سوزشِ قلب، جگر کی ٹیس اور آہ و فغان اور نیم شبی پیدا ہوتی ہے۔ آدمی اس وقت بے قابو ہو جاتا ہے، اس کے لیے یارائے ضبط باقی نہیں رہتا اور یہ ایک مستقل عذاب بن جاتا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے بھی اس فتنہ کی طرف اشارہ فرمایا:

"النظرة سهم مسموم من سهام ابليس"

"نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔"

آنکھ کا زنا:

آپ ﷺ نے فرمایا:

"العينان زناهما النظر و الاذنان زناهما الاستماع واللسان زناها الكلام واليد زناها البطش والرجل زناها الخطا والقلب يهوى ويتمنى ويصدق ذلك الفرج او يكذبه"

(مشکوٰۃ، باب الایمان بالقدر)

"آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پیر کا زنا چلنا ہے۔ دل آرزو اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔"

بعض سلف نے کہا ہے:

"النظر سهم سم الى القلب"

(تفسیر ابن کثیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 282)

"نگاہ ایک تیر ہے جو قلب میں زہر ڈال دیتی ہے۔"

نظر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس کی حفاظت بہت ضروری ہے، ورنہ اس سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ قوم اور ملک کا امن و امان خطرہ میں گھر جاتا ہے، اخلاق اور اعمال کی مٹی پلید ہو جاتی ہے اور عفت و عصمت دم توڑ دیتی ہے۔

پہلی نظر سے میلی نظر تک:

یہی وجہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے غض بصر کی تاکید فرمائی ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ کو دل نشین فرمایا ہے۔ حضرت علی سے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"یاعلی لاتتبع النظرة لك الاولى ولیست لك الاخرة"

(مشکوٰۃ المصابیح:219)

"اے علی! ایک بار نظر پڑ جانے کے بعد دوبارہ نہ دیکھو، کیونکہ تمہارے لیے صرف پہلی نظر معاف ہے دوسری نہیں۔"

پہلی نظر جو بغیر قصد پڑتی ہے اس میں انسان بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے، اس لیے یہ معاف ہے، مگر پھر دوبارہ نگاہ نہیں ڈالی جا سکتی۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پہلی نظر ڈالنے کی اجازت ہے۔

نظر جھکانے کا حکم:

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے پوچھا کہ جو نظر دفعتاً پڑ جاتی ہے اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"اطرق بصرك"

"تو اپنی نگاہ جھکا لے۔"

نگاہ پھیرنا مختلف طور پر ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو اس فتنہ سے جو سامنے ہے بچا لیا جائے۔ نظر پھیر لی جائے یا نیچی کر لی جائے یا کسی دوسری چیز پر نگاہ جما دے تاکہ نظر فتنہ سے محفوظ ہو جائے۔

شرمگاہوں کی حفاظت کا طریقہ:

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"غضوا ابصارکم واحفظوا فروجکم"

"اپنی نگاہوں کو پست کرو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔"

خیر للنساء:

حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں فرمایا:

"ای شئی خیر المرأۃ"

"عورت کے لیے کون سی چیز بہتر ہے۔؟"

کسی نے جواب نہ دیا۔ سب کے سب خاموش رہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں:

"اس مجلس میں خود میں بھی شریک تھا۔ مجھ سے بھی کوئی جواب نہ بن پڑا۔ جب گھر آیا تو میں نے حضرت فاطمہ سے پوچھا:

"ای شئی خیر للنساء؟"

"عورتوں کے لئے کونسی چیز بہتر ہے۔؟"

حضرت فاطمہ نے برجستہ جواب دیا:

"لایراھن الرجال"

"مردوں کی نگاہ سے عورتیں محفوظ رہیں۔"

حضرت علی اس جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ جا کر نبی کریم ﷺ سے اس جواب کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ بھی خوش ہوئے اور فرمایا:

"فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔"

راستے کا حق:

راستہ پر مجلس جما کر بیٹھنے سے اسی وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عام گزرگاہ ہے، ہر طرح کے آدمی گزرتے ہیں، نظر بیباک ہوتی ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی پر نظر پڑ جائے اور وہ برائی کا باعث بن جائے۔ صحابہ کرام سے ایک دفعہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

"راستوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو۔"

صحابہ کرام نے اپنی مجبوری پیش کی اور بتایا کہ اس سے کبھی چارہ کار نہیں ہوتا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم کو جب ایسی مجبوری ہی ہو تو پھر راستہ کا حق ادا کرو۔"

صحابہ کرام نے پوچھا:

"راستہ کا کیا حق ہے۔؟"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"غض البصر وکف الاذی ورد السلام والامر بالمعروف

والنھی عن المنکر"
"نگاہ نیچی رکھنا' اذیت کا روکنا' سلام کا جواب دینا، بھلی بات کا حکم دینا اور بری بات سے منع کرنا"

کفالت جنت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اکفلوالی ستا اکفل لکم الجنۃ اذاحدث احدکم فلایکذب واذااوتمن فلایخن اوذاوعدنا فلاتخلف و نحضوا ابصارکم وکفوا ایدیکم واحفظوا فروجکم"

(تفسیر ابن کثیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 282)

"تم چھ چیزوں کی کفالت کرو میں تمہارے لئے جنت کا کفیل بنتا ہوں۔ جب کسی سے بات بیان کرو تو جھوٹ نہ بولو، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرو، وعدہ خلافی نہ کرو، اپنی نگاہوں کو پست رکھو، اپنے ہاتھوں کو روکو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔"

اس حدیث میں جن چھ چیزوں کی ذمہ داری پر نبی کریم ﷺ جنت کی کفالت فرما رہے ہیں ان میں غض بصر (نگاہ پست رکھنا) اور حفظ فروج (شہوت کی جگہ کی حفاظت) بھی ہے۔ اس سے نظر کی اہمیت بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔

عبادت کی شیرینی:

مسند احمد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ماھن مسلم ینظر الی محاسن المرأۃ اول مرۃ ثم یغض بصرہ الااحدث اللہ عبادۃ یجد حلاوتھا"

"جو کوئی مسلمان جب پہلی مرتبہ کسی عورت کی خوبصورتی دیکھے پھر وہ اپنی نگاہ پست کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی عبادت میں شیرینی پیدا کرتا ہے۔"

حفاظت نگاہ و شرمگاہ:

طبرانی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"لم قضضن ابصار کم و لتحفظن فروجکم"

"تم ضرور اپنی نگاہیں پست رکھو اور شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔"

جنت کی ضمانت:

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من یکفل لی مابین لحییه و ما بین رجلیه اکفل له الجنة"

"جو شخص اپنی شرمگاہ اور زبان کا کفیل بن جائے تو میں اس کے لیے جنت کا کفیل بنتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن تمام آنکھیں رو رہی ہوں گی، مگر ان میں کچھ آنکھیں خوش ہوں گی۔ ایک وہ آنکھ جس کو محارم اللہ سے محفوظ رکھا گیا ہے، دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں جاگنے کی صعوبت برداشت کی ہے اور تیسری وہ آنکھ جس نے خشیت الٰہی سے آنسو بہایا۔"

دل کی جاسوس:

نگاہ دل کو خبر دینے والی جاسوس ہے جو دل کی طرف دیکھی ہوئی خبریں نقل کرتی رہتی ہے اور صورتیں اس میں نقش کرتی رہتی ہے۔ اس طرح سے انسانی فکر آخرت کو مفید امور سے ہٹا کر بے کار بلکہ نقصان دہ کاموں میں مصروف کر دیتی ہے۔ چونکہ نگاہ کی آزادی دل میں فتنوں کو جنم دیتی ہے اس لئے شریعت نے آپ کو ان کاموں میں جو فتنہ اور گناہ کا سبب بنیں، نگاہ کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ اگر آپ شریعت کے احکام کے مطابق نگاہ کی حفاظت نہ کریں گے تو یہ آپ کو ایسی تکالیف میں مبتلا کر دے گی جن کا عذاب آپ سہتے رہیں گے۔

اچانک نظر:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نگاہ پڑ جانے کے متعلق پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"اِصْرِفْ بَصَرَكَ"

"اپنی نگاہ ہٹا لے۔"

پہلی، دوسری اور تیسری نظر:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"النظرة الاولى خطأ و الثانية عمدو الثالثه تدمر نظر الرجل الى محاسن المراة سهم من سهام ابليس مسموم من تركها من خشية الله و رجاء ما عنده اثابه الله بذلك عبادة تبلغه لذتها"

"پہلی بار دیکھنا غلطی ہے، دوسری بار دیکھنا گناہ کرنا ہے، تیسری بار دیکھنا ہلاکت ہے۔ انسان کا عورت کے جسمانی محاسن (چہرہ، بال، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ) دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔ جس مسلمان نے اس کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس موجودہ انعامات کے حاصل کرنے کی امید میں چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جو اس کو نظر کی پاکیزگی کا مزہ نصیب کرے گی۔"

حرام سے بچنے والی آنکھ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"كل عين باكية يوم القيامة الا عين غضت عن محازم الله وعين سهر تغى سبيل الله وعين يخرج منها مثل راس الذباب من خشية الله"

"قیامت کے دن ہر آنکھ (اپنے کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے) رونے والی ہوگی سوائے اس آنکھ کے جس کو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء (کو دیکھنے کے وقت) بند کر دیا گیا ہو اور سوائے اس آنکھ کے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں (یعنی جہاد یا خدمت اسلام میں) جاگتی رہی ہو اور سوائے اس آنکھ کے جس سے مکھی کے سر کے برابر اللہ تعالیٰ کے خوف سے (آنسو کا قطرہ) گرا ہو۔"

نسوانیت اور شیطانیت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان المراۃ تقبل فی صورۃ شیطان و تدبر فی صورۃ شیطان فاذارای احد کم امراۃ فاعجتہ فلیات ابلہ فان ذلک یبرد مما فی نفسہ"

(صحیح مسلم)

"عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں پیچھا کرتی ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص کسی (اجنبی) عورت کو دیکھ لے اور وہ اس کو ہیجان میں ڈال دے تو وہ شخص اپنی بیوی کے پاس چلا جائے (اور اس سے جماع کرلے) کیونکہ یہ طریقہ اس کے نفس میں موجود (شہوت) کو ٹھنڈا کر دے گا۔"

عورت کا شیطان کی صورت میں سامنے آنے یا پیچھا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دیکھنے سے شیطانی شرارتیں ابھرتی ہیں اور شیطان کو انسان کے بھٹکانے کا موقع ملتا ہے۔

آنکھوں کا زنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"العینان تزنیان وزنا ھما النظر"

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

"آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا کرنا (نامحرموں کو) دیکھنا ہے۔"

زہر آلود تیر:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

"یا علی! اتق النظرۃ بعد النظرۃ فانھا سھم مسموم یورث الشھوۃ فی القب"

"اے علی! (نامحرم کو) ایک بار (اچانک) دیکھنے کے بعد (دوبارہ قصداً) مت دیکھ کیونکہ یہ زہر آلود تیر ہے جو دل میں شہوت کو بھڑکاتا ہے۔"

محاسن عورت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نظر الرجل الی محاسن المراۃ سهم مسموم من سهام ابلیس"

"مرد کا عورت کے محاسن کو دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔"

دنیا میں سزا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خون بہاتے ہوئے حاضر ہوا۔ نبی کریم علیہ السلام نے اس سے پوچھا:

"تیری یہ کیا حالت ہے۔؟"

اس نے عرض کیا:

"میرے پاس سے ایک عورت گزری تو میں نے اس کی طرف دیکھ لیا۔ اس کے بعد میری آنکھ اس کی تاک میں رہی۔ میرے سامنے ایک دیوار آ گئی جس نے مجھے ضرب لگائی اور یہ کر دیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ اذا اراد بعبد خیرا عجل له عقوبته فی الدنیا"

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر خواہی کرنا چاہتا ہے تو اس کو (اس کے گناہ کی) سزا دنیا میں دے دیتا ہے۔"

آنکھ پھوڑ دی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لو اطلع احد فی بیتك ولم تاذن له فخذفته بحصاته ففقات عینه ما کان علیك جناح"

"اگر کسی ایسے آدمی نے تیرے گھر میں جھانکا جس کی تو نے اس کو اجازت نہیں دی تھی اور تو نے (اس پر غیرت میں آ کر) اس کو پتھر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو (اس کا) تم پر کوئی گناہ (اور سزا) نہ ہوگا۔"

محبت الٰہی:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو نہ دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔"

متقی نواجوان:

حضرت ابراہیم بن مہلک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ثعلبیہ اور خزیمیہ کے درمیان ایک جوان کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ لوگوں سے الگ تھلگ تھا۔ میں نے اس کے نماز پورا کرنے تک اس کا انتظار کیا۔ جب اس نے نماز پوری کر لی تو میں نے اس سے پوچھا:

"تمہارے ساتھ تمہارا کوئی مددگار غمگسار نہیں ہے (کہ تو جنگل میں اکیلا عبادت کر رہا ہے)۔؟"

اس نے کہا:

"کیوں نہیں۔!"

میں نے کہا:

"وہ کہاں ہے۔؟"

اس نے کہا:

"وہ میرے سامنے بھی ہے، ساتھ بھی ہے، میرے پیچھے بھی ہے، میرے داہنے بھی ہے، میرے بائیں بھی ہے اور میرے اوپر بھی ہے۔"

مجھے علم ہو گیا کہ اس شخص کے پاس معرفتِ الٰہی موجود ہے۔ پھر میں نے پوچھا:

"کیا آپ کے پاس توشۂ سفر نہیں ہے۔؟"

اس نے کہا:

"کیوں نہیں۔!"

میں نے کہا:

"وہ کہاں ہے۔؟"

اس نے کہا:

"اللہ تعالیٰ کے اخلاص، اس کی توحید، اس کے نبی کی نبوت کا اقرار کرنا اور ایمانِ صادق اور مضبوط توکل (میرا توشۂ سفر ہے)۔"

میں نے کہا:

"آپ میرے ساتھ رہنا پسند کریں گے۔؟"

اس نے فرمایا:

"دوست مجھے اللہ تعالیٰ سے چھڑا کر اپنے ساتھ مشغول کر دے گا۔ اس لئے میں پسند نہیں کرتا کہ کسی کی رفاقت میں رہوں اور ایک پلک جھپکنے کی دیر جتنا بھی اس سے غافل رہوں۔"

میں نے پوچھا:

"کیا آپ اس جنگل میں اکیلے گھبراتے نہیں۔؟"

اس نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس قائم کرنے نے مجھے ہر قسم کے خوف سے محفوظ کر دیا ہے۔ اب اگر میں درندوں کے درمیان بھی ہوتا ہوں تو بھی ان سے گھبراتا اور ڈرتا نہیں ہوں۔"

میں نے پوچھا:

"آپ کہاں سے کھاتے ہیں۔؟"

اس نے فرمایا:

"جس نے مجھے رحم کے اندھیرے میں، بچپن میں غذا کھلائی، یہاں بھی وہی میرے رزق کا کفیل ہے۔"

میں نے پوچھا:

"آپ کو کھانے کی کس وقت ضرورت ہوتی ہے۔؟"

اس نے فرمایا:

"میری ضرورت کا مجھے علم ہے اور اس کے وقت کو بھی جانتا ہوں۔ جب مجھے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو میں جہاں بھی ہوتا ہوں کھانا پا لیتا ہوں۔ وہ ذات میری ضرورت کا بخوبی علم رکھتی ہے۔ وہ مجھ سے غافل نہیں ہے۔"

میں نے پوچھا:

"آپ کی کوئی ضرورت ہے۔؟"

اس نے فرمایا:

”ہاں!“

میں نے پوچھا:

”وہ کیا ہے۔؟“

اس نے فرمایا:

”اب جب آپ نے مجھے دیکھا تو میرے ساتھ کلام نہ کرنا اور کسی کو نہ بتانا کہ تو مجھے جانتا ہے۔“

میں نے پوچھا:

”آپ کی اس کے علاوہ کوئی اور حاجت ہے۔؟“

اس نے فرمایا:

”ہاں!“

میں نے پوچھا:

”وہ کیا۔؟“

اس نے فرمایا:

”اگر توفیق ہو تو مجھے اپنی دعا میں نہ بھلانا اور جب آپ پر کوئی مصیبت نازل ہو اس وقت بھی میرے حق میں دعا کرسکو تو کر لینا۔“

میں نے کہا:

”میرے جیسا آپ جیسے کیلئے کیا دعا کر سکتا ہے۔؟ آپ تو خوف الٰہی اور توکل کے اعتبار سے مجھ سے افضل ہیں۔“

اس نے فرمایا:

”تم یہ نہ کہو کیونکہ میں کم عمر ہوں اور آپ مجھ سے بڑے ہیں۔ آپ نے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی نمازیں ادا کی ہیں، آپ پر اسلام کا حق بھی ہے اور آپ کو ایمان کی معرفت بھی حاصل ہے۔“

میں نے کہا:

”میری بھی ایک حاجت ہے۔“

اس نے کہا:

"وہ کیا ہے۔؟"

میں نے کہا:

"آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔"

تو اس نے میرے لئے یہ دعا کی:

"اللہ تعالیٰ تیری نگاہ کو ہر گناہ سے محفوظ رکھے اور تیرے دل کو ایسا فکر نصیب کرے جس میں اس کی رضا حاصل ہوتی ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تیرا کوئی اور مطلوب ومقصود نہ رہے۔"

میں نے کہا:

"اے میرے دوست! میں آپ کو کہاں ملوں گا اور کہاں تلاش کروں گا۔؟"

اس نے فرمایا:

"دنیا میں تو خود کو میری ملاقات کا شوقین نہ بنانا آخرت میں تو کیونکہ مجمع ہی متقین کا ہوگا (اس لئے وہاں پر ہی ہماری ملاقات ہوگی) جن چیزوں کا تجھے حکم دیا گیا ہے یا تیرے لئے مندوب کیا گیا ہے تو ان میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت نہ کرنا۔ اگر تو میری ملاقات کو چاہے گا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے والے حضرات کے مجمع میں تلاش کر لینا۔"

میں نے پوچھا:

"آپ اس درجہ تک کیسے پہنچے۔؟"

اس نے فرمایا:

"ہر حرام کردہ چیز سے اپنی آنکھ کی حفاظت کر کے، ہر منکر اور گناہ سے اجتناب کر کے اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی ہے کہ وہ میری جنت بس اپنے دیدار ہی کو مقرر کر دے۔"

پھر اس نے ایک چیخ ماری اور تیز تیز دوڑنے لگا حتیٰ کہ میری نظروں سے غائب ہو گیا۔

بدنگاہی کی برائی:

ایک اہل تصوف فرماتے ہیں:

"جب پہلی ہی نظر میں نگاہ کو پابند کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کر لیں گے تو

بے شمار آفات سے نجات حاصل ہو گی اور اگر بار بار بدنگاہی میں مبتلا ہوں گے تو نظر نے جو کچھ دل میں تخم ریزی کی ہو گی اس کو نیست و نابود کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ جب بدنگاہی ہو جائے تو اس کی گہرائی میں نہ جائیں، اس کے نتائج بد کی فکر کریں اور اللہ کا خوف دل میں لائیں۔''

ارادوں کی درستگی:

حضرت ابوتراب نخشبی فرماتے ہیں:

''اپنے غلط ارادوں کو کنٹرول میں رکھو۔ یہ گناہوں کا پیش خیمہ ہیں۔ جس کے ارادے درست ہو گئے اس کے بعد اس کے افعال و احوال بھی درست ہو جاتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کا دھیان:

حضرت ابوالعباس بن مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جس نے اپنے دل کے ارادوں میں اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کی حرکات کی حفاظت فرما (کر اس کو گناہوں سے بچا) لے گا۔''

مادہ بکری:

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اپنی نگاہوں کی حفاظت کرو اگر چہ مادہ بکری سے بھی کیوں نہ ہو۔''

کنواری حور:

ابوعصمت فرماتے ہیں کہ میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپ کے سامنے ایک خوبصورت نوجوان بھی تھا۔ آپ اس کو کچھ لکھوا رہے تھے۔ اچانک ایک خاتون حسن و جمال کی ملکہ سامنے سے گزری اور وہ جوان نظریں چرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے جان لیا کہ معاملہ کیا ہے۔ پھر اپنے ہاتھ سے اس کی گردن پھیر کر یہ شعر کہا:

''دع المصوغات من ماء و طين
واشغل هواك بحور خرد عين''

"پانی اور مٹی سے بنی عورتوں کو چھوڑ اور اپنے عشق و خواہش کو اس حور کا متوالا بنا جو کنوری ہے موٹی آنکھوں والی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنیوالی آنکھ:

حضرت ابو القاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اپنی نگاہ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مصروف کر دو اور جس آنکھ کے ذریعہ تم نے اللہ عز وجل کا دیدار کرنا ہے اس کو غیر اللہ سے بند کر دو۔ ورنہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے گر جاؤ گے۔"

آخرت میں مصیبت:

حضرت غزوان رحمۃ اللہ علیہ کسی جنگ میں شریک تھے۔ ان کے سامنے ایک لڑکی آ گئی۔ آپ نے اس کو دیکھ لیا، پھر اپنا ہاتھ اٹھا کر اپنی آنکھ کو ایک چپت لگائی کہ وہ لڑکی بھی خوف کے مارے بھاگ گئی اور انہوں نے اپنی آنکھ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"خبردار! تو اس چیز کو دیکھتی ہے جو تجھے آخرت میں مصیبت میں ڈال دے گی۔؟"

آنکھ نکال دی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کیلئے بارش کی دعا کرنے چلے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ آپ کے ساتھ کسی خطا کار کیلئے بارش نہیں برسے گی تو انہوں نے لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرمایا اور فرمایا:

"جو لوگ گناہگار ہوں وہ سب چلے جائیں۔"

سب لوگ چلے گئے مگر ایک شخص نہ گیا۔ اس شخص کی داہنی آنکھ نہیں تھی۔ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"تم کیوں نہیں گئے۔؟"

اس نے عرض کیا:

"اے روح اللہ! میں نے ایک پلک جھپکنے کی دیر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی۔ ایک مرتبہ میں نے دائیں آنکھ پھیری تو میری نگاہ ایک عورت کے قدم پر پڑ گئی تھی۔ حالانکہ اس کو دیکھنے کا میرا ارادہ نہیں تھا، مگر میں نے اس آنکھ کو بھی باہر نکال دیا اور اگر میں اس کو بائیں آنکھ سے دیکھتا تو اس کو بھی نکال دیتا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رو پڑے حتیٰ کہ ان کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی پھر ارشاد فرمایا:

''تم دعا کرو کیونکہ تم مجھ سے زیادہ دعا کرنے کے مستحق ہو۔ میں تو نبی ہونے کی وجہ سے معصوم ہوں اور تم اس کے بغیر گناہ سے محفوظ ہو۔''

چنانچہ وہ شخص ہاتھ اٹھائے آگے بڑھا اور عرض کیا:

''اللھم انك خلقتنا وقعد علمت مانعمل من قبل ان تخلقنا فلم یمنعك ذلك ان تخلقنا فلما خلقتنا و تکفلت بار زاقنا فارسل السماء علینا مدرارا''

''اے اللہ! تو نے ہمیں پیدا فرمایا حالانکہ تو ہمیں پیدا کرنے سے پہلے خوب جانتا تھا کہ ہم کیا عمل کریں گے، لیکن پھر بھی ان اعمال نے ہمیں پیدا کرنے سے نہیں روکا تو جس طرح سے تو نے ہمیں ''اپنی مرضی سے'' پیدا فرمایا اور ہماری روزیوں کا کفیل ہوا ''اسی طرح سے'' ہم پر بارش کو بھی خوب برسا دے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں عیسیٰ کی جان ہے! اس شخص کے منہ سے ابھی کلمۂ دعا پورا بھی نہ نکلا تھا کہ بارش نے اپنی تنابیں ڈھیلی کر دیں اور دیہاتیوں اور شہریوں کو سیراب کر دیا۔''

اعتراض: اگر کوئی یہ کہے کہ اس شخص نے اپنی آنکھ نکال کر گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ کونسی نیکی ہے جس کا وسیلہ پکڑا جائے۔؟

جواب: اگر یہ بات درست ہو کہ اس نے اس وجہ سے اپنی آنکھ نکال دی تھی تو یہ ان کی شریعت میں جائز ہوگا، کیونکہ ان کی شریعتوں کے احکام بہت سخت ہوتے تھے اور ان کی عزیمت کے کام بھی اسی طرح سے سخت ہی ہوں گے اس وجہ سے اس بزرگ نے ایسا عمل کیا ہوگا۔ ورنہ کبھی بھی گناہ نہ کرنے والا شخص یہ گناہ کیسے کر سکتا ہے۔ شریعت محمدیہ میں یہ حرام ہے۔

عابد کی حکایت:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک عبادت خانہ تھا۔ اس میں عابدوں کی ایک جماعت رہا کرتی تھی اور یہ ایک عید کے موقع پر جمع ہوا

کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک دن عید میں شرکت کیلئے نکلے۔ ان میں سے ایک نے ایک نیک عبادت گزار خاتون کو دیکھا تو اپنی نظر کو اس پر ٹکا دیا۔ جب اس خاتون نے اس کو دیکھا تو بغیر اس خیال کے کہ وہ اس کو چاہتا ہے یہ کہا:

"پاک ہے وہ ذات جس نے آنکھوں کو روشن کیا اور وہ دیکھنے کے قابل ہوئیں، لیکن وہ حرام کردہ اشیاء کو دیکھنے میں مصروف ہو گئیں۔"

یہ سنتے ہی وہ عابد منہ کے بل سجدہ میں جا پڑا اور یہ کہنا شروع کر دیا:

"اے میرے اللہ! میں نے جو یہ غلط نگاہ ڈالی ہے اس کی سزا میں میری بینائی سلب نہ کرنا۔ مجھے آپ کی عزت کی قسم! میں اس کو اب کے بعد اتنا رلاؤں گا جتنی اس میں رونے کی طاقت ہے، چاہے یہ ختم ہو جائے۔"

پھر وہ روتا رہا حتیٰ کہ نابینا ہو گیا۔"

نظر کی دعا:

حضرت یوسف بن یونس بن حماس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے ایک عورت گزری اور ان کے دل میں اتر گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ان کی بینائی ختم ہو جائے۔ چنانچہ ان کی بینائی جاتی رہی۔ اس کے بعد یہ ایک زمانہ تک اسی حالت میں مسجد تک آتے رہے کہ کوئی شخص ان کو مسجد تک لے جاتا اور لے آتا تھا۔ پھر ان کے دل میں کچھ تحریک سی پیدا ہوئی جب کہ ان کو واپس لے جانے والا آدمی وہاں سے چلا گیا تھا اور ان کو ایسا کوئی شخص نہ ملا جو ان کو ان کے گھر تک چھوڑ جائے۔ یہ مسجد سے نکلے اور اللہ تعالیٰ سے بینائی کی واپسی کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی درست کر دی۔ پھر وہ اپنے انتقال تک تمام عرصہ سلامتی نگاہ کے ساتھ زندہ رہے۔

مکڑی کا جالا:

ایک شخص نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا:

"کاش! آپ کسی کو حکم فرماتے کہ آپ کے حجرے میں جو مکڑی کے جالے بنے ہوئے ہیں وہ صاف کر دیئے جائیں۔؟"

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"تمہیں پتہ نہیں فضول دیکھنا مکروہ ہے۔؟"

انگوٹھے کو تکتا رہا:

حضرت حسان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ عید کے روز باہر چلے گئے۔ جب گھر واپس ہوئے تو ان کی اہلیہ نے پوچھا:

''آج آپ نے کتنی حسین عورتیں دیکھیں۔؟''

جب اس نے بار بار یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

''تو تباہ ہو جا! میں جب سے تیرے پاس سے گیا ہوں تیرے پاس لوٹنے تک اپنے انگوٹھے کو ہی دیکھتا رہا۔ (نظر کی حفاظت کرتے ہوئے تا کہ نظر گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔)''

آنکھیں بند کر لیتے:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت ربیع بن خثیم اپنی نگاہیں بند رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے پاس سے چند عورتیں گزریں تو انہوں نے اسی طرح سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ عورتوں نے یہی سمجھا کہ یہ نابینا ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اندھے پن سے پناہ مانگی۔''

شیطان تین جگہوں پر:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''شیطان انسان کی تین جگہوں پر ہوتا ہے: اس کی آنکھ میں، اس کے دل میں اور اس کی شرمگاہ میں۔ عورت کے بھی تین جگہ پر ہوتا ہے: اس کی نگاہ میں، اس کے دل میں اور سرین میں۔''

خیانتی آنکھوں کی خیانت:

''یعلم خائنة الاعین'' ''اللہ تعالیٰ خیانتی آنکھوں کو جانتا ہے۔'' مذکورہ ارشاد الٰہی کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''ایک شخص کچھ لوگوں میں بیٹھا ہوتا ہے۔ ان کے پاس سے ایک عورت گزرتی ہے۔ یہ شخص ان لوگوں کو یہ دکھلا رہا ہوتا ہے کہ وہ اس عورت کو نہیں دیکھ رہا، لیکن جب وہ ان کو اپنی طرف سے غافل پاتا ہے تو اس کو دیکھ لیتا ہے اور اگر ان کے تاڑ جانے کا خوف کرتا ہے تو اپنی نگاہ کو پھیر لیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے دل کو

جانتی ہے کہ وہ اس عورت کو دیکھنے کی چاہت میں مصروف ہے۔"

غیر محرم:

حضرت عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں آنکھ والا ہوتا۔ مجھے وہ لمحہ نہیں بھولا جب میں نے جوانی میں ایک مرتبہ کسی غیر محرم عورت کو دیکھ لیا تھا۔"

عورت کے پیچھے:

حضرت لقمان حکیم رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اے بیٹے! شیر اور سانپ کی چاہت پر تو چل لے، مگر عورت کے پیچھے مت چلنا۔"

طویل غم:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس نے اپنی نظر کو آزاد چھوڑا، اس کی محرمات سے حفاظت نہ کی تو اس کے غم طویل ہو گئے۔"

شہوت کا بیج:

حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اپنی نگاہ کو عورت کی چادر پر بھی مت ڈال، کیونکہ نگاہ دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے۔"

روزہ خراب:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جس نے کسی عورت کے بارے میں اس کے لباس کے نیچے جسم کی حاشیہ آرائی کی (اگر وہ روزہ دار تھا) تو اس نے اپنا روزہ خراب کر دیا (اگر روزہ دار نہ تھا تو بھی خطرناک گناہ کیا)۔"

اندھا پن:

حضرت عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک اجنبی عورت کو دیکھا جس کے حسن نے مجھے حیران کر دیا تو اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اندھا کر دیا۔ میرا گمان ہے کہ یہ اسی دیکھنے کی سزا

ہے۔

منہ کالا:

ابو عمرو بن علوان کہتے ہیں کہ میں کسی کام کو رحبہ بازار میں گیا تو مجھے ایک جنازہ نظر آیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل نکلا تاکہ اس کی نماز میں شرکت کر کروں تو میں دیگر لوگوں کے ساتھ رہا یہاں تک کہ میت کو دفن کر دیا گیا، پھر اچانک میری نگاہ بلا ارادہ ایک حسین چہرے والی عورت پر جا پڑی تو میں نے آنکھیں بھینچ لیں اور ''انا للہ و انا الیہ راجعون '' پڑھا، استغفار کیا اور اپنے گھر لوٹ آیا۔ مجھے ایک بڑھیا نے کہا:

''اے میرے آقا! مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں آپ کا منہ کالا دیکھ رہی ہوں۔؟''

میں نے آئینہ اٹھا کر دیکھا تو واقعی میرا منہ کالا ہو چکا تھا۔ پھر میں نے اپنا خیال دوڑایا کہ یہ کالک مجھے کہاں سے لگی ہے تو مجھے وہ ایک مرتبہ کی بد نگاہی یاد آئی۔ میں نے خلوت میں جا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور چالیس دن کی مہلت طلب کی، پھر میرے دل میں آیا کہ اپنے شیخ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کروں۔ چنانچہ میں بغداد کو روانہ ہو گیا تو جب میں اس حجرہ کے قریب آیا جس میں شیخ قیام پذیر تھے اور دروازہ کھٹکایا تو آپ نے بطورِ کشف و بصیرت مجھے فرمایا:

''اے ابو عمرو! آ جاؤ! تم گناہ تو رحبہ بازار میں کرتے ہو اور اپنے پروردگار سے معافی مانگنے بغداد میں آتے ہو۔''

۳۔ حفاظتِ قلب

اگر دل درست ہو جائے تو:

دل حقیقتِ تخلیق میں تمام آفات سے محفوظ ہوتا ہے۔ حواس خمسہ باہر سے اس کو اطلاعات پہنچاتے ہیں اور ورقِ دل پر نقش کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان تمام راستوں کی خوب حفاظت کی جائے جن سے فتنوں کا خوف ہو۔ اگر یہ دل کسی دوسری چیز سے متعلق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے جو اس کو اپنی تعظیم کیلئے، مصالح میں فکر کیلئے پیدا کیا تھا اس سے محروم ہو جائے گا اور کسی ایسے فتنہ میں پڑ جائے گا جو اس کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''الا و ان فی الجسد مضغہ اذا صلحت صلح الجسد کلہ

واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب"

(مسند احمد)

"سن لو! انسان میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست رہے تو سارا بدن درست رہتا ہے، اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم بیمار ہو جاتا ہے اور بیشک وہ (لوتھڑا) دل ہے۔"

مومنوں کے دل:

ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت دیہات میں رہا کرتی تھی۔ میں نے اس سے سنا، وہ کہتی تھی:

"اگر مومنوں کے دل اپنی فکر کے ساتھ آخرت کے مخفی انعامات کا مطالعہ کر لیں تو ان پر دنیا کا عیش بدمزہ ہو جائے اور دنیا میں ان کی آنکھ کبھی ٹھنڈی نہ ہو۔"

اسیر دل:

حضرت ابوالخیر تیناتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دنیا کی محبت کے اسیر دل پر آخرت کی مخفی راحتوں سے لذت اٹھانا حرام ہے۔"

زنگ آلود:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان المومن اذا اذنب كانت نكته سوداء فى قلبه، فان تاب و نزع واستغفر صقل قلبه، وان زاد زادت حتى تعلو قلبه فذلك الران الزى ذكر الله عزوجل فى كتابه (كلا بل ران علي قلوبهم ما كانوا يكسبون"

(السنن الترمذی)

"جب کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے اگر اس نے توبہ کر لی، گناہ سے باز آ گیا اور استغفار کیا تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر اور گناہ کیا تو وہ سیاہ نکتہ اس کے دل پر پھیل جاتا ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح فرمایا ہے: "ہرگز نہیں بلکہ ان کے دل زنگ آلود ہو گئے ہیں ان (کے گناہوں) کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں۔"

دلوں کی بیماری:

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جسم کی بیماری تکالیف سے ہوتی ہے اور دلوں کی بیماری گناہوں سے۔ جس طرح ہر جسم کو بیماری کی موجودگی میں کھانے کی لذت حاصل نہیں ہوتی اسی طرح گناہوں کی موجودگی میں دل کو عبادت کی لذت نصیب نہیں ہوتی۔"

تلاوت قرآن مجید:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان هذه القلوب تصدا كما يصدا الحديد"

"یہ دل زنگ آلود ہوتے ہیں جس طرح سے لوہا زنگ آلود ہوتا ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا:

"یا رسول الله فما جلاؤ ها؟"

"یارسول اللہ! انکے زنگ کو صاف کرنے کا طریقہ کیا ہے۔؟"

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"تلاوة القرآن"

"قرآن پاک کی تلاوت۔"

دل کی دوا:

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"دل کی دوا پانچ چیزیں ہیں: قرآن مجید کو فکر کے ساتھ پڑھنا۔ پیٹ کو (حرام کھانے یا زیادہ کھانے سے) خالی رکھنا۔ رات کو تہجد پڑھنا۔ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے انکساری اور عاجزی سے گڑ گڑانا۔ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا۔"

دلوں کو پھیرنے والے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان قلوب بني آدم كلها بين إصبعين من اصابع الرحمن

تبارك و تعالیٰ كقلب واحد يصر فها كيف يشاء ثم قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اللهم مصرف القلوب اصرف قلو بنا الى طاعتك "

(صحیح مسلم)

"تمام انسانوں کے دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی (قدرت کی) دو انگلیوں کے درمیان ایسے ہیں جیسے ایک دل ہو۔ اس کو جیسے چاہے پھیر دے۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

" اللهم مصرف القلوب اصرف قلوبنا الى طاعتك"

"اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی عبادت کی طرف پھیر دے۔"

گردش والے دل:

1: حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ دل گردش کرنے والے ہیں یا تو عرش کے گرد گردش کرتے اور گھومتے ہیں یا گھاس کی طرح بے قیمت دنیاوی عیش و آرام کیلئے گھومتے ہیں۔"

2: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ضرب الله مثلا صراطا مستقيما وعلى جنبتي الصراط سوران فيهما ابواب مفتحه وعلى الابواب ستورر خاة وعلى باب الصراط داع يقول يايها الناس ادخلوا الصراط جميعا ولا تعرجوا داع يدعو من جوف الصراط فاذا اراد (يعني العبد) ان يفتح شيئا من تلك الابواب قال ويحك لا تفتحه فانك ان تفتحه تلجة والصراط الاسلام والسوران حدود الله والابواب المفتحة محارم الله وذلك الداعي على راس الصراط كتاب الله والداعي من فوق واعظ الله

فی قلب کل مسلم"

"اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی جس کے دونوں طرف دو فصیلیں ہیں۔ ان میں کھلے ہوئے دروازے ہیں اور دروازوں پر لٹکے ہوئے پردے ہیں۔ صراط کے دروازہ پر ایک شخص دعوت دے رہا ہے کہ اے لوگو تم سب کے سب اس صراط (راستہ) پر چلو ادھر ادھر نہ بھٹکو اور ایک پکارنے والا صراط کے اندر پکار رہا ہے۔ چنانچہ جب انسان ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے! "تجھ پر افسوس ہے اس کو مت کھول اگر تو نے اس کو کھولا تو اس میں مبتلا ہو جائے گا۔" صراط (سے مراد) اسلام ہے اور دو فصیلوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی حد بندیاں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کے محرمات ہیں اور وہ پکارنیوالا جو صراط کے سرے پر ہے قرآن مجید ہے اور وہ پکارنے والا جو اس کے اوپر سے دعوت دے رہا ہے ہر مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کرنے والا ہے۔"

٤۔ گناھوں کی سزاؤں سے بچنے کی ضرورت

تنبیہات:

گناہوں کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی تو آدمی ان میں فوراً پھنس کر گرفتار ہو جاتا ہے، کبھی دیر سے، کبھی ان کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی دیر تک مخفی رہتا ہے۔ سب سے ہلکی سزا وہ ہے جس کو سزا پانے والا محسوس نہ کر سکے اور سب سے خطرناک سزا یہ ہے کہ بندے سے ایمان و معرفت الٰہی چھن جائے۔ اس سے کم درجہ کی سزا یہ ہے کہ دل مردہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ سے مناجات کی لذت نہ ہوتی ہو، بندے کی حرص گناہ پر تیز ہو جائے، قرآن مجید بھول جائے اور وہ استغفار کو کوئی اہمیت نہ دے۔

کبھی تو باطن کی سزا ملتی ہے کہ آہستہ سے تاریکی پھیل جاتی ہے حتیٰ کہ دل کے افق تک چھا جاتی ہے اور اس کی بصیرت اندھی ہو جاتی ہے۔ سب سے ہلکی سزا وہ ہے جو دنیا میں بدن پر پڑے۔ چنانچہ کبھی بد نگاہی کی سزا النظر پر بھی پڑتی ہے، پس جو شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفس کو عذاب الٰہی کا مستحق جاننے لگے اس پر ضروری ہے کہ وہ عذاب کے نازل ہونے سے پہلے پہلے سچی توبہ کرلے تاکہ اس کی یہ توبہ آنے والے عذاب کو ٹال لے۔

نیکی، گناہ اور بدلہ دینے والا:

رسول اکرم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”البر لا یبلی والاثم لا ینسی والدیان لا ینام فکن کماشئت کما تدین تدان“

”نیکی کبھی بوسیدہ نہیں ہوتی، گناہ کبھی نہیں بھلایا جاتا اور بدلہ دینے والا (اللہ تعالیٰ) کبھی نہیں سوتا۔ تو جو چاہے کر لے (دنیا میں تجھے اچھا یا برا سب کرنے کا اختیار ہے) جیسا (عمل) کرے گا ویسا بدلہ دیا جائے گا (اگر نیک عمل کئے تو اجر ملے گا اور اگر برے عمل کئے تو سزا ملے گی)۔“

چالیس سال پہلے:

حضرت ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بہت غمگین ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا:

”اے ابو بکر! یہ غم کس بات کا ہے؟“

انہوں نے فرمایا:

”یہ غم اس گناہ کا ہے جو میں نے آج سے چالیس سال پہلے کیا تھا۔“

نظر بد:

ایک شخص نے ایک لڑکی کی طرف نظر گناہ سے دیکھا تھا تو اس کا حفظ شدہ قرآن مجید چالیس سال کے بعد بھول گیا تھا۔

گناہ کی توبہ:

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ اس کو عورت کی کلائی چمکتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے لذت لینے کیلئے اپنی کلائی اس کی کلائی پر رکھ دی تو ان دونوں کی کلائیاں آپس میں چپک گئیں۔ وہ شخص ایک بزرگ کے پاس گیا اور اپنا واقعہ بتایا تو بزرگ نے فرمایا:

”تم واپس اسی جگہ پر جاؤ جہاں پر تم نے یہ گناہ کیا ہے اور رب تعالیٰ سے وعدہ کرو کہ تم دوبارہ یہ حرکت نہ کرو گے۔“

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کو نجات مل گئی۔

اُساف ونائلہ:

حضرت ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اساف اور نائلہ ایک مرد اور عورت تھے۔ یہ شام سے بیت اللہ شریف کا حج کرنے کیلئے آئے اور انہوں نے دوران طواف ایک دوسرے کا بوسہ لے لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں بگاڑ کر پتھر کر دیئے۔ یہ مسجد حرام ہی میں رہے حتیٰ کہ اسلام ظاہر ہوا اور ان کو نکال باہر کیا۔

غیرت الٰہی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لا احد اغیر من اللہ عزوجل، فلذلک حرم الفواحش ماظھر منھا و ما بطن“

”اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور پوشیدہ بدکاریوں کو حرام قرار دیا ہے۔ (اس لئے بدکاریوں میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج نہ کرو۔ ورنہ تم کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ سکتے ہو۔)

فرائض وحدود:

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا، وحد حدودا فلا تعتدوھا، وحرم اشیاء فلا تنتھکوھا وسکت عن اشیاء رحمۃ لا عن نسیان فلا تبحثوھا“

”اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں، تم ان کو ضائع مت کرنا اور کچھ حدود مقرر کی ہیں ان کو مت پھلانگنا اور کچھ اشیاء حرام فرمائی ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کرنا اور کچھ باتوں میں رحمت کی وجہ سے خاموشی اختیار کی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے نسیان کی وجہ سے نہیں ہے تم ان کی کھود کرید میں نہ الجھنا۔“

نیکی اور برائی کے اثرات:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ان للحسنة نورا فی القلب و زینا فی الوجه و قوة فی العمل ، وان للخطیة سوادا فی القلب ووهنا فی العمل و شینا فی الوجه“

”نیکی سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے، چہرہ میں رونق ہوتی ہے اور عمل میں قوت ہوتی ہے اور گناہ سے دل میں سیاہی ہوتی ہے، عمل میں سستی ہوتی ہے اور چہرہ میں بدنمائی ہوتی ہے۔“

گناہ پر خوشی:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”اے گناہ گار! اپنے انجام بد سے بےفکر مت ہو اور جب تجھے اپنے گناہ کا علم ہو تو گناہ کے بعد اور گناہ مت کر۔ جب تو گناہ میں لگا ہو اور تجھے اپنے دائیں اور بائیں کندھے پر بیٹھے فرشتوں سے حیاء نہ آئے تو یہ اس گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ تیرا ہنسنا جب کہ تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے یہ بھی بڑا گناہ ہے۔ گناہ پر تیرا خوش ہونا جب تو اس کے کرنے میں کامیاب ہو جائے یہ بھی بڑا گناہ ہے۔ جب تو گناہ نہ کر سکے اور اس پر غمگین ہو تو تیرا یہ غمگین ہونا اصل گناہ کرنے سے بڑا گناہ ہے۔ جب تو گناہ کر رہا ہو اور دروازہ پر پردہ کی وجہ سے ہوا کے حرکت کرنے سے خوف آئے، لیکن تیرا دل اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر رہنے سے نہ ڈرے تو یہ اس گناہ سے بھی بڑا ہے۔ اگر تجھے اس کا علم ہو۔“

سات پشتوں تک وبال:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جو کچھ فرمایا تھا اس میں ایک یہ بھی تھا کہ جب میری فرمانبرداری کی جاتی ہے تو میں راضی ہوتا ہوں۔ جب راضی ہوتا ہوں تو برکت دیتا

ہوں اور میری برکت کی انتہا نہیں ہوتی۔ جب میری نافرمانی کی جاتی ہے تو میں ناراض ہوتا ہوں۔ جب ناراض ہوتا ہوں تو لعنت کرتا ہوں اور میری یہ لعنت سات پشتوں تک جاتی ہے۔"

توبہ سے آسان:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دیتا ہے۔ اے انسان! گناہ کو چھوڑنا توبہ کرنے سے زیادہ آسان ہے۔"

اصل عبادت:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"افضل عبادت فرائض کی ادائیگی اور حرام سے پرہیز ہے۔"

کس کی نافرمانی:

حضرت بلال بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"تم گناہ کے چھوٹے ہونے کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ تم کس کی نافرمانی کر رہے ہو۔"

ذلت گناہ:

حضرت سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"انسان چھپ کر گناہ کرتا ہے اور دن کے وقت اس کی ذلت اس کے منہ پر چھائی ہوتی ہے۔"

نہر کی پکار:

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا:

"گزشتہ زمانہ میں ایک جوان نے گناہ کیا۔ جب وہ نہر پر غسل کرنے آیا تو اپنے گناہ کو یاد کیا اور رک گیا۔ وہ شرما کر لوٹنے لگا تو اس کو نہر نے آواز دی کہ اے نافرمان! اگر تو میرے قریب آتا تو میں تجھے غرق کر دیتی۔"

محبوب عبادت:

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"گناہ چھوڑنے سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عبادت نہیں۔"

گناہ معمولی یا بڑا:

حضرت فضل بن وکین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تیرے نزدیک گناہ کی حیثیت جتنی معمولی ہو گی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ گناہ اتنا زیادہ بڑھ جائے گا اور تیرے نزدیک گناہ کی حیثیت جتنی زیادہ خطرناک ہو گی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اتنا چھوٹا ہو جائے گا۔" (یعنی اگر کوئی گناہ کو معمولی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شروع کر دے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی ناراضی کا سبب ہے اور اگر کوئی گناہ کو اہمیت دے کر اس سے کنارہ کشی کرے یا اس میں مبتلا ہو جائے تو اللہ کے نزدیک وہ قابل معافی ہو جائیگا۔)

محرومی:

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"انسان گناہ کرتا ہے اور اس کی نحوست سے رات کی تہجد (اور دوسری نیکیوں) سے محروم ہو جاتا ہے۔"

مقام صدیقیت:

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اچھے عمل تو نیک لوگ بھی کرتے ہیں اور گنہگار بھی، لیکن گناہوں سے وہی بچتا ہے جو صدیق ہوتا ہے (صدیق ولایت کا ایک درجہ ہے جس سے اعلیٰ ولایت کا کوئی درجہ نہیں)۔"

گناہ کی خوشی:

حضرت بنان حمال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس کو گناہ خوش کرتے ہیں وہ کب اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہو سکتا ہے۔؟"

نتیجہ بد اور خیر:

حضرت ابو الحسن المزین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"گناہ کے بعد پھر گناہ کرنا پہلے گناہ کی بدبختی سے ہے اور نیکی کرنے کے بعد نیکی کرنا پہلی نیکی کا نتیجہ خیر ہے۔"

اگر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی جائے تو:

حدیث قدسی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے:

"لو ان عبادی الطاعونی لسقیتھم المطر باللیل و الطلعت علیھم الشمس بالنھار ولم اسمعھم صوت الرعد"

"اگر میرے بندے میری فرمانبرداری اور شکر کریں تو میں ان کیلئے رات کے وقت بارش برساؤں، دن کو دھوپ نکالوں اور ان کو بادل کی گرج تک نہ سنواؤں۔" (تاکہ ان کے آرام وسکون میں خلل نہ پڑے)

صبر اور محبت الٰہی:

صبر کی دو قسمیں ہیں:

مرغوب ومحبوب چیز سے بچنا۔

پسندیدہ حکم پر عملدرآمد کرنا۔

پس احکام الٰہی پر عمل کرنا بھی صبر ہے اور گناہوں سے رکنا بھی صبر۔ صبر پر وہ شخص قدرت رکھتا ہے جس کو خواہش نفسانی کے عیب اور صبر کے بہتر نتیجہ کا علم ہو، کیونکہ اس طرح اس کے لیے صبر کرنا آسان ہو جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک حسین وجمیل عورت دو مردوں کے سامنے سے گزری۔ جب نگاہ نے اس کو دیکھنا چاہا تو ایک نے تو اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے نظر جھکا لی، وہ لمحہ گزر گیا اور وہ اس واقعہ کو بھول گیا، لیکن دوسرے شخص نے اس وقت اس عورت پر نظر ٹکا دی، اپنا دل اس سے لگا لیا اور اس کی یہ ایک نظر اس کیلئے فتنہ اور بے دین ہونے کا سبب بن گئی۔ پس معلوم ہوا کہ گناہوں سے توبہ کی طرف توجہ کی بجائے گناہوں سے بچنا زیادہ آسان ہے۔

عقل کا جوہر:

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر ہے۔"

رجوع الی اللہ:

جو آدمی اپنے اعضاء کو گناہ سے روکے، عشق کو دبائے، خود کو پاکدامن رکھے، گناہ کی حرکات نہ کرے اور صبر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے کہ یا الٰہی! جتنی ہمت مجھ میں تھی میں نے کرلی، اب جو میری طاقت میں نہیں اس سے تو مجھے محفوظ رکھنا۔ اگر کوئی شخص ان حالات میں ایسا کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

"ان اللہ عزوجل تجاوز لامتی عما حدثت بہ انفسھا مالم تتکلم بہ او تعمل بہ"

"اللہ تعالیٰ نے معاف کیا میری امت میں سے ان (گناہ کی خواہشات واردہ) کو جن کے بارے میں نفس گفتگو کرتا ہے، جب تک کہ انسان اس کے بارے میں کلام نہ کرے یا اس پر عمل نہ کرے۔"

عیب عمل سے ہے:

سید الاولیاء حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"جو کچھ انسان کے دل میں آتا ہے اس کی وجہ سے انسان پر عیب نہیں لگایا جاتا، بلکہ اس وقت عیب لگایا جاتا ہے جب وہ اس پر عمل کرے جو اس کی طبیعت میں آئے۔"

فقط محبت الٰہی:

حضرت احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ محمود نے حضرت ابوسلیمان دارانی سے سوال کرتے ہوئے کہا:

"کونسا عمل بڑا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کے مقرب بننے کا۔؟"

حضرت ابوسلیمان رو پڑے پھر فرمایا:

"میرے جیسے سے اتنا عظیم سوال پوچھا جا رہا ہے۔؟ محمود! سب سے زیادہ پسندیدہ عمل جس کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تمہارے دل کی طرف متوجہ ہو تو تیری حالت یہ ہو کہ تو دنیا اور آخرت میں صرف اسی کا طلب گار ہو۔"

عشق اللہ سے:

حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"جس نے قریب سے (معرفت کی نگاہ سے) اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا اس کے دل سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے دور ہو گئی اور جس نے اس کی خوشنودی چاہی اللہ تعالیٰ اس کو راضی فرمادے گا۔ جو شخص اپنے دل کی غیر اللہ سے حفاظت کرے اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کی نگرانی فرمائے گا۔"

اللہ تعالیٰ سے حیاء:

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ میں نے چالیس سال تک غیر اللہ کیلئے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا اور چالیس سال تک کسی چیز کو دیکھ کر پسند نہیں کیا، فقط اللہ تعالیٰ سے حیاء کی وجہ سے۔"

دیدارِ باری تعالیٰ:

حضرت ضیغم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کلاب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:
"اللہ تعالیٰ کی محبت نے اپنے عاشقوں کے دلوں کو غیر کی محبت کی لذت سے نا آشنا کر دیا ہے، ان کیلئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے کسی شے کی محبت ہمسری نہیں کر سکتی اور ان حضرات کی آخرت میں انعامات کے حصول میں سب سے بڑی تمنا اور خواہش اپنے محبوب اللہ تعالیٰ کا دیدار ہی ہو گا۔"
حضرت کلاب ان کی یہ بات سن کر بے ہوش ہو گئے۔

غیر کو دیکھتا ہے؟:

حضرت ابو بکر الہلالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر کے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:
"میں نے اس درخت کو جب بھی ایک نظر سے دیکھا تو اس نے میرے سر کو ملامت کی اور کہا کہ کہاں جاتا ہے تو ہمارے سامنے ہو کر بھی ہمارے غیر کو دیکھتا ہے۔"

دلوں کو پھیرنے والے:

حضرت ابراہیم جبلی رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے وطن واپس لوٹ کر آئے تو اپنی چچا زاد سے

نکاح کیا۔ آپ اس سے حد درجہ محبت میں لگ گئے، حتیٰ کہ ایک لحظہ کیلئے بھی اس سے جدا نہ ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات سوچا کہ میرا میلان اور محبت تو اس کے ساتھ بہت بڑھ گیا ہے، یہ تو بہت برا ہے، جب میں قیامت میں پیش کیا جاؤں گا اور وہ میرے دل میں رچ بس گئی ہو گی تو کیا کروں گا۔؟ چنانچہ یہ سوچ کر میں نے غسل کیا، دو رکعات ادا کیں اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

"اے میرے مالک! میرے دل کو بہتر حالت میں پھیر۔"

چنانچہ جب صبح ہوئی تو میری بیوی کو بخار ہو گیا، وہ تیسرے دن انتقال کر گئی اور میں نے اسی وقت ننگے پاؤں مکہ شریف جانے کا تہیہ کر لیا۔

نظر کی حفاظت:

حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا:

"کونسا عمل سب سے افضل ہے۔؟"

انہوں نے فرمایا:

"نظر کی ماسوی اللہ کی طرف التفات سے حفاظت کرنا۔"

سر اور دل کی آنکھوں کی حفاظت:

فرمانِ الٰہی ہے:

"قل للمومنین یغضوا من ابصارھم"

(القرآن المجید، سورۃ النور، آیت نمبر 3)

"اے نبی! آپ مومنوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔"

اسی آیت کے متعلق حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"سر کی آنکھوں کی حفاظت ان کاموں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور دل کی آنکھوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے ہے۔"

دل اور معرفت الٰہی:

حضرت ابن سمنون رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک مجلس میں فرما رہے تھے:

"کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نہیں سنا:

"ان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ صورۃ او تمثال"

''جس گھر میں تصویر یا بت ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

جب بت یا تصور والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے تو اس دل کو مشاہدہ الٰہی کیسے نصیب ہو سکتا ہے جس میں انسانی کدورتیں بھری ہوئی ہوں۔

جنت بے لذت:

موصل کی نیک خاتون حضرت رقیہ عابدہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں:

''میں اپنے پروردگار سے شدید محبت کرتی ہوں۔ اگر وہ مجھے دوزخ میں جانے کا حکم کرے تو اس کی محبت کی موجودگی میں آگ بھی مجھ پر اثر نہ کرے اور اگر وہ مجھے جنت میں جانے کا حکم کرے تو اس کی محبت کی موجودگی میں جنت کی کوئی لذت محسوس نہ ہو، کیونکہ پروردگار کی محبت مجھ پر بہت غالب ہے۔''

۵۔ محاسبہ و مجاہدۂ نفس

سمجھدار:

نفس غلط خواہشات میں گھرا ہوا ہوتا ہے اگر اس کو ان سے نہ روکا جائے تو یہ اپنی خواہش کو پورا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور غلط آراء، جھوٹی طمع اور عجیب آرزوؤں میں گھر جاتا ہے، خصوصاً جب جوانی ہو۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الكيس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت ، والعجز من اتبع نفسه هو اهاو تمني على الله"

''سمجھدار شخص وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کیلئے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہش کی تکمیل میں لگا رہے اور اللہ تعالیٰ (سے جھوٹی) امیدیں قائم کرے۔''

ایک گھڑی کی شہوت:

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پتھر رکھ لیا اور ارشاد فرمایا:

"الا رب نفس طامعه في الدنيا جائعه عاريه يو مالقيامه ، الا رب مكرم النفسه وجولها مهيئن ، الارب مهين لفنسه وهو لها مكرم ، الا يارب متخوض متنعم فيما افاء الله على رسوله ماله عند الله من خلاق، الا وان عمل الجنه حزنه بربوة، الا وان عمل النار سهله بسهوة، الايارب شهوه ساعه اورثت خزنا طويلا"

"سن لو! دنیا میں بہت سے سیر ہو کر کھانے والے قیامت کے دن بھوکے ننگے ہوں گے۔! سن لو! بہت سے لوگ اپنے نفس کی قدر کرنے والے ہیں جن کو یہ (قیامت کے دن) رسوا کرے گا۔! سن لو! بہت سے لوگ اپنے نفس کو ذلیل کرنے والے ہیں جن کی یہ (قیامت کے دن) عزت بڑھانے والا ہے۔! سن لو! بہت سے لوگ اللہ اور اس کے رسول کی عطاء کردہ نعمتوں میں مشغول ہیں ان کیلئے (قیامت میں) اللہ کے پاس کوئی حصہ نہیں ہوگا۔! سن لو! جنت کا عمل اونچے سخت پہاڑ پر چڑھنے (کی طرح مشکل) ہے۔! سن لو! دوزخ کا عمل ہموار زمین پر آسانی سے کود جانے کی طرح ہے۔! خبردار! ایک گھڑی کی شہوت طویل زمانہ تک غمگین (اور عذاب میں مبتلا) کر دینے والی ہے۔!"

اصل پہلوان:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ليس الشديد من غلب الناس ولكن الشديد من غلب نفسه"

"وہ آدمی پہلوان نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان تو وہ ہے جو اپنے نفس پر غالب آجائے۔"

جہادِ اکبر:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس آئے تو مجاہدین سے فرمایا:

"قدمتم خیر مقدم و قدمتم من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر"

"تمہارا آنا مبارک ہے۔! تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے۔!"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

"وماالجهاد الاكبر يا رسول الله؟

"یارسول اللہ! بڑا جہاد کونسا ہے۔؟"

ارشادفرمایا:

" مجاهدة العبد هواه"

"انسان کا اپنی خواہشات نفسانی سے جہاد کرنا (جہاد اعظم ہے)۔"

مجاہدۂ نفس بڑا جہاد اس لیے ہے کہ نفس محبوب چیز ہے، یہ جس چیز کی رغبت کرے وہ بھی محبوب ہوتی ہے، یہ اسی کی دعوت دیتا ہے جس کی خواہش کرتا ہے، اس طرح سے نفس کی مخالفت مکروہ کام میں بھی محبوب ہوتی ہے اور جب یہ کسی محبوب چیز کی طرف بلائے تو پھر محبوب کیوں نہ ہوگی۔؟ جب حالت اس کے مخالف ہو کہ محبوب نفس کسی چیز کو پسند کر رہا ہو اور آدمی اس کی مخالفت کر رہا ہو تو یہ مشکل اور بڑا جہاد کیوں نہ ہوگا، بخلاف کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے؟ کیونکہ طبیعتیں دشمنوں سے برسر پیکار ہونے پر تیار ہو جاتی ہیں لیکن نفس سے برسر پیکار ہونے پر تیار نہیں ہوتیں۔

نفس اور خواہشات سے جہاد:

ارشاد الٰہی ہے:

" وجاهدوا في الله حق جهاده"

(القرآن المجید، سورۃ الحج، آیت نمبر 88)

"تم اللہ کی راہ میں ایسے جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔"

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس جہاد سے مراد نفس اور خواہش سے مقابلہ کا جہاد ہے۔"

خواہشاتِ نفس کا محاسبہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

”تم اپنے آپ کا محاسبہ کیا کرو پہلے اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے نفسوں کا وزن کیا کرو پہلے اس کے کہ تمہارا (قیامت کے دن) وزن کیا جائے، کیونکہ آج کا حساب کر لینا آسان ہے قیامت کے دن حساب دینے سے اور خود کو بڑی پیشی کیلئے سنوار لو جس دن تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی غلطی تم سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔“

ہر چیز کا حساب:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”مومنین کی جماعت ایسی ہے جس کو قرآن مجید نے قابو کر رکھا ہے۔ قرآن مجید مومنوں اور ان کی ہلاکت کے درمیان حائل ہے۔ بلاشبہ مومن دنیا میں قیدی ہے۔ جو اپنی گردن کو (دوزخ سے) آزاد کرانے کی کوشش میں ہے وہ کسی چیز سے بے خطر نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اس کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو جائے۔ وہ تو (دنیا میں) یہی جانتا ہے کہ اس کی سماعت، بصارت، زبان اور اعضاء سے حساب ہو گا (اسی لئے وہ ان کو گناہوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے)۔“

نفس کا حساب:

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے نفس کا اس طرح سے حساب نہ کرے جس طرح سے کوئی اپنے شریک سے حساب کرتا ہے۔“

کس نے گناہ پر ابھارا:

سلمہ بن منصور کا ایک غلام حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ حضرت ابن قیس رضی اللہ عنہ کی اکثر رات عبادت و دعا میں بسر ہوتی تھی۔ وہ ایک چراغ کے پاس آتے، اپنی انگلی اس پر رکھ دیتے اور فرماتے:

”حس“

پھر فرماتے:

”اے حنیف! تمہیں کس نے ابھارا تھا کہ تو نے فلاں دن یہ جرم کیا؟ تمہیں کس نے ابھارا تھا کہ تم نے فلاں دن یہ جرم کیا۔؟“

قدم کہاں کہاں چلے:

حضرت وہیب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت کعبہ کا طواف کر رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی:

''اے پروردگار! ساری لذتیں رخصت ہو گئیں اب تو مشقت ہی مشقت رہ گئی۔
اے پروردگار! تیری ذات پاک ہے اور تو سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔
اے پروردگار! آگ کی سزا کے مالک!''

اس عورت کی ساتھی عورت نے کہا:

''اے بہن! تو آج اپنے پروردگار کے گھر میں داخل ہوئی ہے اور ایسی مایوسی کی بات کیوں کرتی ہے۔؟''

اس نے اپنے قدموں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''اللہ کی قسم! میں ان قدموں کو اپنے پروردگار عزوجل کے گھر کے گرد طواف کی اہل ہی نہیں سمجھتی۔ میں ان کو اس کا اہل کیسے سمجھ لوں کہ اپنے پروردگار کے گھر میں ان کے ساتھ طواف کروں حالانکہ مجھے پتہ ہے کہ یہ کہاں کہاں چلے ہیں اور کیوں چلے ہیں۔''

ایک سال سوئے نہیں:

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک رات ایسے سوئے کہ تہجد کیلئے نہ جاگ سکے پھر وہ ایک سال تک اپنے نفس کو سزا دینے کیلئے رات کو جاگتے رہے۔

فقط ایک لمحہ:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص طویل زمانہ تک عبادت میں مصروف رہا، پھر اس کو ایک ضرورت پیش آئی تو اس نے ہفتہ کے دن کے ستر روزے رکھے، ہر ہفتہ کے دن میں گیارہ کھجور کھاتا تھا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرتا تھا لیکن اس کی حاجت پوری نہ کی گئی۔ اس نے اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

''یہ خواہش تیری طرف سے ظاہر ہوئی تھی اگر تجھ میں کوئی خیر ہوتی تو تیری یہ ضرورت پوری ہوتی۔''

چنانچہ اسی وقت اس کے پاس ایک فرشتہ ظاہر ہوا اور کہنے لگا:

''اے انسان! تیرا یہ محاسبہ نفس والا ایک لمحہ تیری اس ساری عبادت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تیری یہ ضرورت بھی پوری کر دی ہے۔''

بہترین عمل:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

''سب سے بہتر اعمال وہ ہیں جن کے عمل کرنے پر نفس کو مجبور کیا جائے۔''

حور کا حق مہر:

علی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک عورت دیکھی جو دنیا کی عورتوں جیسی نہیں تھی۔ میں نے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

اس نے کہا:

''جنت کی حور ہوں۔''

میں نے کہا:

''تم میرے ساتھ شادی کرو گی؟''

اس نے کہا:

''ہاں! میرے آقا! اللہ تعالیٰ کو میرے ساتھ نکاح کا پیغام دو۔''

میں نے پوچھا:

''تمہارا مہر کیا ہے؟''

اس نے کہا:

''تمہارا اپنے نفس کو مرغوبات سے باز رکھنا۔''

خواہشات کا اسیر:

حضرت ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس پر اس کا نفس حاوی ہو جائے وہ شہوات کا اسیر ہو جاتا ہے، خواہشات نفس کی جیل میں قید ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دل پر فوائد کے نزول کو حرام کر دیتا ہے۔ اس طرح سے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے نہ لذت پا سکتا ہے نہ اس پر عمل کر

سکتا ہے، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔"

محبت پر قابو:

ہیثم بن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ (عبدالمالک بن مروان بادشاہ کی بیٹی فاطمہ) کی ایک نہایت حسین وجمیل لونڈی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفۃ المسلمین بننے سے پہلے اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ آپ نے اس کو اپنی اہلیہ سے طلب کیا اور اس کی حرص کی تو اہلیہ محترمہ نے اس کا انکار کر دیا اور غیرت کھائی۔ یہ لونڈی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں گھر کیے رہی، جب آپ مسند نشین خلافت ہوئے تو فاطمہ نے لونڈی کو سنورنے کا حکم کیا تو اس نے بناؤ سنگھار کیا اور اس کے حسن و جمال کا سورج طلوع ہونے لگا۔ پھر فاطمہ اس لونڈی کو لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

"اے امیر المومنین! آپ میری فلاں لونڈی کو پسند کرتے تھے اور مانگتے تھے اور میں انکار کرتی تھی۔ آج میرے دل نے اس کو منظور کر لیا ہے۔ یہ رہی وہ لونڈی۔ میں اس کو آپ کے حوالے کرتی ہوں۔"

جب فاطمہ نے یہ کہا تو آپ کے چہرہ سے خوشی چھلکنے لگی، پھر فرمایا:

"اسے میرے پاس بھیج دو۔"

جب وہ حاضر ہوئی اور آپ نے اس کی طرف نظر اٹھائی تو شیفتگی کی حد نہ رہی۔ پھر اس سے فرمایا:

"اپنے کپڑے اتار دو۔"

جب وہ اتارنے لگی تو آپ نے فرمایا:

"رک جا اور بیٹھ کر مجھے یہ بتا کہ تو کس کی ملکیت میں تھی اور فاطمہ کے پاس کیسے آئی۔؟"

لونڈی نے کہا:

"حجاج بن یوسف نے اپنے مالیات کا کام کرنے والے ایک شخص کو مقروض کر دیا۔ یہ شخص کوفہ کا مالدار تھا۔ حجاج نے اپنے مال کے بدلے اس آدمی سے مجھے، ایک غلام

اور کچھ مال وصول کر کے معاملہ صاف کیا۔ حجاج نے مجھے (خلیفہ وقت) عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا۔ اس وقت میں بچی تھی اور عبدالملک نے مجھے اپنی بیٹی فاطمہ کو ہدیہ کر دیا۔"

آپ نے پوچھا:

"اس مقروض شخص کا کیا بنا۔؟"

لونڈی نے کہا:

"وہ فوت ہو چکا ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"اس کی کوئی اولاد بھی ہے۔؟"

کہنے لگی:

"جی ہاں!"

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ان کا کیا حال ہے۔؟"

لونڈی کہنے لگی:

"بہت برا حال ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"تو اپنے کپڑے پہنے رکھ۔"

پھر آپ نے اپنے ایک ذمہ دار افسر عبدالحمید کو حکم نامہ لکھا کہ فلاں بن فلاں شخص کو خط کے ذریعے میرے پاس بلاؤ۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"حجاج نے تمہارے والد کو جتنا مقروض کیا مجھے بتلاؤ۔؟"

اس نے سب کا سب بیان کیا۔ پھر آپ نے اس لونڈی کو اس لڑکے کے سپرد کیا اور فرمایا:

"تم اس سے صحبت نہ کرنا ہو سکتا ہے تیرے والد نے اس سے صحبت کی ہو۔"

(کافروں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ میں جو قیدی گرفتار ہوں ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈیاں اور باندیاں کہا جاتا ہے۔ ان غلاموں اور لونڈیوں کے بہت سے مسائل آزاد انسانوں سے کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ ان لونڈیوں کا ایک حکم یہ ہے کہ ان سے نکاح کرنا بھی جائز ہے اور بغیر نکاح

کے بھی صحبت جائز ہے۔ مگر صحبت کی اجازت یا تو ان کو خرید کر مالک بننے کی وجہ سے ہوتی ہے یا ہبہ اور ہدیہ کی وجہ سے۔ چنانچہ مذکورہ واقعہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ان کی اہلیہ کا اپنی لونڈی کو ہدیہ میں پیش کرنا، عمر بن عبدالعزیز کا اہلیہ سے ہدیہ میں اس کو طلب کرنا، کپڑوں کے اتارنے کا حکم دینا پھر خود صحبت کرنے کی بجائے اس کے پہلے مالک کے لڑکے کو ہدیہ کر دینا، اپنی ملکیت سے خارج کر دینا اور اس کو لونڈی سے صحبت کرنے سے منع کرنا کہ "شاید اس کے باپ نے اس سے صحبت کی ہو" یہ سب باتیں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہیں۔)

لڑکے نے کہا:

"اے امیر المومنین! یہ آپ کی خدمت میں میں ہدیہ پیش کرتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے کہا:

"چلو! آپ اس کو مجھ سے خرید لیں۔"

آپ نے فرمایا:

"اگر میں نے ایسا کر لیا تو ان حضرات میں سے نہیں ہو سکوں گا جنہوں نے اپنی خواہش نفس پر قابو پایا۔"

جب وہ جوان لونڈی کو لے کر جانے لگا تو لونڈی نے کہا:

"اے امیر المومنین! آپ کی وہ محبت کہاں گئی جس کی وجہ سے مجھے اپنی بیوی سے بطور ہدیہ کے مانگا کرتے تھے۔؟"

آپ نے فرمایا:

"وہ تو ابھی تک موجود ہے بلکہ بڑھ گئی ہے۔"

چنانچہ وہ لونڈی آپ کے نفس میں رہی حتیٰ کہ آپ وفات پا گئے، لیکن آپ نے خواہش نفس کو قابو کیے رکھا۔"

تمہارا رب کون ہے:

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قبر میں سوال و جواب کرنے والے فرشتے منکر نکیر آئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے دونوں پلوؤں سے پکڑ کر خود پوچھا:

"تم بتاؤ تمہارا رب کون ہے۔؟"

اگر انہوں نے خواہشات کو نہ دبایا ہوتا تو منکر نکیر سے اتنی بے باکی کا اظہار نہ کر پاتے۔

دعا پوری ہوئی:

ابوجعفر منصور جب مکہ شریف کو روانہ ہوا تو اس نے کچھ ملازم روانہ کئے اور حکم دیا کہ تم سفیان ثوری کو جہاں دیکھو وہی سولی پر چڑھا دو۔ چنانچہ ملازم آگے بڑھے، سولی چڑھانے کیلئے لکڑیاں گاڑ دیں اور حضرت سفیان ثوری کو آواز لگائی گئی۔

اس وقت حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا سر مبارک حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں اور پاؤں حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں تھے۔ ان حضرات نے آپ سے کہا:

"اے ابو عبداللہ! اللہ سے ڈرو! ہم پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دو۔ اپنی حفاظت کر لو اور کہیں روپوش ہو جاؤ۔"

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کعبۃ اللہ کے پردوں کو پکڑ کر عرض کیا:

"اے اللہ! اگر ابوجعفر مکہ میں داخل ہو جائے تو میں اس سے بری ہوں۔"

چنانچہ یہ ظالم مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے فوت ہو گیا۔ جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کچھ نہ فرمایا۔

اے معزز بھائی! خواہش نفس کی مخالفت کا اثر دیکھ۔ جب اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم اٹھائی تو اس کی عظمت کا اظہار کس طرح سے ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار کی عظمت اور نافرمان کی ذلت میں فرق کر کے دیکھ۔

تقویٰ کے دو فوائد:

ایک حکیم کہتا ہے کہ تقویٰ کا ظاہر دنیا کا شرف ہے اور اسکا باطن آخرت کا شرف ہے۔

۶۔ توبہ اور استغفار کی ترغیب

نبی کریم کا عمل مبارک:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یایها الناس توبوا الی ربکم فانی اتوب الیه فی الیوم مائة

مرۃ"

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو۔ بیشک میں بھی اس کے سامنے روزانہ (گناہوں اور خطاؤں سے معصوم ہونے کے باوجود) سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔"

سید الاستغفار:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمات سید الاستغفار ہیں:

"اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی و انا عبدك و انا علی عھدك و وعدك ماستطعت اعوذ بك من شر ما صنعت، ابو لك بنعمتك علی و ابوء لك بذنبی فاغفر لی فانه لا یغفر الذنوب الا انت"

"اے اللہ! تو میرا پروردگار ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا، میں تیرا ہی بندہ ہوں، تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، جتنی مجھ میں ہمت ہے۔ میں نے جو کیا ہے اس کے شر سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تیری جو مجھ پر نعمتیں ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور تیرے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار بھی کرتا ہوں۔ تو مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ان کلمات کو صبح ہونے کے بعد ایمان و یقین کے ساتھ پڑھے گا اور اس دن میں فوت ہوگا تو وہ جنتیوں میں سے ہوگا اور جو شخص ان کو شام ہونے کے بعد ایمان و یقین کے ساتھ پڑھے گا اور اس رات میں اس کا انتقال ہوگا تو بھی وہ جنتیوں میں سے ہوگا۔"

مکالمہ:

حضرت عمرو بن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان ابلیس قال لربه عزوجل بعزتك و جلالك لا ابرح اغوی

بنی آدم مادامت الارواح فیھم ، فقال لہ ربہ عزوجل فبعزتی و جلالی لا ابرح اغفر لھم ما استغفرونی"

"بیشک شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ مجھے تیرے غلبہ اور جلال کی قسم! میں انسانوں کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے اجسام میں موجود رہیں گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے بھی اپنے غلبہ اور جلال کی قسم! میں بھی ان کی بخشش کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے۔"

سفید و سیاہ:

حضرت بکر بن عبداللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انسانوں کے اعمال آسمانوں پر اٹھا لئے جاتے ہیں۔ جب ایسا کوئی اعمالنامہ اٹھایا جاتا ہے جس میں استغفار بھی شامل ہو تو وہ سفید شکل میں اٹھتا ہے اور جب وہ اعمالنامہ اٹھایا جاتا ہے جس میں استغفار موجود نہ ہو تو وہ سیاہ شکل میں اٹھتا ہے۔"

گناہوں پر رونا:

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"گناہ پر رونا گناہوں کو اس طرح سے جھاڑ دیتا ہے جیسے ہوا خشک پتوں کو (درختوں سے) جھاڑ دیتی ہے۔"

فرشتے گناہوں کو بھول جاتے ہیں:

حضرت رقاشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں پر روتا ہے تو اس کے پاس رہنے والے، اس کی حفاظت کرنے والے اور اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے اس کے گناہ کو بھول جاتے ہیں۔"

تیس سال تک روتے رہے:

حضرت معتمر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں حضرت ابوالحجاج جرجانی کے ہاں ایک دن حاضر ہوا اور ان سے بات کرنا چاہی، مگر انہوں نے مجھ سے بات نہ کی۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کو کیا

حرج ہوگا اگر آپ کے پاس کوئی علم کی بات ہو اور مجھے بتا دیں۔؟ تو انہوں نے مجھے فرمایا:

''تم نے کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔؟''

میں نے کہا:

''جی ہاں۔!''

انہوں نے فرمایا:

''اس کو تیرے اعمالنامہ میں لکھ کر اللہ جل شانہ کے حضور پیش کیا گیا ہے۔؟''

میں نے عرض کیا:

''جی ہاں۔!''

انہوں نے فرمایا:

''کیا تمہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔؟''

میں نے عرض کیا:

''مجھے علم نہیں ہے۔''

تو انہوں نے فرمایا:

''پھر یہاں کیوں آرام سے بیٹھے ہو اور کیوں خاموش ہو؟ روتے کیوں نہیں۔؟ جاؤ اپنی زندگی کے تمام دن اپنے نفس پر رونے پر گزار دو حتیٰ کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیرے گناہ کا کیا حال ہے۔ کیا وہ بخش دیا گیا ہے یا نہیں۔''

اس کے بعد حضرت مضر رحمۃ اللہ علیہ خوف کے مارے تیس سال تک روتے رہے حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

۷۔شرعی پردہ

شرعی پردہ کی اہمیت وفضیلت:

پردہ کا رواج قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ یونان قدیم کی عورتیں بہت ہی حسین وجمیل تھیں۔ ان کی عادت تھی کہ گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے چہروں کو اپنے دامن یا کسی خاص اوڑھنی سے ڈھانپ لیا کرتی تھیں۔

فنیقیہ کی عورتیں سرخ پردہ اوڑھا کرتی تھیں۔ یونان کے سب سے پہلے مصنف نے پردہ پر مضمون لکھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ عولیس کی بیوی بنلاپ ہمیشہ پردہ اوڑھے رہتی تھی۔

شہر شیب کی عورتوں کا پردہ خاص ہوتا تھا جس میں آنکھوں کے سامنے دو سوراخ ہوتے تھے تاکہ بآسانی راستہ دیکھا جاسکے۔

اسپارٹا کی نوجوان لڑکیاں شادی ہونے سے پہلے لوگوں سے ملتی جلتی تھیں، مگر شادی ہونے کے بعد پردہ پوش ہوجاتی تھیں۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عموماً عورتیں اپنے چہروں اور سروں کو ڈھانکے رہتی تھیں، جب انہیں بازار جانا ہوتا تو سر سے لے کر پاؤں تک برقع اوڑھے ہوئے نکلنا ان پر ضروری تھا، خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا کنواری۔

اسی طرح سیلٹر یہ 'ایشیا' ایران اور عرب میں پردہ کا رواج پایا جاتا تھا۔ رومانی عورتوں میں یہ رسم انتہائی حد تک جاری تھی کہ جب ان میں سے کوئی عورت باہر نکلتی تو نہایت احتیاط کے ساتھ ایسا پردہ اوڑھتی جو ایک لمبی چادر کی شکل میں ٹخنوں کے نیچے تک لٹکا ہوا ہوتا تھا، پھر اس کے اوپر ایک عبا پہن لیتی تاکہ کوئی عضو نظر نہ آئے۔

اسلام کے ظہور قدسی کے وقت عورت اخلاقی حیثیت سے حد درجہ گری ہوئی تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ عرب کی قوم میں شروع ہی سے پردہ کا رواج تھا۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ادنیٰ درجہ کی عورتیں مردوں کے ساتھ بغیر پردہ کے سفر کرتی تھیں۔ چونکہ اس اختلاط سے دونوں جنسوں میں خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا، اس لئے اسلام نے عورتوں کو منظر عام پر ظاہر ہونے سے منع کیا اور ان کو اپنے گھروں کو زیب و زینت بخشنے کا حکم دیا:

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى"

(سورۂ احزاب)

"اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور حسن کا مظاہرہ کرتی نہ پھرو جیسا کہ پہلے جہالت کے وقت میں دستور تھا۔"

نصوص شرعیہ یعنی قرآن مجید کی صریح آیات اور صحیح احادیث و آثار سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام نے پردہ کے بارے میں تشدد برتا ہو جیسا کہ ہم ان ممالک میں مشاہدہ کرتے ہیں جہاں صحیح اسلامی تعلیمات کی گئی ہے:

"یا ایھا النبی قل لازواجك وبناتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلك ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین وكان اللہ غفورا رحیما"

(سورۂ احزاب)

"اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر لٹکائے رکھیں، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو ان کو کوئی نہ ستائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

"وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن"

(سورۂ احزاب)

"اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھیں۔"

ان آیات کا سمجھنا اور اس سے اصلاحی مقاصد کے نتائج اخذ کرنا ان لوگوں کے لیے آسان ہے جنہوں نے گزشتہ زمانے کی قوموں اور اجتماعی حالتوں کا مطالعہ کیا ہے۔ نیز ان پر یہ امر واضح ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے دنیا کی اصلاح کی جائے اور برائیوں کا قلع قمع کیا جائے۔ عورت کے جملہ امور کی اصلاح کر کے اس کے ذریعہ سے ایک نظام قائم رکھا جائے تاکہ وہ ظالموں کے لیے مظالم کا تختہ مشق اور شہوت پرستوں کے حلق میں لقمۂ تر نہ بن جائے۔

مغربی مصنفوں میں سے ایک منصف مزاج مصنف "ہملٹن" اپنے تاثرات کا اس طرح اظہار کرتا ہے:

"اسلامی احکام عورت کی شان میں نہایت صریح ہیں جو اس کی عزت افزائی کو برقرار رکھنے اور اس کو بے حرمتی و ایذا رسانی سے محفوظ رکھنے کی طرف خاص توجہ دلاتے ہیں۔ اسلام نے پردہ کے باب میں تنگ نظری سے کام نہیں لیا جیسا کہ بعض مصنفوں کا خیال ہے بلکہ اس نے غیرت و مروت کے اسباب کا لحاظ رکھا ہے۔"

ایک مغربی سیاح نے اپنے حالات سفر میں لکھا ہے:

"جاوا میں جو عرب مقیم ہیں وہ عام طور سے پردہ کی پابندی نہیں کرتے' جاوا کی عورتیں ہالینڈ میں رہنے والی اپنی ہم جنس بہنوں کی طرح آزادی سے بہرہ اندوز

ہوتی ہیں۔''

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ازواج نبی کو ان کے گھروں میں ٹھہرے رہنے اور ان کو زیب وزینت کا مظاہرہ کرنے سے منع کرنے کا حکم صادر ہونے کے بعد وہ دنیا سے بے خبر اور عزلت گزین نہیں ہوگئی تھیں جیسا کہ بعض مغربی مصنفین کا خیال ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ زوجہ آنحضرت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جنگ میں شرکت کی' سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دعویٰ میں بیشتر حصہ لیا اور سیدہ زینب نے اپنے چھوٹے یتیم بھتیجے کو حادثہ کربلا کے بعد امویوں کے پنجہ سے رہائی دلائی۔

غرضیکہ نامور خواتین اسلام کے تذکرے تاریخ کے صفحات پر جابجا پائے جاتے ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا ان پر گہرا اثر تھا اور وہ قوی زندگی کے میدان میں برابر شریک ہوا کرتی تھیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ عرب جاہلیت' یہود اور نصاریٰ کے اخلاق و کردار میں انتہائی زوال وانحطاط پیدا ہو چکا تھا۔ قرآن کریم نے ازواج نبی کو ان کے گھروں میں ٹھہرے رہنے اور جاہلیت کے سے زیب وآرائش کا مظاہرہ کرنے سے پرہیز اختیار کرنے کا جو حکم دیا تھا اس کی وجہ سے اخلاقی توازن برقرار ہوگیا اور سیرت وکردار کی سطح اونچی ہوگئی کیونکہ ازواج نبی اوروں کے لئے بہترین نمونہ تھیں۔

یہاں ''وان ہیمر'' کا قول درج کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا وہ کہتا ہے:

''پردہ کو اسلام نے ضروری اور عورتوں کو اجنبیوں سے میل جول رکھنے کو جو حرام قرار دیا ہے اس کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ عورتوں سے اعتماد کے جذبہ کو فنا کر دیا جائے بلکہ یہ ایک وسیلہ ہے ان کے ناموس کی حفاظت واحترام کا اور ذریعہ ہے ان کی رسوائی کی روک تھام کا۔ درحقیقت اسلام کی نظر میں عورت کا جو درجہ ومقام ہے وہ یقیناً قابل رشک ہے۔''

ایک منصف مزاج مصنف کے اس زرین قول کو مدنظر رکھ کر ذیل کے اقوال وآراء کا جائزہ لیجیے:

ترترلیان نے اپنی کتاب ''عورت کی تعریف'' میں یہ بیان کیا ہے:

''عورت شیطان کا دروازہ ہے کیونکہ اس نے آدم علیہ السلام کو جو خدا کا ایک مظہر

ہیں، ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دے کر بگاڑ دیا۔"

لوفی کہتا ہے:

"عورت ایک برائی ہے جو ناگزیر ہے، ایک نکہت ہے جس کی طرف دل کھنچے جاتے ہیں، ایک بلائے ناگہانی ہے جس سے راہ گریز نہیں، ایک بجلی ہے کوندتی ہوئی اور ایک بیماری ہے مہلک اور لاعلاج۔ اتھوڈ کلیسا کے حکام نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ عورت جماعت میں اپنے حق سے محروم رکھی جائے۔ چنانچہ اس کو محفلوں اور تقریبوں میں شریک ہونے سے ممنوع قرار دیا گیا۔ عورتیں چپ چاپ پردہ اوڑھے رہیں۔ ان کا کام محض یہ ہے وہ اپنے شوہروں کی اطاعت وفرماں برداری کریں اور چرخہ کاتنے، کپڑا بننے اور چکی پیسنے کے کام انجام دیتی رہیں۔ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے بدن کو سر سے پاؤں تک ڈھانکے رکھیں۔"

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ جاہلیت عرب میں عورت کو جو آزادی حاصل تھی وہ مقابلہ یونان کے بہت زیادہ تھی اسی کے بارے میں بائرن کہتا ہے:

"عورتیں جاہلیت میں مردہ دل اور مجبور نہیں تھیں، وہ میدان جنگ میں جنگجو شخص کی امداد کیا کرتیں اور ان میں حمیت وجواں مردی کے جذبات بیدار کیا کرتی تھیں۔ بہادر اور شہ سوار میدان جنگ میں اترتے تھے تو اپنی بہنوں، بیویوں اور اپنی معشوقوں کے گیت گایا کرتے تھے ان کے لیے یہی قابل تحسین وآفریں تھا کہ ان کی معشوقات ان کی بہادری کے کارناموں کو حیرت واستعجاب کی نظر دے دیکھیں۔ اس کے لیے ہر بہادر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ جس طرح اخلاق وشجاعت مردکی بلند ترین خوبیوں میں شمار ہوتے تھے، اسی طرح عفت اور پاکدامنی عورت کا خوبصورت اور دلفریب زیور تھا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ عورت کی توہین کسی غیر قبیلہ والے نے کر دی تو عرب کے ریگستانوں میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور خون کی بارش ہونے لگی۔"

عربوں کی طبیعت میں غیرت وحمیت کا جذبہ غالب تھا جس کی وجہ سے وہ عورت کا انتہائی احترام کرتے تھے۔ چنانچہ اسلام نے بھی ان کے اس عظیم الشان کردار کو اجاگر کیا اور ایسے احکام پیش کیے جنہوں نے عورت کے احترام اور اس کے مرتبہ کو دوبالا اور اس کی قدر ومنزلت کو

دو چند بلند کر دیا۔ مسلمانوں کے اندر کمزوروں کی دست گیری، مظلوم کی داد خواہی اور انسانیت کی آواز پر لبیک کہنے کے جذبات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے۔ یہ کردار شامیانوں سے عالی شان محلوں تک سرایت کر گئے۔

کیا مورخین کی یہ روایت ہم نے نہیں پڑھی کہ عبدالملک بن مروان اپنے دستر خوان پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے خبر پہنچی کہ ایک عرب دوشیزہ شکوہ کر رہی ہے کہ وہ رومانیوں کے پاس قید ہے اور کہہ رہی ہے:

''اے عبدالملک!''

خلیفہ نے یہ سن کر قسم کھائی کہ جب تک اس دوشیزہ کو اس قید و بند سے رہائی نہ دلائے گا اس وقت تک زندگی کی لذتوں کے نزدیک نہ جائے گا اور اس نے اپنی اس قسم کو پورا کر دکھایا۔

اسلام کی پہلی صدیوں میں مشرق میں عربوں کی حکومت کے زوال تک عورت کی بڑی قدر و منزلت تھی، عربی عورت کا مقام اور اس کا درجہ آج کل کی مغربی حکومتوں میں عورت کے مقام و درجہ سے کہیں زیادہ بلند و بالا تھا جس کے بعض شواہد و آثار یہ ہیں:

1: ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ اپنے عہد میں اپنے جلیل القدر کارناموں، بلند اخلاق اور بے شمار خوبیوں کی بدولت مشہور ہے۔

2: سیدہ سکینہ بنت حسین اپنی ہمسروں میں درِ نایاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی شان میں بائرن کہتا ہے کہ وہ اپنے عہد کی سردار تھی۔ کیونکہ وہ حسن و جمال میں یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار میں بھی بے مثال تھی۔ طلب علم کا ان کو بے حد شوق تھا۔ علماء و صالحین کی صحبت میں بیٹھنے کا ان کو شرف حاصل تھا۔ ان کے ساتھ آپ نے اکثر علوم و فنون میں حصہ لیا ہے۔

3: شہدہ جو فخر النساء کے لقب سے مشہور ہے، پانچویں صدی ہجری میں جامع بغداد میں جمہور کو ادب اور تاریخ کا درس دیا کرتی تھی۔ ان کے حلقۂ درس میں اہل فضل و عرفان کا ایک جم غفیر شریک ہوا کرتا تھا۔ تاریخ اسلام میں ان کی وہی قدر و منزلت ہے جو بڑے بڑے علماء کو حاصل ہے۔ اگر یہی شہدہ یورپ میں اسلامی تمدن و ثقافت کی خوشہ چینی سے پیشتر نمودار ہوتیں تو وہ اس کو نذر آتش اس لئے کر دیتے کہ وہ جادوگر ہے۔

کیا ان تمام دلائل و شواہد کے بعد بعض مستشرقین دین اسلامی اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر

کوئی بہتان باندھنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح قول ہے:

''مازال جبریل یوصینی باالنساء حتی ظننت انه سیحرم طلاقهن''

''جبریل مجھے ہمیشہ عورتوں کی خیر خواہی کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ ان کی طلاق کو بھی حرام کر دیں گے۔''

یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ مغربی عورت انیس سو سال بعد اس مقام پر پہنچی جس میں اس نے اپنے احترام و شرف کا حصہ پایا' لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس نے وہ شرعی و مذہبی رتبہ حاصل کیا جو اسلامی عورت کو ملا تھا؟ ہرگز نہیں۔ مسلمان عورت کو وہ حقوق و مراعات دی گئیں جن سے اس کی وہ بہن محروم ہے جو اپنے قومی تمدن و ثقافت پر فریفتہ و شیدا ہے۔

اتنا ہی کافی ہے کہ اسلام نے لڑکی کو جب تک وہ غیر عاقلہ ہے اور سن بلوغ کو نہیں پہنچی ہے اس کے ماں باپ اس کے سرپرستوں کے زیر نگرانی و کفالت رکھا ہے۔ جونہی وہ سن بلوغ تک پہنچ گئی' اس کو وہ تمام حقوق سپرد کر دیئے جاتے ہیں جن سے وہ شخصی طور پر آزادی کے ساتھ اوروں سے بے نیاز ہو کر بہرہ ور ہو سکتی ہے۔ نیز اسلام نے اس کے والدین کی میراث کا اس کو حق دار ٹھہرایا ہے۔ نیز یہ کہ اس کے بالغ ہونے کے بعد کوئی شخص بغیر اس کے رضا مندی کے اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ جب وہ بیاہی جائے تو وہ انسانی جماعت میں ایک مستقل رکن ہونے کی حیثیت سے اپنی شخصیت نہیں کھو بیٹھتی۔ نیز اسلام نے شوہر پر بیوی کے تمام کاموں کے انتظام کو (جیسا کہ وہ اس کی خواہش کرے) انجام دینے کو ضروری قرار دیا۔ شریعت نے بیوی کے اموال اور اس کی آمدنی میں اس کی اجازت کے بغیر مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دی۔ عورت کو یہ حق عطا کیا کہ وہ اپنے شوہر یا اپنے باپ یا اپنے بھائی جس سے چاہے امداد طلب کر سکتی ہے۔ ماں ہونے کے اعتبار سے اس پر چند مقررہ حقوق ہیں۔

ان تمام مذکورہ بالا بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے عورت کو وہ مقام اور رتبہ عطا کیا جو مغربی عورت سے کئی گنا بہتر اور بڑھ چڑھ کر ہے۔ اب مغربی عورت کے مقابلہ میں مسلمان عورت کی پستی و انحطاط کا سبب محض یہ ہے کہ اسلامی جماعتوں کے درمیان علوم و معارف کی نشر و اشاعت بہت کم ہے' حالانکہ اسلام اس امر کا متقاضی ہے کہ علم جس قدر پختہ گہرا اور وسیع ہوگا اتنا ہی اسلامی اصول اور اس کے احکام اجاگر ہوں گے اور مسلمان صحیح معنوں میں اس پر عمل

درآمد کریں گے۔

کیا پردہ عورت کے لیے ضروری ہے؟:

گزشتہ صفحات میں ہم نے عورت کی ماہیت اور اس کے کمال کو بیان کر دیا اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ عورتوں کو یہ کمال مردوں ہی کے ماتحت رہنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اب اس جگہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ عورتوں کے استقلال اور ان کی صحیح حریت وسعادت کے لیے پردہ نہایت ضروری ہے۔ اگرچہ عورتیں موجودہ وقت میں کچھ دنوں کے لیے بے پردہ ہو گئی ہیں اور مرد عورت خوش خوش نظر آ رہے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حالت طویل زمانہ تک باقی نہیں رہ سکتی، کیونکہ عورت کی یہ حالت فطرت انسانی پر منطبق نہیں ہے۔ فی الوقت اگرچہ مردوں کی غیرت کو مدنیت کی بعض شلوں اور لہوو اجب کے مظاہر نے کچھ دنوں کے لے مدفون کر دیا ہے، لیکن ہمیشہ کے لیے وہ فوت نہیں ہو سکتی، ایک روز آئے گا کہ یہ غیرت ابھر پڑے گی اور پھر عورتیں نہایت سختی کے ساتھ قید کی جائیں گی۔

میری یہ تحریر ان حضرات کے نزدیک جنہوں نے انسان اور انسانیت کی مجموعی حالتوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے ایک خیالی اور شعری معلوم ہو گی، لیکن صاحب عقل وہوش کے نزدیک یقیناً یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ ہماری اس تحریر پر تاریخی شہادت موجود ہے۔ چنانچہ بطور مثال ہم رومی سلطنت کو پیش کرتے ہیں جس سے یورپ کی تمام سلطنتیں پیدا ہوئی ہیں۔

آٹھویں صدی قبل مسیح میں رومی سلطنت ایک چھوٹے پیمانہ پر قائم ہوئی، لیکن آہستہ آہستہ مرور زمانہ کے ساتھ بڑھتی اور ترقی کرتی گئی، یہاں تک کہ لوگ زبردست مدنیت کے مالک ہو گئے۔ اس سلطنت میں تمام عورتیں پردہ کے اندر رہا کرتی تھیں اور اپنی حیات منزلی کی تدبیر میں مصروف تھیں، پردہ یہاں تک ترقی کر گیا کہ دایہ بھی اپنے مکان سے بالکل سر سے پیر تک مخفی ہو کر نکلتی تھی۔ اس دور پردگی میں رومیوں نے ہر چیز میں حیرت انگیز ترقی کی، بڑے بڑے مجسمے بنائے، عالی شان مکانات اور محل وغیرہ تیار کیے اور بڑی بڑی وسیع سلطنتوں کو فتح کیا۔ اکثر قومیں ان کی غلامی میں زندگی بسر کرتی تھیں۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ لہو ولعب کی طرف میلان ہوا یہاں تک کہ عورتوں کو بھی پردے سے باہر نکالا گیا تا کہ مجلس طرب میں شریک ہوں اور مجلس کی زیب وزینت کو ترقی دیں۔ عورتیں پردہ سے باہر نکلیں تو اس طرح نکلیں کہ مردوں پر غالب آ گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کی عفت وعصمت، اخلاق وطہارت سب ان کے نزدیک بے معنی الفاظ تھے اور وہ محض

مردوں کی شہوات حیوانی کا آلۂ کار سمجھی جانے لگیں۔ تھیٹروں میں شریک ہوتی تھیں، محفلوں اور مجلسوں میں گاتی اور ناچتی تھیں۔ غرض اس طرح مردوں پر غالب ہوتیں کہ افراد حکومت کے عزل ونقرر میں بھی ان کی آوازوں کی قدر و قیمت تھی لیکن افسوس! رومی سلطنت کی اس حالت پر تھوڑا زمانہ بھی نہ گزرا کہ مصائب و آلام کی پیہم بارشیں ہونے لگیں اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والا شخص حیرت زدہ ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ سلطنت روما کی وسیع اور بلند عمارتوں کے پتھروں کو انہی عورتوں کے نازک ہاتھوں نے ہلا ڈالا اور ایک ایک کرکے پھینک دیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ عورتوں کی فطرت میں فساد داخل ہے' بلکہ مردوں نے ان کو فتنہ میں ڈال دیا اور خود بھی ان کے ساتھ فتنوں میں شامل ہو گئے۔ یہ ایک سیاسی حقیقت ہے جس میں مباحثہ و مجادلہ کی گنجائش نہیں۔

علامہ لوبز برول کہتا ہے:

"سیاسی فسادات ہر زمانے میں موجود ہوئے ہیں' لیکن یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ اس فساد کے جو اسباب گزشتہ زمانے میں ہوئے ہیں بعینہ وہی موجودہ زمانے میں بھی ہیں' یعنی عالم کے ہر دور میں اخلاق فاضلہ کی بنیادوں کے منہدم کرنے میں سب سے زبردست سبب عورت کا وجود ہوا ہے۔"

اس عمرانی مصنف کے شایان شان تھا کہ وہ اس بگاڑ کے بہتان کو عورت کے سر چسپاں نہ کرتا' کیونکہ مرد ہی نے عورت کو محض اپنے میلانات و خواہشات کے لیے بگاڑ کا ذریعہ بنایا۔ پھر وہی مصنف موجودہ تمدن کی خطرناک علامتوں اور جمہوریہ رومان کے عہد کے حالات کے مابین موازنہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

"جمہوریہ رومان کے آخری عہد میں ارباب سیاست ان کمینہ عورتوں کی صحبتوں میں زندگی بسر کرنے لگے تھے جن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ آج کل وہی حال ہے جیسا کہ اس دور میں ہو گیا تھا۔ تم دیکھو گے کہ لوگ خواہشات نفسانی اور لذات جسمانی کے پیچھے جنون کی حد تک پڑ گئے ہیں۔"

رومانی قوم کو (جو مجد و شرف کی دلدادہ تھی) وہ کیا واقعہ پیش آیا جس نے ان کی سابقہ تاریخ کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی آنکھوں کے روبرو اپنی عزت و شان کی بنیادیں اکھڑتی ہوئی دیکھیں مگر ان کے دل میں ذرا بھی غیرت و حمیت کا جذبہ نہ ابھرا۔ بھلا یہ کب تصور میں آنے والی بات تھی کہ رومانی قوم' جو اپنی عظمت و حکومت کے زمانے میں عورتوں کے پردہ

میں غلو پسند واقع ہوئی تھی اس کے بعد ان کو اجازت دے ڈالے کہ وہ مرادنِ سیاست پر غالب ہو جائیں اور عزل و تقرر کی باگ جس وقت چاہیں ڈھیلی کر دیں؟ اس قدر تیزی کے ساتھ یہ عجیب و غریب انقلاب کیا تھا۔؟ کیا ان دونوں حالتوں میں طبعی تدریجی رفتار نہیں پائی جاتی۔؟ بے شک وہی نسوانی فساد وانتشار فطری اصول کے مطابق نشو و نما پایا' ابتدا حقیر مقدار میں شروع ہوا پھر وہ جسم میں ناگہاں مہلک مرض کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ انیسویں صدی کا دائرۃ المعارف کہتا ہے:

"عورتوں کی زیب و زینت کے لیے یہ جنونی عشق شہنشاہیت کے عہد ہی میں رواج پایا، لیکن جمہوریت کے ابتدائی زمانے میں عورت اپنے گھر ہی میں رہا کرتی اور اس میں چرخہ کاتا کرتی تھی' لیکن فساد اور بگاڑ روم میں رفتہ رفتہ سرایت کرتا گیا یہاں تک کہ کاتون نے آنے والے سیلاب شر و فساد کے خطرہ سے آگاہ کیا' اس کے چند دنوں کے بعد فسق و فجور اور شر و فساد کی انتہا نہ رہی۔"

کاتون نے اپنی قوم کے روبرو کیا کہا؟ پردہ کو چھوڑ دینے کے خطرہ سے کس طرح ڈرایا اور اس کی پیش گوئی کس قدر درست نکلی؟ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن پر ہم یہاں ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

رومانیہ میں اس قانون کی تنسیخ کے لیے جس میں عورتوں کی بے جا آرائش و زینت کی حد بندی کی گئی تھی' جب بغاوت و انقلاب کے آثار نمایاں ہونے لگے' تو کاتون نے (جو دوسری صدی قبل مسیح میں جمہور روما کے نزدیک فلسفہ و حکمت میں مشہور تھا) اس انقلاب کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور کہا:

"اے اہل روما! کیا تمہیں یہ وہم و گمان ہے کہ جب تم ان کے ان روابط و تقیدات کو توڑنے پر قابو پاؤ گے جوان کے استقلال کو محفوظ کرتے اور ان کو اپنے شوہروں کی اطاعت گزار بناتے ہیں تو عورت کی رضا مندی تمہارے لیے آسان ہو جائے گی؟ کیا موجودہ قیود و شروط کے ہوتے ہوئے ہمارے لیے یہ دشوار نہیں ہو گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہی ہیں؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ قریب میں ہمارے دوش بدوش ہو جائیں گی اور ہمیں اپنے غلبہ و اقتدار میں کر لیں گی؟ وہ کس دلیل و حجت کی وجہ سے اپنا اجتماعی انقلاب برپا کر رہی ہیں۔؟

ان میں سے ایک لڑکی نے جواب دیا:

"ہم یہ چاہتی ہیں کہ سونے اور چاندی میں جگمگائیں' ریشمی پوشاکوں میں لہرائیں'

شہر کی سڑکوں پر تہواروں کے دن اور دوسرے دنوں میں چلیں پھریں، شاندار سواریوں میں سوار ہوا کریں تا کہ ہم منسوخہ قانون پر اپنی فتح و کامرانی کا مظاہرہ کریں اور آزادی کے ساتھ ہم تمہیں انتخاب کر کے بہرہ ور ہوں نیز ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ تم ہماری نقل و حرکت کے لیے کوئی حد مقرر نہ کرو۔"

کاتون نے کہا:

"پس اے اہل روما! تم نے میرے وہ اکثر و بیشتر شکورے سن لئے جو میں نے تمہارے روبرو مردوں اور عورتوں کی بے جا زیادتیوں کے متعلق پیش کیے۔ یہ بھی تم نے سن لیا کہ جمہور دو متضاد بیماریوں افراط و تفریط کے مابین گرفتار ہیں۔ یہ ایسی بیماریاں ہیں جنہوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کے تخت الٹ دیئے۔"

انیسویں صدی کا دائرۃ المعارف مذکورہ بالا بیان درج کرنے کے بعد کہتا ہے کہ کاتون کو اس قانون کی مدافعت میں کامیابی نصیب نہ ہوئی لیکن اس کی تمام پیش گوئیاں پوری ہوئیں۔ پھر اس کے بعد کہتا ہے:

"ہماری موجودہ اجتماعی ہیئت میں جس میں عورتیں اپنی بے جا آزادی سے بہرہ یاب ہو رہی ہیں، ہم ان کے اندر ادنیٰ درجہ کا ذوق اور میلان پاتے ہیں جو ان کو ہمیشہ اپنی آرائش جمال اور لوازمات حسن کی افزائش میں مشغول ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ تمام نہایت خطرناک علامات ہیں جیسا کہ روما اس سے پہلے ان میں گھر چکا ہے۔"

اس داستان کو چھوڑ دیئے! اب ایک قدم آگے بڑھ کر دیکھئے کہ کہ رومانیہ کی تہذیب میں بگاڑ اور ملک میں فساد و خلل پیدا ہونے کے بعد کیا حالت ہوئی؟ کیا عورتیں سونا اور چاندی میں جگمگا اٹھیں؟ نرم و مہین پوشاکوں میں لہرائیں، سڑکوں پر ان کی صبح و شام آمد و رفت کا منظر رہا، شاندار سواریوں میں سیر کرتی رہیں، جیسا کہ سلطنت رومانیہ کے عظمت آفرین دور میں ان کی شان تھی؟ ہرگز نہیں، بلکہ ہم نے دیکھ لیا کہ لوگوں نے عورتوں کے حقوق کو ہضم کر لیا اور ان کو ان کے درجہ سے گرا دیا، یہاں تک کہ ان کے لئے گوشت کھانا اور ہنسنا بولنا حرام قرار دے دیا، اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان کے منہ میں بھاری مضبوط تالے ڈال دیئے جن کا نام انہوں نے موزلیبر رکھا تھا۔ حالت اس سے بھی نازک اور بدتر ہو گئی یہاں تک کہ ساتویں صدی عیسوی میں روما کی ایک مجلس میں جس میں بڑے بڑے لوگ جمع تھے یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ کیا عورت کے لیے روح ہے؟

الغرض عورت کو ایسے مظالم و آفات میں گھیرا گیا جن کو سننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' ان حوادث و واقعات میں غور کرنے والا حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور خود سے سوال کرتا ہے کہ کل تک جو عورتیں خوشحال اور مردوں پر اپنی آزادی و غلبہ کی وجہ سے خوش خوش تھیں' وہ آج کس طرح ظلم و ستم کا تختہ مشق بن کر رہ گئی ہیں اور کیوں کر ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہو گئی؟ اس قدر سریع انقلاب و تغیر کا سبب کیا ہے؟ وہ کیا راز ہے جس نے عورت کی گزشتہ آزادی کو چھین کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا اور اس کو وحشت و بربریت کے درجہ تک پہنچا دیا۔؟

یہ تمام سوالات وہ ہیں جن کو تاریخ کا پڑھنے والا اپنے دل میں پاتا ہے اور اسی وقت ان کی گہرائی اور تہہ تک پہنچ سکتا ہے جب کہ وہ ان کو نفسیاتی و عمرانی اصولوں کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھے۔ ہم ان کا نچوڑ چند الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

جب روما کی سلطنت وسیع ہوئی' اہل روما نے دیگر قوموں پر تسلط اور برتری حاصل کر لی' جب انہوں نے روئے زمین پر کوئی مناظر باقی نہ چھوڑے تو ان کے اندر عیش پرستی اور عشرت پسندی کی محبت جاگزیں ہو گئی۔ یہ دونوں چیزیں دونوں جنسوں کے باہمی میل جول ہی سے پوری ہوتی تھیں۔ مزید برآں یونانی ملحدوں اور ان کے رومانیہ کے مقلدوں کی تعلیمات نے ان کے دل و دماغ پر سونے پر سہاگہ کا کام دیا' چنانچہ انہوں نے ان کی عورتوں کو پردہ سے باہر قدم نکالنے کی اجازت دے دی۔ اس میں رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی ہوئی کہ عورتیں سیاسی امور پر غالب ہو گئیں۔ اس اختلاط میں ایسی آرائشیں گھل مل گئیں جن کے ذکر سے قلم شرمسار ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی ہمتیں مر گئیں' ان کے عزائم فنا اور ان کے دل مردہ ہو گئے۔ وہ باہم جنگ و جدال اور خون ریزی میں پڑ گئے۔ فساد بڑھتا ہی گیا اور اس دوران میں نہایت تلخ ناک نتائج و حوادث رونما ہوئے۔ لوگوں کے دلوں میں یہ بات گھر کر گئی کہ اس شر و فساد کا سبب عورتیں ہیں۔ اس بناء پر رفتہ رفتہ ان کے خلاف کینہ و عداوت کی چنگاریاں سلگنے لگیں' دلوں میں کدورت روز بروز بڑھنے لگی' یہاں تک کہ بات اس نوبت پر پہنچ گئی جس کو ہم نے اوپر قرون وسطیٰ سے سترھویں صدی کی انتہا اور انیسویں صدی کی ابتدا تک کے حالات میں بیان کر دیا ہے۔ آج ہم یورپ میں دیکھ رہے ہیں کہ وہاں کے لوگ جو روزانہ عورتوں کے فتنہ و فساد کو بڑھانے والے اسباب کا اختراع کرتے' ان کی طہارت و عفت پر حملہ کرنے اور ان کو اگلوں کی طرح گمراہی و تباہی کے غار میں دھکیلنے کے لیے تحمل و سائل و ذرائع ایجاد کرتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ بعینہ رومانیہ کے دور کا اپنے ملک میں اعادہ

کریں۔اس کا اندازہ ان کے عقلاء و مفکرین نے بخوبی لگالیا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ان کے آراء وخیالات کا تھوڑا سا خاکہ کھینچا ہے۔

ایسے پر آشوب و پر فتن دور میں اور تہذیب و تمدن کے جاذب نظر مظاہر میں جب کہ عورت مرد کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئی ہے' مسلمان عورت کا پردہ نشین ہونا ہی اس کی عصمت و عفت کا کفیل ہے۔اسلام نے اس کے لیے ایسے حکیمانہ قوانین پیش کیے ہیں جو دلوں میں سرایت کر چکے ہیں۔ان میں تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ بالکلیہ دین اسلام ہی کو بدل دیں حالانکہ ایسا ناممکن ہے۔کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ مسلمان عورت تیرہ سو سال سے ان حادثات وانقلابات سے محفوظ ہے' جن سے دنیا کی دیگر عورتوں کو دو چار ہونا پڑا ہے؟ پردہ کی نعمت سے بڑھ کر اور کون سی چیز ہو سکتی ہے جب کہ وہ عورت کو مرد کے ہاتھ کا کھلونا بننے سے مانع اور اس کی خواہشات کا نشان بننے میں رکاوٹ ڈالنے کا بہترین آلہ ہے۔؟

مصنف ''خاتون جدید'' کہتا ہے کہ یورپ میں کئی ایسی جماعتیں ہیں جو بھاری مطالبات طلب کر رہی ہیں اس کے باوجود کسی کے دل میں یہ بات نہیں گزرتی کہ وہ عورتوں کے پردہ کا مطالبہ کرے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے' کیونکہ ارباب مذاہب میں سے جدت پسند افراد وسیع پیمانہ پر عورت کی آزادی اور اس کے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تا کہ وہ مرد کے مساوی ہو جائے۔ یہ لوگ معتدل مسالک رکھنے والوں کے ساتھ اس معاملہ میں متفق ہیں' اس اتفاق و ہم آہنگی کا راز اور اس کا سبب کیا ہے؟ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ فلسفۂ عصر حاضر کا موسس اگسٹ کا نٹ اور تمام فلاسفۂ وقت جو فلسفۂ حسی کے علمبردار ہیں' یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عورت نے اس ظاہر فریب اور باطل آزادی سے نہ صرف ایک بڑا حصہ حاصل کیا' بلکہ وہ فطری سرحدوں سے باہر نکل گئی ہے۔ گزشتہ بیان میں ان مفکرین کے اقوال ثبوت میں پیش کر دیے گئے ہیں۔

ہم پردہ کو اس لئے پسند نہیں کرتے کہ وہ ان کی عفت کا سامان ہے۔اس مقصد کے لیے تو پردہ کا مطالبہ نہیں ہے۔ بلکہ ہم اس کو محض اس لئے پسند کرتے ہیں کہ وہ ایک مضبوط پناہ گاہ ہے جس میں عورتیں مردوں کے فاسد ارادوں اور ان کے گمراہ کن جملوں سے محفوظ اور بے خوف رہ سکتی ہیں' کیونکہ ان کو اعتماد ہے کہ ان کی جسمانی ترکیب وساخت میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ وہ کسی دن یا روزانہ بھی پردۂ عصمت کو چاک کر ڈالیں تو سر بازار رسوا ہو جائیں۔اسی لیے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ ہر حیلہ وتدبیر اور ہر وسیلہ سے عورتوں کو ورغلانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں دنیا

کے حوادث کا استقراء کرنے سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد ہی عورت کے اغواء کا سبب ہے۔ یہاں تک کہ "جریدۂ المقطم" جس نے پردہ کی عمرانی پہلو سے مذمت کی ہے' 8 فروری 1501 کے پرچہ میں اس صریح حقیقت کی شہادت دیتے ہوئے کہتا ہے:

"ہر نظام جماعت کی تاریخ گواہ ہے کہ مرد ہی دامن عفت کو چاک کرنے والا اور عورت ہی اپنی عفت و عصمت کی مدافعت کرنے والی ہے۔"

عورت کی ترقی اور پردہ:

انسانی زندگی کے ہر دور میں ہم دیکھتے آئے ہیں کہ وہ جب کسی چیز سے محبت کرنے لگتا ہے تو اس کے حسن و جمال پر ہزاروں دلیلیں پیش کر دیتا ہے اور جب وہ کسی سے نفرت کرنے لگتا ہے تو اس کے قبح و فساد پر دنیا بھر کی برہانوں کو لا کھڑا کر دیتا ہے۔ اگر وجود کے درمیان کوئی شاہد عادل آڑ نہ ہوتا تو حقائق و واقعات اس دنیا میں انسان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے۔ انسان ہر چیز کی بہ نسبت بے حد جدال پسند اور جھگڑالو واقع ہوا ہے۔

مصنف "خاتون جدید" کہتا ہے:

"پردہ کا نقصان یہ ہے کہ وہ عورت کو اس کی فطری آزادی سے محروم کر دیتا' اس کو اس کی نشو و نما اور تربیت کی تکمیل کرنے سے روک دیتا اور بوقت ضرورت اس کے کسب معاش میں حائل ہو جاتا ہے' نیز اس سے میاں بیوی عقلی و ادبی زندگی کی لذت سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں۔ ان ماؤں کا وجود اس کو راس نہیں آتا جو اپنی اولاد کی تربیت پر قدرت رکھتی ہیں۔ پردہ کی وجہ سے قوم ایک ایسے انسان کی طرح ہو جاتی ہے' جس کا ایک بازو مفلوج ہو گیا ہو۔"

سابقہ حسی برہانوں اور دلیلوں کی روشنی میں پردے کے فائدے یہ ہیں کہ وہ عورت کو اس کی حقیقی آزادی عطا کرتا ہے' عورت کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ آزادی کیا ہے۔ پردہ سے عورت اپنے آپ کو تربیت مادری کے لیے آراستہ کرنے کی قدرت رکھتی ہے' اس کی وجہ سے وہ مردوں کے ساتھ اشتراک عمل سے باز رہتی ہے۔ اسی کے ذریعے شوہر اور بیوی زندگی کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں' اسی کی بدولت اپنی اولاد کی تربیت پر قدرت رکھنے والی مائیں صحیح اسلامی تربیت دے سکتی ہیں' اسی کے وسیلہ سے قوم ایک ایسے تندرست انسان کی طرح ہو گی جس کے ظاہری اعضاء بھی ہیں اور باطنی بھی۔

مخالفین پردہ کہتے ہیں کہ پردہ میں درج ذیل تین اہم نقصانات ہیں جو عورت پر نہایت برے اثرات چھوڑتے ہیں۔:

1: پردہ عورت کی صحت کو کمزور کر دیتا، مختلف امراض و آفات کا نشانہ بنا دیتا اور اس کے اعصاب کو مضمحل کر دیتا ہے۔ جب اعصاب کمزور پڑ گئے تو جسمانی قوتوں کا نظام درہم برہم ہو گیا' اس بناء پر پردہ نشین عورت لامحالہ اپنی شہوات و خواہشات کی اسیر ہو جائے گی کیونکہ تندرست اعصاب ہی انسان کے ضبط کے لیے بہترین مددگار ہیں اور ان کے کمزور ہو جانے سے انسان اپنی خواہشات کے ہاتھ میں کھلونا اور شہوات نفسانی کا غلام ہو جاتا ہے۔

2: پردہ منگنی کرنے والی اپنی منگیتر کا چہرہ دیکھنے سے باز رکھتا ہے' یہی بڑا سبب ہے کثرت طلاق اور باہمی مخالفت کا۔

3: پردہ عورت کو تہذیب و شائستگی اور علم و فن حاصل کرنے سے روکتا ہے، نیز وہ تعلیمی گھرانوں میں عورت کو عقلی و ادبی قوتوں کے نشوونما میں اپنے میلانات کی پیروی کرنے سے باز رکھتا ہے۔

ہم مخالفین کے مذکورہ بالا شکوک و شبہات کی اس طرح تردید کرتے ہیں کہ پردہ نشین عورتیں نہ بیمار ہیں اور نہ کمزور اعصاب کی بلکہ وہ مجموعی طور پر بے پردہ عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ قوی اور تندرست ہیں۔ اس قضیہ کو ہر مشرقی مجرو نگاہ سے تسلیم کر سکتا ہے۔ مسلمان عورتوں پر چودہ سو سال گزر گئے کہ وہ پردہ نشینی میں اپنی عزت و آبرو کو محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ اگر محض پردہ ان کے اندر کسی قسم کا ضعف و اضمحلال رونما کرتا تو ضروری تھا کہ اس کو مرد اور عورتیں نسلاً بعد نسل موروثی طور پر پاتے' یہاں تک کہ آج مسلمان مرد اور مسلمان عورت کمزوری اور اضمحلال قوت کی ضرب المثل بن جاتے' کیونکہ عضویاتی اصول اسی کے متقاضی ہیں لیکن ہم اس کے برعکس مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پردہ نشین عورتوں کے لڑکے بے پردہ عورتوں کے مردوں سے زیادہ قوی و تندرست ہیں' اس کے علاوہ از روئے صحت مردم شماری سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ مرنے والوں میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اگر پردہ صحت کے لیے مضر ہوتا تو طبعی طور پر مرنے والی عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوتی، حالانکہ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے۔

مخالفین کا یہ قول کہ "پردہ نشین عورتیں اپنی خواہشات کی غلام ہوتی ہیں"، عملی نفسیاتی نقطہ نظر

پر چسپاں نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ امر کسی انسان سے پوشیدہ نہیں کہ شہوتوں کی طرف شدت کا میلان انسان میں صرف اسی وقت پایا جاتا ہے جب کہ وہ محرکات نفسانی میں گرفتار ہو گیا ہو۔ جب بآسانی انسانی عقل اپنے مطلوب تک پہنچنے کا راستہ ڈھونڈھ لیتی ہے تو بے قابو ہو جاتی ہے۔ اب شہوتوں کی جولان گاہ دونوں عورتوں میں سے کون ہیں؟ پردہ نشین یا بے پردہ؟ اپنے شدید موروثی دینی غیرت کے جذبہ کے ساتھ مردوں کے اختلاط سے بالاتر عورت یا ان سے میل جول رکھنے والی۔؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ دوسری قسم کی عورت ہی شہوتوں کی آماجگاہ بن سکتی ہے؟ نفسیاتی اصول اس حقیقت پر بہت بڑے شاہد ہیں۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہوا، جبکہ اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ انسان کے لیے جب اپنی خواہشات نفسانی تک پہنچنا آسان ہوتا ہے تو اس کے دل پر اس کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے، کیونکہ اس سے اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا اور غیرت وحمیت کا جذبہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اس کو مثال کے ذریعہ سمجھانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمارے روبرو اس قسم کی بے شمار مثالیں اور شواہد موجود ہیں جو ہمارے اس دعویٰ پر بین دلیل ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو پردہ نشین عورت ہی شہوتوں کی طرف بہت کم میلان رکھتی ہے اور دوسروں کی بہ نسبت یقینی طور پر اس کے دل ودماغ میں جذبات فاسدہ کا گزر بہت کم ہوتا ہے اس مسلمہ قضیہ میں بحث وجدل کی کوئی گنجائش نہیں۔

ضعف اعصاب اور اس کی وجہ سے عقلی قوتوں کے نظام میں عدم توازن کی زد سے دیکھا جائے تو میں کہوں گا کہ یہ مشرقی عورتوں کے مقابلہ میں مغربی عورتوں کے نزدیک زیادہ ہے' کیونکہ یہ عصبی کمزوری محض پردہ نشینی اور گوشہ گزینی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے بے شمار اسباب ہیں جن میں سے غم وہم' فکر وتردد' بے جا زیادتی' فقر وفاقہ اور عشق وہجر وغیرہ ہیں۔ جو شخص طبی رسالہ کی ورق گردانی کرے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بیماری مغربی عورتوں میں ایک معمولی چیز ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ کسی قوم میں کمزوری اعصاب کے لئے بے شمار علامات ہیں ان میں سب سے اہم کثرت خودکشی ہے۔ چنانچہ لومبروزو اور اس کے علاوہ دیگر محققین جرائم نے ثابت کر دیا ہے کہ انسان اپنی صحیح عقلی قوتوں کے ہوتے ہوئے ہرگز قتل یا خودکشی کے جرم کا ارتکاب نہیں کرتا' چونکہ عقلی قوتوں کی درستگی صحت اعصاب کے تابع ہے۔ اس لئے کثرت خودکشی ایک ایسی علامت ہو گی جو ہمیں اس امر کی طرف رہبری کر رہی ہے کہ کس دنیا کی عورتیں عصبی کمزوری میں مبتلا ہیں۔

مجلہ مجلات جلد نمبر 11 نے اطالیہ کی سرکاری مردم شماری سے ثابت کیا ہے کہ وہاں

1889ء سے 1899ء تک یعنی دس سال کی مدت میں 569 عورتوں نے خودکشی کر لی۔ عین اسی مدت میں فرانس میں 5869 عورتوں کی خودکشی کے واقعات پیش آئے' ان آثار و شواہد کے پیش نظر کیا اسلامی ممالک میں اس قدر خودکشی کے حادثات کبھی دیکھنے میں آتے ہیں؟ لہٰذا کثرت خودکشی اس امر کی بین حسی دلیل ہے کہ لامحالہ اس کا سبب نفسانی بزدلی اور ضعف اعصاب ہے۔ اس بناء پر اسلامی عورتیں مغربی عورتوں کے بالمقابل قوی الاعصاب ہیں اور ان کی بہ نسبت اپنے نفس پر قابو رکھنے اور خواہشات پر غلبہ پانے کی زیادہ قدرت رکھتی ہیں۔

مخالفین کا یہ قول کہ پردہ منگیتر کو دیکھنے مانع ہے جس کی وجہ سے کثرت طلاق اور گوناں گوں شکایات عورتوں سے متعلق کی جاتی ہیں' صریحاً غلط ہے کیونکہ کثرت طلاق اور مردوں کا عورتوں پر ظلم و ستم مسلمانوں ہی کے ساتھ کچھ مخصوص نہیں بلکہ یہ اکثر و بیشتر ہم سے زیادہ متمدن ملکوں اور تہذیب یافتہ طبقات میں بھی پایا جاتا ہے۔

باقی رہا مخالفین کا یہ دعویٰ کہ پردہ عورت کو تہذیب و تعلیم حاصل کرنے سے باز رکھتا ہے' صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ لڑکی ابتدائی عمر سے لے کر بارہ سال تک مدارس میں جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی عقل کو تہذیب و شائستگی کا ایک پاکیزہ درجہ حاصل کرنے کے لیے یہ پانچ برس کافی ہیں۔ امت کے غیور افراد کے لیے یہ امر مانع نہیں کہ وہ فوقانیہ مدارس ایجاد کریں جن میں تمام معلمات عورتیں ہی ہوں۔ لڑکیاں بغیر نقاب کے اندرون رہیں اور جب مدرسہ سے باہر نکلیں تو اپنے چہرے پر نقاب اوڑھ لیں اور گھر جا کر اتار دیں۔ اگر وہ مدارس فوقانیہ یا اونچے درجے کی تعلیم کے لیے معلمات کے فقدان کا عذر کریں تو یہ بہانہ سازی میں شمار ہوگا کیونکہ کوئی چیز خلوص نیت سے کی جاتی ہے تو اس کے لیے ہمتیں اور عزائم بھی پختہ و بیدار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ایک فضول سی بات ہے کہ ہم کسی کام کو وقت واحد ہی میں شروع کر دیں۔ ہر کام آہستہ آہستہ انجام پاتا ہے' پہلے چھوٹے پیمانے پر کیا جاتا ہے اور پھر وہی رفتہ رفتہ نشوونما پا کر درجہ کمال و تمام تک پہنچ جاتا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو یہ کہنا بہت آسان ہے کہ پردہ نہ تو صحت کے لیے ضرر رساں ہے اور نہ اعصاب کو کمزور کرنے والا' بلکہ یہ ایک مادی ڈھال ہے اور اکثر برائیوں اور برے ارادوں کے حملوں کی روک تھام کرتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ پردہ پر علم و ادب کے نقش و نگار بھی کر دیئے جائیں تو یہ انسانی سوسائٹی کی بہت سی خرابیوں کو دور کر دے گا جو اس مادی تمدن کے جسم پر ایک مہلک زخم کی صورت میں نمودار ہو رہی ہیں۔

مخلوط تعلیم کا اثر عفت و عصمت پر:

ایک خاتون ان الفاظ میں اپنی دلسوزی کا اظہار کرتی ہیں:

"جو لڑکیاں مخلوط تعلیم کی پیداوار ہیں' ان کی اخلاقی سیرت کے متعلق یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مخلوط تعلیم سے ان کی خلقی عصمت اور غیرت تباہ ہو جاتی ہے اور ان میں زیادہ سے زیادہ مردانہ اوصاف پیدا ہو کر انہیں زیادہ سے زیادہ خراب کر دیتے ہیں جس کے بعد گھریلو زندگی کے نظام سنبھالنے کے قابل نہیں رہتیں۔ موجودہ یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم جو مغربی خطوط پر قائم ہے۔ ہماری لڑکیوں کے لیے بے سود اور غیر ضروری ہے۔"

جن ملکوں میں مخلوط تعلیم عام ہے ان کے واقعات ملاحظہ فرمایئے امریکہ کے متعلق وہاں کے جج لنڈسے کا بیان ہے:

"ہائی اسکول کی کم عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے جنسی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے۔"

اسی جج لنڈسے کا بیان ہے:

"اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم 45 فیصد لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکی ہیں۔"

ایک مغربی خاتون مسز ڈون تھی ہال اپنے مضمون "عورتوں کی تعلیمی وقت" میں رقمطراز ہیں:

"آخر میں یہ امر قابل توجہ ہے کہ مخلوط طریقہ تعلیم میں اگرچہ دعویٰ کتنا بھی کیا جائے۔ ان جذباتی وقتوں کے ازالہ نہیں ہوتا جو نوجوانوں میں صنفی شعور کے آغاز سے پیدا ہو جاتی ہیں اور جو بعض طبائع کے لیے مطالعہ میں کامل انہماک کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں جو چودہ اور اٹھارہ برس کی درمیانی مدت میں ناگزیر ہیں۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین روزمرہ کے اختلاط کے نتیجہ کے طور پر نہ صرف جذباتی تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں بلکہ مطالعہ اور ضبط زندگی کے لیے اور بھی زیادہ تباہ کن یہ بات ہے کہ بعض اوقات شاگرد استادوں سے جذباتی وابستگی پیدا کر لیتے ہیں۔"

امتیازی لباس کا حکم:

عہد نبوی میں کچھ بدمعاش یہودی اور منافق اس طرح کے تھے جو عورتوں کو چھیڑا کرتے

تھے اور دوسری قسم کی عورتوں کے ساتھ بعض پاکدامن شریف عورتیں بھی ان کی چھیڑ چھاڑ سے نہیں بچتی تھیں۔ دوپٹہ اور چادر بڑھا کر آپ نے لباس میں امتیاز پیدا کر دیا۔ اس امتیاز پیدا کر دینے کے بعد خود رب العالمین نے فرمایا:

''لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجون فی المدینۃ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا''

(سورۃ الاحزاب)

''اگر منافق اور جھوٹی خبریں مدینہ میں اڑانے والے باز نہ آئے تو پھر بلاشبہ ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دینگے، پھر وہ تیرے ساتھ تھوڑے دنوں کے علاوہ شہر میں رہنے نہ پائیں گے۔''

اس امتیازی شان کے بعد بھی اگر کسی بدطینت نے کسی پاک دامن عورت کو چھیڑا تو اس کو معاف نہیں کیا جائے گا اور عہد نبوی میں ایسا ہی ہوا کہ یہودی جلاوطن ہوئے۔

عورت کے باہر جانے کے آداب واحکام:

کہنا یہ ہے کہ اولاً: تو قرآن مجید کا مطالبہ ہے کہ عورتیں بغیر ضرورت گھر سے باہر نہ پھریں' جیسا کہ قرآن مجید کی اس سلسلہ کی پہلی آیت (وقرن فی بیوتکن) میں صراحتاً حکم گزار ہے۔

ثانیاً: قرآن مجید کا مطالبہ ہے کہ اگر ضرورت کی وجہ سے ان کو نکلنا ہی پڑے تو نگاہیں پست رکھیں اور شہوت کے مقام سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ پھر یہ کہ نکلیں تو ستر چھپا کر۔

ثالثاً: باہر نکلیں یا کسی کے سامنے آئیں تو چادر (دوپٹہ) اوپر سے ڈال لیں اور بدن کا تراش وخراش ظاہر نہ ہونے دیں جیسا کہ ابھی آیت گزری ''یدنین من جلابیبھن'' اور دوسری جگہ قرآن مجید نے اعلان کیا:

''اور عورتیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال دیں۔''

دوپٹہ ڈالنے کا طریقہ:

خمار لغت میں اس دوپٹہ کو کہتے ہیں جس کو عورت اپنے سر پر ڈالتی ہے۔ سلف صالحین نے بیان کیا کہ سر پر سے لا کر سینوں پر اس طرح ڈالا جائے کہ جسم کے ابھار اور مواضع زینت میں سے کوئی حصہ نظر نہ آئے۔ اس طرح ہرگز نہ ہو کہ دوپٹہ کا آنچل پیچھے کی طرف ڈال لیا جائے جس سے سینہ کا ابھار نہ چھپ سکے، بلکہ اس میں اور ابھار پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ جاہلیت کے دور میں رواج

تھا اور جس کو اسلام مٹانے آیا تھا۔ یہاں یہ حکم ہے کہ قمیض کے اوپر دوپٹہ اس طرح ڈالا جائے کہ پوری ستر پوشی ہو سکے۔

ہمارے شعراء کرام کے یہاں جوبن کے ابھار کو جو جگہ حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اور طبعاً نیز شعراء وغیرہ کا تازہ کردہ احساس بسا اوقات آدمی کو اس اُبھار کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، اس لئے موجودہ دور میں اور بھی ضرورت ہے کہ اس کی پوری ستر پوشی عمل میں لائی جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

"یرحم النساء المهاجرات الاول لما انزل الله (وليضربن الخ) شققن مروطهن فاختمرن بها"

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 113)

"اللہ اول ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے جب دوپٹہ کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ پھاڑ کر دوپٹہ بنالیا۔"

رابعاً: نکلیں تو کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جس سے زینت کا اظہار ہو یا دوسروں کی وجہ اس کی طرف کھنچے۔ نہ ظاہری طور پر ایسی بات ہو اور نہ باطنی طریقہ پر' بلکہ ہر طرح ظاہر و باطن پاک ہو۔ باطن کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يعلم خائنة الاعين وماتخفي الصدور"

(سورۃ المومن)

"وہ آنکھوں کی چوری اور دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔"

اور ظاہر کے متعلق ہدایت فرمائی:

"ولا يضربن بارجلهن ليعلم مايخفين من زينتهن وتوبوا الى الله جميعا ايها المومنون لعلكم تفلحون"

(سورۃ النور)

"اور عورتیں اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت جانی جائے اور اے ایمان والو! سب مل کر اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم بھلائی پاؤ۔"

عورتیں عموماً پاؤں میں مختلف اور متعدد زیورات پہنا کرتی ہیں۔ بعض زیور بنایا ہی اس طرح جاتا ہے کہ جب عورتیں اس کو پہن کر چلیں گی اس میں آواز پیدا ہو گی جیسے گھونگرو وغیرہ اس طرح

کے زیورات بالکل ممنوع ہیں۔ شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ بعض زیور خود تو نہیں بجتے، ہاں دوسرے زیور سے ٹکرا کر آواز دیتے ہیں جیسے چھڑا اور کڑا وغیرہ۔ اس طرح کے زیورات کو پہننا جائز ہے، مگر احتیاط کا حکم ہے کہ چلنے میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر آواز نہ پیدا کریں، پھر ان کو پہنتے اور پہن کر چلنے میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان کی چمک و دمک دوسروں کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر رہی ہوں کیونکہ آواز ہو یا چمک دمک بسا اوقات یہ بھی فتنہ و فساد بن جاتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب زیورات کے اخفا کا حکم ہے اور ان کی آواز کے متعلق احتیاط اور ممانعت کا حکم ہے تو جن اعضاء میں یہ زیورات پہنے جاتے ہیں ان کے اخفا کا تو بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا اور شریعت میں ان اعضاء کے ستر کا تاکیدی حکم ہے بھی۔ پس معلوم ہوا کہ زیورات اور ان کے اعضاء سب کی ستر پوشی کا حکم ہے۔

"لا یضربن بارجلھن" کے ضمن میں بیضاوی کہتے ہیں یہ اس لئے منع کیا گیا ہے کہ یہ آواز مردوں میں عورتوں کی خواہش پیدا کرتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں:

"یہ تعبیر اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ اظہار زینت سے منع کیا جاتا اور بلند آوازی سے روکا جاتا، کیونکہ اس تعبیر میں یہ سب خود بخود داخل ہو گئے۔"

تفسیر کبیر میں ہے:

"انسانی فطرت ہے کہ جب مرد عورت کی پازیب کی آواز سنتا ہے تو اس کے جنسی میلان میں تلاطم پیدا ہونے لگتا ہے اور عورتوں کو دیکھنے کی خواہش میں زیادتی آجاتی ہے۔"

سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک آزاد کردہ لونڈی حضرت زبیر کی صاحبزادی کو حضرت عمر کی خدمت میں لے گئیں۔ لڑکی کے پاؤں میں بجنے والا زیور تھا۔ حضرت عمر نے اسے کاٹ ڈالا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

"مع کل جرس شیطان"

"ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔"

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہ کی خدمت میں ایک عورت بجنے والا زیور پہن کر جانے لگیں تو انہوں نے روک دیا اور فرمایا: اسے اتار کر آؤ، اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا:

"لاتدخل الملٰئکۃ بیتا فیہ جرس"

"اس گھر میں فرشتہ داخل نہیں ہوتا جس میں گھنٹی ہوتی ہے۔"

خوشبو لگا کر نکلنے کی ممانعت:

اس آیت میں جو علت بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ایسی چیز نہ کی جائے کہ وہ دوسروں سے عورت کی مخفی باتوں کی چغلی کرتی ہو یا ان کو عورت کی طرف متوجہ کرتی ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا خوشبو اور عطر اور سینٹ لگا کر گھر سے باہر نہ نکلیں۔ حدیث میں عورتوں کے لیے مسجد کی اجازت مذکور ہے، مگر وہاں بھی گو وہ عبادت کے لیے خدا کے گھر میں حاضر ہو رہی ہیں، خوشبو مل کر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ ہدایت ہے کہ کپڑوں میں بھی چمک دمک نہ ہو۔ معمولی اور استعمال کے کپڑوں میں مسجد آئیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عورتوں کو اگر ضرورت کی وجہ سے نکلنے کی حاجت ہو تو اس طرح نکلیں کہ وہ دوسروں کے لیے جاذب نظر نہ ہوں۔ ایک حدیث ہے:

"كل عين زانية والمرأة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا يعني زانيه"

(تفسیر ابن کثیر)

"ہر آنکھ زانیہ ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر مجلس پر گزرتی ہے وہ بھی زانیہ ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ کی ایک عورت سے ملاقات ہو گئی جس سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

دریافت فرمایا:

"مسجد سے آ رہی ہو؟"

بی بی نے کہا:

"ہاں!"

فرمایا:

"خوشبو لگائی ہے؟"

انہوں نے کہا:

"جی ہاں!"

فرمایا:

"میں نے اپنے محبوب سرکار دو عالم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مسجد میں آتی ہے اس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔"

چنانچہ وہ پلٹی تو اپنے کپڑوں کو خوب اچھی طرح دھویا۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"الرافلة في الزانية في غير اهلها كمثل ظلمة يوم القيامة لا نورلها ترمذی باب ماجاء في كراهية خروج النساء في الزانية"

"اپنے اہل وعیال کے سوا دوسرے لوگوں میں بن سنور کر جانا ایسا ہے جیسے قیامت کے دن کی تاریکی جس کے لئے کوئی روشنی نہ ہو۔"

عام گزرگاہ سے اجتناب کا حکم:

اوپر جو آیت ذکر کی گئی اس سے یہ بھی کنایۃً معلوم ہوا کہ فتنہ سے بچنے کی خاطر صدر راستہ سے نہ گزریں جہاں مردوں کی ریل پیل ہو، بلکہ وہ کنارے سے ہو کر گزر جائیں۔ مسجد میں جہاں ان کو حاضری کی اجازت ہے وہیں ان کو حکم ہے کہ پچھلی صف میں ملیں۔ حدیث میں صراحت ہے:

"خير صفوف النساء اكرها وشرها اولها"

(ریاض الصالحین:455)

"عورتوں کے لیے بہترین صف اس کی پچھلی صف ہے۔"

مردوں کے لیے اسی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے لیے بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین آخری۔ اسی طرح مسجد سے واپسی میں ہدایت تھی کہ عورتیں پہلے آجائیں تب مرد مسجد سے چلیں اور یہ کہ اگر مردوں کا ساتھ ہو جائے تو راستہ کے کنارے ہو جائیں۔ ایک دفعہ ایسا ہو گیا تو آپ نے فرمایا:

"استاخرن فانه ليس لكن ان تختضرج الطريق عليكن بحافات الطريق"

(تفسیر ابن کثیر، جلد نمبر 3، صفحہ نمبر 286)

"عورتیں پیچھے ہو جائیں۔ عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ راستہ کے کنارے سے چلیں۔"

اس حکم کے بعد عورتوں کا اسی پر عمل رہا۔ اسی طرح چلتی تھیں کہ ان کا کپڑا دیوار سے لگا ہوتا تھا۔

اسلام میں احترام عفت:

آج کون ایسا عقلمند ہے جس کو دنیا کا تھوڑا بہت بھی تجربہ ہو اور وہ ان ہدایات کی حکمتوں کا انکار کر دے۔ جو قوم اور جماعت ان ہدایات کو نہیں برتا کرتی وہاں عفت و عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے جس کی خبریں رات دن ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر قصد وارادہ بھی نوجوان تیر نظر کا شکار ہو جاتے ہیں اور ادائے جاناں پر فریفتہ ہو کر جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اسلام نے فروع سے صرف نظر کیا ہے مگر اصل حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور ان تمام راہوں پر آہنی دیوار کھینچ دی ہے جن سے فتنوں کے داخلہ کا خطرہ ہو سکتا ہے اور اس طرح عفت و عصمت کے دامن کو داغدار ہونے سے بچا لیا ہے۔

بات کرنے میں نرمی نہ ہو:

اسی حد تک بس نہیں ہے۔ اسلام نے اس کا حکم بھی دیا ہے کہ وہ اگر وہ کسی اجنبی مرد سے اپنے شوہر کے علاوہ مجبوراً باتیں کرے گو وہ پردہ کی اوٹ سے ہو تو بھی باتوں میں شیرینی پیدا نہ ہونے پائے، تا کہ کسی بدطینت کو شرارت کا موقع نہ ملے۔ ارشاد ربانی ہے:

”فلا تخضعن بالقول یطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا“

(سورۃ الاحزاب)

”اور چبا کر باتیں نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ لالچ کرے اور تم معقول بات کہو۔“

اپنے شوہر کے ساتھ بات کرنے کا جو طریقہ ہے وہ بس اسی کے لیے خاص ہے دوسروں کے لیے وہ طرز گفتگو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ غیر سے جو بات کی جائے وہ صاف اور بھلی ہو، عشوہ وادا کے ساتھ ہرگز گفتگو نہ کی جائے اور گفتگو میں لب ولہجہ کشک ہی رکھا جائے۔ لگی لپٹی باتیں جس سے مرد کے شیطانی نفس کو حیلہ کی راہ سوجھتی ہے اس سے بالکلیہ اجتناب ضروری ہے۔

فقہاء نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہے ضرورت کے وقت وہ اجنبی سے بول سکتی ہے۔ ہاں! کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ عورت کی آواز بھی ستر ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسی گفتگو جس میں لوچ ہو عورت کے لیے جائز نہیں ہے یا بغیر ضرورت مردوں سے بات چیت کی آزادی نہیں ہے۔

صاحب ردالمختار نے علامہ مقدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

''کوئی ناسمجھ صوت المرأۃ عورۃ (عورت کی آواز ستر ہے) کا مطلب یہ نہ سمجھے کہ بات چیت کو ہم ناجائز کہتے ہیں، بلکہ ہم تو بوقت ضرورت اجنبیوں کے لیے عورتوں سے کلام کو جائز کہتے ہیں۔ ہاں یہ جائز نہیں سمجھتے کہ عورتیں تیز آواز میں بولیں' لوچدار گفتگو کریں، آواز میں شیرینی اور جاذبیت پیدا کریں' جس سے مردوں کے دل ان کی طرف کھینچے چلے جائیں اور ان کے جنسی میلان میں تحریک پیدا ہو اور یہی وجہ ہے کہ ہم عورتوں کو اذان دینے کی اجازت نہیں دیتے کہ عموماً اس میں خوش آوازی سے کام لیا جاتا ہے۔''

محرم کے لیے رعایت:

اسلام نے اظہار زینت' بے پردگی' چبا کر بات چیت کرنے اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ البتہ اپنے ان خصوصی رشتہ داروں کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے جن کو اپنے خصوصی رشتہ کی وجہ سے طبعاً عورت کے لیے خیر کی خواہش ہوتی ہے۔ جیسے باپ' اپنا خاص بھائی' اپنا لڑکا اور اپنا خاص بھتیجا وغیرہ۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

''ولایبدین زینتھن الا لبعولتھن او ابائھن او اباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنحداخوانھن او بنی اخواتھن او نساء ھن او ماملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورت النساء''

(سورۃ النور)

''اور اپنی زینت عورتیں نہ کھولیں مگر اپنے خاوند کے لیے یا اپنے باپ کے آگے یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنی لونڈیوں کے یا خدمت میں مشغول رہنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے' یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی عورتوں کے بھید کو نہیں پہچانا۔''

اس آیت میں جہاں بھائی کا ذکر ہے اس سے صرف اپنا حقیقی' علاتی اور اخیافی بھائی مراد

ہے۔ چچازاد بھائی، ماموں زاد بھائی پھوپھازاد بھائی اور اس طرح کے دوسرے وہ بھائی مراد نہیں ہیں جن سے شادی جائز ہے۔ ان سے بھی پردہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح غیروں سے۔

محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی شادی درست نہ ہو اور ابداء زینت صرف انہی کے سامنے جائز ہے جو محرم ہیں۔

جن کے سامنے ابداء زینت کی اجازت ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کیا ہی جائے۔ ہاں ان کے سامنے کسی وجہ سے ظاہر ہو جائے تو شرعاً مضائقہ بھی نہیں ہے، مگر جن حصوں کا کھولنا جائز ہے وہ ہتھیلیاں اور چہرہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیت گزر چکی ہے اور زیادہ سے زیادہ محرم کے سامنے وہ اعضاء بھی ضرورتاً کھولے جاسکتے ہیں جن میں زیور پہنے جاتے ہیں، میری مراد کان، بازو اور گردن وغیرہ سے ہے۔ ہاں! شوہر سے کسی حصہ کا اخفاء ضروری نہیں ہے۔ البتہ ادب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھے۔

مخنث عورتوں میں نہ آئے:

مخنث کو بھی عورتوں میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔ ابتداء میں اجازت تھی۔ ایک مخنث آنحضرت ﷺ کے گھر میں آتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس کو عورتوں کی ذات میں کوئی توجہ نہیں، مگر تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی کہ اس کو بھی عورتوں کے حسن و جمال سے مناسبت ہے۔ چنانچہ ایک دن وہ بیٹھا کسی عورت کی آمد کا نقشہ کھینچ رہا تھا۔ اس کی خبر جب آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا:

"الا اری ھذا یعلم ماھھنا لایدخلن علیکم"

"یہ یہاں کی باتیں جانتا ہے اب یہ تمہارے پاس نہ آئے۔"

اور اس کے بعد اسے عورتوں میں آنے سے روک دیا گیا۔

مراہق کے لیے ہدایت:

شریعت مطہرہ نے مراہق (قریب البلوغ) لڑکے کو بھی عورتوں میں آنے کی اجازت نہیں دی اور نہ عورتوں کو ان کے سامنے ابداء زینت کی۔ مراہق کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایاکم والدخول علی النساء"

(مشکوٰۃ، باب النظر الی المخطوبہ)

"عورتوں کے پاس آنے جانے سے پرہیز کرو"

شوہر کے عزیز واقارب سے اجتناب:

شوہر کے رشتہ داروں کے سامنے ہونے اور مذاق کرنے کا جو رواج ہے وہ بھی شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ وہ شوہر کا بھائی ہو یا کوئی اور عزیز۔ محرم میں صرف شوہر کا باپ داخل ہے دوسرا کوئی نہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے شوہر کے عزیز واقارب (بھائی) کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"الحمو الموت"

(مشکوٰۃ، باب النظر الی المخطوبہ)

"شوہر کے رشتہ دار عزیز (بھائی) موت ہیں۔"

ان سے تو اور بھی پرہیز کرنا چاہئے جو غیر محرم ہیں اور قرابت دار ہیں، ان کے نزدیک جانا بھی نہیں چاہئے، اس لیے کہ اقارب سے فتنہ کا خوف بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے اور فتنہ میں پڑنے کا زیادہ امکان ہے کیونکہ یہ تو بے دھڑک پہنچیں گے۔

کسی مرد سے تنہائی میں نہ ملے:

اسلام ان تمام خطروں سے عفت وعصمت کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے جن سے عفت پر حرف آسکتا ہے۔ کسی مرد کا عورت سے تنہائی میں ملنا جس قدر خطرہ کا باعث ہوسکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ پھر مزید اس سے تہمت جو خواہ مخواہ آئے گی وہ بھی پوشیدہ نہیں۔ اس لیے رحمت عالم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا: ارشاد نبوی ہے:

"لایخلفون رجل بامرأة الا کان ثالثها الشیطان"

(مشکوٰۃ)

"کوئی مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہیں ملتا ہے، مگر تیسرا شیطان موجود رہتا ہے۔"

ایسی حالت میں شیطان جانبین کی شہوت میں ابھار پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے اور مرد وعورت دونوں کے دل میں برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ یہاں کامیابی نہیں ہوتی تو کسی تیسرے کو بہکاتا ہے کہ ان کے حق میں سوء ظن کا اظہار کرے اور اس طرح ناکردہ گناہ میں کلنگ کا ٹیکہ لگوانا چاہتا ہے۔

اس مہذب زمانہ میں برائی کا سبب بہت کچھ یہی طریقہ ہے کہ عورتیں بے باکانہ تنہائی میں

اجنبی مردوں سے ملتی ہیں اور باتوں باتوں میں مرد عورت پر اپنی محبت کا غلط سکہ بٹھانا چاہتا ہے۔

جن کے شوہر گھر میں نہیں ان سے بچو:

ایک حدیث میں ہے کہ ان عورتوں کے پاس ملنے کے لیے نہ جایا کرو جن کے شوہر گھر میں نہیں ہیں اور اس ممانعت کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ شیطان خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شہوت میں تحریک پیدا کردے۔

"فان الشیطان یجری من احدکم بحری الدم"

(مشکوٰۃ:269)

"اس لیے کہ شیطان تم میں خون کے دوران کی طرح دوڑتا رہتا ہے۔"

اسی حدیث میں ہے کہ راوی نے خود ذات بابرکت ﷺ کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا:

"میرا بھی یہی حال تھا، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شیطان پر مجھے غلبہ حاصل ہو گیا اور اب اس سے ہر طرح محفوظ ہوں۔"

ان حدیثوں کی روشنی میں مرد وعورت کی باہمی کشش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ موجودہ دور میں جو کچھ فتنے پیدا ہوتے رہتے ہیں ان سے بھی اس کی پوری تائید ہوتی ہے اور ہر ذی عقل حدیث کے اس نقطہ نظر کے ماننے پر مجبور ہے۔

ام المومنین صفیہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ معتکف تھے۔ میں ایک رات آپ ﷺ سے ملنے گئی۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے بات چیت کی، پھر اٹھی کہ واپس چلی چلوں۔ میرے ساتھ آنحضرت ﷺ بھی ہو لیے تاکہ مجھے گھر تک پہنچا دیں۔ ہم دونوں جا رہے تھے کہ دو انصاری بزرگ گزرے اور جب ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو اور جلدی سے چل دیئے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا:

اطمینان سے جاؤ! یہ میرے ساتھ صفیہ بنت حیی ہیں۔"

ان دونوں نے کہا:

"سبحان اللہ! یا رسول اللہ" یعنی کیا آپ کے متعلق بھی بدگمانی ہوسکتی ہے۔؟"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم وانی خشیت

ان یقذف فی قلوبکما شرا او قال شیئا "

(ریاض الصالحین، کتاب الملح والمنثورات، صفحہ نمبر 683)

" آدمی میں شیطان خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ تم دونوں کے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔"

بے پردگی کا انجام:

اب تک اس باب میں قرآن مجید، احادیث اور عقل انسانی کی روشنی میں بحث کی گئی مگر کچھ لوگوں کو اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی' جب تک وہ اہل یورپ کی رائے نہیں ملاحظہ کر لیتے۔ چنانچہ ایسے روشن خیال طبقہ کے لیے انسائیکلوپیڈیا وغیرہ کے حوالہ سے کچھ اقوال نقل کیے جاتے ہیں جن سے ہمارے مطمح نظر کی تائید ہوتی ہے:

رومن ایمپائر جو تمام یورپ کی ماں ہے اور جو حکومت تمدن و تہذیب کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھی' یہاں رومن امپائر میں بھی عروج و ترقی کے زمانہ میں عورتیں پردہ ہی میں رکھی جاتی تھیں۔ ان کو باہر کے کاموں سے کوئی مناسبت نہ تھیں۔ انیسویں صدی کی انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے:

" رومانیوں کی عورتیں بھی اسی طرح کام کاج پسند کرتی تھیں جس طرح مرد پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں۔ ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان جنگ میں سرفروشی کرتے رہتے تھے۔ خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں کے اہم کام یہ بھی تھے کہ وہ سوت کاتیں اور اون کو صاف کر کے اس کے کپڑے بنائیں۔ رومانی عورتیں سخت پردہ کیا کرتی تھیں یہاں تک کہ اُن میں جو عورت دایہ گری کا کام کرتی تھی وہ اپنے گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی اور اس کے اوپر ایک موٹی چادر اوڑھتی جو ایڑی تک لٹکتی رہتی پھر اس چادر پر بھی ایک عبا اوڑھی جاتی جس کے سبب سے اس کی شکل کا نظر آنا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔"

اس دور میں اس ملک اور قوم کی ترقی و عروج کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ تمام شعبہائے زندگی میں سب سے فائق تھے۔ مگر ٹھیک یہی زمانہ تھا کہ ان کو عیش پرستی اور لہو و لعب کا شوق پیدا ہوا اور پھر اس سلسلہ میں مردوں نے اپنی ہر مجلس نشاط میں عورتوں کو شریک کرنا چاہا کہ ان کے بغیر مجلس سونی اور بے رونق معلوم ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کو پردہ کی قید سے باہر نکالا اور ان کے

دامن عصمت کو داغدار کرنے کی سعی کی اور کچھ ہی دنوں میں ان کی عورتیں ناچ ورنگ کی محفلوں میں کھل کر آ گئیں۔ پھر رومانی حکومت کا کیا حشر ہوا؟ بربادی شروع ہو گئی اور ساری عظمت وشوکت کی عمارت زمین پر آ گئی اور بلاشبہ اس بربادی کا بڑا سبب عورتوں کی آزادی ہی تھی۔ تاریخ کی روشنی میں علامہ فرید وجدی تحریر فرماتے ہیں:

''مگر بات یہ ہوئی کہ جب انہیں بے پردہ بنایا گیا تو باقتضائے فطرت مرد اُن پر مائل ہونے لگے اور اس کے لیے آپس میں کٹنا مرنا شروع کر دیا۔ یہ ایک ایسی سیاسی حقیقت ہے جس کے ماننے میں کوئی شخص بحث ہی نہیں کر سکتا ہے۔''

علامہ لوئش پیرول نے ریویو آف ریویوز جلد 11 میں ''پولیٹکل فساد'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں کہتا ہے:

''اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی بنیادیں منہدم کرنے میں سب سے زبردست کارکن عورت ہی رہی ہے۔ رومانی جمہوری حکومت کے پچھلے دور میں مدبران سلطنت اور اعیان مملکت نازک مزاج اور عیش پسند عورتوں کی صحبت بہت پسند کرنے لگے تھے اور ایسی عورتیں ان دنوں بکثرت پائی جاتی تھیں۔''

پھر عورتوں کے بے پردہ ہونے اور آزادی پانے کے بعد ملک کی کیا حالت ہوئی؟ تاریخ میں پڑھیئے عورتوں کی آزادی کی وجہ سے ملک کے اخراجات بہت زیادہ بڑھ گئے۔ فتنہ وفساد کے چشمے اُبلنے لگے اُن کے اخلاق واعمال نے تعفن پیدا کر دیا اور پھر ہوا یہ کہ:

عورت ومرد کے اس آزادانہ میل جول کہ وجہ سے روما والوں میں جیسی کمینہ عادتیں اور گندہ خصلتیں پیدا ہو گئیں تھیں کہ میرا قلم ان کے لکھنے سے شرماتا ہے، جن سے ان کی ہمتیں مردہ ہو گئیں، ارادے پست ہو گئے اور طبیعتوں میں کمینہ پن آ گیا۔ پھر تو ان میں باہمی چشمک اور خون ریزی وخانہ جنگی کا زور ہوا اور یہ فساد اس قدر بڑھا کہ انسانیت کا ان میں نام تک نہیں رہا۔''

یہ ایک تاریخی واقعہ تھا جو آپ نے سامنے پیش کیا گیا، مگر عرض یہ کرنا ہے کہ عورتوں کے متعلق حجاب کا جو خداوندی قانون ہے، تجربات کی روشنی میں اہل یورپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ چنانچہ فلسفہ حسی کا موسس گسٹ کونٹ اپنی مشہور تصنیف ''النظام ایسیاسیہ علی حسب الفلسفۃ الحیہ'' میں لکھتا ہے:

جس طرح ہمارے زمانہ میں عورتوں کی سوشل حالت کے متعلق خیالی گمراہیاں پیدا ہو رہی ہیں اسی طرح تغیر نظام تمدن اور آداب معاشرت کے ہر ایک دور میں پیدا ہوتی رہی ہیں، مگر وہ لاء آف نیچر جو جنس محبّ (عورت) کو منزلی زندگی کے لیے مخصوص رکھتا ہے' اس میں کبھی کوئی اہم تغیر واقع نہیں ہوا۔ یہ قانون الٰہی اس درجہ صحیح اور محقق ہے کہ گو اس کی مخالفت میں سینکڑوں باطل خیالات قائم ہوتے رہے، مگر یہ بغیر کسی نقصان یا تغیر کے سب پر غالب آتا رہا۔ مردوں کے مشاغل میں عورتوں کی کثرت سے جو خوفناک نتائج اور فساد پیدا ہو رہے ہیں ان کا علاج یہی ہے کہ دنیا میں جنس عامل (مرد) پر جنس محبّ (عورت) کے جو امدی فرائض ہیں' ان کی حد بندی اور تعیین کر دی جائے۔ مرد پر واجب ہے کہ عورت کے تغذیہ کا انتظار کرے' یہی وہ قانون طبعی اور ناموس الٰہی ہے جو جنس محبّ کی اصلی زندگی کو منزلی دائرہ میں محدود کرتا ہے۔ یہی وہ قاعدہ ہے جو ہیئت اجتماعی کے خوفناک اور مہیب اشکال کو احسن واکمل کر دیتا ہے۔ یہی وہ قانون ہے جو عورت کو اپنے طبعی جذبات سے ترقی نوع انسانی جیسے شریف فرض کی بجا آوری پر آمادہ کرتا ہے۔

علوم مادیہ کا ایک اور ماہر ژول سیمان اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے:

''عورت کو چاہیے عورت رہے۔ ہاں بے شک عورت کو چاہیے عورت رہے۔ اسی میں اس کے لیے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ قدرت کا یہ قانون ہے اور قدرت کی یہ ہدایت ہے' اس لیے جس قدر عورت اس سے قریب ہوگی اس کی حقیقی قدر و منزلت بڑھے گی اور جس قدر دور ہوگی اس کے مصائب ترقی کریں گے۔ بعض فلاسفہ انسانی زندگی کو پاکیزگی سے خالی سمجھتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ انسان کی زندگی دلفریب، پاک اور بے حد پاکیزہ ہے، بشرطیکہ ہر مرد اور ہر عورت اپنے ان مدارج سے واقف ہو جائے جو قدرت نے اس کے لیے قرار دیئے ہیں اور اپنے ان فرائض کو ادا کرے جو قدرت نے اس کے لیے قرار دیئے ہیں۔

غیر عورت کی حالت:

اسلام نے ان راستوں پر بھی پہرہ بٹھا دیا ہے جو غیر محسوس طور پر عفت و عصمت کے لیے

خطرناک ہیں۔ مثلاً رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

''عورت جب عورت سے ملے اور اسے دیکھے تو وہ جا کر دوسری عورت کا حال کھول کر اپنے شوہر سے بیان نہ کرے کہ ممکن ہے اس کے شوہر کے دل میں دوسری عورت کی خوبی اور اس کا حسن و جمال گھر کر جائے اور وہ اس کے پیچھے پڑ جائے۔''

مرد اپنی بیوی کا راز ظاہر نہ کرے:

اسی طرح رحمت عالم ﷺ نے مرد کو بھی منع کیا ہے کہ وہ اپنے باہمی راز کی بات کسی غیر مرد سے بیان کرے۔

عورت کو جس طرح دوسری عورت کی ہیئت جسمانی وغیرہ کے بیان سے روکا گیا ہے اسی طرح یہاں مرد کو روکا گیا ہے کہ اپنی بیوی کے پرائیویٹ پہلو کو کسی کے سامنے بیان کرے۔ یہاں اور باتوں کے ساتھ ایک بات یہ ہے کہ دوسرے کے جذبات کو برانگیختہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ انسانی شہوت کا حال یہ ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے فطرتاً اس میں تلاطم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی انسانی دماغ کہاں کہاں کے چکر لگانے لگتا ہے، اس لئے عقل و شعور کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کی بے ہودہ باتوں سے پرہیز کیا جائے اور شہوت انگیز باتوں سے مکمل اجتناب برتا جائے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ بلافائدہ مجملاً جماع کا تذکرہ بھی مکروہ ہے۔ وہاں ضرورت کی بات اور ہے جیسے کوئی یہ سمجھے کہ جماع پر اس کو قدرت نہیں ہے تو البتہ ایسے موقع پر جماع کا تذکرہ مکروہ نہ ہوگا اور تفصیل تو ہر حال میں حرام اور بری چیز ہے۔

ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی باتوں سے اجتناب

شریعت نے اسی وجہ سے ہر اس طریقہ سے منع کیا ہے جو انسانی طاقت میں ہیجان پیدا کر سکتا ہے اور جس سے کسی فتنہ وفساد یا گناہ اور معصیت کا اندیشہ سامنے آسکتا ہے۔ سید الکونین ﷺ نے سارے دواعی پر کڑی نگرانی فرمائی ہے۔ کوئی بھی داعیہ جو عقل و شعور میں معصیت کا موجب ہو سکتا ہے اس کو عمل میں لانے سے منع فرما دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ''
(مشکوٰۃ، باب النظر الی المخطوبہ)

''کوئی مرد دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے اور نہ عورت ہی دوسری عورت کا ستر دیکھے۔''

انسانی فطرت ہے کہ ستر کے دیکھنے سے شہوت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ مرد مرد کا ستر دیکھے یا عورت عورت کا' یا یہ شکل ہو کہ مرد عورت کا ستر دیکھے اور عورت مرد کا ستر دیکھے۔ شہوت میں جب ہیجان پیدا ہوتا ہے تو خطرہ منڈلانے لگتا ہے، انسانی طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے اور پھر ایک غلط جذبہ اس کے دل میں گھر کر لیتا ہے' کبھی مرد کو مرد سے عشق ہو جاتا ہے اور طبیعت میں گندگی ہے تو موقع پا کر گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کبھی اس کی شہوت کا زور اسے کسی اجنبی عورت کی طرف مائل کر دیتا ہے اور کم و بیش یہی حال عورت کا ہوتا ہے کہ کبھی وہ آپس میں عشق و محبت کی داستان چھیڑ دیتی ہے اور کبھی کسی غیر مرد سے نظر لطف و کرم کی متمنی ہوتی ہے اور یہ دونوں ہی طریقے غلطی میں بلکہ معصیت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ پھر یہ بھی بات ہے کہ ستر پوشی اسلام میں ضروری ہے اور دیکھنا اس کے خلاف ہوتا ہے، یوں بھی رسم و رواج میں ستر پوشی ایک ضروری چیز سمجھی جاتی ہے اور اس کے خلاف کرنا ذلت کی بات۔

ایک ساتھ دو مرد یا دو عورتیں نہ لیٹیں:

انسانی طبیعت اور اس کی قوت شہوت ہی کے پیش نظر اسلام نے اس بات سے بھی روکا ہے کہ دو مرد ایک ساتھ ایک کپڑے میں سوئیں یا لیٹیں۔ اسی طرح دو عورتیں ایک کپڑے میں لیٹیں یا سوئیں۔ اسی حدیث کا آخری حصہ ہے:

"ولا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ فی ثوب واحد"

(مشکوۃ، باب النظر الی المخطوبہ)

"کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ کوئی عورت ہی دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں سوئے یا لیٹے۔"

ایک ساتھ دو مرد یا دو عورت کا لیٹنا نفسیات نے بھی غلط ثابت کر دیا ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ خوشگوار نہیں ہوتا۔ یہ چیز شہوت میں بہت ہیجان کا باعث ہو جایا کرتی ہے جس سے کبھی کبھی سحاق کی رغبت ہوتی ہے اور کبھی لواطت کی جو نہایت مبغوض فعل ہیں۔

عورت تنہا سفر نہ کرے:

اسلام نے عفت و عصمت کو کہیں بھی بے سہارے نہیں چھوڑا ہر جگہ گنجائش پر اس کے تحفظ کی سعی کی ہے۔ زندگی میں اگر کبھی عورت کو سفر کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسلام سفر میں بھی اس کی

عصمت کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ قانون الٰہی ہے کہ عورت سفر میں اس وقت تک نہیں جا سکتی جب تک کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو۔ حج جو عبادات میں داخل ہے اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے اس کی ادائیگی بھی وہ بغیر محرم کے نہیں کر سکتی۔ ظاہری احتیاط کو بھی اسلام نے اس باب میں فراموش نہیں کیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"لایحل لامرأة تومن باللّٰہ والیوم الاخر تسافر مسیرة یوم ولیلة الامع ذی محرم علیھا"

(ریاض الصالحین)

"مومنہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر محرم کو ساتھ لیے ایک دن اور ایک رات کی مسافت تنہا طے کرے۔"

محرم وہ شخص ہے جس سے کبھی بھی اس کی شادی جائز نہ ہو جیسے اپنا بھائی، باپ وغیرہ یا وہ شوہر کے ساتھ ہو۔ بغیر محرم کے تنہا عورت کا سفر حرام ہے۔ محرم کے علاوہ کوئی غیر محرم ساتھ ہو اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ عقل میں بھی بات آتی ہے کہ گھر چھوڑ کر عورت جب باہر جاتی ہے تو اسے خطرات سے ہو کر راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ راستہ میں نیک و بد ہر طرح کے آدمیوں سے ہو کر راستہ طے کیا جاتا ہے۔ خلقتاً عورتیں کمزور ہوتی ہیں، جذبات کی نازک ہوتی ہیں، ان کے عقل و شعور میں نسبتاً وہ پختگی نہیں ہوتی جو ہونی چاہئے، اس لیے ایسے موقع پر کسی خاص آدمی (جیسے شوہر، باپ، بھائی وغیرہ) ہی ساتھ ہونا ضروری ہے جو اس کی ہر موقع پر مناسب امداد کر سکے اور کبھی رفیق سفر سے امداد و اعانت سے متاثر ہو تو کوئی غلط جذبہ ابھارنے والا نہ ہو۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لایخلون رجل بامرأة الا ومعھا ذو محرم ولا تسافر المرأة الا ذی محرم فقال رجل یا رسول اللّٰہ ان امرأتی خرجت حاجة وانی کتبت فی غزوة کذا وکذا قال انطلق فحج مع امرأتك"

(ریاض الصالحین: 178)

"کوئی مرد کسی ایسی عورت سے نہ ملے جس کا محرم اس کے ساتھ نہ ہو اور کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میری بیوی حج کو جا رہی

ہے اور میں نے غزوہ کی شرکت کا ارادہ کرلیا ہے۔؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے جا۔"

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے عورتوں کے متعلق قانون الٰہی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی عفت و عصمت اور دوسری ضروریات کا کتنا لحاظ اور پاس ہے۔ جہاد کے مقابلہ میں اس بات کو ترجیح دی گئی کہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ سفر حج میں جائے' عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ جہاد کی شرکت سے بھی ضروری اس وقت عورت کے ساتھ جانا ہے۔

سفر میں جاتے ہوئے گھر کی حفاظت:

مرد سفر میں جاتا ہے تو وہاں بھی عورتوں کو فراموش نہیں کرسکتا۔ اپنی اور بیوی دونوں کی عفت و عصمت اور دوسری ضرورتوں کا لحاظ پاس کرنا ضروری ہے۔ سفر کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایسی دعائیں پڑھے جس میں اپنے اور اپنے بال بچوں کے تحفظ اور آرام کی درخواست ہو۔ رحمت عالم ﷺ جب سفر کے لیے نکلتے تو دعا پڑھتے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

"اللهم انت الصاحب في السفر والخليفة في الاهل اللهم انی اعوذبك وعثاء السفر وكابه المنظر وسوء المنقلب في المال الاهل"

(ریاض الصالحین، باب مایقولہ اذا رکب)

"اے اللہ! تو سفر میں مالک ہے اور اہل و عیال میں خلیفہ۔ اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ سفر کی مشقت، برے منظر اور اس سے کہ مال اور عیال میں برائی دیکھوں۔"

امت کو بھی یہ ہدایت ہے کہ نکلتے ہوئے یہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ تمام اور باتوں کے ساتھ رب العزت تو میرے بال بچوں کی محافظت کرنا' الہ العالمین! اس بات پناہ مانگتے ہیں کہ سفر سے واپسی پر مال اور بال بچوں میں کوئی ناگوار بات دیکھنے میں آئے۔ گویا اس طرح وہ اپنے بال بچوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی محافظت میں دیتا ہے یوں تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی محافظ ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جہاں سفر کی ضرورت پوری ہوجائے فوراً اپنے بال بچوں میں واپس آؤ۔ ارشاد نبوی ہے:

”السفرة قطعة من العذاب يمنع احدكم طعامه و شرابه و نومه فاذاقضى نمته من سفره فليجعل الى اهله“

(ریاض الصالحین، باب استحباب تعجیل السفر)

”سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ تم کو کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے۔ لہٰذا جوں ہی سفر کی ضرورت ختم ہو جلدی سے بال بچوں میں پلٹ آؤ۔“

مجاہدین کے گھروں کی عفت کا خیال:

مجاہدین اسلام کی بیویاں جو شوہروں کے جہاد میں چلے جانے کے بعد تنہا رہ جاتی ہیں' ان کے درجہ اور ان کی حرمت کو عام مسلمانوں کی عورتوں سے بہت بڑھا کر رکھا گیا ہے۔ ان کو ماں کا درجہ دیا گیا ہے اور ان کی عفت و عصمت کا لحاظ ہر مسلمان پر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ فرماتے ہیں:

”حرمة نساء المجاهدين على القاعدين كحرمة امهاتهم ما من رجل من القاعدين يخلف رجلا من المجاهدين فى اهله فيخونه فيهم الا وقف له يوم القيامة فياخذ من حسناته ما شاء حتى يرضى“

(ریاض الصالحین، باب تحریم الخلوة بالاجنبیة:665)

”مجاہدین کی بیویوں کی عزت گھر پر رہنے والوں کے لیے ان کی ماں کے برابر ہے کوئی گھر میں رہنے والا مجاہدین میں سے کسی کے اہل میں خیانت کا ارتکاب کرے گا تو قیامت کے دن اس مجاہد کو لایا جائے گا اور وہ اس خائن کی جتنی نیکیاں لے کر خوش ہو گا لے لے گا۔“

حکم اجازت:

حصول اجازت کا حکم:

اسلام نے جہاں تمام جزئی و کلی امور کے لیے قوانین وضع کیے اور ضابطے مقرر کیے وہاں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ گھروں کے داخلہ کے لیے کوئی باضابطہ دستور نہ بناتا۔؟ چنانچہ اس نے عفت و عصمت کے تحفظ اور دوسری حکمتوں کے پیش نظر یہ ضابطہ قرار دیا کہ کوئی غیر کے گھر میں اس کے

مالک کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو اور پھر حصول اجازت کا طریقہ بھی بتایا کہ اسے عمل میں لا کر اجازت طلب کرے۔

مستثنیٰ جگہیں:

سوائے اس گھر کے جو رہن سہن کے لیے نہیں ہے، یا ہے، مگر وہ عام ہے، آنے کی کسی کو رکاوٹ نہیں، جیسے خانقاہ کا وہ حصہ جو عوام و خواص ہر ایک کے لیے ہے۔ مدرسہ جہاں کسی کو ممانعت نہیں۔ سرائے جو ہر شخص کے لیے برابر ہے۔ دروازہ اور دالان جو بنایا ہی عام لوگوں کے لیے گیا ہے، یا وہ گھر جس میں کوئی رہتا نہیں ہے، اس طرح کے گھر میں تو بلاشبہ بغیر حصول اجازت بھی آ سکتا ہے کہ یہ اپنے وضع ہی کے اعتبار سے عام ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونة فیها متاع لکم واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون"

(سورۃ النور)

"اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں تمہارا سامان ہے اور اس میں کوئی رہتا بستا نہیں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو اللہ کو معلوم ہے۔"

ہاں جن لوگوں کو ایسے عام گھروں سے روک دیا گیا ہے وہ البتہ نہیں جا سکتے ہیں۔

لاتدخلوا:

بقیہ اور دوسرے گھروں کا حکم یہ ہے کہ بغیر اجازت داخل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"یاایها الذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اهلها ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون"

(سورۃ النور)

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا کسی گھر میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور اس گھر والے کو سلام نہ کر لو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو۔"

خواہ کیسا ہی گھر اور گھر والا ہو:

غیر کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو پہلے شرعی طریقہ سے اجازت حاصل کر لی جائے۔ یہ گھر خواہ اس کی ملکیت ہو یا وہ کرایہ پر رہتا ہو یا وہ عاریتہً اس میں گزر بسر کرتا ہو۔ پھر اس گھر میں محارم ہوں یا غیر محارم۔ مرد رہتے ہوں یا عورتیں۔ تمام شکلوں میں جو مختار خانہ ہے اس سے اجازت لینی چاہیے، بغیر اس کے کوئی چارہ کار نہیں۔ خود گھر والا اجازت دے یا اس نے جس کو اجازت دینے کا اختیار دیا ہے وہ اجازت دے۔

حصولِ اجازت کا مسنون طریقہ:

حصولِ اجازت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہاں پہنچ کر سلام کرے اور پوچھے کیا میں اندر آؤں۔؟ آنے کی اجازت مل جائے تو اندر جائے، اجازت نہ ملے یعنی گھر کے مختار نے کہا کہ ابھی نہیں آسکتے تو ایسی حالت میں فوراً پلٹ آئے، اصرار نہ کرے اور نہ زبردستی کرے۔ اگر آواز دی جواب نہیں ملا تو تین مرتبہ اذن کے لیے شرعی طریقہ اختیار کرے۔ تیسری مرتبہ بھی کوئی جواب نہ ملے تو پلٹ آئے۔

جہاں شبہ ہے:

ایسا گھر جس کے متعلق صراحت کے ساتھ معلوم نہیں ہے کہ اس میں کوئی ہے یا نہیں تو اس طرح کی مشکوک حالت میں بھی بغیر اجازت اندر داخلہ کا حکم نہیں ہے۔ ارشاد رب العالمین ہے:

"فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکی لکم واللہ بما تعملون علیم"

(سورۃ النور)

"پھر اگر اس میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو، جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے اور اگر جواب دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو پھر جاؤ۔ اس میں تمہارے لئے پاکیزگی ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔"

جب صاحب خانہ کہہ دے کہ واپس چلے جاؤ:

فرض کر لیا جائے کہ گھر میں کوئی نہ ہو تو سوال ہے کہ دوسرے کے یہاں تم جانے کا کیا حق

رکھتے ہو جب کہ وہ گھر ایسا ہے جہاں اذن عام نہیں اور گھر والے نے جب کھل کر کہہ دیا کہ واپس جایئے تو پھر کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس کے بعد زبردستی جانا کسی کو ایذا دینا ہے اور ایذا سخت جرم ہے۔ دوسرے اپنی رسوائی بھی ہے کہ خواہ مخواہ دوسرے کے یہاں جم گئے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ جب کہہ دیا گیا کہ واپس ہو جاؤ تو اجازت کے حصول کے لیے اصرار نہ کیا جائے۔ پردہ میں سہولت کا طالب نہ ہو اور نہ دروازہ پر کھڑے ہو کر انتظار کیا جائے، کیونکہ یہ ساری شکلیں کراہت سے خالی نہیں ہیں۔ نیز آداب حسنہ کے خلاف ہیں، بلکہ واپس پلٹ جائے، دروازہ پیٹنے کی اجازت نہیں ہے۔

استیذان واجب ہے..... طلب اجازت کے فوائد:

پھر طلب اذن میں بڑی حکمت اور بہت فائدے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ طلب اذن جس کو حدیث کی اصطلاح میں ''استیذان'' کہتے ہیں واجب ہے اور واجب پر عمل ضروری ہے۔

دوسرا یہ کہ کیا معلوم دفعتہً اندر جانا تمہارے لیے خود مضر ہو یا گھر والے کا اس سے نقصان ہو اور ان میں سے جو بھی صورت ہو ہر ایک سے اجتناب ضروری ہے۔

تیسرا یہ ہو سکتا ہے کہ دفعتہً یکبارگی جانے میں نظر ایسے محل پر پڑے جہاں دیکھنا ناگوار خاطر ہو، خود جانے والے کے لیے بھی اور گھر والوں کے لیے بھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دفعتہً کسی ناپسندیدہ یا ناجائز چیز پر نظر پڑ جانے سے زندگی کو روگ لگ جاتا ہے، اس لیے عقل و خرد کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کے گھر میں اجازت حاصل کیے بغیر گھسنے کی جرأت نہ کی جائے۔

ایسی حویلی جس میں ایک باپ کی متعدد اولادیں ہوں اور وہ سب یا کچھ ان میں سے شادی شدہ ہوں تو ایسی حالت میں بھی اپنا خیال ہے کہ اصول کے مطابق اجازت کے حصول کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ غیر محرم عورتیں ہیں یا کم از کم ایسی صورت اختیار کی جائے کہ گھر کی عورتیں داخل ہونے سے پہلے خبردار ہو جائیں اور وہ اپنے کو سنبھال لیں اور یہ طریقہ ہر زنانہ گھر میں جانے کے وقت اختیار کرنا چاہیے۔

طلب اجازت کے بارے میں حکم رسالت:

رحمت عالم ﷺ نے استیذان کی تعلیم عملی طور پر صحابہ کرام کو دی، اس لیے اس سے متعلق واقعات حدیث کی کتابوں میں بکثرت آئے ہیں۔ طلب اذن کے باب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الاستيذان ثلاث فان اذن لك و الافارجع"

(ریاض الصالحین، باب الاستیذان)

"طلب اذن تین مرتبہ ہے۔ اگر اجازت مل جائے تب تو خیر ورنہ واپس ہو جانا چاہیے۔"

سلام پہلے لے:

1: بنی عامر کے ایک شخص کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ گھر کے اندر تھے۔ دروازہ پر پہنچ کر درخواست کی کہ داخل ہونے کی اجازت ہے۔؟ رسول اکرم ﷺ کو یہ آواز پہنچی تو خادم سے فرمایا:

"باہر جو شخص آیا ہے اس کے پاس جاؤ اور اس کو اجازت طلب کرنے کا شرعی طریقہ سکھاؤ۔ اسے بتانا کہ تم اس طرح کہو: "السلام علیکم" کیا میں اندر آؤں۔؟"

دروازہ پر جو شخص آیا تھا اس نے آنحضرت ﷺ کی اس ہدایت کو جو آپ اندر اپنے خادم کو دے رہے تھے، سن لیا اور آپ سے کہا:

"السلام علیکم" اندر حاضر ہو سکتا ہوں۔؟"

نبی کریم ﷺ نے جب شرعی طریقہ سے طلب اذن سنا تو آپ نے اس کو اجازت دے دی اور وہ شخص اندر آیا۔

2: حضرت کلدہ بن الحنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور بغیر سلام کیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"واپس جاؤ اور یہ کہو: "السلام علیکم" کیا میں اندر آؤں۔؟"

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اجازت جب لینی ہو تو پہلے سلام کیا جائے پھر اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کرے۔ بغیر سلام طلب اذن ناپسندیدہ طریقہ ہے۔ اوپر والی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجازت کے لیے تین مرتبہ آواز دی جائے گی۔ تیسری مرتبہ بھی جب جواب نہ ملے تو واپس ہو جائے۔

تین مرتبہ اذن نہ ملنے پر پلٹ جائے:

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے یہاں تشریف لائے اور اجازت چاہی۔ تین مرتبہ سلام کے ساتھ اجازت طلب کی۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو تیسری مرتبہ

کے بعد واپس ہو گئے۔ اتنے میں حضرت سعد دوڑے آئے اور آپ ﷺ کو لے گئے۔

2: حضرت ابو موسیٰ اشعری حضرت عمر کی خدمت میں آئے۔ تین مرتبہ شرعی طریقہ کے مطابق اجازت طلب کی۔ کوئی جواب نہ ملا تو پلٹ آئے۔ حضرت عمر کسی کام میں مصروف تھے۔ اطمینان ہوا تو فرمایا:

''اُن (ابو موسیٰ) کو بلا لو۔''

آدمی ان کو بلانے باہر آیا تو دیکھا حضرت ابو موسیٰ جا چکے ہیں۔ جا کر حضرت عمر کو خبر دی۔ پھر دوبارہ کسی موقع پر حضرت ابو موسیٰ آئے تو حضرت عمر نے دریافت فرمایا:

''اس وقت کیوں واپس ہو گئے۔؟''

جواب دیا کہ تین مرتبہ میں نے اجازت چاہی۔ اجازت کی آواز نہیں آئی تو چل دیا، کیونکہ رحمت عالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''ان استاذن احدکم ثلاثا فلم یوذن له فلینصرف''

(تفسیر ابن کثیر، جلد 3، صفحہ نمبر 278)

''تم میں سے کوئی تین بار طلب اذن کرے اور اس کو اجازت نہ دی جائے تو اس کو پلٹ آنا چاہیے۔''

تین مرتبہ اجازت میں راز:

استیذان میں تین سلام جو رکھے گئے ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ پہلا گھر والے سن لیں، دوسرے سلام کی آواز پر سنبھل جائیں اور تیسرے کی آواز پر اجازت دیں یا روک دیں۔

جھانکنا منع ہے:

اجازت کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ دفعتہً گھر والے کو دیکھ نہ لے۔ خود سید الکونین ﷺ ایک مرتبہ اپنے حجرہ میں بیٹھے ایک چھری لیے کھجلا رہے تھے کہ کوئی آیا اور جھانکنے لگا۔ آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو بہت خفا ہوئے اور فرمایا:

''اگر مجھے علم ہوتا تو اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالتا۔ کیا اس کو معلوم نہیں ہے کہ دیکھ لینے ہی کی وجہ سے طلب اذن کا قانون بنایا گیا ہے۔''

(صحیح بخاری، باب الاستیذان من اجل البصر، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 60)

دروازہ کے مقابل کھڑا نہ ہو:

اصولی طور پر آدمی کو دروازہ سے علیحدہ ہو کر کھڑا ہونا چاہئے۔ دائیں بائیں جدھر مناسب ہو کھڑا ہو جائے۔ دروازہ کے بالکل مقابل نہ کھڑا ہو۔

حضرت عبداللہ بن بسر کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی دروازہ پر آتے تو دروازہ کے مقابل نہیں کھڑے ہوتے تھے، بلکہ دائیں جانب کھڑے ہوتے یا بائیں جانب اور فرماتے:

"السلام علیکم! السلام علیکم!"

راوی کا بیان ہے کہ عہد نبوی میں دروازوں پر پردہ لٹکانے کا رواج نہیں تھا۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ اگر پردہ ہو تو دروازہ کے سامنے کھڑا ہونا بھی ناجائز نہیں ہے، مگر اصول کے پیش نظر اب بھی مناسب یہی ہے کہ دروازہ کے بالکل مقابل کھڑے ہو کر اجازت طلب نہ کی جائے، کیونکہ بسا اوقات پردہ اٹھا کر کوئی اندر سے نکلتا ہے تو سامنے سے گھر کے آدمی پر نظر پڑ جاتی ہے۔

ایک شخص آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر حاضر ہوا اور اجازت طلب کی۔ وہ شخص دروازہ کے مقابل تھا۔ آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا:

"ایسے (دائیں) یا ایسے (بائیں) کھڑے ہو۔ طلب اذن نگاہ ہی کی وجہ سے ہے۔"

تانک جھانک منع ہے:

دروازہ پر پہنچ کر تاک جھانک نہیں کرنی چاہئے۔ یہ تاک جھانک دروازہ کی دراز سے ہو یا کھڑکی وغیرہ سے، کیونکہ اس سے مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ پھر اس لیے کہ آپ ابھی پڑھ چکے کہ نگاہ ہی سے بچنے کے لیے یہ قاعدے وضع کیے گئے۔ رحمت عالم ﷺ نے اس سے سختی سے ممانعت کی ہے۔ صحیحین میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لو ان امرء اطلع علیك بغیر اذن فخذفته بحصاة ففقات ما كان علیك جناح"

"اگر کوئی بغیر اجازت تم کو جھانکے اور تم اس کو کنکری اٹھا کر مارو جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔"

جس جرم کی اتنی سخت سزا رحمت عالم ﷺ کی نگاہ میں ہو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فی نفسہ یہ جرم کتنا بڑا ہوگا۔

میں ہوں کا کیا مطلب ہے؟:

سلام کے بعد طلب اذن کے لیے جب آواز دے اور گھر سے کوئی پوچھے: ''تو کون ہے؟'' تو اجازت چاہنے والے کو اپنا مشہور نام بتانا چاہیے۔ جواب میں یہ نہیں کہنا چاہیے:

''میں ہوں۔''

اس لیے کہ اس سے پتہ نہیں چلتا کہ کون آیا ہے، تا کہ گھر والے کو اجازت دینے میں سہولت رہے۔ آنحضرت ﷺ نے مبہم جواب کو نا پسند فرمایا ہے۔

ایک دفعہ حضرت جابر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اندر سے فرمایا:

''کون ہیں۔؟''

حضرت جابر نے کہا:

''میں ہوں۔''

رحمت عالم ﷺ نے اس کو سن کر نا پسند فرمایا اور کہا:

''یہ ''انا انا'' (میں میں) کیا ہے۔؟''

طریقہ استیذان کی صحابہ کرام نے بھی تعلیم فرمائی، خود بھی برابر عمل کیا اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تاکید کی۔

اپنے گھر میں بھی اجازت:

یہ استیذان اپنے لوگوں سے بھی چاہیے، یعنی اپنی ماں بہن وغیرہ ہوں تو ان سے بھی اجازت لے کر اندر داخل ہونا چاہیے، بلکہ بڑی حد تک ضروری ہے۔ استیذان والی آیت کے شان نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور شکوہ سنج ہوئی کہ کبھی میں اس حال میں ہوں کہ میں پسند نہیں کرتی کہ کوئی مجھے دیکھے، خواہ باپ ہو، خواہ بیٹا اور تماشا یہ ہے اسی حال میں ہوتی ہوں اور گھر والے آتے جاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

''لاتدخلوا بیوتا''

حضرت زینب کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جب کسی ضرورت سے اندر آتے تو پہلے دروازہ پر آ کر رک جاتے، کھانستے، تھوکتے اور اس کے بعد اندر آتے۔ دفعتہً بغیر اطلاع آنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ زینب حضرت عبداللہ بن مسعود کی زوجہ محترمہ ہیں۔

حضرت ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ جب گھر آتے تو اجازت طلب کرتے' دروازہ پر آکر زور سے آواز دیتے۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

"آدمی جب اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو دروازہ پر آکر زور سے کھانسے یا زور سے اپنا جوتا پٹکے جس سے اندر خبر ہو جائے کہ مرد آرہا ہے۔"

ماں سے اجازت:

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

"اپنی ماں سے بھی اجازت طلب کروں۔؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں! استیذان ماں سے بھی ہے۔"

اس نے کہا:

"میں تو ان کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔"

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ان سے بھی اجازت لے لیا کرو۔"

اس شخص نے کہا:

"میں ان کی خدمت کرتا ہوں یعنی اس وجہ سے برابر آنا جانا ہوتا ہے، پھر طلب اذن کی کیا ضرورت ہے۔ میرے لیے دشواری بڑھ جائے گی۔"

آنحضرت ﷺ نے سمجھا کر فرمایا:

"اپنی ماں کی خدمت میں بھی حاضر ہونا ہے تب بھی اجازت حاصل کر لیا کرو۔ کیا تم ماں کو ننگی دیکھنا پسند کرو گے۔؟"

اس نے کہا:

"نہیں!"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو پھر اسی وجہ سے تو کہتا ہوں کہ اجازت حاصل کر کے جاؤ۔"

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''غیر کے گھر میں اذن حاصل کرنا ضروری ہے اور اپنا گھر ہو تو طلب اذن واجب نہیں ہے، مگر گھر میں اگر ماں، بہن وغیرہ بھی رہتی ہوں تو جانے کے لیے کھانسے۔ اس کے بعد اندر داخل ہو اور دروازہ پر پہنچ کر پیر پٹکے جس سے اندر عورتوں کو آنے کی خبر ہو جائے، کیونکہ کبھی ماں، بہن بھی ایسی حالت میں ہوتی ہیں کہ جس حالت میں دیکھنا ہم پسند نہیں کرتے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ماں، بہن کی خدمت میں حاضر ہونا ہو تو بھی اجازت لے لی جائے۔''

حضرت ابن مسعود اور ابن عباس سے پوچھنے والوں نے بار بار پوچھا کہ اپنی ماں، بہن جس گھر میں رہتی ہو اس میں بھی جائے تو اجازت لے لی جائے گی۔؟ آپ نے ہمیشہ فرمایا:

''ہاں لی جائے گی۔''

تکرار کرنے پر سمجھایا:

''کوئی بھی اپنی ماں، بہن کو بے پردہ دیکھنا پسند نہیں کرتا' پھر تم کو خواہ مخواہ اصرار کیوں ہے۔؟''

تین اوقات:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''یاایھا الذین اٰمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرٰت من قبل صلوٰۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ ومن بعد صلوٰۃ العشاء ثلث عورٰت لکم لیس علیکم ولا علیھم جناح بعدھن طوافون علیکم بعضکم علی بعض کذلک یبین اللہ لکم الاٰیٰت واللہ علیم حکیم''

(سورۃ النور)

''اے ایمان والو! تم میں سے اجازت لے کر آئیں لونڈی اور غلام اور تم میں وہ جو بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں تین وقت میں، فجر کی نماز سے پہلے اور جس وقت تم دوپہر میں

اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین وقت تمہارے لیے بدن کھلنے کے ہیں۔ ان وقتوں کے بعد نہ تم پر تنگی ہے اور نہ ان پر، کیونکہ تمہارے بعض بعض کے پاس آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ اللہ یونہی کھولتا ہے باتوں کو تمہارے لیے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں تین مخصوص وقتوں کا ذکر ہے:

ایک نماز فجر سے پہلے جو آدمی کے لئے خوشگوار وقت ہے اور سو کر بیدار ہونے کا وقت ہے۔ رات کی بے خبری میں عموماً اس وقت ستر کھلے رہ جاتے ہیں۔ گہری نیند کی وجہ سے ستر پوشی کا زیادہ اہتمام نہیں ہوتا۔

دوسرا وقت دوپہر کا بیان کیا گیا ہے، جس وقت آدمی دن کا کھانا کھا پی کر قیلولہ کرتا ہے اور تھوڑی دیر کھل کر آرام کرتا ہے۔ گرمی کے زمانہ میں عام طور پر لوگ اس وقت بے خبر اپنے کمروں میں سوتے ہیں اور بعض لوگ گرمی سردی دونوں زمانوں میں دوپہر میں سوتے ہیں، اس لیے کھلی بات ہے کہ نیند اور غفلت میں بے خبری کا غالب قرینہ ہے۔

تیسرا وقت نماز عشاء کے بعد۔ یہ بھی آرام کا وقت ہے۔ آدمی دن بھر کی تھکان لیے بستر پر آتا ہے اور یہ سمجھ کر کہ سب آرام کر رہے ہیں بہت بے پرواہ لیٹتا اور سوتا ہے۔

مزید یہ کہ ان تینوں وقتوں میں کم وبیش شادی شدہ اپنی بیوی سے وابستگی کرتا ہے۔ بوس وکنار کی نوبت آتی ہے، اس لئے حق ہے کہ بچے اور لونڈیاں بھی اطلاع دے کر اندر داخل ہوں، بغیر اجازت گھس جانے کی ہمت ہرگز نہ کریں، کیونکہ اگر موقع شرم وحیاء کا ہوا تو آدمی شرم وحیا سے گڑ جاتا ہے اور دلی رنگ وتکلیف محسوس کرتا ہے۔ لونڈی اور خادمہ چونکہ بالغ ہوتی ہے، اس لیے وہ خود بھی بعض موقعوں پر شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہے گی۔ ان کے علاوہ وقتوں میں چونکہ یہ کیفیتیں عموماً نہیں ہوتیں اس لئے کوئی خاص پابندی نہیں ہے۔ پھر بچوں کا روکنا بھی مشکل ہے کہ وہ آنے جانے کے عادی ہوتے ہیں۔ یہی حال لونڈی اور خادمہ کا ہے کہ وہ کام کاج کے لیے آمد ورفت پر مجبور ہے ان کو کہاں تک روکا جائے گا۔؟

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیتوں میں جو استیذان کا حکم آیا ہے وہ اجنبی اور غیروں کے لیے ہے اور اس آیت میں استیذان کا حکم قرابت داروں کے لیے ہے یعنی ان لوگوں کے لیے ہے جو محارم میں داخل ہیں۔

بعض علماء لکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں استیذان کا حکم عام تھا اور عام لوگوں کے لیے تھا اور تمام وقتوں کے لیے تھا اور اس آیت میں خاص لوگوں کو طلب اذن کا حکم ہے اور خاص وقتوں میں ہے اور یہ صحیح ہے۔

اس آیت میں ''ملکت'' سے مراد صرف لونڈی ہے، کیونکہ عبد (غلام) غیر محرم میں داخل ہے۔ یہ مردوں میں آئیں گے، مگر عورتوں کے سامنے جانے کی ان کو اجازت نہیں ہے۔ پردہ کے خاص وقتوں میں ان پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے جن کے آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی ہے اور عقلاً بہت مناسب ہے۔

بالغ اجازت لے:

ان بالغ بچوں پر بھی بعد بلوغ اسلام نے عام وقتوں میں استیذان کی پابندی عائد کی ہے، جن پر بلوغ یا قریب البلوغ ہونے سے پہلے صرف مخصوص ہی وقتوں میں تھی۔ بلوغ سے پہلے والی آزادی باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''و اذا بلغ الطفال منکم الحلم فلیستاذنوا کما استاذن الذین من قبلھم کذالک یبین اللہ ایٰتہ و اللہ علیم حکیم''

(سورۃ النور)

''اور جب تم میں سے لڑکے بلوغ کی حد کو پہنچیں تو ان کو ایسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے تمہارے اگلے لیتے رہے ہیں۔ اللہ یوں کھول کر تم کو اپنی باتیں سناتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

اب تک ان بچوں کو تین ہی مخصوص وقتوں میں طلب اذن کا حکم تھا، مگر اب جب بالغ ہو چکے تو اب کسی وقت بھی بغیر اجازت اندر نہ جائیں، جس طرح دوسروں کو استیذان کا حکم ہے ان کے لیے بھی استیذان ضروری ہے، کیونکہ پہلے عدم بلوغ کی وجہ سے پردہ کی باتوں کا ان کو علم نہ تھا، نہ خود ان کے لیے اپنے اندر کوئی کشش تھی اور نہ غیر کے لیے ان کے اندر کوئی کشش تھی، مگر اب ان کی حالت بدل چکی ہے۔ اب احساس پیدا ہو چکا ہے۔ خود یہ اپنے اندر ایک انقلاب محسوس کرتے ہیں اور دل جذبات سے معمور پاتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کی طرف کشش ہو سکتی ہے، اس لئے قدرتاً حکم بدلنا بھی ضروری ہے۔

انتہائی بوڑھی عورتوں کا حکم:

جو بوڑھی عورتیں اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ چکی ہیں وہ ان اعضاء کو کھلا رکھ سکتی ہیں۔ گو بہتر چھپانا ہی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیهن جناح ان یضعن ثیابهن غیر متبرجات بزینة وان یستعففن خیر لهن واللہ سمیع علیم“

(سورۃ النور)

”اور تمہاری عورتوں میں سے جو گھروں میں بیٹھ رہی ہیں جن کو نکاح کی کوئی توقع نہیں ان کو پردہ نہ کرنے میں گناہ نہیں، مگر اس طرح کہ اپنا سنگار دکھاتی نہ پھریں اور اس سے بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے۔“

چہرہ چھپانے کا حکم:

فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ چہرہ گو ستر میں داخل نہیں ہے، مگر پھر بھی عورتوں کو لوگوں میں چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا، تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے۔ قدرت نے عورت کے چہرہ میں کچھ ایسی جاذبیت اور کشش رکھی ہے کہ مرد عورت کے اس حصہ کو دیکھ کر اس کی طرف کھنچتے ہیں اور مردوں کے دل میں فطری شہوت کروٹیں لینے لگتی ہے۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

”والمعنی تمنع من الکشف لخوف ان یری الرجال وجهها فتقع الفتنة لانه مع الکشف قد یقع النظر الیها بشهوة“

(ردالمحتار، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 284)

”عورت کو چہرہ کے کھولنے سے روکا جائے گا تاکہ مرد دیکھنے نہ پائے، کیونکہ کھلنے کی صورت میں کبھی نگاہ شہوت کے ساتھ پڑتی ہے۔“

باریک کپڑوں کی ممانعت:

آیت مبارکہ کے اس حصے ”غیر متبرجات بزینة“ سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ عورتیں اتنا باریک کپڑا استعمال نہ کریں جو ساتر نہ ہو، بلکہ اس سے حسن چھنتا ہو۔

ابن العربی لکھتے ہیں:

”وامن التبرج ان تلبس المرأة ثوبا رقیقایصفھا“

”تبرج میں سے یہ بھی ہے کہ عورت اتنا باریک کپڑا استعمال کرے جو چغلی کرتا ہو۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”رب کاسیات عاریات مائلات ممیلات لایدخلن الجنة ولایجدون ریحھا“

”بہت سی پہننے والی عورتیں ننگی کے حکم میں ہیں جو خود مائل ہوتی ہیں یا دوسروں کو مائل کرتی ہیں، لیکن ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی نہ اس کی بو پائیں گی۔“

اس حدیث میں ”کاسیات“ کے بعد ”عاریات“ اسی لیے فرمایا کہ وہ باریک کپڑا زیب تن کرتی ہیں۔

اتنا باریک کپڑا پہننا جس سے ستر کامل نہ ہو حرام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

”وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولیٰ“

(سورۃ الاحزاب)

”اور عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑیں اور جاہلیت کی زیبائش کے ساتھ نہ پھریں۔“

اُم علقمہ کہتی ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت حفصہ باریک دوپٹہ ڈالے ہوئے تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے جب دیکھا تو اُن سے دوپٹہ لے لیا، اُسے پھاڑ ڈالا اور اس کے بدلے ایک گاڑھے کپڑے کا دوپٹہ ان کو مرحمت فرمایا۔ یہ حفصہ حضرت عائشہ صدیقہ کی بھتیجی تھیں۔

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر آنحضرت ﷺ کے یہاں تشریف لائیں۔ یہ باریک کپڑا اڈالے ہوئے تھیں۔ ان سے اعراض فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یااسماء ان المرأة اذابلغت المحیض لن یصلح ان یری منھا الاھذا اوھذا اشارالی وجھه وکفیه“

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس)

"اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جاتی ہے تو اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا کسی عضو کو دیکھنا درست نہیں ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خذعليك ثوبك ولا تمشوا عراة"

(مشکوٰۃ، باب النظر المخطوبہ)

"اپنے اوپر کپڑا لازم کرلو۔ ننگے مت پھرو۔!"

یہ اور اسی طرح کی دوسری روایتیں بتاتی ہیں کہ عورت و مرد دونوں کو ایسا کپڑا استعمال کرنا چاہیے جو بدن کو ڈھانپ سکے اور آدمی کا حسن و جمال عام طرح سے رسوا نہ ہو۔ جس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ پاکدامنی اور عفت بے داغ رہے گی اور حکماً یا حقیقۃً کوئی دھبہ دامن عصمت پر نہیں پڑ سکے گا۔

☆☆☆

باب نمبر 24:

دشمنانِ عفت وعصمت اور اسلام کی نافذ کردہ سزائیں

اگر عفت وعصمت کے قوانین ناہموار ہوں تو......:

اسلام کی نظر میں عصمت وعفت اور اخلاق واعمال دین ودنیا کی بڑی دولت ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ دنیا سے امن وامان اور سکون واطمینان ناپید ہو جائے اگر عفت وعصمت کے قوانین ناہموار ہوں۔

دنیا کی تاریخ کا مسلم پہلو:

دنیا کی تاریخ کا بابِ اخلاق پڑھیے اور غور کیجئے کہ انسانوں کے اعمال واخلاق کو سب سے زیادہ کس چیز سے نقصان پہنچا، بلکہ ساتھ ہی اس کا تجربہ بھی کیجئے کہ قوم اور ملک کی بربادی کی بنیادی وجہ کیا تھی۔؟ آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تمام خرابیاں اس لیے پیدا ہوئیں کہ عفت وعصمت کے تحفظ کا کوئی

تہمت ا

اسلام نے اسی وجہ سے اس شعبہ زندگی کے قوانین میں کہیں بھی کوئی رعایت نہیں کی۔ زنا اور زناکار کے متعلق اسلام کا نقطہ نگاہ آپ پڑھ چکے، یہاں یہ بتانا ہے کہ اسلام نے ان لوگوں کے متعلق کیا احکام دیئے ہیں جو عفت وعصمت کو داغدار کرنے کی سعی کرتے ہیں یا کسی کی عزت وآبرو اور عفت واخلاق پر حرف لاتے ہیں۔

اسلام کی نظر میں وہ شخص ملعون ہے جو کسی پاکدامن عورت یا مرد کو برائی سے متہم کرتا ہے۔ رب العزت کا ارشاد ہے:

”ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم یوم تشھد علیھم السنتھم

وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون یومئذ یوفیھم اللہ دینھم الحق ویعلمون ان اللہ ھو الحق المبین“

”جو لوگ ان عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں جو ایسی باتوں سے پاکدامن ہیں، بے خبر ہیں اور ایمان والیاں ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو بڑا عذاب ہوگا جس روز اُن کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے کاموں کی گواہی دیں گے جو یہ لوگ کرتے تھے۔ اس روز اللہ تعالیٰ ان کو واجبی بدلہ پورا پورا دے گا اور ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور بات کھول دینے والا ہے۔“

اس آیت میں بار بار غور کیا جائے کہ غیظ و غضب اور وعید و تہدید کس قہر آمیز انداز کا ہے۔ دنیا بھی ایسا شخص ملعون قرار دیا گیا اور آخرت میں بھی۔

تہمت کی سزا:

کسی پاکدامن کو زنا سے متہم کیا اور چار عینی شرعی گواہ پیش نہ کرسکا تو اس کی سزا یہ ہوگی کہ اُسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور آئندہ کے لیے ایسا شخص مردود الشہادۃ قرار دے دیا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

”والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون“

(سورۃ النور)

”اور جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں۔“

تین دفعات:

اس آیت سے عفت و عصمت کی اسلام میں جو قدر و منزلت ہے اس پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک جرم کی وجہ سے اس قاذف (تہمت لگانے والے) پر قرآن مجید نے تین دفعات قائم کیں:

1: اسی کوڑے۔

2: اس کی گواہی آئندہ کے لیے غیر معتبر قرار دو، گویا یہ سب سے بڑا جھوٹا ہے۔

3: ایسے لوگ فاسق ہیں۔

عزت وآبرو پر حرف اٹھانا:

کسی پاکباز مسلمان کی آبرو ریزی کوئی معمولی جرم ہے بھی نہیں، جتنی قیمت ایک مسلمان کے خون کی ہے کم وبیش اسی درجہ میں اس کی عزت اور آبروؓ کی بھی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں کی اہمیت جتائی ہے اس میں ایک عزت وآبرو بھی ہے کہ جو درجہ مکہ مکرمہ کے اندر ماہ ذی الحجہ کے یوم عرفہ کو حاصل ہے، ایسا ہی درجہ مسلمان کی عزت وآبرو کو بھی حاصل ہے۔

ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کل المسلم علی المسلم حرام عرفه وماله ودمه“

”ہر مسلمان کا ہر مسلمان پر عزت وآبرو اور اس کا مال وخون حرام ہے۔“

بے حیائی کا چرچا:

مہتم کرنے والے کا یہ فعل اس آیت کے ضمن میں بھی آجاتا ہے:

”ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوالهم عذاب الیم فی الدنیا والاخرة“

(سورۃ النور)

”جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک سزا ہے۔“

چار گواہ نہ ہونے کی صورت میں:

اگر فرض کر لیجیے تہمت لگانے والا سچا ہے، مگر جبکہ اس کو معلوم ہے کہ ہم چار گواہ شرعی پیش نہ کر سکیں گے اور یہ کہ بغیر گواہ شرعی حد قائم نہیں ہو سکتی ہے تو ایسی حالت میں بھی اس کو تہمت لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ ایسی شکل میں جس کو تہمت لگا رہا ہے اس کی بے وجہ رسوائی ہے اور اپنی اذیت اور سزا۔ اس لیے اچھا ہے کہ چشم پوشی کر جائے۔ ہاں خود بدکار کو سمجھانا چاہیے اور عذاب الٰہی سے ڈرانا چاہیے۔ اس طرح ثواب بھی مل جائے گا اور ممکن ہے مجرم اپنے جرم سے توبہ کر لے۔

اگر چار گواہ ہوں تو:

اگر اس نے چار شرعی گواہ پیش کر دیئے اور شرعی طور پر اس کا جرم زنا ثابت ہو گیا تو پھر کوئی طاقت اسے قانون کی زد سے نہیں بچا سکتی اور شرعاً اس پر حد جاری ہو گی۔ اگر محصن شرعی ہے تو اس کی سزا رجم ہے ورنہ سو کوڑے۔

جرم و سزا کی نوعیت:

اس سزا پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اسلام نے جرموں کی سزا عموماً اس کی نوعیت کے اعتبار سے مقرر کی ہے، یعنی جرم کی جیسی نوعیت ہوتی ہے اس طرح کی سزا بھی اس کو دی جاتی ہے۔ مثلاً چور کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے کہ اس کام میں ہاتھ کو بڑا دخل ہے۔ ڈاکو کی سزا شریعت نے یہ مقرر کی ہے کہ ایک پیر اور ایک ہاتھ کاٹا جائے۔ کھلی بات ہے اس کا جرم چور سے بڑھا ہوا ہے۔

حد و تعزیر:

پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے سزا کی دو قسمیں مقرر کی ہیں:

ایک کا نام "حد" ہے۔

دوسری کو تعزیر کہتے ہیں۔

حدود میں کون سی سزائیں:

آپ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ "حدود" میں ان جرموں کو رکھا ہے جن کی طرف طبیعت کو رغبت اور ان میں سزا کے اندر رغبت اور طبعی رجحان کے انداز سے شدت بڑھ گئی ہے۔ حدود میں چوری ڈکیتی، زنا وغیرہ ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ زنا ایک ایسا فعل ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان جلد ہوتا ہے اور اس میں انسانی طبیعت کے لیے بڑی کشش اور ظاہری طور پر بڑی لطف اندوزی ہے، اس لیے اسلام نے اسے "حدود" میں شمار کیا ہے اور اس جرم کی سزا میں بڑی شدت اور سخت گیری سے کام لیا۔ نرمی کا کوئی نام و نشان نہیں اور طرز سزا بڑا ہی عبرت انگیز اور دردناک ہے۔

جرم زنا کی نوعیت:

اوپر جس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا اس کے مطابق زنا کار مرد و عورت کی سزا یہ ہونی چاہیے تھی کہ ان کی شرمگاہیں کاٹ دی جاتیں اور زنا کار کے اس حصہ کو خصوصیت سے اذیت

پہنچائی جاتی جس سے یہ فعل صادر ہوتا ہے، مگر اسلام نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا میں وطی ہوتی ہے اور ظاہر بات ہے کی وطی اور جماع میں لذت صرف خاص اعضاء ہی کو نہیں ملتی، بلکہ اس وقت جسم کے کونے کونے میں اس لذت کی بجلی دوڑ جاتی ہے اور وقت خاص میں بال بال آدمی کا لذت اور لطف محسوس کرتا ہے۔ اس لیے اسلام نے مناسب یہی سمجھا کہ سزا بھی اسی طرح کی تجویز کی جائے جس کی وجہ سے اذیت ظاہری طور پر بھی تمام جسم کو پہنچے۔

عضو خاص کے کاٹ دینے کی صورت میں سزا کا جو منشا ہے وہ پورا نہیں ہوتا، کیونکہ سزا سے تکلیف کے ساتھ یہ بھی مقصد ہے کہ مجرم کی رسوائی اور زجر و توبیخ ہو۔ یہ معلوم ہے کہ اس حصہ کا مقام پردہ میں ہے جس پر کسی طرح نگاہ پڑ سکتی ہی نہیں، مثلاً چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس پر ہر شخص کی نگاہ پڑتی ہے، مگر شرمگاہ پر کس کی نظر پڑ سکتی ہے؟ دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ سزا جرم سے بڑھ جاتی، کیونکہ عضو خاص کے کاٹ دیئے جانے سے قطع نسل لازم آتی ہے، پھر یہ کہ قطع عضو کی صورت میں ہلاکت کا یقین نہیں تو ظن غالب بہر حال ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ انہی وجوہ سے زنا کی سزا اسلام نے قطع "عضو خاص" مقرر نہیں کی۔ پھر تھوڑے تامل سے یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جس طرح چور اور ڈاکو کی سزا میں تفاوت ہے اسی طرح اس شخص کی سزا میں بھی تفاوت ہونا چاہیے جو "محصن شرعی" ہے اور جو "محصن شرعی" نہیں۔ چنانچہ اسلام نے اس کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے اور دونوں کی سزا میں نمایاں فرق ملحوظ رکھا ہے۔

زناکار کی سزا:

ارشاد ربانی ہے:

"الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذكم بهما رأفة في دين الله ان كنتم تومنون بالله واليوم الآخر"

(سورۃ النور)

"زنا کرنیوالی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ان دونوں پر ذرا رحم نہ آنا چاہیے، اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔"

لب ولہجہ پر غور کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے یہاں اپنی ساری نرمی اٹھا رکھی ہے اور اس

کے غضب کی تلوار بے نیام ہے۔ وہ ظاہر ہے مگر حکم بھی تنبیہ اور تہدید ہے اور اس کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ ترحم اور ترس کھانا یہاں بھول جاؤ۔

اس مخص پر کیسے ترس کھایا جائے جس کے سامنے اسلام نے عفت و عصمت کی اہمیت کھول کر رکھی، ساتھ ہی زنا کے مفاسد اور اس کے دینی و دنیوی نقصانات اس پر ظاہر کیے اور جائز طریقے سے جنسی میلان کی تکمیل کی اجازت مرحمت کی اور پھر بایں ہمہ اس نے حدود اللہ کو توڑا۔

اس موقع پر عدم رافت کی تکمیل غالباً اس وجہ سے بھی ہے کہ عموماً ایسے موقع پر آدمی کو یہ سوچ کر رحم آ جاتا ہے کہ یہ انسان کی فطری خواہش ہے جس سے کبھی وہ مغلوب ہو جاتا ہے اور یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جو کچھ ہوا دونوں کی رضامندی سے ہوا۔ آیت میں اس شیطانی وسوسہ کی بھی مدافعت مقصود ہے۔

بے رحمی سے سو کوڑے مارے جانے کے علاوہ یہ بھی قرآنی ہدایت ہے کہ جب زنا کار نے اپنی عفت کو داغ لگایا اور اس کی شرم و حیاء کو زمین و آسمان نے جذب کر لیا تو پھر اس کی سزا پردہ میں کیوں ہو؟ بلکہ اس سزا کے وقت ایمان والوں کا ایک ہجوم ہو کہ سزا کی خوب تشہیر ہو اور دوسرے لوگوں کے لیے بھی یہ عبرت و بصیرت بن سکے:

"ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین"

(سورۃ النور)

"اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔"

شاید لوگوں کی موجودگی سے یہ بھی مقصود ہو کہ عوام کو اس کا علم ہو جائے کہ اس مجرم نے عذابی کیڑوں کو جذب کر لیا ہے جو ممکن ہے موقع پر ان کو معاف نہ کریں اور دوبارہ جرم پر آمادہ کر دیں، اس لیے ان سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ قرآن مجید کی آیت کریمہ ہے:

"الزانی لاینکح الا زانیۃ اومشرکۃ والزانیۃ لاینکحھا الا زان اومشرک"

(سورۃ النور)

"زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ کے یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زنا کار ہوتا ہے اس کی اول نظر زنا ہی پر جاتی ہے اور اس

فعل کی وجہ سے بطور عذاب زنا کا خیال اس کی طبیعت میں رس بس جاتا ہے، اس لیے ایسے شخص سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے۔

کنواری بے حیاء عورت:

بے حیاء عورت کے متعلق قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اس کی بے حرمتی ظاہر ہو چکی ہو تو اس پر پابندی عائد کر دی جائے اور خیال رکھا جائے کہ وہ گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ پائے کیونکہ اس کا نکلنا ہر اعتبار سے نقصان دہ ہے، یا عورت خود پھر بے حیائی کے کام کا موقع ڈھونڈ نکالے گی یا برے مرد اس کو خواہ مخواہ چھیڑیں گے۔ گو وہ نہ بھی چاہے، کیونکہ یہ بات بڑی حد تک درست ہے کہ جس نے ایک مرتبہ زنا کا ارتکاب کیا اس سے دوبارہ اس جرم کا ارتکاب لوگ بعید نہیں سمجھتے۔ ہاں اگر اس کی شادی نہیں ہوئی تو پھر شادی کے ذریعہ اصلاح کی امید کی جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والّلاتی یاتین الفاحشة من نساء کم فاستشھدوا علیھن اربعة منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفھن الموت اویجعل اللّٰہ لھن سبیلا"

(سورۃ النساء)

"اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں، تو تم لوگ ان پر اپنے میں سے چار آدمی گواہ کر لو، سو اگر وہ گواہی دیدیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ تجویز کر دے۔"

گو علماء کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ زانیہ عورت کی شروع میں یہی سزا تھی، اب باقی نہ رہی اور اس طرح یہ آیت منسوخ ہے' مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہ ہو' بلکہ زنا کی سزا تو وہی ہو جو اوپر کی آیت میں سو کوڑے بیان کی گئی اور اس آیت کا منشاء یہ ہو کہ اجراء سزا کے بعد عورت پر پابندی لگا دی جائے کہ گھر سے نہ نکلنے پائے، تا کہ اس کی عصمت کو خطرہ لاحق نہ ہو۔

بہر حال اتنی بات ضروری ہونی چاہئے کہ زنا کار مرد اور عورت کے ساتھ سلوک اس طرح ہو کہ وہ محسوس کرے کہ جو کچھ میں نے کیا اتنا برا ہے کہ سماج اور سوسائٹی بھی اسے برداشت نہیں کر سکتی ہے اور اس طرح وہ اپنے کئے پر پچھتائے۔ کسی لفظ سے اس کے اس برے فعل پر تائید کا

پہلو نہ ہونے پائے تاکہ دوسرے پر بھی معاملہ اثر انداز ہو۔

اوپر جو سزا بیان کی گئی ہے وہ اس شخص کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ اور غیر محصن ہو یعنی غیر شادی شدہ ہو اور اس شخص نے بخوشی زنا کا ارتکاب کیا ہو تو اس کی سزا سو کوڑے ہے جو تمام بدن کے متفرق حصوں پر لگائے جائیں گے، صرف چہرہ اور ان اعضاء کو جن پر ضرب لگنے سے انسان مر جاتا ہے محفوظ رکھے جائیں گے۔

شادی شدہ زنا کار کی سزا......رجم:

یہ شخص مکلف اگر آزاد ہونے کے ساتھ محصن بھی ہو یعنی نکاح صحیح کر کے اپنی بیوی سے جماع کر چکا ہو تو اس کی حد رجم ہے، یعنی ایسے زنا کار مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے زنا کیا ہے اور اس کی چار بار اپنے اوپر شہادت دی۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اس کے رجم (سنگسار) کا حکم فرمایا جو محصن تھا۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کو پکار کر کہا:

"یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا۔"

یہ سن کر پہلے آپ نے منہ پھیر لیا، لیکن اس نے یہ بات چار مرتبہ کہی۔ اس کی چار مرتبہ گواہی کے بعد آپ نے اسے بلایا اور پوچھا:

"تو پاگل ہے۔؟"

اس نے کہا:

"نہیں۔"

آپ ﷺ نے پوچھا:

"کیا تو شادی شدہ ہے۔؟"

اس نے کہا:

"ہاں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس کو لے جاؤ اور رجم کرو۔"

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کا واقعہ کتب حدیث میں بہت مشہور ہے کہ انہوں نے خود آ کر خدمت نبوی میں جرم کا اعتراف کیا۔ آپ ﷺ نے پہلے ٹالنے کی کوشش کی مگر چار بار انہوں نے اس کا اقرار کیا۔ اس طرح جب یقین ہو گیا تو آپ نے ان کے رجم کا حکم جاری فرمایا اور وہ سنگسار کئے گئے۔

یہ بالکل درست ہے کہ قرآن مجید میں رجم کا حکم صراحتاً مذکور نہیں ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا انکار کر دیا جائے، جبکہ صحیح حدیثوں میں بکثرت اس طرح کی مثالیں موجود ہیں اور خود ارشاد نبوی میں بھی صراحتاً رجم کا حکم مذکور ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اپنے زمانہ میں اس خدشہ کا اظہار فرما کر اس کی تردید فرمائی تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

"لقد خشیت ان یطول الناس زمان حتی یقول قائل لانجد الراجم فی کتاب اللّٰہ فیضلوا بترج فریضۃ انزلھا اللّٰہ: الاوان الرھم حق علی من زنی وقد احصن اذاقامت البینۃ او کان الحمل او الاعتراف"

(صحیح بخاری، باب الاعتراف بالزنا)

"مجھے خوف ہے کہ ایک عرصہ دراز کے بعد کہنے والے یہ کہنے پر نہ اتر آئیں کہ ہم کتاب اللہ میں "رجم" کا حکم نہیں پاتے۔ اگر ایسی بات ہوئی تو وہ اس ایک فریضہ کے ترک کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ سن رکھو شادی شدہ زانی پر رجم حق ہے جب ثبوت شرعی یا دلیل شرعی یا اعتراف پایا جائے۔"

حضرت فاروق اعظم کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا اور بعد کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے وہی کہا جس کی حضرت عمر نے پیشین گوئی کی، مگر الحمد للہ ان کی یہ بات انہی تک محدود رہی اور امت اس گناہ سے محفوظ رہ گئی۔ جمہور امت کے یہاں "رجم" کا حکم بالکل بجا ہے اور امت میں یہی حکم رائج ہے۔

عقل سے بھی رجم کی تائید ہوتی ہے کیونکہ محصن اور غیر محصن کی سزا میں ضرور فرق چاہئے اور اس کی یہی صورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ غیر محصن کے راہ راست پر آ جانے کی کافی امید ہے کہ شادی سے جنسی میلان کا راستہ کھل جائے گا اور اس میں بری عادت باقی نہ رہے گی۔ مگر

شادی شدہ سے جب یہ جرم سرزد ہوتا ہے تو خطرہ ہے کہ اس کا وجود مرض متعدی کی حیثیت اختیار نہ کرلے اس لئے اچھا ہے کہ اس کے وجود سے سوسائٹی پاک ہو جائے۔

زبردستی زنا کا حکم:

اگر کسی عورت سے زبردستی زنا کیا گیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں ایک باب باندھا ہے:

"اس عورت پر حد نہیں ہے جس سے زبردستی زنا کیا گیا ہو۔"

اس باب کے تحت پہلے یہ آیت نقل کرتے ہیں:

"ومن یکرھھن غفور رحیم"

(سورۃ النور)

"اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔"

پھر یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک غلام نے ایک لونڈی سے زبردستی زنا کیا، یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں پیش ہوا تو آپ نے ثبوت کے بعد غلام پر حد جاری مگر لونڈی کو بری کر دیا، کیونکہ اس سے زبردستی کی گئی تھی۔

عہد نبوی کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک خاتون نماز کے لئے نکلیں، راستہ میں ایک مرد سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ مرد نے اس خاتون کو پکڑ لیا اور زبردستی ان کے ساتھ زنا کیا۔ یہ خاتون چیخی چلائی تو لوگ دوڑے اور زانی کو گرفتار کر لیا۔ پھر یہ زانی دربار نبوی میں پیش ہوا۔ چنانچہ اس شخص نے جرم کا اقرار کر لیا۔ عورت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذھبی فقد غفر اللہ لک"

"تو جا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بخش دیا۔"

پھر زانی کے لئے رجم کا فیصلہ فرمایا۔

کسی مرد نے دباؤ کی وجہ سے زنا کیا ہو اس کے متعلق اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس پر حد ہے، مگر یہ کہ دباؤ ڈالنے والا خود سلطان ہو تو حد نہیں ہے۔"

صاحبین اور امام شافعی کا قول ہے:

''کسی کے بھی زبردستی کرنے سے اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہو بہر حال اس پر حد نہیں ہے۔''

پاگل کا حکم:

پاگل زنا کار پر حد نہیں ہے، کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے:

''ان القلم مرفوع عن ثلثة عن عن المجنون حتی یبرأ وعن النائم حتی یستقیظ وعن الصبی حتی یعقل''

''تین سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ پاگل سے جب تک جنون کے مرض سے اچھا نہ ہو جائے۔ سونے والے جب تک بیدار نہ ہو۔ بچہ سے جب تک وہ عاقل نہ ہو۔''

اسلام کے قوانین سے عصمت وعفت کی جو اہمیت سمجھ میں آتی ہے اس پر بار بار غور کیا جائے اور انصاف کیا جائے کہ اگر اسلام کا یہی قانون پوری دنیا میں نافذ کر دیا جائے تو کیا یقین نہیں ہے کہ دنیا سے بدکاری (جو وبا کی طرح پھیل پڑی ہے) ختم ہو جائے گی؟ اگر دنیا چاہتی ہے کہ اخلاق واعمال کی بلندی اور عفت وعصمت کا تحفظ عمل میں آئے تو اسے اسلام کے ان قوانین پر غور کرنا چاہئے۔

☆☆☆

باب نمبر 25:

اسلام میں عورت کا جنسی تحفظ اور اختیارات......حق خلع

جنسی لحاظ سے بااختیار عورت:

اسلام نے عورت کے لیے قاضی کی مجلس بااختیار قرار دی ہے، جس عورت پر اگر کوئی ناگہانی اُفتاد آپڑے یا شوہر کے مظالم سے عاجز ہو تو قاضی عورت کو اس کے شوہر سے نجات دے سکتا ہے اور اس کی اُفتاد کی تدبیر کر سکتا ہے۔

شوہر کا نامرد ہونا:

دنیا میں یہ کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے کہ کبھی کسی عورت کا شوہر مرد کی شکل میں رہتے ہوئے بھی عورت کے جنسی میلان کی تکمیل سے مجبور ہوتا ہے۔ مرد اس قابل نہ ہو کہ اس کی بیوی اس سے اپنے داعیات فطرت کی تسکین کر سکے' اس حالت میں اگر کوئی عورت اپنے ناکارہ شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے اور شوہر اس کے لیے آمادہ نہ ہو تو اسلام نے اس کے لیے قاضی کی مجلس کو بااختیار قرار دیا ہے۔ عورت قاضی کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اپنا مقدمہ پیش کر دے۔ قاضی اس کے شوہر کو نوٹس دے گا اور حالات کی تحقیقات کرے گا۔ اگر مرد عنین (نامرد) ثابت ہو گا تو قاضی اس کو پہلے ایک سال کی مہلت دے گا کہ وہ اپنا علاج ودوا کرے، اگر مرد کارآمد ہو گا تب تو خیر! ورنہ ناکامیابی کی صورت میں تفریق کر دے گا۔ حضرت سعید بن المسیب کا بیان ہے:

"من تزوج امرأة فلم يستطع ان يمسها فانه يضرب احبل سنة فان مسها والا فرق بينهما"

(موطا امام مالک، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 32)

"جو کسی عورت سے شادی کرے اور اس کو عورت سے ہم بستر ہونے کی قدرت نہ ہو تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر اس کے بعد ہمبستر ہو سکا تب خیر ورنہ ان دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب سے پوچھا:

''نامرد (عنین) شوہر کو علاج کے لیے ایک سال کی جو مہلت دی جائے گی وہ کب سے ہے۔؟ رخصتی کے دن سے یا اس دن سے کہ قاضی کے یہاں مقدمہ آیا۔؟''

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بل من یوم ترافعه الی السلطان''

(موطا مالک، جلد 2، صفحہ نمبر ۴۳)

''سلطان کے پاس مقدمہ کی پیشی کے دن سے۔''

بہر حال اس طرح عورت اپنے عنین (نامرد) شوہر سے علیحدہ ہوسکتی ہے اور پھر شریعت کی روشنی میں دوسری شادی کرسکتی ہے۔

شوہر کا مجبوب ہونا:

اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب ہو، یعنی اس کا عضو تناسل کٹ جائے اور وہ عورت کے جنسی میلان کی تکمیل کے لائق باقی نہ رہے تو عورت ایسے شوہر سے اسی ترکیب سے باآسانی علیحدہ ہوسکتی ہے، بلکہ اتنی اس میں سہولت اور ہے کہ ایک سال کی تاخیر بھی نہ ہوگی۔ درخواست پاتے ہی قاضی تحقیق حال کرے گا اور عورت کو مرد سے علیحدہ کردے گا۔

شوہر کا خصی ہونا:

خصی شوہر کا حکم بھی عنین ہی جیسا ہے، یعنی مرد اپنے کو خصی کرا کے اس لائق بنا لے کہ اس میں جنسی میلان باقی نہ رہے اور اس طرح وہ عورت کے لئے ناکارہ ثابت ہو تو قاضی کے پاس عورت درخواست دے۔ قاضی فوراً مرد کی حالت کی تحقیق کرے گا۔ علاج کے لیے ایک سال کا موقع دے گا اور اس کے بعد بھی نکما ہی باقی رہے گا تو قاضی عورت کو اس مرد سے جدا کردے گا۔

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم

عورت اس وقت بھی مشکلات میں نظر آتی ہے جب اس کا شوہر لاپتہ ہوجائے۔ نہ یہی معلوم ہو کہ مر گیا اور نہ یہی پتہ کہ زندہ ہے اور اگر ہے تو کہاں ہے۔؟ ایسے وقت عورت کیا کرے یہ ایک اہم سوال ہے۔

کوئی شبہ نہیں یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، مگر اس سلسلہ میں علماء متاخرین کا جس پر فتویٰ ہے وہ یہ ہے کہ عورت اپنے مفقود الخبر شوہر کا چار سال انتظار کرے گی، اس عرصہ میں بھی کوئی

پتہ نہ ملے تو چار سال بعد عدت وفات چار ماہ دس دن پورا کرے گی اور اس کے بعد شرعی طور پر پہلے شوہر کی قید نکاح سے نکل آئے گی اور حسب دل خواہ شرعی حدود میں رہ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"ایما امرأة فقدت زوجها فلم یدر این هو فانها تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعة شهر و عشرا ثم تحل"

(موطا امام مالک، باب البراۃ المفقود)

"جس عورت کا شوہر کھو جائے اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں ہے تو ایسی عورت چار سال انتظار کے گزارے اور پھر چار مہینے دس دن عدت کے دن گزارے اور حلال ہو جائے۔"

اسلام نے ان تمام صورتوں کی راہ پیدا کی ہے جن صورتوں میں عورتوں کو عصمت کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ کوئی ایسی شکل باقی نہیں رکھی ہے کہ عورت معصیت کے لیے اپنے آپ کو مجبور پائے۔

حافظ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں:

"والقیاس ان کل غیب ینفر الزوج الآخر ولا یحصل به مقصود النکاح من الرحمة والمودة یوجب الخیار"

(زاد المعاد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 31)

"قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وہ عیب جس کی وجہ سے زن و شوہر میں یکجہتی باقی نہ رہ سکے اور نکاح کا مقصد جو محبت و مودت ہے فوت ہو جائے تو ایسی حالت میں علیحدگی کا اختیار دینا ضروری ہو جاتا ہے۔"

اسلام کا قانون خلع:

اسی طرح کے نازک وقت کے لیے اسلام نے کشمکش کی آخری شکل میں "خلع" کی اجازت بخشی ہے۔ ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے لیے پیش بندی کے طور پر سختی کے ساتھ خلع سے روکا ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ایما امرأة سالت زوجها طلاقا فی غیر ما به باس فحرام علیها رائحة الجنة"

(مشکوۃ، باب الخلع)

''جو عورت ذرا ذرا سی بات پر اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔''

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''المنتزعات والمختلعات هن المنافقات''

''شوہر سے علیحدہ ہونیوالی اور خواہ مخواہ خلع کی طالب عورتیں منافق ہیں۔''

ان حدیثوں کا منشا یہی ہے کہ عورتیں خواہ مخواہ اپنے شوہروں سے جدائی کی خواہش نہ کریں۔ تلذذ کی خاطر ایسا کرنا اسلام کے ایک عظیم الشان قانون کو بازیچہ اطفال بنالینا ہے، لیکن اگر واقعی عورت دیانت داری سے یہ محسوس کرے کہ اگر خلع کی صورت اختیار نہ کی گئی تو رب العزت کے قائم کردہ وہ حقوق باقی نہ رہ سکیں گے اور عورت کو ظن غالب ہے کہ موجودہ تعلقات دین ودنیا کے لیے مضر ہیں تو ایسی مجبوری اور نزاکت کے وقت عورت خلع کے قانون سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

''فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به''

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 29)

''سو اگر تم لوگوں کو احتمال ہو کہ وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔''

گو حدود اللہ کے عدم قیام کی شرط کے ساتھ خلع کی اسلام نے اجازت دی ہے اس سے پہلے ہرگز اجازت نہیں ہے۔ خلع کی مثال عہد نبوی میں موجود ہے۔ حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاری حضرت ثابت بن قیس بن شماس سے بیاہی گئی تھیں۔ ایک صبح کو سویرے آنحضرت ﷺ فجر کی نماز کے لیے کاشانۂ نبوی سے نکلے اور دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کپڑے میں لپٹی سمٹی ہوئی کھڑی ہے۔ تاریکی ابھی باقی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''آپ کون ہیں۔؟''

آواز آئی:

''یا رسول اللہ! میں سہل کی بیٹی حبیبہ ہوں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا بات ہے۔؟"

حضرت جیبہ نے کہا:

"نہ تو میں ثابت قیس کے ساتھ ہوں اور نہ ثابت میرے ساتھ یعنی ہم دونوں میاں بیوی میں اتفاق و نباہ کی اُمید باقی نہیں رہی۔"

آپ ﷺ نے یہ قصہ سن لیا اور نماز کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت ثابت بن قیس جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"یہ جیبہ بنت سہل انصاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جو منظور تھا اُسے آ کر انہوں نے یہاں بیان کیا۔"

حضرت جیبہ نے مہر کی واپسی پر بھی اپنی آمادگی ظاہر کر دی اور درخواست کی کہ شوہر کا عطیہ موجود ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ثابت سے فرمایا:

"اپنا عطیہ واپس لے لو۔"

یہ سن کر حضرت ثابت نے بیوہ سے اپنا عطیہ واپس لے لیا اور اس طرح دونوں میں جدائی ہو گئی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت کی اہلیہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر بیان دیا:

"یارسول اللہ ثابت بن قیس ما اعیب علیہ فی خلق و لا دین ولکنی اکرہ الکفر فی السلام"

"یارسول اللہ میں ثابت بن قیس کو ان کے اخلاق و دین میں عیب نہیں لگاتی، لیکن بات یہ ہے کہ میں اسلام میں کفر کی بات پسند نہیں کرتی۔"

یہ سن کر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

"تم ان کا باغ واپس کرنے کو تیار ہو۔؟"

ثابت کی بیوی نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ معلوم کر کے آپ نے حضرت ثابت سے کہا:

"اقبل الحدیقة و طلقها تطلیقة واحدة"

(زادالمعاد، جلد نمبر 4، صفحہ نمبر 34)

"باغ لے لے اور اس کو ایک طلاق دے دے۔"

حضرت ثابت بن قیس بن شماس کوتاہ قد، بدصورت اور تیز مزاج تھے۔ اس لیے کسی عورت کی نگاہ میں سماتے نہیں تھے۔

باب نمبر 26:

اسلام کا قانون طلاق

آخری شکل

طلاق کا مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ اگر عورت و مرد کا تعلق ازدواج ناکام ہو جائے، حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے زن و شوہر میں صلح و آشتی اور اتحاد و اتفاق کی زندگی محال ہو جائے تو ایسے موقع پر مرد اپنی خواہش سے عورت کو علیحدہ کر سکتا ہے، مگر یہ بالکل آخری شکل ہے۔

دین یہود اور طلاق:

طلاق کی اجازت اور گنجائش دوسرے مذاہب و ادیان میں بھی ہے۔ یہود کے یہاں طلاق میں بہت ڈھیل ہے۔ شوہر کی خواہش ہی طلاق کے لیے کافی سمجھی گئی ہے، یعنی شوہر اگر چاہے کہ موجودہ بیوی کو علیحدہ کر دے اور اس سے خوبصورت بیوی لائے تو اس کو طلاق کی اجازت ہو گی۔ اسی طرح عورت کے معمولی معمولی عیوب بھی وجہ طلاق بن سکتے ہے، مثلاً: عورت کی دونوں آنکھیں برابر نہ ہوں، چھوٹی بڑی ہوں، عورت کی بغل سے بو آتی ہو، لنگڑی یا کبڑی ہو یا بانجھ ہو۔ جس طرح یہ خلقی عیوب طلاق کی وجہ کے لیے کافی سمجھے گئے ہیں، اسی طرح کچھ اخلاقی عیوب بھی جیسے سخت مزاج ہو، زیادہ بولنے والی ہو، گندہ ذہن ہو، لالچی ہو، کھانے میں نفاست پسند نہ ہو، خوراک زیادہ ہو اور اسی طرح کے دوسرے عیوب بھی دین یہود میں طلاق کے اسباب سمجھے گئے ہیں۔

مردوں کو طلاق کے لیے اتنے وسیع اختیارات مگر عورت کے ساتھ یہ ظلم ہے کہ وہ مرد کے ہزاروں عیوب کے بعد بھی مرد سے علیحدگی کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

دین عیسوی اور طلاق:

عیسائیت میں سرے سے یہ جائز نہیں تھا کہ طلاق کسی وجہ سے بھی دی جائے۔ عیسائیت میں

رشتہ نکاح دوامی سمجھا جاتا تھا۔ موت کے سوا جدائی کی کوئی اور وجہ ناممکن تھی اور یہ ساری سختی حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول سے اخذ کی گئی تھی:

"جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے۔"

(انجیل متی، 6:19)

حالانکہ اس قول کا یہ مطلب سرے سے غلط تھا۔ یہ ایک اخلاقی ہدایت تھی اور منشاء بے وجہ طلاق دینے کو روکنا تھا، کیونکہ خود متی کی دوسری آیت یہ موجود تھی:

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرا بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔"

(انجیل متی، 9:19)

اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ بوقت ضرورت طلاق دی جا سکتی ہے، مگر مسیحی علماء نے اس پہلی آیت سے متعارض سمجھ کر یہ تاویل کی کہ بعد کا اضافہ ہے اس دوسرے قول پر عمل جائز نہ ہوگا اور بعض مسیحی علماء نے یہ مطلب اخذ کیا:

"حرام کاری کی صورت میں میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے، مگر رشتہ نکاح بدستور قائم رہے، یعنی مرد و عورت میں سے کوئی اس تفریق کے بعد دوسری شادی نہیں کر سکتا۔"

آپ یہ سن کر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ صدیوں مسیحی دنیا اس قانون پر عامل رہی۔ ایک تو طلاق ہی ناجائز سمجھی جاتی تھی اور جن لوگوں کے یہاں طلاق جائز تھی ان کے یہاں فیصلہ یہ تھا کہ مرد و عورت دونوں اب تجرد کی زندگی گزاریں۔ بعد میں مشرقی کلیسا نے کچھ صورتیں رشتہ نکاح کے ختم کرنے کی اپیل کی، مگر مغربی مذہبی پیشواؤں نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ کلیسائے روم کی ہی فقہ پر عامل رہے کہ موت کے سوا کوئی دوسرا سبب اس رشتہ کو منقطع نہیں کر سکتا۔

تقریباً پندرہ سو سال تک عیسائیوں کو کلیسا کے اس ظالمانہ اور جابرانہ قانون کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا رہنا پڑا۔ سولہویں صدی سے طلاق کے قانون کی اصلاح کی آواز اٹھی، مگر نتیجہ کے اعتبار سے کچھ زیادہ سودمند ثابت نہ ہوئی۔ انگلستان میں 1857ء سے پہلے تک جب تک زنا اور ظالمانہ برتاؤ نہ ثابت کیا جائے قانونی تفریق کا فیصلہ بھی نہیں ملتا تھا، اگر کسی نے یہ دو جرم ثابت

کر دیے تو قانونی تفریق حاصل ہوتی، یعنی اس کو اب بھی دوسری شادی کی اجازت حاصل نہیں ہوتی اور ہر حال میں شرط یہ تھی کہ مقدمہ عدالت میں پیش ہو اور عدالت ہی فیصلہ کرے۔ مرد وعورت میں سے جو بھی طلاق کا خواہشمند ہو اس پر ضروری تھا کہ دوسرے پر زنا ثابت کرے۔ اگر عورت فریادی ہے تو مرد پر زنا کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ بھی۔ یہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قانون نے یہ بھی حق دیا تھا کہ مرد اپنی بیوی کے ناجائز دوست سے ہرجانہ یا یوں کہیے بیوی کی عصمت کا معاوضہ وصول کر سکتا ہے۔

1866ء کے قانون میں عدالت کو حق دیا گیا کہ خطاء کار شوہر پر مطلقہ عورت کے نفقہ کا بار بھی ڈال دے اور 1907ء میں "خطا کار" کی شرط بھی اُڑا دی گئی یعنی میاں بیوی میں کامل انقطاع کے باوجود عدالت کو حق تھا کہ مرد سے مطلقہ بیوی کو نفقہ دلوائے۔

1895ء میں طے کیا گیا کہ شوہر کے ظلم کی وجہ سے اگر عورت گھر چھوڑ کر نکل جائے اور شوہر سے الگ ہو کر رہے تو عدالت شوہر کو بیوی کے پاس جانے سے روک دے گی، مگر بیوی کو شوہر سے نفقہ دلائے گی۔ اسی قانون میں یہ بھی طے کیا گیا کہ عورت اگر شوہر کے تغافل اور بدسلوکی کی وجہ سے زنا کی مرتکب ہوئی اور شوہر نے بیوی پر مقدمہ کر کے طلاق کا مطالبہ کیا تو عدالت شوہر کے مقدمہ کو خارج کر دے گی۔

1910ء میں ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا کہ وہ طلاق و نکاح کے مسائل و معاملات پر غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اور چیزوں کے ساتھ اس کی بھی سفارش کی کہ اسباب طلاق کے اعتبار سے مرد وعورت دونوں کو مساوی قرار دیا جائے یعنی جن وجوہ کی بنیاد پر مرد طلاق کی ڈگری پانے کا مستحق ہے، انہی وجوہ کی بنا پر عورت بھی طلاق حاصل کرنے کی مستحق ہے۔"

1923ء کے قانون میں اسے شامل کر لیا گیا۔ اس قانون کی رو سے مرد اگر ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کرے تو عورت مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔

ایک تو اصلاح ہی ناقص ہوئی اور دور اندیشی کا پورے قانون میں کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ دوسری طرف ظلم یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے اس کو بھی برداشت نہ کیا۔ آپ یہ سن کر حیرت میں پڑ جائیں گے کہ 1930ء میں باضابطہ صریح یہ فیصلہ کیا گیا:

"ہم کسی ایسے مرد وعورت کا نکاح نہیں پڑھا سکتے جس کا سابق شریک حیات زندہ

ہے۔"

یہود و نصاریٰ اور معاملہ طلاق میں افراط و تفریط:

مختصر یہ کہ یہود کے یہاں افراط تھی تو عیسائیوں نے تفریط سے کام لیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ جونہی قانون نے طلاق کی معمولی اجازت دی' طلاق بکثرت ہونے لگی۔ ان اعداد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

"اسپین کی عدالت دیوانی نے ایک مرتبہ صرف ایک تاریخ میں 294 نکاح فسخ کیے۔ 1844ء میں جب طلاق کا نیا قانون پاس ہوا تو چار ہزار طلاقیں واقع ہوئی۔ 1900ء میں یہ تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچی۔ 1913ء میں سولہ ہزار اور 1931ء میں اکیس ہزار۔"

جج لنڈسے لکھتا ہے:

"1922ء میں ڈنور میں ہر شادی کے ساتھ ایک واقعہ تفریق کا پیش آیا اور دو شادیوں کے مقابلہ میں ایک مقدمہ طلاق کا پیش ہوا۔ یہ حالت محض ڈنور ہی کی نہیں ہے' امریکہ کے تمام شہروں کی قریب قریب یہی حالت ہے۔"

آرتھر گارفیلڈ سیس ایم اے، ایل ایل بی ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

"بیس سال قبل ہر سات شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی۔ اب اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولایات متحدہ میں ہر تین شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی۔ یہ شرح کچھ عرصہ سے برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ انگلستان کی ایک عدالت جب تعطیل کے بعد کھلی تو پہلے ہی روز چار ہزار ایک سو نو طلاقوں کی درخواستیں پیش ہوئیں۔"

جاہلیت اور قانون طلاق:

اسلام سے پہلے جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مرد عورتوں کو متعدد طلاقیں دیتے اور رجوع کر لیتے اور اس طرح برسوں عورتوں کو ستاتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک شخص جتنی چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور عدت کے اندر رجوع کر لیتا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عورت اس مرد کی زوجیت سے نہیں نکل سکتی تھی۔ ایک مرد سو سے اوپر تک طلاق دیا کرتا تھا۔

اس افراط و تفریط کا اخلاق اور عفت و عصمت پر یہ اثر پڑا کہ لاکھوں عورتوں کی عصمت غارت ہوئی، لاکھوں مردوں کے اخلاق و اعمال برباد ہوئے، ان گنت گھر اجڑ گئے، نہ معلوم کتنے

ملکوں اور آبادیوں کے اخلاقی اقدار پست ہوئے اور قانون طلاق کی ناہمواری کی وجہ سے بیشمار آفتیں اور مصیبتیں پیش آئیں۔

اسلام میں طلاق کی حلت کا سبب...... طلاق زمانہ قدیم سے موجودہ دور تک:

تجربات اور مشاہدات سے معلوم ہوا کہ طلاق کشیدگی پیدا کرنے اور زندگی کو تلخ بنانے والے اسباب سے نجات پانے کے لیے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اس پر واضح دلیل و برہان قائم ہو چکی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے طلاق کے باب میں جو اصول و احکام پیش کئے ہیں وہ دیگر ادیان و شرائع کی بہ نسبت انسانیت سے قریب تر اور عدل و انصاف کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ گزشتہ قوموں نے عورت پر کسی صورت میں بھی طلاق لینے کو حرام کر دیا تھا۔ یہی حالت سلطنت رومانیہ کے دور تک باقی رہی۔ ازدواجی زندگی کے تعلقات کمزور پڑ گئے اور طلاق عام ہو گئی تھی۔ قدیم ایتھنز اور عبرانی قوانین بھی اسی قسم کے نافذ کئے گئے تھے۔

ہم یہاں طلاق کی مزید تاریخی تشریح کرتے ہیں۔

طلاق کا رواج قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی عورت سے ناراض ہو جاتا تو اس کو اس کے گھر واپس بھیج دیتا تاکہ یہ جہاں چاہے چلی جائے۔ عورت کا کوئی حق نہیں تھا۔ جب یہ گھر سے نکال دی جاتی تو تمام حقوق سے محروم رہ جاتی۔

جب یونانی قوم برسر اقتدار ہوئی اور اس کی تہذیب و تمدن میں ترقی ہوئی تو طلاق بھی بغیر کسی قید اور شرط کے عام ہو گئی۔

عمانیوں کے نزدیک طلاق کا اعتبار تکوین عقد ہی سے ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ اگر دونوں طرف سے عدم طلاق کی شرط لگا دی جاتی تو وہاں کی عدالت اس عقد ہی کو باطل قرار دیتی تھی۔

رومانیہ کی پہلی نسلوں کے پاس دینی شادی میں طلاق حرام تھی۔ ان کے مقابل شوہر کو اپنی عورت پر اتنا اقتدار حاصل تھا کہ جس کی حد نہیں۔ اگر عورت کوئی گناہ کرے یا اپنی اولاد کو مار ڈالے یا گھر کی کنجیاں لٹکا دے یا شراب پی لے تو ان تمام صورتوں میں شوہر کو ان کے قتل کر دینے کی اجازت حاصل تھی۔ بعد کی نسلوں میں دیانت لوٹ آئی اور طلاق کو عام شہری قانون کے مطابق مباح کر دیا۔

جب موسوی مذہب کا ظہور ہوا تو اس نے ایک حد تک عورت کی ازدواجی اصلاح کی اور اس کے لیے طلاق کو نہایت وسیع حد تک جائز کر دیا۔

عورت اگر کوئی جرم یا برا فعل کر بیٹھتی تو مرد شرعی طور پر اس کو طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا' اگر چہ وہ اس کے جرم کو درگزر کرنا چاہے۔ اسی طرح یہ قانون بھی تھا کہ اگر عورت مرد کے پاس بیس سال تک رہی اور اس سے کوئی اولاد نہ پیدا ہوئی تو مرد کو طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا، خواہ وہ اس کو چھوڑنا بھی پسند نہ کرے۔

مسیحی مذہب نے سوائے ان صورتوں کے جن میں کوئی جرم یا گناہ ثابت ہو جائے' عورت پر طلاق کو حرام قرار دیا ہے یا یہ کہ اگر عورت بانجھ ثابت ہوئی ہے تو نسل کی برآمد کے لیے اس کو طلاق دی جاسکتی ہے۔

جاہلیت عرب میں لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ سراسر بے انصافی کرتے تھے۔ مرد شادی کرنے کے بعد بعض حالات میں عورت کو نہ تو پوری طرح اپنی بنائے رکھتا اور نہ ہی اسے کلی طور پر آزاد کر دیتا، بلکہ اس کو یونہی معلق چھوڑے رکھتا تھا۔ اسلام نے ان کی ان عادتوں کو مذموم ٹھہرایا اور عورتوں کے بے شمار حقوق اس مسئلہ میں بیان کیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"للذین یولون من نساء هم تربص اربعة اشهر فان فاء و افان الله غفور رحیم و ان عزموا الطلاق فان الله سمیع علیم والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثه قروء ولا یحل لهن ان یکتمن ما خلق الله فی ارحامهن ان کن یومن بالله والیوم الاخر و بعولتهن احق بردهن فی ذلك ان ارادوا اصلاحا ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال درجة والله عزیز حکیم الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموهن شیئا الا ان یخافا الا یقیما حدود الله فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به تلك حدود الله فلا تعتدوها ومن یتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" (سورۃ البقرہ)

"جو لوگ اپنی بیبیوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اسی عرصہ میں اگر وہ ملاپ کر لیں تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک خدا خوب سنتا جانتا ہے اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے نفس کو تین حیض تک روکے رکھیں اور ان کو حلال نہیں کہ جو کچھ خدا نے ان کے پیٹ میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں، بشرطیکہ وہ اللہ اور قیامت پر ایمان بھی رکھتی ہوں اور ان کے خاوند اگر اچھی طرح رکھنا چاہیں تو اس عرصہ میں ان کو واپس لینے کے زیادہ مستحق ہیں اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسا کہ دستور کے موافق مردوں کے حق ان پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت بھی ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ وہ طلاق (کہ جس کے بعد رجوع کر سکتے ہیں) دو ہی ہیں (اس میں) دستور کے موافق زوجیت میں رکھے یا اچھی طرح سے چھوڑ دے اور جو کچھ ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لینا تم کو حلال نہیں۔ مگر جب کہ دونوں کو ڈر ہو کہ احکام الٰہی قائم نہ کر سکیں گے۔ پس تم کو یہ خوف ہو کہ وہ دونوں خدا کے حکموں پر قائم نہ رہیں گے تو اس بات میں ان پر بھی گناہ نہیں کہ عورت مرد کو کچھ دے کر پیچھا چھڑا لے۔ یہ خدا کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، پس ان سے تجاوز نہ کرو اور جو خدا کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں وہی ظالم ہیں۔ پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اس کو حلال نہ ہو گی جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے گی۔"

اسلام نے طلاق کے امکان کا اقرار کیا ہے اور اسے تمام حلال چیزوں میں نہایت ناپسندیدہ حلال ٹھہرایا ہے۔ محض اس پہلو پر نظر کی گئی کہ جب میاں بیوی کے درمیان اس حد تک اختلاف اور ناراضگی کے اسباب پیدا ہو جائیں جن سے ان کی زندگی تلخ ہونے لگے، خاندانی تعلقات کی بنیادیں کمزور پڑ جائیں اور محبت و اتحاد کی کشش ختم ہو جائے تو اسلام نے طلاق کو جو مشروع قرار دیا ہے وہ بہت سی مصیبتوں سے نجات کا بہترین طریقہ ہے۔

دیگر مذاہب میں طلاق کی جو نوعیت ہے اسلام نے اس کے تمام باطل طریقوں کا رد کرتے ہوئے طلاق کے محکم اصول نافذ کئے۔ طلاق کی حالت میں عورت کی حفاظت حیات کے جملہ سازوسامان مہیا کر دیئے۔ شوہر پر یہ احکام واجب کئے کہ وہ اپنی عورت کو اگر چھوڑنا چاہے تو

پسندیدہ اور احسن طریقہ سے چھوڑے۔ اس کے سامان اور مال ومتاع کو چھیننے کی کوشش نہ کرے، اس کے ذمہ جو مہر رہ گیا ہے ادا کر دے۔ عورت کی عدت کے ایام پورے ہونے تک اس کے جملہ اخراجات برداشت کرے۔ جب اس کی عدت ختم ہو جائے تو اس کو دوسری شادی کر لینے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا۔ عورت اگر حیض کے جاری نہ ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا اعتراف کرنے تک مرد کو نان ونفقہ دینا ضروری ہے۔ یہ وہ مختلف طریقے ہیں جو عورت کی زندگی کی حمایت کے لیے اختیار کیے گئے ہیں۔ ان سے مقصود یہ ہے کہ زوجیت کے مرتبہ وشان کو بلند کیا جائے۔ عورت کو حقیر سمجھنے یا اس کو حقوق انسانیت سے محروم کرنے سے احتراز کرایا جائے اور طلاق کو بازیچۂ اطفال بنانے سے روکا جائے۔

حکومت اسلامیہ کے یہ قوانین دیگر مذہبی وحکومتی آئین واصول سے ممتاز ہیں، اس لئے کہ اسلام نے اجتماعی قوانین اور قوموں کی ضروریات ومصالح کے پیش نظر طلاق کو ایک دم حرام قرار نہیں دیا، بلکہ اقتضائے طبیعت کے طور پر بعض خاص حالتوں میں مخصوص شرطوں کے ساتھ جائز رکھا ہے:

"الطلاق مرتان فامساك بمعروف اوتسريح باحسان"

(سورۃ البقرہ)

"وہ طلاق (جس کے بعد رجوع کر سکتے ہیں) دو ہی ہیں (اس میں) دستور کے موافق زوجیت میں رکھے یا اچھی طرح سے چھوڑ دے۔"

اگر اس آیت کریمہ میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ طلاق کو دو مرتبہ شروع کرنے میں مقصد یہ ہے کہ مفاہمت اور باہمی صلح کی راہ تلاش کرنے اور اپنے امور پر غور وفکر صرف کرنے کا موقع دیا جائے، اس کے علاوہ شریعت نے طلاق سے پیشتر جو عدالتی قانون نافذ کیا ہے اس سے بھی یہی مقصد ہے کہ دونوں رشتۂ ازدواج کو توڑنے اور طلاق کے لیے پیش قدمی کرنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لیں۔ عدالتی فیصلہ یا قانون سے مراد یہ ہے کہ اسلام نے یہ وصیت کی ہے کہ طلاق واقع ہونے سے قبل شوہر اور بیوی اپنی کشیدگی واختلاف کی اصلاح کے لیے کسی سلیم الطبع شخص یا قاضی کے پاس رجوع کریں تاکہ مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے۔ اس کے باوجود اگر اصلاح کی کوئی سبیل نہ پیدا ہو تو اب طلاق کا قصد کریں، یہی ایک طریقہ ہے جو ان کو باہمی کشمکش سے نجات دے سکتا ہے۔

شرعی نقطۂ نگاہ سے اسلام نے طلاق کے دائرہ کو نہایت تنگ کر دیا ہے حتیٰ کہ اس کو ابغض حلال (بدترین حلال) کہا ہے۔ نیز یہ کہ طلاق دو مرتبہ ہے۔ اس سے قبل کہ طلاق ہو عدالتی فیصلہ کی جانب توجہ کرنی چاہئے۔ عورت شرعی اسباب کے تحت طلاق لینے کا حق رکھتی ہے۔ یہ تمام قوانین اس لئے ہیں کہ جب تک طلاق کے اسباب و شروط پورے طور پر نہ جمع ہو جائیں طلاق کے لیے پیشقدمی کرنا خاندانی سعادت کے لیے ناگوار اور اولاد کی تربیت میں برے اثرات پیدا کرنے کا موجب ہے۔

اس کے علاوہ بعض فقہاء کی نظر میں مرد کا بغیر انتہائی اشد ضرورت کے اپنے تسلط واقتدار کی بناء پر طلاق کا اقدام کرنا سراپا باطل ہے۔ کیونکہ جمہور فقہاء کے نزدیک طلاق مباح ہے' اس کے ساتھ ساتھ وہ اس طلاق کو جو شرعی شروط پر پوری نہ اترے' نہایت افسوسناک اور بدترین فعل شمار کرتے ہیں۔

یہاں یہ شبہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے جس طرح طلاق کو بری چیزوں میں شمار کیا ہے کیا اس سے پیشتر اس طرح سے مسیحی مذہب نے بھی طلاق کو حرام نہیں کیا۔ پھر اس میں اسلام ہی کو کیا خصوصیت حاصل ہے۔؟

یہ کہنا کہ مسیحی مذہب کے مطابق اسلام نے بھی طلاق کو حرام کر دیا ہے غلط ہے، کیونکہ اگر ایسا کیا جائے تو شادی کا وہ مقصد فوت ہو جاتا جو مرد اور عورت کی زندگی سے وابستہ ہے کہ ان میں اتحاد و محبت قائم ہو۔ اگر یہ چیز مفقود ہو جائے تو اس صورت میں صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ اصلاح کی کوشش یا جدائی، تاکہ وہ افتراق و نزاع کے دائمی عذاب سے چھٹکارا پالیں۔ کیونکہ ازدواجی زندگی میں بدمزگی و کشیدگی مختلف مصیبتوں کی آماجگاہ ہے۔ شارع اسلام حضرت حق جل مجدہ کو یہ معلوم تھا کہ جو قومیں طلاق کو حرام قرار دے رہی ہیں کسی دن وہ بھی اس کو جائز قرار دینے پر مجبور و مضطر ہوں گی اور اس کے لیے ان کو اپنے مذہبی حدود اور قانونی دیواروں کو توڑ دینا پڑے گا' چنانچہ یہی ہوا جس پر بے شمار واقعات وحادثات شاہد ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں اکثر قومیں اس کو مباح قرار دینے پر آمادہ ہو گئیں۔ اس دور سے طلاق کا رواج اس حد تک ہو گیا' خصوصاً متحدہ امریکہ میں کہ جس کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ امریکہ کے بلکہ یورپ کے تمام مصلحین اس معاملہ میں انجان ہو گئے، کیونکہ ان کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ تہذیب و تمدن کے نظام کی بنیادیں اسی پر قائم ہو سکتی ہیں۔

اب سے کئی سو سال پہلے اگر اسلام نے طلاق کو مباح کیا ہے تو کیا اس نے تمام عمرانی اور تمدنی واجتماعی ضرورتوں کا پورا لحاظ نہیں رکھا۔؟

بعض تنگ نظر ارباب بحث یہ پیش کرتے ہیں کہ دولت رومانیہ کے ابتدائی زمانے میں طلاق کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی باوجود یہ کہ یہاں کا قانون اس کے جواز کا حامی تھا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ عورت بہ نسبت دوسری قوموں کے یہاں پر نہایت ارفع واعلیٰ شان رکھتی تھی۔ یہ قول سراسر غلط ہے، کیونکہ سلطنت رومانیہ میں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے شوہر کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنی بیوی کو کسی جرم پر قتل کر دے' اس کے باوجود عورت کو طلاق لینے کا کوئی حق نہ تھا۔ اگر طلاق لینے کا ارادہ بھی کرتی تو اس کا یہ فعل قابل قصاص شمار کیا جاتا۔ اس کے برعکس جمہوریت کے آخری زمانے میں طلاق بکثرت رائج ہوگئی جو انتہائی سرعت کے ساتھ سوسائٹی کے اخلاق میں انحطاط پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ اسلام نے طلاق کو جائز قرار دے کر عورت کی تعظیم وتوقیر کو بڑھایا اور اجتماعی اضطراب کے امکانات کو دور کیا یا دوسری قوموں نے جنھوں نے طلاق کو یکسر حرام قرار دے کر انسانیت کا گلا گھونٹ دیا' عورت کے لیے انواع واقسام کے مظالم کا دروازہ کھول دیا اور اخلاقیات کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔؟

ان عجیب وغریب مقدمات میں سے جن کو میں نے گزشتہ ماہ لندن کی عدالت گاہوں میں دیکھا ہے ایک شخص کا مقدمہ ہے جو ''الن واتھام'' سے موسوم تھا۔ یہ شخص اپنی ازدواجی زندگی سے بہت تنگ آچکا تھا۔ آخر کار اس نے اپنی بیوی کو پانسو انگریزی سکول پر ایک تاجر فیلپس نامی کے ہاتھ بیچ دیا۔

مسٹر الن واتھام نے دوران مقدمہ میں بیان کیا کہ اس کی ازدواجی زندگی نہایت ناخوشگوار ہوگئی تھی، کیونکہ اس کی بیوی کے اخلاق وعادات مرد کے بالکل مخالف تھے۔ اس لئے کہ اس کی بیوی کو اس تاجر کے ساتھ عشق تھا اور وہ اپنی فروخت کے لیے تیار تھی۔

وکیل ملزم نے کہا کہ مدعی کو اب دعویٰ پیش کرنے کا کوئی حق نہیں، کیونکہ اس نے اپنی مدافعت میں ایک ایسا جملہ کہہ دیا ہے جس سے اس امر پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ آج سے سو سال پہلے انگریزی قانون بیویوں کو فروخت کرنے کے جواز میں تھا۔ 1801ء میں ایک بیوی کی قیمت چھ پنس میں محدود تھی، مگر شرط یہ تھی کہ بیوی کی رضامندی اور اس کے اختیار سے اس بیع

کی تکمیل ہونی چاہئے۔

عدالت نے اس بیان کی تردید کی کہ یہ جملہ صحیح ہے اور جس قانون کا ذکر کیا گیا ہے وہ واقعی موجود تھا مگر حکومت نے 1805 میں بیع زوجات اور ان کی تحقیر کے خلاف قانون صادر کر دیا ہے۔ بحث و مباحثہ کے بعد عدالت نے فروخت شدہ بیوی کے شوہر کو دس مہینوں کی قید کا فیصلہ صادر کیا۔

حکومتوں اور دیگر مذاہب وادیان کے ان قوانین سے جو عورتوں کے بارے میں پیش کیے گئے ہیں اگر اسلامی تعلیمات واحکام کا مقابلہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا عملی مذہب ہے جو محکم اساس پر قائم ہے۔ اس نے انسانی انقلابات اور تہذیبی ومرانی حالات وتغیرات کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اس نے کوئی ایسا خیالی خاکہ پیش نہیں کیا جو عالی شان عبادت گاہوں تک محدود ہو اور میدان عمل میں اس قدر دشوار گزار گھاٹیاں حائل کر دے کہ لوگ ان کو عبور ہی نہ کر سکیں۔

یہاں یہ شبہ وارد کیا جا سکتا ہے کہ یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو وہ حقوق دیئے جو دنیا کی کسی قوم یا مذہب نے عطا نہیں کئے، حالانکہ اس نے مرد ہی کو عورت کی طلاق کا حق دیا ہے کہ جس وقت وہ ارادہ کرے عورت کی ازدواجی زندگی کو منہدم کر سکتا ہے؟ کیا یہ عورت پر صریح ظلم نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک اس قسم کی طلاق عورت کے درجہ کو گرا دینے کا موجب ہوتی اگر اسلام طلاق کے بارے میں عورتوں کو مردوں کے مساوی نہ شمار کرتا۔ اس نے حق طلاق مرد ہی کو نہیں دیا، بلکہ اس میں مرد وعورت دونوں کو مساوی حقوق عطا کیے ہیں۔ اس نے یہ قانون پیش کر دیا کہ عورت کا حق ہے کہ وہ عقد کے وقت یہ شرط ٹھہرائے کہ طلاق کا حق جس طرح سے مرد کو ہے اسی طرح اپنے لئے بھی ہوگا۔ وہ حسب ضرورت ومقتضائے حال جس وقت چاہے اس کو استعمال کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اکثر وبیشتر اسلامی خواتین نے اس حق سے فائدہ اٹھایا ہے انہوں نے اپنی عصمت وعفت کو اپنے ذمہ لیا اور اپنے شوہروں کے ساتھ نہایت شان ومنزلت کی زندگی گزاری اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ زندگی کا اطمینان اور مصیبتوں سے نجات پانے کی صورت مردوں سے جدا ہو جانے ہی میں ہے تو اپنا حق طلاق طلب کیا۔ جب سے مسلمانوں نے ان اسلامی حقوق کو نظر انداز کر دیا اور اپنی لڑکیوں کو کلی طور پر مرد کے قبضہ اقتدار میں دے دیا تو

مخالفین کو اسلامی تعلیمات پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سے اسلامی احکام وقوانین پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی۔ وہ وقت دور نہیں کہ لوگ بہت جلد پھر ان حقوق سے آگاہ ہو کر ان سے استفادہ کریں گے اور اپنا بھولا ہوا سبق یاد کر کے زندگی کو خوشگوار بنائیں گے۔

یہ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ مخالفین اسلام نے ان شروط سے آنکھیں بند کر لیں جن کی شارع اسلام نے اجتماعی ضرورت کے مدنظر طلاق کی اجازت دی ہے۔ نیز انہوں نے ان فقہاء مسلمین کے قوانین کو فراموش کر دیا جو اپنے محکم احکام میں ازروئے عدالت وانسانیت مغربی قوموں کے ارباب بحث وتفقہ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مسلمان فقہاء نے اس آیت کریمہ:

"فان طلقها فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره"

(سورۃ البقرۃ)

"پھر اگر اس نے اس کو (تیسری) طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اس کو حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔"

سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ میاں بیوی ہر دو کے لئے ایک تہدیدی حیثیت رکھتی ہے، جہاں تک ہو سکے طلاق کا سدباب کرتی ہے اور بلا سوچے سمجھے طلاق پر اقدام کرنے سے باز رکھتی ہے۔

یہ امر کس قدر صریح بطلان خیز ہے کہ سر میور نے اپنی کتاب "سیرۃ محمد (علیہ السلام) میں اس کا انکار کیا ہے لیکن اس نے یہ فراموش کر دیا کہ اسلام نے پہلے شوہر کے لئے اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے کے لیے جو دوسرے شوہر کی شرط لگائی ہے یہ خود طلاق کے واقعہ ہونے میں زبردست مانع ہے، خصوصاً عرب جیسی قوم کے نزدیک جو غیرت وخودداری میں مشہور اور عزت نفس میں ممتاز ہے۔ نیز یہ شرط اس عادت کو روکنے کا بہترین ذریعہ ہے جو اس زمانے کے یہود ونصاریٰ اور جاہلیت کے عربوں میں بکثرت پائی جاتی تھی۔ پس قرآن عزیز نے اس قوم کو شدت کے ساتھ منع کیا جو روئے زمین کی تمام قوموں سے شعور واحساس میں نہایت قوی تھی۔ جس پر عمل کر کے اس نے ابدی عزوشرف حاصل کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگ مجموعی طور پر انسانی جذبات میں باہم مشابہ ہیں۔ انسانی سوسائٹی میں سوائے ان چند اشخاص کے جنہوں نے اپنی انسانیت اور غیرت کو خیر باد کہہ دیا ہو کوئی

انسان اپنے خاندانی مجد و شرف اور غیرت وحمیت کے تحت ہرگز یہ گوارا نہ کرے گا کہ اپنی عورت کو طلاق دے کر اس کو کسی دوسرے سے شادی کرنے کے لیے چھوڑ دے۔

اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر شریعت نے حلالہ کرنے کی شدت سے برائی کی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الا اخبر کم بالتیس المستعار قالوا ماھو یارسول اللہ؟ قال ھو المحلل لعن اللہ المحلل و المحلل لہ"

"کیا میں تمہیں عاریتی سانڈ کی خبر نہ دوں۔؟" لوگوں نے کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیا ہے۔؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت کی ہے۔"

لعان:

شوہر اگر اپنی عفیفہ، بالغہ، آزاد اور مسلمان بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور مقدمہ قاضی کے یہاں لے جائے تو ایسی صورت میں قاضی شوہر سے چار عینی گواہوں کی شہادت ثبوت میں پیش کرنے کو کہے گا۔ اگر شوہر ایسا کرنے سے قاصر رہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر چار مرتبہ کہنا پڑے گا کہ میں اس دعوے میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ اگر میں بیوی کو زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو۔ اب اگر عورت اپنے کو پاک سمجھتی ہے تو اس کو بھی یہ چار بار کہنا پڑے گا کہ بخدا اس کہنے میں میرا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے گی کہ اگر میرا شوہر اس الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ اسی کو شریعت کی اصطلاح میں "لعان" کہتے ہیں۔

قاضی کے سامنے جب لعان شرعی مکمل ہو جائے گا تو شوہر بیوی کو طلاق دے دے اور پھر قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا۔

قرآن مجید کی اس آیت میں یہی بیان ہے:

"والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصدقین والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکذبین ویدرأعنھا

العذاب ان تشهد اربع شهادات باللہ انہ لمن الکذبین

والخامسة ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصدقین"

"جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں تو ان کی شہادت یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔"

یہاں بھی مقصود یہی ہے کہ جب میاں بیوی کی باہمی زندگی تلخ ہو جائے تو خواہ مخواہ اسے تلخی کے ساتھ رشتہ نکاح میں منسلک رہنے پر قانوناً مجبور نہ کیا جائے، کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ ایک کا دوسرے کو اعتماد حاصل نہ ہو زندگی ہر اعتبار سے جہنم کا نمونہ بن جائے گا۔

☆☆☆

باب نمبر 27:

اسلام اور تعدد ازدواج

تعدادِ ازدواج دیگر ادیان میں:

مخالفین اسلام نے تعداد ازدواج پر گوناں گوں اعتراضات کیے ہیں اور اس کو خلاف فطرت اور خلاف معاشرت ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کر رہے ہیں۔ یہاں مقاصد اسلام سے متعلق اس کے چند ابتدائی مباحث بالاجمال پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، تاکہ اس کی مشروعیت میں اسلام کا مقصد و منشاء پورے طور پر واضح ہو جائے۔

تہذیب و تمدن کے وجود میں آنے سے ہزاروں سال پہلے انسان کی شادی کی نوعیت کیا تھی اور مرد و عورت کے تعلقات کس طرح قائم ہوتے تھے۔؟ اس کا جواب تاریخ کی ورق گردانی سے یہ ملے گا کہ ایسی کوئی جماعت اور قبیلہ نہ پایا جائے گا جس میں سے اکثر و بیشتر افراد نے ایک ہی عورت پر اکتفاء کیا ہو۔ تاریخی واقعات و حالات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ بعض وحشی قبائل میں یہ رسم جاری تھی کہ مردوں کے لیے عورتیں عام ہوگئیں تھیں۔ حق انتخاب بھی مردوں کو حاصل تھا۔ دونوں میں شادی بیاہ کے معاملات و تعلقات باہم رضامندی سے طے پاتے تھے۔ ماں ہی گھر کی ملکہ کہلاتی۔ باپ کا کوئی شمار و اختیار نہ تھا۔ جیسے جیسے انسان ارتقاء کے منازل طے کرتا گیا لوگ اس باہمی اختلاط اور میل جول کے نقصانات سے بھی واقف ہوتے گئے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ میں اختصاص کی جو صورت در پیش ہوتی وہ یہ تھی کہ ایک قبیلہ کی عورتیں اس قبیلہ کے مردوں کے ساتھ خاص ہو جاتی تھیں؛ دوسرے قبیلے کو ان میں مداخلت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ زمانہ ترقی کرتا ہوا یہاں تک پہنچا کہ ایک مرد کئی عورتوں کو بلاتعین عدد اپنے لئے خاص کرنے لگا۔ پھر ایک ایسا دور آیا جس میں مرد و عورت کی تاریخ میں ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ اس دور جدید میں باپ گھر کا سردار اور مالک و مختار شمار ہونے لگا۔ ماں کی ہستی صرف اس قدر تھی کہ وہ گھر میں اولاد کی پرورش کرنے اور گھریلو انتظام کرنے کے لیے مخصوص تھی۔

دنیا کے گردوپیش کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج کل دنیا کے ہر خطہ میں تعداد ازدواج کا رواج پایا جاتا ہے۔ امریکہ، آسٹریلیا، کلدانیہ، جزائر سوماٹرا، شمالی اور جنوبی امریکہ کے وحشی قبائل اس کے پابند نظر آتے ہیں۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو تعدد زوجات کو عین فطری اصول وقوانین کے مطابق تسلیم کرنے والے اشخاص بکثرت نظر آئیں گے۔ اس کا ثبوت اس سے ہوسکتا ہے کہ بہت سی قومیں تعداد ازدواج کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتی ہیں، لیکن غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے ان کے اندر اتنی طاقت اور حیثیت نہیں کہ اس کو عملی جامہ پہنا سکیں جیسا کہ افریقہ کے بعض قبائل کا حال ہے۔

یہی حالت ہندوستان اور دیگر قبائل کی بھی ہے کہ یہاں بظاہر تعدد زوجات پر بہت کم عمل درآمد کرنے کے موقع حاصل ہوتے ہیں، کیونکہ کچھ تو افلاس وغربت اور کچھ رسم ورواج کی پابندیاں اس میں سد راہ ہیں۔ بخلاف اس کے آسٹریلیا اور دیگر جزائر میں یہ عارضی امور تعدد زوجات میں کسی طرح حائل نہیں ہوسکتے، کیونکہ وہاں کی عورتیں خود اس لائق ہیں کہ مردوں کے دوش بدوش محنت مزدوری کر کے روزی پیدا کر لیتی ہیں، ان میں اتنی صلاحیت وطاقت ہے کہ وہ مختلف صنعتوں سے اپنی اولاد کی پرورش کرسکتی ہیں۔

ہمارے اس بیان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر قبیلہ تعداد ازواج کا پابند ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان افراد کے ساتھ مخصوص ہے جو مالدار اور ذی ثروت ہیں۔ غریب ونادار طبقہ اس سے زیادہ متمتع نہیں ہے۔ ملک کے رؤسا وامراء ہی ایک سے زیادہ عورتیں کرتے ہیں۔ یہی حال جاوا کا بھی ہے کہ تمام خاص وعام اعتقاداً اس کو مانتے ہیں، مگر بادشاہوں اور امیروں کے علاوہ اس پر عمل کرنے کے لیے کسی کی ہمت نہیں بڑھتی۔

سوماٹرا میں تو یہ قانون مقرر ہے کہ مرد متعدد عورتیں کرنے میں مختار ہے، لیکن یہ قانون صرف رؤسا واغنیا کے ساتھ مخصوص ہے، ہر کس وناکس کو اس پر عمل کرنے کا حق حاصل نہیں۔

تعدد زوجات کے اسباب:

یہ عادت طبعی اسباب کی بنا پر وقوع پذیر ہوئی ہے کہ بعض قبائل میں بعض افراد جسمانی قوت میں امتیازی شان رکھتے ہیں، وہ اپنے قبیلے میں زیادہ بہادر اور جنگ جو خیال کیے جاتے ہیں۔ اسی امتیاز کی وجہ سے یہ ایک سے زیادہ عورتیں کرنے کی طرف قدرتی اور طبعی اسباب کی وجہ سے رغبت رکھتے ہیں، خواہ یہ عورتیں اپنے قبیلے سے ہوں یا اجنبی خاندان سے تعلق رکھیں۔ ان لوگوں کے

نزدیک کسی عورت کو زبردستی اپنا بنا لینا فخر و مباہات اور مجد و شرف کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ جس شخص کے پاس جس قدر زیادہ عورتیں ہوتیں وہ اتنا ہی بہادر، شجاع اور صاحب اقتدار تصور کیا جاتا۔ اکثر عالی ہمت بہادر ایک سے زیادہ عورتیں کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حبشی قبائل کے لوگ اس شخص کو قابلِ احترام اور لائق تعظیم متصور کرتے جو سب میں زیادہ بیویوں والا ہوتا۔

ایک سیاح عورت لکھتی ہے:

"امریکہ میں میکسک کے بادشاہوں کے خلفاء اور مقربین کا یہ اعتقاد تھا کہ عورتوں اور لونڈیوں ہی کی کثرت سے وہ بلند مراتب اور عالی مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔"

برٹن بیان کرتا ہے:

"افریقہ کے بعض قبائل میں زیادہ عورتیں رکھنے والا قابل فخر مباہات گردانا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک ایک شخص 12 سے 300 عورتوں تک اپنے لیے اختیار کرتا ہے۔"

ان تمام بیانات و تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ اس طریقہ طبعی کے رائج ہونے کے مختلف اسباب ہیں۔ یہ مسئلہ مختلف پہلو اختیار کر چکا تھا۔ زیادہ تر اس کا سبب عورتوں کی تعداد پر فخر و ناز کرنا ہے کیونکہ ان کی تعداد سے مرد کی قوت اور پھر اس کے غنا و ثروت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہر قوم میں فخر و عزت کا سرمایہ شمار کیے جاتے ہیں۔

ایک لاطینی مورخ ٹاسٹ کہتا ہے:

"قدیم جرمنی قبائل ہی تھے جن کے پاس تعدد زوجات کا رواج نہ تھا۔"

فرانس کا مشہور سائنس دان مانٹسکو کہتا ہے:

"میروونجین کے بادشاہان جنہوں نے پانچویں صدی سے لے کر 752 تک فرانس پر حکومت کی ایک سے زیادہ بیویاں کرتے تھے اور اس کو اپنی شان و شوکت کا باعث خیال کرتے تھے۔"

اس کے علاوہ اور بھی اقتصادی اسباب ہیں جو تعدد ازواج کا باعث بنے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ ایک عورت کے لئے یہ دشوار تھا کہ وہ گھر کے کام کے ساتھ دوسرے امور بھی انجام دے۔ اوقیانوس میں کلدانیہ جدید کے امیروں کی عادت تھی کہ وہ دس سے لے کر تیس عورتوں تک نکاح کرتے تھے، تاکہ امور خانہ داری کے ساتھ ساتھ کھیتوں اور باغوں کے کام بھی انجام دے سکیں۔

یہ ایسا اقتصادی سبب تھا جس نے افریقہ کے اکثر و بیشتر لوگوں کو تعدد ازدواج پر آمادہ کر دیا، کیونکہ وہاں دور دور تک عورتوں ہی کے معاملات اور کاروبار پھیلے ہوئے تھے۔ پانی سینچنا' کھیتوں کی دیکھ بھال' باغوں کی سرسبزی و شادابی کا خیال رکھنا وغیرہ اس قسم کے بے شمار کام ان کو تفویض تھے۔

جنوبی افریقہ میں کفار کے جو قبائل بستے ہیں یہ عموماً اپنی عورتوں کو چوپایہ کے مماثل سمجھتے ہیں اور ان سے سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام لیے جاتے ہیں۔ ایک انگریز سیاح خاتون نے وہاں کے قبیلہ کے کسی فرد پر اعتراض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ تو اپنی عورت سے اتنی سخت محنت کا کام لیتا ہے۔؟ اس نے جواب دیا کہ اس سے میں یہ کام کیوں کر نہ لوں جب کہ میں نے اس کو اپنے مال سے خریدا ہے۔؟

مشاہدہ کیا گیا ہے کہ سوڈان میں عورتوں کا کوئی مرتبہ نہیں۔ ان کو حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کا آلہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ نہ اچھا سلوک کیا جاتا اور نہ محبت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک سیاح خاتون مونٹرو جس نے سوڈان میں کئی سال تک قیام کیا' بیان کرتی ہے کہ حبشی قومیں اپنی عورتوں کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کرتی ہیں اور ان کے نزدیک عورت کی کوئی قدر و منزل نہیں ہے۔ وہ اپنے چشم دید واقعات میں بیان کرتی ہے:

"میں نے یہاں پر کسی ایک کو بھی اپنی عورت سے محبت کرتے ہوئے اور اس سے مہربانی و کرم سے پیش آتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ ان کی لغت میں محبت کا لفظ ہی نہیں جو عشقیہ جذبات و احساسات کی تعبیر کر سکے۔"

فزیالوجی کا ایک مشہور انگریز عالم لارڈ امیری کہتا ہے کہ امریکہ میں ہاہلسٹ ایک شہر ہے جہاں کے قبائل کے مردوں اور عورتوں میں تھوڑا بھی میل ملاپ نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عشق و محبت سے ایک دم ناآشنا ہیں۔ اسی طرح جنوبی افریقہ کے کافروں کا حال ہے۔ آگے چل کر کہتا ہے کہ سوڈان میں مرد عورت سے شادی تو کر لیتا ہے، لیکن شادی کے بعد عورت کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتا۔

اس انفرادی روئیداد سے تعدد زوجات پر کوئی عیب نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ یہ واقعات لاعلمی اور جہالت کی بنا پر سرزد ہوا کرتے ہیں۔

تعدد ازدواج کے شائع ہونے کا ایک اور سبب یہ ہے کہ لوگ اس کو دینی مصلحتوں میں شمار کرتے تھے۔ چنانچہ شیبوی کے قبائل کا یہ عقیدہ تھا کہ زیادہ بیویاں کرنے والا ان کے معبود روح

اکبر کے نزدیک عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

تورات میں تعدد ازدواج کی طرف صراحتاً یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہر شخص کے لئے مباح ہے کہ وہ جنگی قیدیوں میں سے جتنی لونڈیاں چاہے رکھ سکتا ہے اور جب چاہے ان کو چھوڑ سکتا ہے۔

قدیم مصریوں کا یہ حال تھا کہ ان کے نزدیک تعدد ازدواج کو اختیار کرنے میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ یہ چیز نہ تو اخلاق انسانی کے خلاف تھی اور نہ فطری و الٰہی اصولوں کے ساتھ متصادم۔ اس کی شہادت کے لیے یہی کافی ہے کہ ان کے قوانین اس سے خالی نظر آتے ہیں اور اس کی مخالفت میں کسی قانون کی تصریح نہیں پائی جاتی۔ تمام کا یہی عقیدہ تھا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ برکت و ثروت عطا کرتا ہے وہ کثیر تعداد میں بیویاں اور لونڈیاں رکھتے ہیں۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ تعدد ازدواج کا مسئلہ ان قبائل کے مردوں ہی کے پاس مسلم نہیں، بلکہ ان کی عورتوں نے بھی اس میں خاص دلچسپی لی ہے۔ مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ شمالی امریکہ میں قبائل کوش کی عورتیں تعدد زوجات کو ناپسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتی، بلکہ اس کو اپنی حق میں ایک مفید اور بہترین ذریعہ سمجھتی ہیں۔ اس کا بیشتر سبب یہ ہے کہ اس زمانے میں عورتوں کے بارے میں لوگوں کے خیالات و نظریات بے حد خراب تھے۔ عورت ان کے نزدیک چوپایہ سے بدتر سمجھی جاتی تھی اور اس کو بہت سے مشکل اور دشوار ترین کام سپرد کیے جاتے تھے۔ اس لیے اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے وہ خود یہ چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ اور مددگار عورتیں بھی ہوں جو اس کے مشکل کاموں میں وقتاً فوقتاً امداد بہم پہنچاتی رہیں۔

اسلام اور تعدد ازدواج:

اسلام سے پیشتر جاہلیت کی حالت پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ نکاح ہی خاندان اور گھرانے کی تکوین و بنیاد کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا۔ مرد خاندان کا رئیس اور اصل سمجھا جاتا تھا، لیکن ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ مختلف مردوں کا ایک عورت کو رکھنا نہایت برا سمجھا جاتا تھا اور اس کو زنا میں شمار کیا جاتا۔ زنا اکثر لونڈیوں کے ساتھ کیا جاتا اور آزاد عورتوں سے کم سرزد ہوتا۔ مردوں کے لیے زنا معیوب نہیں تھا، البتہ! عورتوں کے حق میں مذموم تھا۔ تعدد زوجات کا اس قدر رواج تھا کہ ایک مرد قبیلہ کی عورتوں کو بلا تعیین عدد اپنے لئے مخصوص کر لیتا تھا۔ ان سے اولاد بھی پیدا ہوتی تھی۔ یہ عادت نہ صرف عرب میں، بلکہ تمام مشرقی ممالک میں عام رواج پا چکی تھی۔ چونکہ عرب میں جنگ و جدل کا میدان ہمیشہ گرم رہا کرتا تھا اور

لاکھوں جانیں تلف ہو جاتی تھیں' اس لیے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مردوں کی تعداد گھٹ گئی تھی اور عورتوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔ عرب ہی پر کیا موقوف تقریباً تمام قوموں کی یہی حالت ہے جہاں خوں ریز جنگیں ہوا کرتی ہیں۔

اسلام کا ظہور بھی عرب کی اس سرزمین میں ہوا جو متعدد خون ریز جنگوں سے لالہ زار ہو چکی تھی۔ اسلام عرب ہی کی قوم میں ابتداً پھلا پھولا جن کے نفوس پر تعدد زوجات' زنا کاری اور مختلف فسق و فجور کے اثرات چھائے ہوئے تھے۔ اسلام نے جاہلیت کی بری رسموں کے دور کرنے کے لیے اپنا تدریجی اصلاحی نظام اختیار کیا۔ اس نے اولاً زنا کاری کو عورتوں' مردوں حتیٰ کہ لونڈیوں پر حرام اور ممنوع قرار دیا۔ چونکہ عرب کے لوگ ان ممنوعہ افعال کے عادی ہو چکے تھے اور اسلام کے ان سخت احکام کی پابندی کو برداشت نہ کرنے کا امکان قوی تھا، اس لیے تعدد زوجات کی اس نوعیت کو جو جاہلیت میں رواج پا چکی تھی' جائز قرار دے کر اس کو اس قدر محدود کر دیا کہ جس میں محصور رہ کر ہر شخص اپنی صورت حال کے مطابق عمل درآمد کر سکتا ہے۔ اسلام تمام قوموں کے لیے تاابد پیغام حیات بن کر آیا تھا' اس نے اپنے عام فطری اصولوں کے مطابق قوموں کی خصوصیات' زمانے کی ضروریات اور مردوں کے فطری غیر معمولی قویٰ کو ملحوظ رکھتے ہوئے تعدد زوجات کو ایک تنگ دائرہ میں برقرار رکھا۔

وجہ جواز:

اس میں شک نہیں کہ اجتماعی نظام اور خاندانوں اور قبیلوں کی سعادت کا انحصار ایک بیوی اور شوہر پر ہے کہ دونوں اپنے فرائض و واجبات کو محبت و اخلاص کے ساتھ انجام دیں۔ پھر مخالفین کا یہ قول بھی درست ہے کہ ازدواجی تعلقات کو برقرار رکھنے اور زندگی کی ارتقائی حد تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مرد کا ایک ہی عورت کو انتخاب کرنا شرط ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ بعض اجتماعی صورتوں اور طبعی حاجتوں میں جن سے مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کو سابقہ پڑتا ہے' ایک انسان اپنی مصلحتوں پر نظر رکھتے ہوئے ایک سے زیادہ عورتوں کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ بعض اوقات ازدواجی نظام درہم برہم سا ہو جاتا ہے اور ربط و ضبط کے وہ امکانات جن سے میاں بیوی کی خوشگوار زندگی عبارت ہے آہستہ آہستہ زائل ہونے لگتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ کیا کوئی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ کسی فرد نے آج تک اس خصوصیت پر قناعت کی ہو۔ کیا یورپ میں کوئی جگہ ایسی ہے جہاں زنا کاری نہ پھیل گئی ہو؟ ہر انسان اپنے اقتضائے

طبعی پر ایک عورت پر اکتفا نہیں کر سکتا، کیونکہ عورت پر مختلف حالات و تغیرات طاری ہوتے رہتے ہیں جن سے وہ ہر حالت میں مرد کی صحبت کے لائق نہیں رہتی۔ خصوصاً اس وقت جب کہ مرد کی جسمانی قوتیں اوروں کہ بہ نسبت عروج پر ہوں۔ اس کے علاوہ نسل کی افزائش کے لیے عورتوں میں ہر زمانہ میں استعداد باقی نہیں رہتی۔ عورت مرد کی صحبت کے لائق اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ وہ حمل، حیض، نفاس اور حالت مرض سے پاک صاف ہو۔ نیز اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے ایک شخص شادی کرتا ہے، اتفاق سے عورت بانجھ نکلتی ہے یا عورت بڑھاپا میں قدم رکھ چکی ہے اور مرد میں اتنی طاقت ہے کہ وہ دوسری عورت سے نکاح کر کے اپنی اولاد اور سابقہ بیوی کی پرورش کر سکتا ہے یا یہ کہ وہ اتنا قوی و توانا ہے کہ اس کو ایک عورت کافی نہیں ہوتی یا عورت مرد سے متنفر ہے۔ ان تمام صورتوں میں کیا زندگی کا توازن نہیں بگڑ جائے گا؟ کیا تعدد ازواج کو بند کر کے زنا کا دروازہ نہیں کھول دیا جائے گا؟ ان مشکلات کا واحد حل صرف یہی ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی جائے۔ عورت اگر بانجھ نکلے اور مرد خصوصیت کے ساتھ بادشاہ یا رئیس ہو تو وہ دوسرا نکاح کر سکتا ہے، تا کہ اس کی اولاد اس کے منصب اور جائیداد کو سنبھالے۔ اس طرح سے نسل کا سلسلہ بھی منقطع نہ ہوگا۔ مرد اگر دوسروں کی بہ نسبت بلحاظ اپنی قوتوں کے بڑھ چڑھ کر ہے اور صرف ایک عورت اس کے لئے کافی نہیں ہے تو وہ دوسری بیوی سے نکاح کر لینا اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ وہ بغیر دوسری شادی کے زنا کاری اور فسق و فجور میں مبتلا ہو کر انسانیت سوز حرکات کا مرتکب ہو جائے جیسا کہ آج کل یورپ کا حال ہے اور نیز ان ممالک کا جہاں تعدد ازواج کو شرعاً و قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہے جس سے زنا اور فحش کاری کا رواج عام ہو گیا اور سوسائٹی میں ایک خلل عظیم واقع ہو گیا ہے۔ اس کا سبب دیگر اسباب کے قطع نظر مردوں کی تعداد میں کمی اور عورتوں میں زیادتی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔؟

ان تمام مفاسد اور برائیوں کا استیصال کرنے اور اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اسلام نے تعدد زوجات کو مباح قرار دیا اور اس کے جواز کے لیے چند شروط عائد کر دیے کہ جب تک اس کے اسباب نہ پائے جائیں ہرگز وہ جائز نہ ہوگا۔ جن میں سے چند اسباب یہ ہیں:

وہ اہم تغیرات جو عورت پر طاری ہوتے ہیں جن سے مرد اپنی طبیعت پر قابو نہیں پا سکتا یا عورت کسی مہلک مرض میں گرفتار ہو اور اس سے نجات پانے کی سبیل نہ ہو۔

مشاہدہ اور تجربہ سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ عورتیں بہ نسبت مردوں کے تعداد

میں زیادہ ہیں۔ اس کی وجہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ مختلف زمانے میں مختلف قوموں میں اکثر اوقات خون ریز جنگیں پیش آیا کرتی ہیں جن سے مردوں کی بے شمار جانیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ اگر مرد ایک ہی عورت پر اکتفا کرے تو عورتوں کی کافی تعداد باقی رہ جائے گی جس کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا' لامحالہ وہ زنا کاری اور دوسری برائیوں میں مبتلا ہو جائیں گی۔

ان حالات میں سے جو عورت کو لاحق ہوتے ہیں' بعض وہ ہیں جو اس کے نسلی پیداوار کے سلسلہ کو ایک دم بند کر دیتے ہیں۔ نسل کی پیداوار کا مسئلہ مختلف حیثیت سے اہمیت رکھتا ہے۔ انفرادی صورتوں میں جہاں حکومتی' معاشرتی و اقتصادی مسئلہ درپیش ہو وہاں اس کی ضرورت کس قدر پیش ہوتی ہے اس پر ہر زمانہ کے واقعات و حالات شاہد ہیں۔ اجتماعی پہلو سے دیکھا جائے تو اس کی شان ہی جداگانہ ہو جاتی ہے۔ قوموں کی عظمت و وقار کا مسئلہ موجودہ دور بلکہ ہر زمانے میں بلحاظ سیاسی' معاشی' اجتماعی حقوق و ضروریات کے اقلیت و اکثریت پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ مسلمانوں کی قوم کو دنیا کی قوموں میں ممتاز قرار دینے اور اس کو سربلند کرنے اور اس کی عظمت و شان کو بڑھانے کے لیے اسلام نے ان حالتوں میں جن میں نسلی برآمد کا سلسلہ موقوف ہو جائے تعدد ازواج کو جائز قرار دے کر ایک اجتماعی ضرورت کی تکمیل اور قومی مشکل مسئلہ کا حل پیش کیا ہے۔

تعدد ازواج قوموں کی طبعی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کس قدر مفید اور اہم ہے اس کا اندازہ مشہور محققین و مبصرین کے ان اقوال سے ہو سکتا ہے۔ شہرۂ آفاق متمدن عالم ہربرٹ اسپنسر اپنی کتاب ''علم الاجتماع'' میں لکھتا ہے:

''تعدد زوجات قوموں کے لیے بے حد مفید ہے۔''

آگے چل کر کہتا ہے:

''جب کسی قوم پر کوئی ایسی حالت طاری ہو مثلاً جنگوں اور خوں ریزوں کی وجہ سے اس قوم کے اکثر مردوں کی جانیں تباہ ہو جائیں اور ان عورتوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو جائے جن کے شوہر مر چکے ہیں یا مردم شماری میں اناث کی زیادتی ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نسل میں انحطاط واقع ہو جائے گا۔''

ایک اور مشہور عالم لیٹنسن کہتا ہے:

''اہل کفر کے مردوں کی تعداد عورتوں کے لیے بہت کم ہے اس لیے کہ مرد پہلی خون ریز جنگوں میں کثیر تعداد میں مر چکے ہیں۔ یہاں سے تعدد زوجات کا سلسلہ شروع ہوتا

ہے۔"

مشہور و معروف فلسفی و محقق سر طامس موز سوسائٹی کی متعدی بیماریوں کے لیے یہ نسخہ تجویز کرتا ہے:

"مرد کے لیے ایک سے زیادہ عورتوں کو مباح کر دیا جائے۔ یہی ایک دوا ہے جو تمام مہلک امراض کے حق میں تریاق ہے اور یہی وہ تیر بہدف نسخہ ہے جو سوسائٹی کے زہریلے جراثیم کو تباہ کر دیتا ہے کہ یہاں کے مردوں نے محض ایک عورت پر اکتفا کر لیا ہے۔ یہی وہ تجدید ہے جس نے موجودہ زمانے میں ہماری لڑکیوں کو مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کرنے اور بر سر بازار اور زنا اور فحش کاری کرنے غرض کہ دنیا بھر کی برائیوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بننے کے لیے آمادہ کر دیا ہے۔ اگر یہی حال رہا اور تعداد ازدواج کو مباح قرار دینے کے لیے کوئی قانون نافذ نہ ہوا تو اس طوفان بدتمیزی کے اور بڑھ جانے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔ افسوس اگر اس مسئلہ کو پہلے ہی سے مباح قرار دیا جاتا تو آج اس قدر لاوارث اولاد جو حرام کاری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے ابنائے قوم و وطن کے لیے باعث ننگ و عار اور انسانیت کے دامن پر بدنما داغ ثابت نہ ہوتی۔"

رسول اللہ ﷺ کے تعدد زوجات کے اسباب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد بیویاں کرنے کے دو اسباب ہیں:

1: عام۔

2: خاص۔

عام اسباب:

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لیے پیغام حیات بن کر تشریف لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت تمام مردوں اور عورتوں کے لیے عام تھی۔ بعض احکام ایسے ہیں جن میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں اور بعض ایک دوسرے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں زیادہ مدت تک نہیں رہنا تھا؟ ادھر اسلامی احکام و تعلیمات کی فراوانی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کی آواز کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات کو عام کرنے کے لیے طبقہ ذکور و اناث میں سے بے

شمار افراد کی ضرورت تھی تا کہ ایک قلیل مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغی پروگرام سرانجام پائے۔ اس کے علاوہ عورتوں کے بعض احکام و مسائل ایسے ہیں جن میں عورت کو مرد سے اور مرد کو عورت سے دریافت کرنے میں شرم و حیا مانع ہوتی ہے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت روشنی ڈالتی ہے کہ اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غسل حیض کس طرح کروں۔؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک روئی کا ٹکڑا رکھ لے اور وضو کر لے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرم و حیا سے اپنا روئے مقدس پھیر لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاس ہی تھیں، انہوں نے اسماء رضی اللہ عنہا کا دامن پکڑ کر کھینچا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کو سمجھایا۔

انہی ضروریات کے مدنظر یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طبقۂ نسواں کے کثیر افراد احکام اناث سے واقف ہوں اور دوسری عورتوں تک ان کی تبلیغ کریں۔ اس بلند پایہ مقصد کے لیے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن سے بڑھ کر اور کون اہل ہو سکتے ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض و غایت بغیر کسی شرم و حجاب کے یہی معلوم کر سکتی ہیں۔ جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مقدس اشارہ کرتا ہے:

''خذو انصف دینکم عن هذه الحمیراء''

''اس سرخ رنگ والی سے اپنا نصف دین سیکھو۔''

''اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اپنی زوجہ محترمہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے۔''

مقاصد نبوت میں سے یہ بھی اہم مقصد تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام خاندانوں اور قوموں کے درمیان ایک رابطۂ اتحاد پیدا کر دیں اور دلوں میں ربط و محبت کی وہ چنگاریاں روشن کریں جو جلوہ گاہ قدس تک والہانہ اڑتی ہوئی پہنچیں۔ اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے کہ باہمی تعلقات اور ربط و ضبط کو قائم رکھنے کے لیے سمدھیانہ ہی سب سے بڑا محکم سبب ہے نہ دینی دعوت کو

پھیلانے اور تبلیغی فریضہ انجام دینے کے لیے ابتداء خاندانوں اور رشتہ داروں کو زیادہ کرنے کی حاجت پیش آتی تھی تا کہ وہ باہم شریک کار اور معاون و مددگار ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ رسالت کی آواز کو گوشہ گوشہ میں بلند کریں۔ دشمنان اسلام کی استبدادی قوتوں‘ ان کی طوفانی بغاوتوں اور فتنہ خیزیوں کا مدافعانہ مقابلہ کر کے اعلاء کلمۃ اللہ میں ہر قسم کی قربانیاں پیش کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی المصطلق کے سردار کی صاحبزادی سے عقد کرنا کس قدر مفید ثابت ہوا کہ بنی مصطلق اس کی وجہ سے آزاد ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا جن کی تفصیل ابھی آنے والی ہے نیز اس امر پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی روشنی ڈالتا ہے جو آپ کے صاحبزادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا گیا تھا:

”لو عاش لو ضعت الجزية عن كل قبطی“

”اگر صاحبزادہ ابراہیم زندہ رہتا تو میں ہر قبطی سے جزیہ لینا موقوف کر دیتا۔“

اس کا معنی یہ تھا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار اور خالو اس سے شاد و خرم ہو کر اس احترام و توقیر کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیتے اور میں ان پر سے جزیہ کی قید اٹھا دیتا۔

اس کی زبردست تائید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندانی روابط و تعلقات کو بڑھانے اور سمدھیانہ نتیجہ سے فائدہ اٹھانے کی خاطر متعدد بیویاں کیں اور زیادہ تر تعدد کا سبب بھی یہی تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کی اکثر زوجات مطہرات قریش یعنی سادات عرب میں سے تھیں۔

اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ مسلمان اپنے نبی کی طرف منسوب ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب حاصل کرنے کو قربت الٰہی اور شرف و منزلت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمدھیانہ تعلقات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ اپنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین فرزندوں اور خوش قسمت لوگوں میں شمار کرتا۔

جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو جدا کر دیا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پروانہ ہوگی اور عمر رضی اللہ عنہ سے رنج و غم دور نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ لوٹا دی نہ جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرح سے

قریبی تعلق رکھتے تھے ایک طرف تو آپ قریبی رشتہ دار اور دوسری جانب آپ کو فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وجہ سے شرف حاصل تھا ان وجوہ کی بنا پر مزید مجدو شرف حاصل کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تمنا ظاہر فرمائی کہ ابو طالب کی صاحبزادی اور اپنی ہمشیرہ ام ہانی سے عقد کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس وجہ سے انکار فرما دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ اپنے ابناء کی خدمت میں رہنے سے حقوق رسول میں کوتاہی نہ کر بیٹھے۔

کیا ان تمام مشاہدات سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض و غایت تعدد ازواج سے یہ تھی کہ اپنے خاندانی روابط کو بڑھا کر دین اسلام کی خدمات اور تبلیغی فرائض میں تعاون و امداد حاصل کی جائے۔

خاص اسباب:

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی صاحبزادی ہیں۔ ان کے باپ نے اسلام لانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے بے شمار لشکر جمع کر دیا تھا' جب دونوں جماعتیں مڈبھیڑ ہوئیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دی' انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ کرنے پر اڑے رہے۔ آخر کار جنگ کی اور شکست کھا گئے۔ مال غنیمت اور قیدیوں میں سے جویریہ جو اس وقت برہ کے نام سے موسوم تھیں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان سے مکاتبہ کر لیا۔ اب جویریہ کی نظروں میں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کے دوسرا کوئی معین و دستگیر نہیں رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر اپنا حسب و نسب بیان کرتے ہوئے آزادی کا مطالبہ پیش کیا۔ جب آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں جویریہ کے خاندان کی شان و شوکت' قوت و اقتدار اور ان کی سیادت و عزت کا نقشہ پھر گیا اور پھر یہ کہ وہ ان محاسن کے باوجود اپنی مخالفت اور غلط روش کی وجہ سے کس طرح مغلوب ہو گئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاندان کے ساتھ بہترین سلوک اور برتاؤ کیا۔ ان پر جو فدیہ تھا اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کر دیا اور جویریہ سے شادی کر لی۔ مسلمانوں نے بنی مصطلق کو باہم تقسیم کر دیا تھا' جویریہ کے ساتھ حضور کے عقد کا منظر دیکھا تو کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے غلام نہیں بنائے جا سکتے۔ چنانچہ انہوں نے تمام

قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ بنی مصطلق نے اسلامی رواداری اور مسلمانوں کی شان فراخ دلی کا جب یہ روح پرور نظارہ دیکھا تو اس کے شکریہ میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قید و بند سے آزادی اور کفر و ظلمت کی ذلت سے نکالا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے باپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید تعلق رکھتے اور آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں تقریب نبوی کا ہمیشہ والہانہ جذبہ جوش زن رہتا تھا۔ یہ عقد خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خنکی چشم اور دیگر رشتہ داروں کے لیے فخر و مباہات کا باعث ہوا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو ان کی خالہ ہوتی ہیں، فخر کیا کرتے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا شوہر جنگ بدر میں زخمی ہو کر انتقال کر گیا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں، وفات پا چکی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کے عقد کا پیغام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام بھیجا چونکہ آپ حضور کی لخت جگر ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عقد کرنے اور اس مجد و شرف کو باقی رکھنے اور ذوالنورین کا معزز خطاب حاصل کرنے کی تمنا رکھتے تھے اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا مگر اس حقیقت کا اظہار نہ کیا جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر آپ کا یہ انکار بہت شاق اور ناگوار گزرا اور رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی لیکن مشیت ایزدی یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے بہترین بیوی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہترین شوہر عطا کرے۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا حی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان والوں کے ساتھ قید ہو کر آئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ کلبی کو اجازت دی کہ ان لونڈیوں میں سے کوئی ایک اختیار کرے انہوں نے صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ تو اپنی قوم کی سردار ہیں، سوائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کے شایان شان نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے مہربان اور کریم ہیں خصوصاً اس شخص کے ساتھ جس کو ذلت و رسوائی کے بعد عزت حاصل ہوئی ہو۔ چنانچہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاوہ دوسری لونڈی اختیار کرنے کا حکم دیا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے مسلمانوں کی آرزوؤں کو برلانے کے لیے عقد کر لیا۔

جحش اسدیہ کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ شرعی قانون اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلا جائے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جاہلیت کے رسوم و آداب کی اصلاح اور ان کے عقائد فاسدہ میں تغیر و تبدل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو چند ایسے اسباب و حوادث جمع کر دیئے جاتے ہیں جو ان کے باطل رسوم و عقائد کے چھوڑنے کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں یا یہ کہ پیشوائے دین و مصلح عالم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان عادات و رسوم کو اولاً مخالف یا موافق عملی جامہ پہناتے ہیں اور مسلمان اس کے بعد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں۔ اس طرح سے اقتداء اور تتبع کے لیے ایک صحیح راہ عمل متعین ہو جاتی ہے۔

اس قانون پر بے شمار مشاہدات و واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں' من جملہ ان کے یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان غزوہ حدیبیہ میں صلح کے لیے عہد و پیمان لکھا جا چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو قربانی کرنے اور سر منڈھوانے کا تین مرتبہ حکم فرمایا' لیکن کسی نے بھی اس پر عمل نہ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی' اسی غضبناک حالت میں اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر فرمایا:

"مسلمان ہلاک ہو گئے۔ میں نے انہیں قربانی اور سر منڈھوانے کا حکم دیا تھا مگر انہوں نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔"

یہ سن کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرمان کی ابتداء فرمائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ ذبح کیے اور اپنا سر منڈھوایا۔ جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں جلدی جلدی قربانیاں کرنا اور سر منڈھوانا شروع کیا۔

جاہلیت کی خون ریزیوں اور سود کو موقوف کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے دن علی الاعلان خطبہ میں فرمایا:

”جاہلیت کا سود باطل کر دیا گیا ہے۔ جس پہلے سود کو میں ختم کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیئے گئے ہیں جس پہلے خون کو میں معاف کر رہا ہوں وہ عامر بن ربیعہ کا خون ہے۔“

یہ اور اس قسم کے بیشتر واقعات ہیں جہاں پر اقدای طرز عمل اختیار کیا گیا ہے' اس لئے کہ شریعت میں قول سے بڑھ کر عمل اور کردار کو بڑی اہمیت اور قوت حاصل ہے اور ہر جگہ یہی دستور قائم رکھا گیا ہے تا نکہ تنقیدی امر کی صورت میں ظاہر ہوا کرے۔

ان عادات میں سے جو عرب کی طبیعتوں میں گھر کر چکی تھیں اور جوان کی زندگی کا جزو لاینفک بن چکی تھیں' ایک اہم ”پسر گیری“ کی بھی تھی۔ جب کوئی شخص کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) تسلیم کر لیتا تو وہ حقیقی بیٹے کے قائم مقام سمجھا جاتا۔ اس کی بیوی ”پسر گیر“ پر حرام ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتقاد کو باطل قرار دینے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوۂ حسنہ ٹھہرایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ تدبیر کی کہ اپنے غلام زید رضی اللہ عنہ کو آزادی عطا کی اور ان کی کسی صورت سے برابری نہیں کرتے تھے۔ اس لئے زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہکو یہ عقد ناگوار تھا۔ خود زینب رضی اللہ عنہا نے غیر کفو متبنیٰ کی زوجیت سے انکار کر دیا۔ اسی سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں:

”وما کان لمومن و لامومنة اذاقضی اللّٰہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللّٰہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا“

(سورۂ احزاب)

”کسی ایماندار مرد اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے کام کا اختیار ہو اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ صریح چوک کر راہ بھٹک گیا۔“

نافرمانی اور مخالفت سے ڈر کر دونوں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کیا۔ مگر زینب رضی اللہ عنہا اس اختلاط کو دل ہی دل میں ناپسند سمجھتی تھیں اور زید رضی اللہ عنہ سے ان کو نفرت سی ہو چلی تھی۔ زید رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ ان کے لیے

زینب رضی اللہ عنہا کے دل میں کوئی جگہ نہیں' زید رضی اللہ عنہ کے غلام ہونے کہ وجہ سے زینب اپنے آپ کو عالی مرتبہ خیال کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کی نافرمانی کررہی ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے شوہر سے دلی ربط واتحاد قائم رکھنے کا حکم فرمایا تھا تو زینب رضی اللہ عنہا کے جدا کردینے کو مناسب سمجھا اور اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم اس رشتہ نکاح کو مضبوطی سے تھامے رہو اور اللہ سے ڈرو۔"

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے عقد کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل چکا تھا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں اس کو پوشیدہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا' مبادہ لوگ یہ کہہ بیٹھیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند کی بیوی سے شادی کرلی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ اپنے دل سے لوگوں کے خوف کو نکال ڈالیں اور اللہ سے ڈریں:

"واللہ احق ان تخشاہ"

(سورۃ الاحزاب)

"اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے تم اس سے ڈرو۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس عقد وارتباط میں ذرا بھر لطف باقی نہ رہا تو انہوں نے زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرافت کی حفاظت کا خیال کرتے ہوئے شادی کرلی۔ اس کی توجیہہ اللہ تعالیٰ نے کس لطیف پیرایہ میں بیان فرمائی ہے:

"لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرا"

(سورۃ احزاب)

"تا کہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیبیوں سے نکاح کرلینے میں کوئی گناہ نہ ہو جب کہ وہ اُن سے اپنی حاجت پوری کرلیں۔"

کیا ان حقائق کے موجود ہوتے ہوئے تعصب زدہ اہل مغرب کے یہ اعتراضات اور شبہات بعید از انصاف نہیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے وہ خصوصیت روا رکھی جو نہ اپنی امت کے لیے ہے اور نہ جس کی شرعی قانون اجازت دیتا ہے چنانچہ آپ نے چار سے

بڑھ کر شادیاں کیں حالانکہ یہ چیز (حاشاوکلا) جلال نبوت کے ہرگز شایان شان نہیں۔ غرضیکہ جان بوجھ کر یہ لوگ اس قسم کی افتراپردازیاں کرتے ہیں جو عدل وانصاف کے سراسر منافی ہیں۔ اگر یہ لوگ تاریخ کے صفحات الٹ کر چشم بصیرت وا کر کے دیکھتے تو اصل حقیقت ان کے سامنے ظاہر ہو جاتی اور وہ اس انسانی اجتماعی سبب کی گہرائی تک پہنچ جاتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد زوجات کے لیے پیش آیا۔

مخالفین کی نگاہوں میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت عقد کیا جب کہ ان کی جوانی کا آفتاب ڈھل چکا تھا اور وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ چکی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں بہت بڑی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اخلاص ومحبت اور حسن ووفاداری کے ساتھ پچیس سال تک خوشگوار زندگی بسر کی۔ جس زمانے میں کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین مددگار ثابت ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نہایت استقامت وتمکنت سے طویل مدت گزاری جیسا کہ مخالفین کو اس کا اعتراف ہے۔ اس اثناء میں آپ نے کوئی شادی نہیں کی حالانکہ اگر آپ چاہتے تو اس سے بہتر نکاح کر سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا گمان بھی یہی تھا کہ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کا حق حاصل ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک حسن وفاداری کا ثبوت دیا۔ جب وہ فوت ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید غم لاحق ہوا حتیٰ کہ ان کی سال وفات کو عام الحزن (سال غم) کے نام سے موسوم کیا۔ اپنی زندگی بھر ان کی یاد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ان کے بعد سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے، جو بیوہ ہو چکی تھیں نکاح کیا۔ سودہ رضی اللہ عنہا سکران بن عمرو کی بیوی تھیں جو حلقہ بگوش اسلام ہو کر کفار کی پے در پے مصیبتوں سے نجات پانے کے لیے بلاد حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو سودہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں ان کا کوئی معین ومددگار نہ تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی جو ان کی معاونت اور حمایت کا باعث ہوئی۔ آپ نے ان سے شادی کر کے اس شخص کی وفاداری کا ثبوت پیش فرمایا جنہوں نے اسلام اور عقیدہ حق کی خاطر گھر بار کو چھوڑ کر اپنی زندگی فنا کر دی، جن کے ساتھ ان کی زوجہ نے بھی راستہ کی دشواریوں اور طوفانی حوادث کو برداشت کیا، صرف اس بنا پر

کہ ان کی بیوی نے اپنے خاندان والوں کی مرضی کے خلاف اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی تھی اور انہوں نے ہولناک فتنوں میں ان کو مبتلا کر دیا تھا۔

اسلامی شان و منزلت کو دوبالا کرنے کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شادیاں کیں۔ اس کی تائید اس سے ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا جب کہ ان کی عمر تقریباً پچاس برس کی ہو چکی تھی۔ یہ شادی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب ہوئی۔ یہی وہ اسلامی غازی اور بطل اعظم تھے جنہوں نے روم و فارس کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے اور اسلامی شان و شوکت کا سکہ تمام کفار کے دلوں پر بٹھا دیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواجات کی وجہ سے ایک فیض یہ پہنچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرا رضی اللہ عنہن کے رشتہ داروں کی زندگی کو جو کسمپرسی اور فاقہ و افلاح میں بسر ہوتی تھی، خوشگوار بنانے کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ ان کی بھوک پیاس دور کرنے کے اسباب جمع ہو گئے اور ان کو امن اور چین کی گھڑیاں نصیب ہوئیں۔

متعصب گروہ کا اعتراض یہ ہے کہ اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعدد ازواجات کو عملی جامہ پہنا کر اوروں کے لیے مثال ثابت ہوتے یا اس عادت کو باقی رکھنے کی اجازت دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو یہ امر واجب تھا کہ ہر طرح اس خلاف فطرت قانون کا قلع قمع کر دیتے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کوئی شادی نہیں کی تھی۔

معترضین نے تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر اعتراض تو کر دیا لیکن اس امر کو ایک دم فراموش کر دیا کہ قدیم وجدید ماہرین اجتماع نے اس کے بارے میں کیا نظریات و خیالات پیش کیے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ قوموں کے حالات و عادات پر زمان و مکان کے تغیرات اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہر زمانے میں افکار و آراء میں تغیر و انقلاب ہوا کرتا ہے۔ انسان ابتدائے آفرینش سے تدریجی ارتقائی منازل وادوار سے گزرتا رہا ہے۔ اس اصول کے ماتحت جو اسباب و حالات حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے کے مطابق تھے یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کی فضا کے بھی موافق ہوں۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تمام کے اذہان و عقول کو آسمانی حکومت کی طرف متوجہ کیا جس کے سامنے اجتماعی علاقات اور حسب و نسب کے اختیارات کو کوئی وقعت نہیں دی۔ چنانچہ مسیحیت نے اپنے ابتدائی نشو و نما کے ظہور کے وقت شادی کی شدت سے مخالفت کی

اور اس کو ناپسندیدہ امر ٹھہرایا اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات جاگزیں کرادی کہ مرد و عورت کا میل جول اگر چہ ایک مقدس چیز ہے لیکن یہ روحانی فضا کے لیے بالکل ناموافق ہے۔ اس کے بعد سے غیر شادی شدہ شخص بہ نسبت اس شخص کے جس نے شادی کر کے اپنے آپ کو پستی کے غار میں ڈھکیل دیا کئی گنا ترقی یافتہ شمار کیا جانے لگا۔

اسی کے مشابہ وہ اعتقاد ہے جس کو ہندوستان کے قدیم علماء اور پیشواؤں نے اختیار کیا تھا کہ انسان اس وقت تک علوم و معارف کو حاصل نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ جمیع خاندانی تعلقات و روابط سے دست بردار نہ ہو جائے۔ یہی خیالات قدیم پیشوایان ادیان سے منتقل ہو کر ان کی بعد کی نسلوں کے دل و دماغ میں پرورش پانے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتقاد کہ شادی نہ کرنے سے انسان مفکر بن سکتا اور ترقی کے انتہائی مدارج حاصل کر سکتا ہے، صریح اور فاش غلطی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اگر یہی نظریہ صحیح ہوتا تو شادی شدہ اہل کمال کی یہ تعداد معدوم ہو جاتی اور کمال زندگی کا مفہوم خلاف اور انسانی آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دینے والی ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہر دور کے لیے چند عادات و اخلاق ہوتے ہیں جو اس کی فضا اور ماحول کے ساتھ مختص ہوتے ہیں۔ ایک زمانے میں کسی قوم کے جو حالات و مصالح ہیں ان کا دوسرے زمانے میں دوسری قوموں کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ موجودہ زمانے پر قیاس کرتے ہوئے گزشتہ دور پر حکم لگانا کس قدر انصاف سے بعید ہے۔ زمان و مکان کی مصلحتوں اور ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے ان پر عمل کرنے سے افکار و آراء کی عظمت و شان گھٹ نہیں جاتی۔ کیا یہ کہنا گمراہی اور بدیہی جہالت کی دلیل نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے خواب دیکھے جن کی تعبیر کچھ نہیں۔

اس سے بڑھ کر فساد اعتقاد کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی موجودہ زمانے کے حالات پر قیاس کرتے ہوئے بالکل علیحدہ تھی؟ بے شک ان اولوالعزم پیغمبروں کی زندگی عبرتوں اور نصیحتوں سے معمور تھی جو ان کے زمانے کی قوموں کے لیے مشعل ہدایت اور نمونہ عمل تھی۔ یہ حقیقت ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے انسانوں کے لیے نبی بنا کر مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انسانی نشو و ارتقاء کی روشن مثال ہے۔ یہ امر مشیت

ایزدی کے منافی تھا کہ اس اجتماعی حالت میں یکبارگی تغیر پیدا کر دیا جاتا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تھی۔ نیز یہ چیز بھی قانون قدرت کے خلاف ہوتی اگر اس زمانے کے قوی، سیاسی اور اجتماعی حالات میں ایک دم تبدیلی پیدا کر دی جاتی بلکہ ہر حال میں یہ اصول پیش نظر رکھا گیا کہ حسب ضرورت زمانہ عمرانی، تہذیبی اور اجتماعی حالتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے تدریجی انقلاب کا نظام پیش کیا جائے اور بقائے انسانی کی رفتار کے مطابق آئینی محکم اصلاحات نافذ کی جائیں۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی نہایت ضروری ہے کہ یہ آیت کریمہ:

"لایحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبك حسنهن"

(سورۃ احزاب)

"(اے نبی!) تیرے لیے اس کے بعد عورتیں کرنا حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کے بدلے اور بیویاں کرے اگرچہ تجھے ان کی صورت بھلی معلوم ہو۔"

جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید بیویاں کرنے اور ان کو طلاق دینے کی ممانعت کی گئی ہے اس وقت نازل ہوئی جب کہ فریضہ تبلیغ کی تکمیل ہو گئی، اسلام کی نشر و اشاعت کا حق پورا ہو گیا، تعدد ازواج کے احکام باقی رکھے گئے اور ان کو اس میں آزادی دی گئی کہ وہ حدود شریعت میں رہ کر اسلامی قوانین کی پابندی کرتے ہوئے مصالح و ضروریات کے مطابق چار شادیاں کر سکتے ہیں۔

شرط عدل:

اس ذلت کے عذاب سے نجات کی صورت اور فضائل عفت کے حصول کا ذریعہ وہی ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے:

فانكحوا ما طاب لكم من النسآء مثنى و ثلث و ربع

(النساء-۱)

فطری داعیات و جذبات کی تسکین نکاح کے ذریعے حاصل کی جائے اور اس سلسلہ میں اس حد تک اجازت ہے کہ ایک سے لیکر چار عورتوں تک سے بیک وقت شادی کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ ان بلند اخلاقیوں کا مالک ہو، جن سے اپنی متعدد بیویوں میں عدل و مساوات قائم رکھ

سکے، اور یکساں طور پر سب کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

تعدد ازدواج کا قانون بیان کر کے اسلام نے حریص انسان کے لئے علاج کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ یہ منشاء نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ عورتوں کو عقد میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے یا اسلام ان کو مجبور کرتا ہے کہ خواہ مخواہ ایک سے زیادہ شادی کریں۔ اس آیت کا یہ مقصد قطعاً نہیں۔ اسلام نے نہایت صفائی سے اعلان کیا ہے اور قرآن مقدس میں ہی اعلان کیا:

”فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلك ادنى الا تعولوا “

(سورۃ النسا)

”اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کافی ہے یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔ اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔“

مخالفین اسلام جہاں سے اعتراض کرتے ہیں اسکی شہ رگ یہیں سے اسلام نے کاٹ ڈالی ہے، کیونکہ ایک سے زیادہ شادی کی اجازت اس حالت میں دی ہے کہ عدل و مساوات کے دامن چھوٹنے کا خوف نہ ہو اور اس کو متعدد بیویوں کی صحیح معنی میں ضرورت بھی ہو۔ ایک مقام میں قرآن پاک ہدایت کرتا ہے:

”فلا تمیلوا کل المیل فتذرھا کالمعلقۃ“

(سورۃ النساء)

”پس تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ کہ دوسری کو لٹکتا چھوڑ دو۔“

عدل و مساوات:

اوپر کی آیت میں عدل سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کے جو واجب حقوق ہیں اور جن کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے اس میں عدل و مساوات کا برتاؤ کیا جائے، کیونکہ یہ انسان کے قصد و اختیار سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کھانا، کپڑا، مکان، بیوی کے ساتھ رہنا سہنا اور اس طرح کے دوسرے تعلقات۔ باقی محبت طبعی اور تعلق قلب یہ ایسی چیز ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ اس میں شریعت نے سعی کی تاکید کی ہے۔ اپنی جدوجہد کے باوجود اگر قلبی رجحان اور طبیعت کے میلان میں کمی بیشی ہو اس پر گرفت نہیں۔

"وان تصلحوا و تتقوا فان الله کان غفورا رحیما"

(سورۃ النساء)

"اور اگر اصلاح کرلو اور تقویٰ اختیار رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔"

یہ بھی لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساوات عددی ہی کے ساتھ کیا جائے۔ ایک افریقی بیوی خوگر دوسری چیزوں کی ہوگی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، مسن اور ادھیڑ سن بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں سب ایک کم سن نوجوان بیوی کی ضرورتوں، دلچسپیوں، خواہشوں سے مختلف ہوں گی۔ مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں۔ مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بلحاظ اس کے ذوق حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج (بیویوں کے درمیان انصاف) کو فرض قرار دیا ہے، لیکن خود عدل کی تفسیر عدم ظلم سے کی ہے کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے۔

"ظاهر الاية انه فرض ان یعدل ای لا یجور"

(درمختار)

"ظاہر آیت سے عدل و مساوات بیویوں میں فرض ہے یعنی حق تلفی نہ ہونی چاہیے۔"

اگر واقعتہً ضرورت نے ایک سے زیادہ بیویاں کرنے پر مجبور کردیا ہے تو کرلی جائے، مگر بدکاری اور روسیاہی کی کبھی جرأت نہ کی جائے اور دوسری شادی کی جائے تو یہ یقین کر کے کہ ہمیں اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل و مساوات برتنی ہے، اس کے خلاف نہیں کرنا ہے، کیونکہ رب العزت کا حکم ہے:

"فان خفتم الا تعدلوا فواحدة"

(النساء)

"اگر تم کو احتمال ہو کہ عدل نہ برت سکو گے تو ایسی حالت میں ایک ہی پر بس کرو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"اذا کانت عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة وشقه ساقط"

(مشکوٰۃ، باب القسم)

"جب کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں عدل نہ کرے تو قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس ایک پہلو ساقط ہوگا۔"

مقصد یہ ہے کہ متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں تمام بیویوں میں عدل و مساوات کی پوری رعایت ملحوظ رکھی جائے، اس کے خلاف کرنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ شوہر کو سزا دیگا اور ساری مخلوق کے سامنے محشر میں اس کی ناانصافی کی یہ علامت ہوگی کہ اس کے جسم کا ایک حصہ ساقط ہوگا اور یہ ایک طریقہ ہوگا اس شوہر کی تذلیل و توہین کا جس نے اپنی بیویوں میں عدل و مساوات کی ضروری شرطیں پوری نہیں کی ہیں۔

عدل و مساوات ان چیزوں میں ہے جو انسان کے قصد و اختیار میں ہے، جس کی تفصیل اوپر گزری، باقی جو چیز انسان کے قصد و اختیار سے باہر ہے اس میں بھی عدل و مساوات کی سعی پیہم کرے۔ ہاں! اس سے آگے اس کی گرفت نہیں ہے، مگر رب العزت سے اپنی اس کوتاہی کی معافی مانگتا رہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازدواج مطہرات کے درمیان تقسیم میں عدل و مساوات سے کام لیتے تھے اور فرماتے تھے:

"اللهم هذا قسمي فيما املك فلا تلمني فيما تملك ولا املك"

(مشکوۃ، باب القسم)

"اے اللہ! جس میں مجھ کو قابو حاصل ہے اس میں میری یہ (عادلانہ) تقسیم ہے۔ اس چیز میں ملامت نہ فرما، جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں۔"

حضرت عائشہ ہی کا واقعہ ہے کہ انھوں نے حضرت عروہ سے کہا:

"اے میری بہن کے نور نظر! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں جب باری مقرر کرتے تو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے، بلکہ عدل و مساوات کی کارفرمائی ہوتی تھی۔ ہاں یہ البتہ ہوتا کہ ہم تمام سے ملاقات فرماتے اور سب سے ملتے، مگر رات میں انہی کے گھر میں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی، دوسری کے یہاں غیر کی باری کے دن قیام نہیں کرتے تھے۔"

صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازدواج مطہرات سے بعد نماز عصر ملتے تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ میں عدل و مساوات برتنے کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات میں بھی اس کو فراموش نہ فرما۔ ایام مرض میں بھی دریافت فرماتے رہتے:

"کان یسال فی مرضه الذی مات فیه این انا غدا"

"کل میری باری کہاں ہے۔؟"

سفر میں جب کسی بیوی کو لے جانا ہو تو قرعہ کے ذریعے سے فیصلہ کرے جس کا نام قرعہ میں نکلے اسی کو ساتھ لے جائے، تاکہ نا انصافی نہ ہونے پائے اور خود بیویوں کو بھی خیال نہ گزرے کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ حدیث میں ہے:

"کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اراد سفرا اقرع بین نسائهفا یتهن خرج اسمها خرج بها معه"

(مشکوۃ، باب القسم)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازدواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے جس کے نام کا قرعہ پڑتا وہ آپ کے ساتھ جاتی۔"

سفر سے واپسی پر پھر حساب و کتاب کس نہج پر ہوگا؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

بعض علماء کی رائے ہے کہ سفر کی مدت کا حساب نہ ہوگا، گھر پہنچنے کے بعد از سر نو سب کے لئے مساوات کے ساتھ باری چلے گی، جو سفر میں گئی ہے اس کی باری سے مدت سفر کی مقدار وضع نہ کی جائیگی، خواہ قرعہ ڈالا گیا ہو اور نام نکلنے پر ساتھ لے گیا ہو یا بغیر قرعہ کے ہی ایسا کیا ہو۔ امام مالک اور امام حنیفہ رحمۃ علیہ اسی کے قائل ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ مدت سفر کا حساب ہوگا اور جو عورت ساتھ گئی اس کے حصہ سے اتنے دن وضع کر لئے جائیںگے جتنے دن وہ سفر میں ساتھ رہی ہے۔ یہی اہل ظاہر کا مذہب ہے۔ قرعہ کے ذریعہ سے ساتھ گئی ہے یا بغیر قرعہ کے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر قرعہ کے ذریعہ نام نکلا اور ساتھ گئی تو یہ حساب میں وضع نہ کیا جائے گا اور بغیر قرعہ کے کسی بیوی کو اپنی مرضی سے ساتھ لے گیا ہے تو ایسی صورت میں مدت سفر کو حساب میں شمار کیا جائے گا، یہی قول ہے امام احمد رحمۃ علیہ اور امام شافعی رحمۃ علیہ کا۔

باری جس کی بھی ہو، ملاقات سبھی سے شوہر کر سکتا ہے اور سب کو جمع کر کے بات چیت بھی کر سکتا ہے، البتہ وطی اسی سے کرے گا جس کی باری ہے غیر سے نہیں کر سکتا۔

کیا بیویوں سے وطی کرنے میں بھی مساوات ضروری ہے؟ چونکہ وطی کا دارومدار محبت اور طبیعت کے میلان پر ہے اس لئے اس میں مساوات ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، لیکن یہ مطلب نہیں کہ مساوات کی سعی نہ کی جائیگی، بلکہ کوشش اس میں بھی مساوات ہی کی رہنی چاہیئے۔ اگر سعی کے باوجود طبیعت مائل نہ ہو اور انتشار پیدا نہ ہو تو البتہ معذور سمجھا جائے گا اور طبعی خواہش اور میلان نفس کے باوجود ترک کرنا چاہے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ یہ قصداً حق تلفی اور ناانصافی ہے۔

نان ونطفہ میں بھی عورتوں کے اندر عدل ومساوات سے کام لے اور ماحصل یہ ہے کہ ہر طرح اپنی تمام بیویوں میں عدل ومساوات کو کام میں لائے اور ان کی ہر طرح دلدہی کرے۔

آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ اسلام جو جھوٹ کو بدترین گناہ کہتا ہے اور ایک منٹ کے لئے برداشت نہیں کرتا، مگر بیویوں کی رضامندی کے لئے بوقت ضرورت جھوٹ بولنے کی بھی اجازت ہے۔ حدیث میں ہے ام کلثوم راوی ہیں:

''لم اسمعه النبی صلی الله علیه وسلم یر خص فی سیئ مما یقول الناس الافی ثلث الحرب والا صلاح بین الناس و حدیث الرجل امرائة والمرأة زوجها''

(موطا امام مالک، حدیث نمبر ۲۲۴، جلد نمبر ۲)

''تین چیزوں کے سوا کسی میں آپ نے کذب کی رخصت نہیں دی بصرف ان چیزوں میں رخصت تھی: لڑائی، صلح صفائی اور مرد کا بیوی سے بات کرنا اور بیوی کا مرد سے۔''

دوسری شادی کرے تو دیکھا جائیگا کہ نئی بیوی جو آئی ہے یہ کنواری ہے یا بیاہی۔ اگر کنواری (باکرہ) ہوگی تو اس کے پاس سات دن قیام کرے گا۔ پھر مساوات کی باری چلے گی اور اگر دوسری بیوی جو بیاہ کر لایا ہے وہ پہلے شادی شدہ تھی تو اسکے یہاں تین دن قیام کرے گا، پھر اس کے بعد باری مقرر کی جائے گی، یعنی نئی دلہن جو آئے گی اس کے لئے یہ حق رکھا گیا ہے کہ باکرہ ہو تو اس کو سات دن دیئے جائیں کہ وہ شوہر سے مانوس ہو، ثیبہ ہو تو تین دن۔ یہ دن حساب میں وضع نہ ہوں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے:

”اذا تزوج الرجل البکری البکر علی الثیب اقام عندھا سبعا ثم قسم واذا تزوج الثیب اقام عندھا ثلاثم قسم“
(مشکوۃ المصابیح، باب القسم)

”مرد جب ثیبہ کے بعد کنواری سے شادی کرے تو اسکے پاس سات دن قیام کرے، پھر تقسیم کرے اور ثیبہ سے جب شادی کرے تو اسکے پاس تین دن قیام کرے، پھر باری مقرر کرے۔“

عدم مساوات کا نتیجہ:

مگر یہ کسی لمحہ برداشت نہیں کہ ناجائز طور پر بیوی پر مظالم ڈھا کر ان کی دل شکنی کرے اور ان کے شیشہ دل کو ٹھیس لگائے۔ یہ وہ زریں ہدایات ہیں جن کا لحاظ و پاس زندگی میں نہایت ضروری ہے۔ جو لوگ چند عورتوں سے بیک وقت شادی کرتے ہیں اور ان زریں اصولوں پر عمل نہیں کرتے ان کی زندگی عذاب الیم میں گھر جاتی ہے۔ بیویوں کی وجہ سے گھر فتنہ و فساد اور جھگڑے کا اکھاڑا بن جاتا ہے اور زن و شوہر میں کسی کو ایک لمحہ اطمینان کا سانس نصیب نہیں ہوتا۔ شوہر کا اثر و رسوخ دم توڑ دیتا ہے۔ وقار کی روح مردہ ہو جاتی ہے اور اپنے اور غیر میں اس کی پوزیشن پامال ہو کر رہ جاتی ہے، یہی حال اس کی متعدد بیویوں کا ہوتا ہے۔

پھر یہیں پہنچ کر بات ختم نہیں ہو جاتی۔ دونوں بیویاں اپنے بچوں کو دوسری ماں کے خلاف ابھارتی ہیں، خود باپ کی طرف سے بھی نفرت پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے اور بالآخر ایک شریفانہ گھرانہ جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر بات یہ ہوتی ہے کہ اگر تمام بیویوں کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا جاتا، ایک ہی بیوی پر مرد جب جھک پڑتا ہے کہ دوسری لٹکی رہ جاتی ہے تو دوسری بیوی کبھی اس کام کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتی ہے جس کا نام لینا بھی ننگ و عار کی بات ہے۔ راجہ مہاراجہ اور نوابوں کی متعدد بیویوں کی کہانی مشہور ہے۔ عفت و عصمت اس طرح لٹائی جاتی ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

اس ساری بحث کا منشا یہ تھا کہ اسلام ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ انسان کی عفت و عصمت پامال ہو اور ان کے اخلاق و اعمال کی گندگی دنیا کو متعفن کر ڈالے، جنسی میلان آدمی کی فطرت میں رکھا گیا ہے، لیکن اس کے لئے قدرتی راہ بھی بنا دی گئی ہے۔ اس جائز

کے جواز سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ کسی مذہب و دین میں اس کا انکار کیا گیا ہے، بلکہ سب ہی میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ خصوصاً اسلام نے جن قیود کے ساتھ تعدد کی اجازت دی ہے اس کی ضرورت کا تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

مگر عجیب بات یہ ہے کہ یورپ نے اسلام کے تعدد ازدواج کے قانون کو اپنا نشانہ بنا لیا ہے۔ وہی یورپ جس کے ہاں نسوانی مانوس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہی ہے، بلکہ لٹ رہا ہے لٹایا جا رہا ہے، سر بازار سب کچھ ہو رہا ہے، لیکن دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور صرف دیکھتے رہتے ہیں۔ یورپ میں مرد و عورت کے تعلقات میں بیباکیوں کی کیفیت جو حد سے گزر چکی ہے اسی کو دیکھ کر اور دوسرے حالات سے متاثر ہو کر یورپ ہی کے بعض ارباب فکر نے تعدد ازدواج کے جواز کو تسلیم کر لیا ہے، بلکہ اس کے جواز کو ضروری قرار دیا ہے۔

مس میری اسمتھ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے:

''ایک زوجہ کا جو قاعدہ قانون برطانیہ میں چلا ہوا ہے وہ تمام تر غلط ہے، مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ملنا چاہیے۔''

میری اسمتھ کی اس کتاب کے متعلق سنڈے ٹریبون (ڈربن۔نٹال) مورخہ ۴ نومبر 1951ء میں لندنی وقائع نگار لکھتے ہیں:

''یقین ہے کہ پچیس سال سے اوپر کی عمر کی پچیس لاکھ بیوائیں جو اس وقت برطانیہ میں موجود ہیں، دلچسپی اور قدر سے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گی۔''

ان اقتباسات سے اندازہ لگایئے کہ تعدد ازدواج جس کی اسلام نے ناگزیر ضرورت کے وقت اجازت دی ہے، قانون فطرت کے کتنا مطابق ہے اور حالات نے لوگوں کو اسلام کے اس قانون کی حقانیت کا کیسا یقین دلایا ہے۔

یہی میری اسمتھ اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتی ہیں:

''چونکہ اس ملک (برطانیہ) میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اس لئے ہر عورت شوہر کو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔''

اس کے بعد انہوں نے کہا ہے:

''ایک بیوی کا رواج ناکام ہو چکا ہے اور یہ رواج بھی کوئی سائنٹیفک نہیں ہے۔''

انگلستان میں جنسی بے راہروی کو روکنے کے لئے سترھویں صدی سے کثرت ازدواج کا

چرچا شروع ہو گیا۔ چنانچہ ۱۶۵۸ء میں ایک شخص نے زنا کاری اور نومولود حرامی بچوں کی اموات کو روکنے کے لئے کثرت ازدواج کی حمایت میں ایک پمفلٹ شائع کیا۔ اس کے ایک صدی بعد انگلستان کے ایک قابل اعتماد اور صاحب کردار پادری نے اس مسئلہ کی تائید میں ایک کتاب لکھی۔ مشہور ماہر جنسیات جمیس ہلٹن نے فحاشی اور زنا کاری کو روکنے کے لئے کثرت ازدواج کے طریقہ کو اختیار کرنے کی رائے دی۔

شوپنہار نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا:

''ایک بیوی پر اکتفا کرنے والے کہاں ہیں۔؟ میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہم میں سے ہر شخص کثرت ازدواج کا قائل ہے، چونکہ ہر آدمی کو متعدد عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے مرد پر کسی قسم کی تحدید عاید نہ ہونی چاہئے۔''

مشہور ماہر جنسیات کیلیچن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

''گو انگلستان میں کثرت ازدواج کے اصول پر بالعموم عمل ہوتا ہے، لیکن سوسائٹی اور قانون نے ابھی اس چیز کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ سوسائٹی ان اشخاص کے اعمال پر خاموش رہتی ہے جو ایک بیوی یا شوہر سے شادی کر کے دو یا تین داشتاؤں یا آشناؤں سے تعلقات رکھتے ہیں، لیکن سوسائٹی چیخ اٹھتی ہے جب کوئی شخص یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ مرد ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت دی جانی چاہئے۔''

علامہ عبدالعزیز سادیش مصری لکھتے ہیں:

''لندن میں ایک ہسپانوی شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ہم نے بہت سے اسلامی مسائل پر تبادلہ خیالات کیا اور جیسے ہی تعدد ازدواج پر بحث چھڑی تو اس شخص نے کہا: کاش! اگر میں بھی مسلمان ہوتا تو ایک اور بیوی لیتا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میری بیوی کو جنون ہو گیا ہے اور اس پر کئی برس گزر چکے ہیں جس کی وجہ سے مجھے مجبوراً آشنائیاں کرنی پڑتی ہیں، کیونکہ میں دوسری بیوی نہیں کر سکتا۔ اگر میرے پاس دوسری جائز بیوی ہوتی تو اس سے جائز اولاد ہوتی جو میری کثیر دولت کی وارث بنتی۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور بہتر رفیق ہوتی اور مجھے اس سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا۔''

مسز برڈسل کال کتر صدر ینگ وومین کرسچن ایسوسی ایشن نے واشنگٹن میں بکنگ کمیٹی کے

سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ہے:

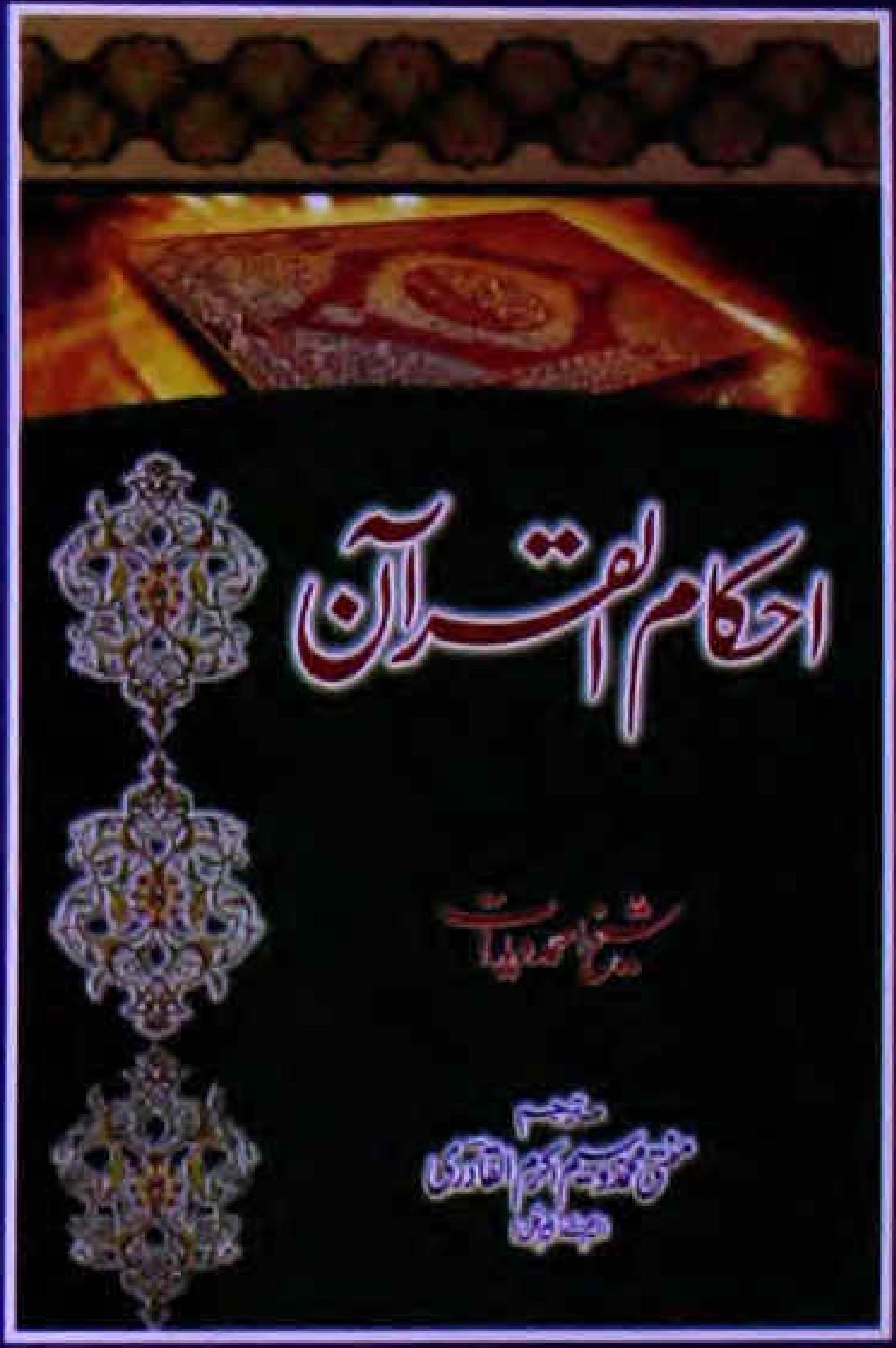
''امریکہ میں چودہ سال سے اوپر جوان لڑکیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے جو سب کی سب کنواری ہیں۔ ان کے مقابلے میں کنواروں کی تعداد نوے لاکھ ہے۔ اس حساب سے تیس لاکھ کنواری لڑکیوں کے لئے شوہروں کا ملنا محال ہے، کیونکہ جنگ نے مردوں اور عورتوں کا عدی توازن بڑی حد تک خراب کر دیا ہے۔

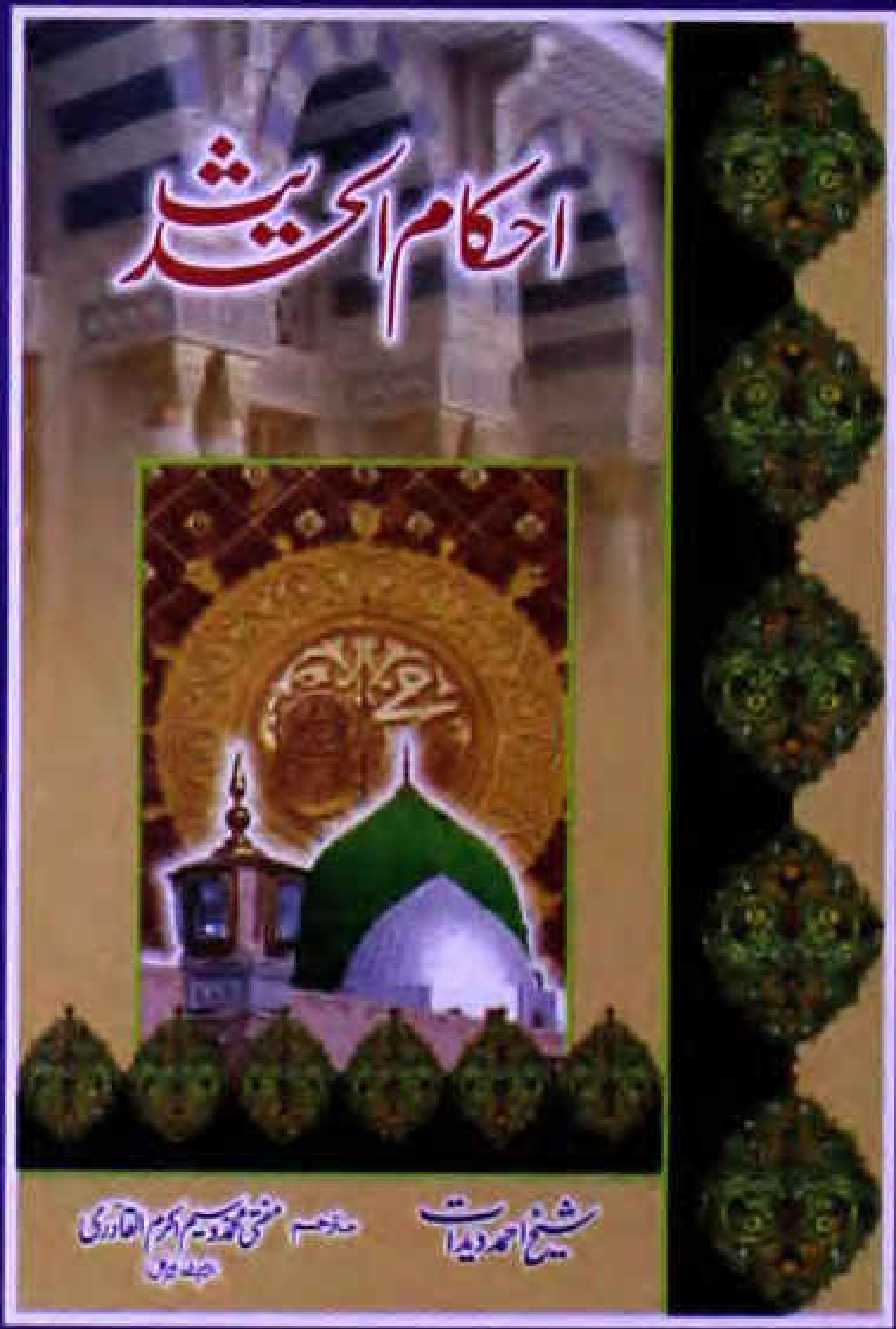
بتایا جائے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے گا۔؟ اگر تعدد ازدواج کی اجازت نہیں دی جاتی ہے تو پھر عفت و عصمت کو دنیا کی کونسی طاقت بچا سکتی ہے۔؟ اور بلفرض محال بچ بھی جائے تو اس ظلم عظیم کا وبال کس کے سر آئے گا۔؟ ان تیس تیس لاکھ تعداد کی گریہ زاری اور ان نالہ وشیون کیا کچھ نہ کریں گے۔''

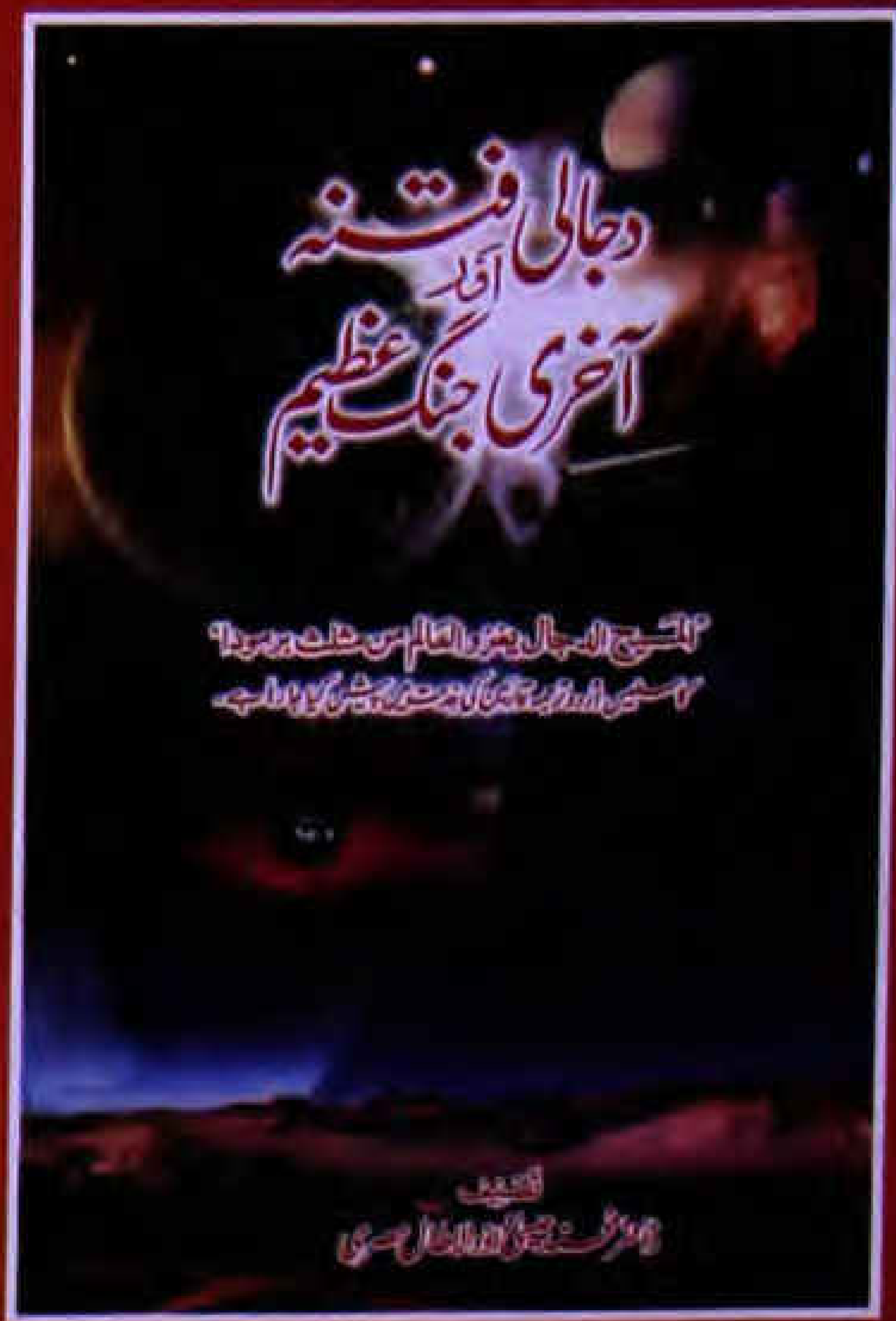
جس نے یہ لکھا بالکل سچ لکھا:

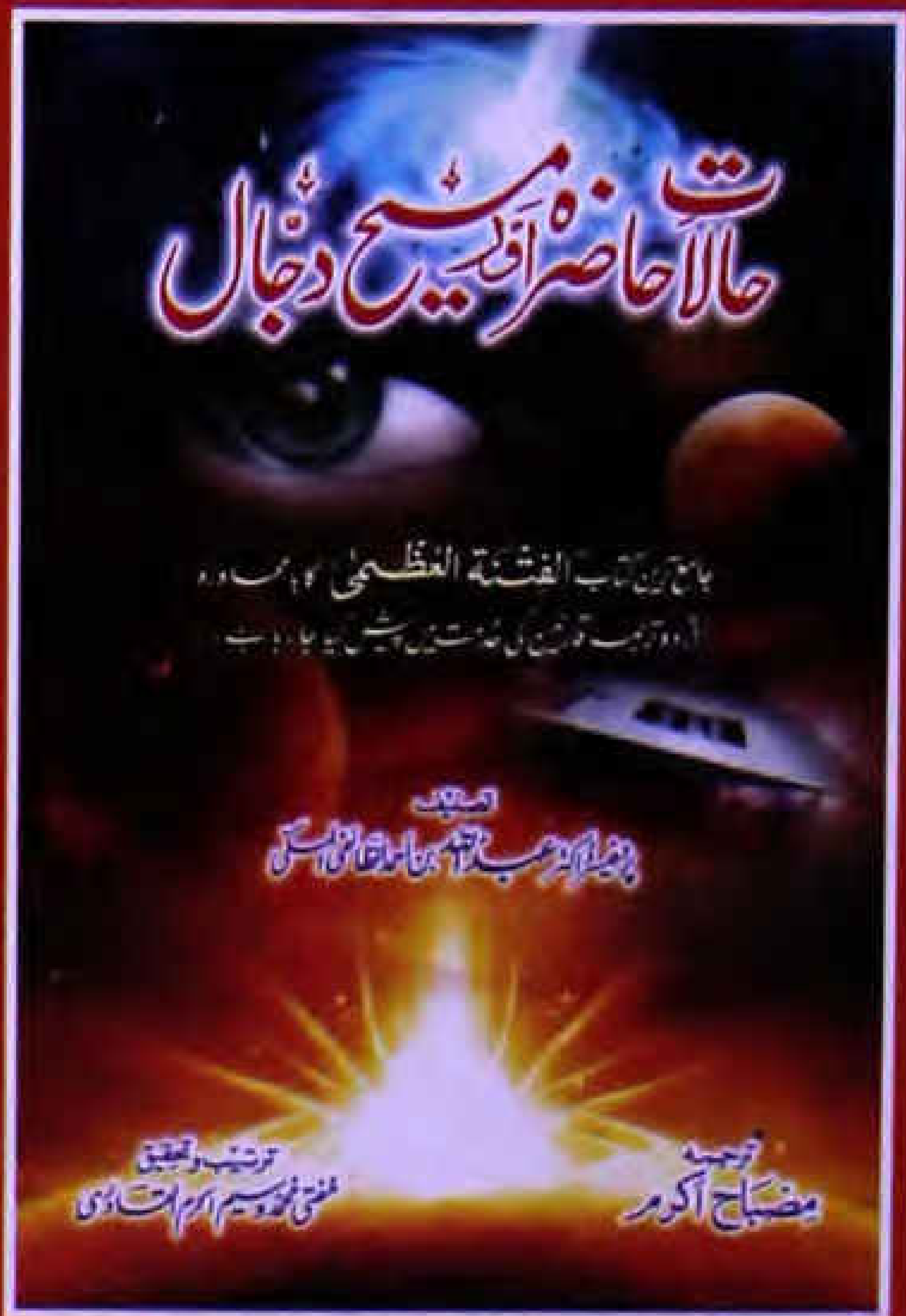
''لوگ سمجھتے ہیں تعدد ازدواجی اور وحدت ازدواجی میں مقابلہ ہے، لیکن یہ غلط ہے۔ اصل میں مقابلہ محدود تعداد ازدواج کا لامحدود حرامکاری سے ہے۔ اسلام بعض سخت شرائط کے تحت محدود تعداد ازدواجی کی اجازت اس لئے دیتا ہے تاکہ لامحدود حرام کاری کا سد باب ہو، لیکن جو وحدت ازدواجی کے قائل ہیں ان کے پاس لامحدود حرامکاری کے انسداد کا کوئی علاج نہیں۔ اس لئے وہ تعدد ازدواجی کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں، مگر یہ آواز بلند نہیں کرتے کہ ایک عورت والے مرد کو دوسری جگہ شہوانی جذبات کی سیری کے لئے منہ کالا نہ کرنا چاہیے۔''

☆☆☆









مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ۔ اردو بازار، لاہور